زمینات ومکانات کے کاروبار سے متعلق مسائل پر مشتمل ایک جامع کتاب

ریئل اسٹیٹ

احکام ومسائل

پسند فرمودہ

عارف باللہ حضرت مولانا شاہ محمد جمال الرحمٰن صاحب دامت برکاتہم

صدر دینی مدارس بورڈ وصدر مجلس تحفظ ختم نبوت تلنگانہ وآندھرا

تقریظ

فقیہ العصر حضرت مولانا خالد سیف اللہ رحمانی حفظہ اللہ ورعاہ

جنرل سکریٹری مسلم پرسنل لا بورڈ، ناظم المعہد العالی الاسلامی حیدرآباد

مؤلفین

مفتی ابوبکر جابر قاسمی

مفتی رفیع الدین حنیف قاسمی

فیصل انٹرنیشنل دہلی

زمینات و مکانات کے کاروبار سے متعلق مسائل پر مشتمل ایک جامع کتاب

رئیل اسٹیٹ
احکام و مسائل

زمین کے اقسام، فن تعمیر اور شہری منصوبہ بندی سے متعلق مسلمانوں کے کارنامے، مذموم تعمیر، ناجائز قبضے اور جبری معاملے، زمین و مکانات کی خرید و فروخت، دلالی، ٹھیکیداری، پاٹنر شپ، اور اس کے لئے سودی قرض اور ان کی زکوۃ کے احکام کو مفصل مدلل لکھا گیا، بکثرت پیش آنے والے مسائل، رئیل اسٹیٹ سے جڑی ہوئی قیمتی اہم ہدایات، ظلم سے روکنے والے ترغیبی و ترہیبی واقعات کا ایک مستند ذخیرہ بھی ہے جو اس شعبہ کی بدعنوانیوں کی روک تھام کا ان شاء اللہ ذریعہ ہوگا۔

پسند فرمودہ

عارف باللہ حضرت مولانا شاہ محمد جمال الرحمن صاحب دامت برکاتہم

صدر دینی مدارس بورڈ و صدر مجلس تحفظ ختم نبوت تلنگانہ و آندھرا

تقریظ

فقیہ العصر حضرت مولانا خالد سیف اللہ رحمانی حفظہ اللہ ورعاہ

جنرل سکریٹری مسلم پرسنل لاء بورڈ، ناظم المعہد العالی الاسلامی حیدرآباد

مؤلفین

مفتی ابوبکر جابر قاسمی   **مفتی رفیع الدین حنیف قاسمی**

ناشر

دار الدعوۃ والارشاد، یوسف گوڑہ، حیدرآباد

پہلا ایڈیشن: ۱۴۴۱ھ = ۲۰۲۰ء

نام کتاب	:	رئیل اسٹیٹ - احکام ومسائل
مصنفین	:	مفتی ابوبکر جابر قاسمی/مفتی رفیع الدین حنیف قاسمی
پسندفرمودہ	:	عارف باللہ حضرت مولانا شاہ محمد جمال الرحمن صاحب دامت برکاتہم صدر دینی مدارس بورڈ وصدر مجلس تحفظ ختم نبوت تلنگانہ وآندھرا
تقریظ	:	فقیہ العصر حضرت مولانا خالد سیف اللہ رحمانی حفظہ اللہ ورعاہ جنرل سکریٹری مسلم پرسنل لاء بورڈ، ناظم المعہد العالی الاسلامی حیدرآباد
صفحات	:	545
تعداد	:	1000
کتابت وگرافکس	:	قبا گرافکس، حیدرآباد، فون:8801198133
قیمت	:	??
ناشر	:	دارالدعوۃ والارشاد، یوسف گوڑہ، حیدرآباد

ملنے کے پتے:









اجمالی فہرست

تفصیلی فہرست	۵	تا	۲۳
تقریظ (حضرت مولانا شاہ محمد جمال الرحمن صاحب دامت برکاتہم)	۲۴	تا	۲۵
تقریظ (حضرت مولانا خالد سیف اللہ رحمانی حفظہ اللہ ورعاہ)	۲۶	تا	۲۹
پیش لفظ	۳۰	تا	۳۱
اسلام میں زمینوں کی قسمیں	۳۲	تا	۵۰
فن تعمیر، مسلمانوں کے کارنامے	۵۱	تا	۵۵
شہری منصوبہ بندی اور اسلام	۵۶	تا	۶۹
مختصر بنیادی اصول	۷۰	تا	۷۱
کونسی تعمیر مذموم؟	۷۲	تا	۹۲
گھر کیسے بنائیں؟	۹۳	تا	۱۰۲
نئے گھر بنانے پر دعوت	۱۰۳	تا	۱۰۵
ناجائز قبضے اور جبری معاملے	۱۰۶	تا	۱۱۷
ظالموں کا انجام: قرآن وحدیث اور سچے واقعات کی روشنی میں	۱۱۸	تا	۱۸۸
ایک مشفقانہ ہدایت	۱۸۹	تا	۱۹۰
اسلام اور پختگی معاملہ	۱۹۱	تا	۱۹۹
کچھ مفید تجربات	۲۰۰	تا	۲۰۶

❁ زمینات ومکانات کے مشترکہ مسائل	۲۰۷	تا	۲۴۷
❁ زمینات کے احکام	۲۴۸	تا	۲۶۸
❁ مکانات کی تعمیر کے احکام	۲۶۹	تا	۲۸۵
❁ حق شفعہ اسرار واحکام	۲۸۶	تا	۲۹۲
❁ مضاربت وشرکت کے بنیادی اصول	۲۹۳	تا	۳۴۰
❁ زمین میں شرکت ومضاربت کے مروجہ طریقے	۳۴۱	تا	۳۴۵
❁ ٹھیکیداری کے احکام	۳۴۶	تا	۳۷۹
❁ مندر بنا کر دینا	۳۸۰	تا	۳۸۹
❁ ہاؤس فائنانسنگ کے چند طریقے	۳۹۰	تا	۴۰۰
❁ اجارہ اور کرایہ داری کے احکام	۴۰۱	تا	۴۲۰
❁ دلالی کے احکام	۴۲۱	تا	۴۵۱
❁ کمیشن ایجنٹ	۴۵۲	تا	۴۶۲
❁ مکانات کے لئے سودی قرض کے احکام	۴۶۳	تا	۴۶۹
❁ قرض لینے کے آداب واحکام	۴۷۰	تا	۵۰۳
❁ قرض دینے کے آداب واحکام	۵۰۴	تا	۵۱۰
❁ زمینات ومکانات کی زکوۃ	۵۱۱	تا	۵۲۳
❁ دفع شیاطین کے مسنون طریقے	۵۲۴	تا	۵۳۲
❁ مصادر ومراجع	۵۳۳	تا	۵۴۴

تفصیلی فہرست

- تقریظ (حضرت مولانا شاہ محمد جمال الرحمن صاحب دامت برکاتہم) ۲۴
- تقریظ (حضرت مولانا خالد سیف اللہ رحمانی حفظہ اللہ ورعاہ) ۲۶
- پیش لفظ ۳۰
- **اسلام میں زمینوں کی قسمیں** ۳۲
- ۱۔مملوکہ زمین ۳۲
- ۲۔عُشری زمین ۳۳
- ۳۔خَراجی زمین ۳۳
- ہندوستانی اراضی کا حکم ۳۴
- ۴۔بنجر زمین ۳۴
- ۵۔موقوفہ سرزمین ۳۵
- ۶۔حِمی اور مَرافق (حدبندی کی ہوئی اور لوگوں کے منافع کی مختص زمینیں) ۳۵
- ۷۔بازآبادکاری (بنجر زمین کو آباد کرنا) ۳۶
  - بنجر زمین کو آباد کرنے کے شرعی احکام ۳۷
  - بنجر زمین کو آباد کرنے کے فائدے ۳۹
  - ۱۔روزگار کے مواقع ۳۹
  - ۲۔فرد کو کام پر ابھارنا ۳۹

۳۔ اقتصادی ترقی اور خوش حالی ۴۰
۴۔زمین کی آبادکاری اور قابل استعمال اراضی میں اضافہ ۴۰
۵۔اجر کا حصول ۴۱
باز آباد کاری مندوب ہے یا مباح؟ ۴۱
باز آباد کاری کے لئے امام کی اجازت کی شرط ۴۲
موجودہ دور میں زمین کی باز آباد کاری ۴۶
زمین کی باز آباد کاری کی بعض صورتیں ۴۷
۱۔رہائشی زمینیں ۴۷
۲:زرعی زمینیں ۴۸
۸۔امدادی زمینات ومکانات ۴۸
فن تعمیر، مسلمانوں کے کارنامے ۵۱
شہری منصوبہ بندی اور اسلام ۵۶
۱۔مسجد ۵۶
۲۔بیت الامارت ۵۸
معاشرتی اسباب ۶۰
۳۔سڑکیں اور میدان ۶۲
مختصر بنیادی اصول ۷۰
کونسی تعمیر مذموم؟ ۷۲
صحابہ اور اکابر کا نمونہ ۷۷
عبرت وبصیرت کا مرقع ۷۸
عبرتناک تعمیرات ۷۸
تہذیب اسلامی کے گہرے نقوش ۷۹

- حضرت عالمگیر کا علمی کارنامہ ۸۰
- تعمیرات اور اکابرین امت ۸۲
- حضرت خباب بن ارت رضی اللہ عنہ کا ارشاد ۸۲
- حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ کا نظریہ ۸۲
- حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ کا گھر اور جائیداد ۸۳
- حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ کا معمول ۸۴
- حضرت ابوالدرداء رضی اللہ عنہ کو حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی تنبیہ ۸۴
- دنیا کو اجاڑنے کا حکم ۸۵
- حضرت خارجہ بن حذافہ کو حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی تنبیہ ۸۶
- جب کوفہ کے گورنر نے مکان بنانے کی اجازت مانگی ۸۶
- فرعون جیسے لوگ ۸۶
- بڑی لمبی اور دور کی امیدیں ۸۷
- حضرت ابوعبیدہ بن جراح رضی اللہ عنہ کا نظریہ ۸۷
- ذرا سوچیے! ۸۷
- مکان ایسا بنانا چاہیے کہ جو مکین کو نہ لے بیٹھے ۸۸
- اللہ اس کا مال گارے اور مٹی میں لگاتے ہیں؟ ۸۹
- **گھر کیسے بنائیں؟** ۹۳
- تعمیر مکان: اصولی ہدایات ۹۶
- **نئے گھر بنانے پر دعوت** ۱۰۳
- **ناجائز قبضے اور جبری معاملے** ۱۰۶
- ناجائز قبضہ نہ کریں ۱۰۸
- جبرا زمین کی خرید وفروخت ۱۱۳

ظالموں کا انجام:

قرآن وحدیث اور سچے واقعات کی روشنی میں ۱۱۸
- ظلم کی مذمت میں چند اقوال ۱۱۹
- بددعا کرنا بدلہ لینا ہے ۱۲۱
- سب ظالم ہو گئے ۱۲۲
- مظلوم ظالم بن جاتا ہے ۱۲۴
- مظلوم کی بددعا سے بچو ۱۲۴
- بادشاہ کی ظلم سے توبہ ۱۲۵
- ظلم کا انجام ۱۲۶
- حضرت امیر معاویہ کا اپنے لڑکے کے خلاف فیصلہ ۱۲۷
- ابوعبید علی بن حسین کا واقعہ ۱۲۸
- بادشاہ کی ہلاکت ۱۲۸
- ایک مظلوم شخص ۱۳۰
- ظالم کی موت ۱۳۱
- عدل سے ہی ملک ہے ۱۳۲
- ایک بیوہ کی آزادانہ فریاد ۱۳۳
- قاضی منذر کا فیصلہ ۱۳۵
- ایک غریب بیوہ کا جھونپڑا ۱۳۶
- اللہ کی پکڑ کافی ہے! ۱۳۷
- ظالم کا جسم جیل خانہ بن گیا ۱۳۸
- ظالم ترین حجاّج بن یوسف کا انجام ۱۳۹
- ناپ تول میں کمی کرنے والوں کے لیے بطورِ خاص ۱۴۰

۞ صحابی رسول ﷺ کی بددُعا ۱۴۲
۞ ظالم حکمرانوں کی پکڑ ۱۴۳
۞ نہ بادشاہ رہا نہ محل ۱۴۴
۞ گردش زمانہ ۱۴۵
۞ نقد سزا ۱۴۵
۞ حرام لقمہ ۱۴۶
۞ انانیت کا نشہ ۱۴۸
۞ وہ بھی ظلم میں شریک ہے ۱۴۹
۞ صرف خالق سے امید ۱۵۰
۞ تکلیف دہ موت ۱۵۱
۞ بد دعا نہ پسند ۱۵۲
۞ ظلم نے قبولیتِ دعا کو روک دیا ۱۵۳
۞ ظالم کے حق میں دعا مردود ۱۵۵
۞ زمین کا قاضی آسمان کا قاضی ۱۵۵
۞ اوپر والا دیکھ رہا ہے ۱۵۶
۞ ولی کو پریشان نہ کرو ۱۵۷
۞ بددعا کیوں قبول نہیں ہوتی؟ ۱۵۸
۞ دکھے دلی کی آہ سے بچ گیا ۱۵۹
۞ خوشہ اتر آیا ۱۶۰
۞ مظلوم سے معافی ۱۶۲
۞ پیاس نہیں بجھتی ۱۶۳
۞ ظلم کبھی نہیں چھپتا ۱۶۳

مظلوم کی بددعا کے بارے میں چند انوکھے اشعار	۱۶۵
کمزور طاقتور سے اپنا حق کیسے لیتا ہے؟	۱۶۶
دھوکہ واپس آئے گا	۱۶۶
وعدہ خلافی نہ کیجئے	۱۶۷
قناعت اختیار کیجئے	۱۷۰
حرص نہ کیجئے	۱۷۳
ایک بادشاہ ووزیر	۱۷۷
ایک حیرت انگیز واقعہ	۱۷۷
اپنا وقار مجروح نہ کیجئے	۱۷۸
جھوٹ اور مکر نہ کیجئے!	۱۷۹
کسی کمی اور عیب کو نہ چھپاؤ	۱۸۱
عیب ظاہر کر کے بیچنے میں برکت ہے	۱۸۲
خرید وفروخت میں فسخ کا اختیار	۱۸۳
خیار عیب کی اہمیت	۱۸۴
خیار رویت کے فوائد	۱۸۵
بھاؤ پر بھاؤ مت لگاؤ	۱۸۶
اقالہ کی فضیلت	۱۸۶
کاروبار اور بھی ہیں	۱۸۸
ایک مشفقانہ ہدایت	۱۸۹
اسلام اور پختگی معاملہ	۱۹۱
۱۔تحریر وکتابت	۱۹۲
۲۔رہن	۱۹۲

- ۳۔گواہی کے ذریعہ پختگی معاملہ ۱۹۳
- تحریری گواہی کے ذریعے معاملے کی پختگی ۱۹۴
- پختگی معاملہ کے عصری طریقے ۱۹۸
- ا۔شخصی رجسٹری ۱۹۸
- ۲۔متعین رجسٹری ۱۹۸
- **کچھ مفید تجربات** ۲۰۰
- فروخت کرنے والے اور خریدنے والے کے لئے مفید مشورے ۲۰۰
- **زمینات ومکانات کے مشترکہ مسائل** ۲۰۷
- قبضے سے پہلے زمین کی خرید وفروخت ۲۰۷
- رجسٹری کا حکم ۲۰۸
- رجسٹری کے بغیر خرید کر بیچنا ۲۱۲
- فروخت کرنے کے بعد رجسٹری نہ کرانا ۲۱۳
- رجسٹری پر دستخط کے عوض کچھ لینے کا حکم ۲۱۳
- مکان کے فائل کی فروختگی ۲۱۴
- رشوت لے کر فائلیں بنانا ۲۱۷
- عربون اور ہامش الجدیہ (بیعانہ اور ڈپازٹ) ۲۱۹
- بیع بالوفاء ۲۲۳
- بیع استغلال ۲۲۷
- قبضہ کردہ زمین کی خرید وفروخت ۲۲۹
- وقف کی زمین خریدنا ۲۳۱
- موروثی زمین تقسیم سے پہلے ۲۳۴
- حرام مال سے خریدی ہوئی زمین ۲۳۵

۞ منظور شدہ پلان کی خلاف ورزی ۲۳۷
۞ منصوبہ میں مسجد کا حکم ۲۴۱
۞ نمبر پر پلاٹ بیچنا ۲۴۳
۞ مجھ سے ہی بیچنا ۲۴۵
۞ قسط وقت پر ادا نہ کریں ۲۴۷
۞ **زمینات کے احکام** ۲۴۸
۞ سرکاری افتادہ زمین کی خرید وفروخت ۲۴۸
۞ ادھار خریدی ہوئی زمین میں مالک کی اجازت سے کھیتی ۲۵۱
۞ والدہ کا حالت صحت میں اپنی جائیداد بیچنا ۲۵۲
۞ قسطوار فروخت کرنے والی کمپنی کا ممبر بننا ۲۵۲
۞ مالک زمین کا بلڈر سے فلیٹس خریدنا ۲۵۵
۞ زمین اور قیمت نامعلوم ۲۵۶
۞ کثرت سے پیش آنے والی چند صورتیں ۲۵۷
۞ غیر متعین زمین کی خرید وفروخت ۲۶۲
۞ کرایہ پر دی گئی زمین کی بیع کرنا ۲۶۴
۞ دوسرے کے نام پر گھر خریدنا ۲۶۴
۞ بڑی سڑک اور گلی کوچوں کا فرق اور بیع کا حکم ۲۶۵
۞ ٹوکن دے کر زمین کی خرید وفروخت ۲۶۶
۞ **مکانات کی تعمیر کے احکام** ۲۶۹
۞ فلیٹ بنانے کے احکام ۲۶۹
۞ فلیٹس کے شرعی احکام ۲۷۰
۞ فلیٹس کی خرید وفروخت ۲۷۱

۞ فلور یا فلیٹ کے مالک کا زمینی حصہ ۲۷۳
۞ فلیٹس کے مستقل اور علاحدہ اجزاء کی ملکیت کے حقوق ۲۷۳
۞ علاحدہ اجزاء میں مالکین کے حقوق ۲۷۴
۞ مستقل ملکیت والے اجزاء میں مالکین کے حقوق ۲۷۵
۞ ا۔ملکیت کی منتقلی ۲۷۵
۞ ۲۔رہن ۲۷۵
۞ ۳۔تعمیر میں درستگی اور انہدام کی کاروائی ۲۷۵
۞ ۴۔انشورنش ۲۷۶
۞ (۱)چند عمومی قسم کے تصرفات جس کی اجازت نہیں ہے ۲۷۶
۞ (۲)خاص قیود وتصرفات ۲۷۷
۞ (۳)یونٹ اور فلیٹ کی حفاظت ۲۷۷
۞ اجزاء مشترکہ میں مالکوں کے حقوق ۲۷۸
۞ کل قیمت کی ادائیگی سے پہلے مکان کا استعمال ۲۷۹
۞ ہاؤس ریکوزیشن ۲۷۹
۞ بلڈنگ کی تعمیر سے پہلے فلیٹوں کی خرید وفروخت ۲۸۰
۞ ڈیولپمنٹ کے دوطریقے ۲۸۳
۞ **حق شفعہ اسرار واحکام** ۲۸۶
۞ حق شفعہ کی مشروعیت ۲۸۶
۞ شفعہ کے اسباب ۲۸۷
۞ حق شفعہ طلب کرنے کا طریقہ ۲۸۸
۞ چند اہم شرطیں ۲۸۸
۞ شفعہ کب ساقط ہوتا ہے؟ ۲۸۹

- تبادلہ جائیداد میں بھی حق شفعہ ۲۸۹
- وقف کی زمین میں شفعہ کا حکم ۲۸۹
- فلور اور فلیٹس میں حق شفعہ ۲۹۰
- فلیٹس اور فلور کے انہدام کے بعد مالکین کے حقوق ۲۹۱
- **مضاربت وشرکت کے بنیادی اصول** ۲۹۳
- منافع کی تقسیم کے بنیادی اصول ۲۹۴
- نقصان کی تقسیم کے بنیادی اصول ۲۹۸
- فسخِ شرکت اور اس کے بنیادی اصول ۳۰۰
- ۱۔شرکت کے مقاصد کی تکمیل ۳۰۰
- ۲۔فریقین کا شرکت کو فسخ کرنا ۳۰۰
- کئی ایک شرکاء ہوں ۳۰۲
- ۳۔جبری فسخ ۳۰۳
- شرکت کے اثاثوں کا تصفیہ ۳۰۶
- شرکت کے اثاثوں کی اکثر شرکاء کے مطالبہ پر تقسیم کی شرط ۳۰۹
- مضاربت کے احکام ۳۱۰
- مُضاربت کا مطلب ۳۱۰
- مضاربت کی قسمیں ۳۱۱
- سرمایہ کی تفصیل ۳۱۱
- مضاربت کے اخراجات ۳۱۳
- نفع اور نقصان کی تقسیم ۳۱۴
- مضاربت کا اختتام ۳۱۶
- مضاربت کی مختلف حیثیتیں ۳۱۷

۞ ۱-امین (Trustee) ۳۱۸
۞ ۲۔وکیل (Agent) ۳۱۸
۞ ۳۔شریک (Partner) ۳۱۸
۞ ۴۔ضامن (Liable) ۳۱۹
۞ ۵۔اجیر (Employee) ۳۱۹
۞ مشارکہ یعنی شرکت اور مضاربہ کا مجموعہ اور اس کے احکام ۳۲۰
۞ تجارت میں فیصد طے کر کے شرکت کرنے کا حکم ۳۲۲
۞ ذاتی اور مشترک رقم سے خریدی گئی زمین کا مالک کون؟ ۳۲۳
۞ ایک شریک کا دوسرے کو اجارہ پر رکھنا ۳۲۳
۞ مسلم کا کافر و مشرک کے ساتھ مشترکہ تجارت کرنے کا حکم ۳۱۴
۞ چند آدمیوں کا حلال وحرام مال سے تجارت میں شرکت کرنا ۳۲۵
۞ کسی ایک شریک کا دوران شرکت انتقال ہو جائے تو کیا حکم ہے؟ ۳۲۵
۞ باپ کی فیملی میں رہتے ہوئے حاصل شدہ جائیداد میں دیگر ورثا کا حق ۳۲۸
۞ نفع ونقصان میں شرکت کے بغیر ماہانہ تین ہزار منافع دینے کی شرط لگانا؟ ۳۲۹
۞ مضاربت وشرکت کے چند متفرق مسائل ۳۳۰
۞ **زمین میں شرکت ومضاربت کے مروجہ طریقے** ۳۴۱
۞ پہلی صورت ۳۴۱
۞ دوسری صورت ۳۴۳
۞ تیسری صورت ۳۴۴
۞ **ٹھیکیداری کے احکام** ۳۴۶
۞ استصناع کے احکام ومسائل ۳۴۶
۞ کیا استصناع عقد لازم ہے ۳۵۱

❁ استصناع اور سلم میں فرق	۳۵۵
❁ استصناع اور اجارہ میں فرق	۳۵۵
❁ تاخیر کا معاوضہ	۳۵۸
❁ ا۔شرط جزائی (تاخیر کے بدلے کی شرط)	۳۵۹
❁ ۲۔صلح	۳۶۱
❁ کسی عذر کی وجہ سے مکان کی فراہمی میں تاخیر	۳۶۲
❁ وقت مقررہ پر مکان کی عدم تعمیر پر کرایہ کا حکم	۳۶۲
❁ استصناع کی دوصورتیں	۳۶۵
❁ بینکاری میں استصناع کی ایک جائز صورت	۳۶۶
❁ الاستصناع المتوازی	۳۶۷
❁ جواز کی شرط	۳۶۸
❁ گھر بنانے میں استصناع	۳۶۹
❁ عقد استصناع میں بیعانہ ضبط کرنے کا حکم	۳۷۰
❁ عقد استصناع میں مکان پر قبضہ سے پہلے فروختگی	۳۷۱
❁ ٹھیکداروں کو رشوت دینا	۳۷۳
❁ خلاصہ کلام	۳۷۵
❁ **مندر بنا کر دینا**	۳۸۰
❁ عام اغراض میں استعمال کے لئے مکان بنانا	۳۸۰
❁ مخصوص معصیت والے عبادت گاہوں کی شکل میں مکان بنانا	۳۸۲
❁ مندر کی تعمیر میں مزدوری کرنا	۳۸۳
❁ بینک کے لئے مکان کرایہ پر دینا	۳۸۳
❁ مسئلہ کی تفصیل	۳۸۶

- امام اعظم رحمہ اللہ کی مذہب کی وضاحت: ۳۸۷
- جائز اور مباح کے معنی ۳۸۹
- **ہاؤس فائنانسنگ کے چند طریقے** ۳۹۰
- ہوم لون کی جائز اور ناجائز صورت ۳۹۱
- ہاؤس فائنانسنگ کے چند جائز طریقے ۳۹۱
- (۱) بیع موجل ۳۹۲
- (۲) شرکتِ متناقصہ ۳۹۶
- **اجارہ اور کرایہ داری کے احکام** ۴۰۱
- کرایہ داری میں ڈپازٹ کی شرعی حیثیت ۴۰۱
- پٹہ (اجرت) دوامی کی صورت ۴۰۷
- پٹہ دوامی میں حقِ وراثت کا مسئلہ ۴۱۱
- کسی سے مکان کرایہ پر لے کر آگے دوسرے کو کرایہ پر دینا ۴۱۳
- مالک مکان کا سال یا مہینہ میں کرایہ بڑھانا ۴۱۵
- دوکان کے سامنے اشیاء فروخت کرنے پر کرایہ ۴۱۶
- عمارت کی مرمت کا خرچہ مالک بلڈنگ پر ۴۱۶
- مکان خالی کرنے کے عوض مالک سے رقم کا مطالبہ ۴۱۶
- گورنمنٹ کوارٹرس کرایہ پر دینے کا مسئلہ ۴۱۷
- فوجی محکمہ جات ۴۱۷
- سول محکمہ جات ۴۱۸
- اجارہ منسوخ کرنے پر رقم ضبط کر لینے کا حکم ۴۱۸
- مستاجر پر مرمت کی شرط لگانے کا حکم ۴۱۹
- زراعت پر لی ہوئی زمین کا فسخِ اجارہ ۴۱۹

- کاشت کی زمین کے چند شرائط ۴۲۰
- **دلالی کے احکام** ۴۲۱
- دلال اور سمسار کے معنی ۴۲۲
- دلال اور کمیشن ایجنٹ کا مطلب ۴۲۲
- دلالی کی مشروعیت ۴۲۳
- دلالی کی صورتیں ۴۲۵
- دلالی کے عمل کی دو صورتیں ہیں ۴۲۶
- مقید بالزمان (زمانہ کے ساتھ محدود) دلالی کی صورت ۴۲۸
- بروکریج (Brokerage) ۴۲۸
- دلالی کی اجرت متعین کرنا ۴۲۹
- زمین کی دلالی ۴۳۱
- دلال کو کن تصرفات کی اجازت ہے؟ ۴۳۳
- دلال کی ذمہ داریاں ۴۳۴
- دلال کا اپنے مالک کی خلاف ورزی کرنا؟ ۴۳۵
- دلالی والی شیء میں شفعہ کا حق ۴۳۶
- دلالوں کی پاٹنر شپ ۴۳۷
- فیصد اور پرسنٹیج پر دلالی ۴۳۸
- متعین قیمت سے زائد دلال کے لئے؟ ۴۴۱
- دلال کو بیان کردہ قیمت سے زائد کا ایک حصہ دینا ۴۴۲
- دلال اجرت کا مستحق کب ہوگا؟ ۴۴۴
- کام مالک یا دوسرے دلال سے؟ ۴۴۴
- دلالی میں عقد فاسد ہو جائے تو دلال کی اجرت کا حکم ۴۴۶

❁ اجرت کے لئے دلالی والی چیز کو روکے رکھنا	۴۴۸
❁ اگر دلالی میں عقد فاسد ہو جائے تو اجرت کا حکم	۴۴۹
❁ عیب کی وجہ سے دلالی کا باطل ہونا	۴۵۰
❁ **کمیشن ایجنٹ**	۴۵۲
❁ کمیشن ایجنٹ کی اجرت کا جواز	۴۵۵
❁ (۱) اجرت کی جہالت	۴۵۵
❁ کمیشن ایجنٹ کے متعلق ادارۃ المباحث الفقہیہ کی تجاویز	۴۵۷
❁ اجرت علی الوکالۃ	۴۶۰
❁ اجرت علی الکفالۃ (ضمانت اور گارنٹی پر اجرت)	۴۶۱
❁ **مکانات کے لئے سودی قرض کے احکام**	۴۶۳
❁ **قرض لینے کے آداب واحکام**	۴۷۰
❁ کن مجبوریوں میں قرض لے سکتا ہے؟	۴۷۰
❁ قرض مانگنے سے دکھ ہونے پر نصرت الٰہی	۴۷۱
❁ رونے سے قرض کی ادائیگی کا غیبی انتظام	۴۷۳
❁ نیک کام کے لئے قرض میں برکت	۴۷۴
❁ مجبوری اور نیک کام کے لئے قرض لینا	۴۷۴
❁ قرض کا غیبی انتظام	۴۷۵
❁ حضرت یحیٰ بن معاذ کے قرض کا غیب سے انتظام	۴۷۶
❁ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا مقروض ہونا	۴۷۶
❁ محمد بن علی رضی اللہ عنہ کا مقروض رہنا	۴۷۶
❁ حضرت امام احمد بن حنبل قرض لینے سے راضی نہ ہوئے	۴۷۷
❁ ابراہیم ادہم رحمہ اللہ قرض لینے کا ارادہ کر کے بہت روئے	۴۷۷

- ہڈیاں نکل آئیں مگر قرض نہیں لیا ۴۷۸
- حضرت سفیان ثوری بغیر قرض کے فاقہ ۴۷۹
- قرض ادا کرنے کا اہتمام کیجئے؟ ۴۷۹
- عبادت قرض اور گناہ کی معافی ۴۷۹
- قرض کی ادائیگی کا انتظام کئے بغیر مرجانا ۴۷۹
- رسول اللہ ﷺ مقروض کی نماز جنازہ نہیں پڑھاتے ۴۸۰
- فتوحات کا زمانہ اور میت کا قرض ۴۸۱
- سارے کام چلاتے مگر قرض ادا نہیں کرتے ۴۸۲
- بلا مجبوری کے لئے ہوئے قرض کو اللہ بھی معاف نہیں کرے گا ۴۸۲
- جہنم کے پُل پر پوچھا جائے گا تم پر قرضہ کتنا تھا ۴۸۳
- حضور ﷺ قرض ادا کرنا ۴۹۴
- حقوق کی ادائیگی کا بے مثال واقعہ ۴۹۴
- ایک درہم ادا کرنے کے لئے افریقہ پہنچے ۴۸۵
- حضرت عبداللہ بن ابی حدرد رضی اللہ عنہ نے چادر بیچ کر قرض ادا کیا ۴۸۵
- کفر اور قرض سے پناہ ۴۸۶
- معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ کے قرض کی ادائیگی ۴۸۷
- حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ کے والد کے قرض کی ادائیگی ۴۸۷
- سمندر پار ہزار دینار قرض کی ادائیگی ۴۸۸
- حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی قرض کی پوری ادائیگی ۴۹۰
- قرض کی ادائیگی کے لئے مال روکو ۴۹۰
- مرض الوفات میں حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کا قرض کی فکر ۴۹۰
- وصیت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو ۴۹۱

- فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کا انتقال کے وقت قرض کی فکر کرنا ۴۹۱
- حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی قرض کی ادائیگی ۴۹۱
- مسلم بن عقیل کا قرض کی ادائیگی کی وصیت کرنا ۴۹۲
- حضرت علی رضی اللہ عنہ کا قرض جائیداد بیچ کر ادا کیا گیا ۴۹۲
- حضرت ابوایوب انصاری رضی اللہ عنہ کے قرض کی ادائیگی ۴۹۳
- معینہ مدت سے پہلے مطالبہ کرنا ۴۹۳
- لکھنے لکھانے کی ذمہ داری ۴۹۳
- تحریری شہادت کے ساتھ قرض لینے کی ایک یادگار تحریر ۴۹۴
- قدرت کے باوجود قرض کی عدم ادائیگی پر شدت ۴۹۴
- قدرت کے باوجود ادائیگی میں تاخیر ۴۹۵
- مقروض سے مطالبہ میں شدت کرنا ۴۹۵
- مقروض کو سفر سے روکنا ۴۹۶
- مقروض کو عدم ادائیگی پر قید کرنا ۴۹۶
- کتنی مقدار قرض پر مقروض کو قید کیا جائے گا؟ ۴۹۸
- کب تک مقروض کو قید میں رکھا جائے گا؟ ۴۹۹
- علامہ ابن سیرین رحمہ اللہ مدت دراز تک جیل میں ۵۰۰
- تاخیر کرنے والے مقروض کے اموال کو منجمد کرنا ۵۰۰
- زبردستی قرض کی ادائیگی ۵۰۱
- ادائیگی قرض میں تاخیر اور تاخیر کی وجہ سے نقصان کا عوض ۵۰۱
- تقاضے سے بچنے کے لئے موبائیل بند کرنا ۵۰۳
- **قرض دینے کے آداب واحکام ۵۰۴**
- مطالبہ قرض کا طریقہ ۵۰۴

- مقروض کومہلت دینا ۵۰۵
- معینہ مدت پوری ہونے پہلے جبراوصولیابی ۵۰۶
- قرض میں تخفیف کرنا ۵۰۶
- مہلت دینے یا معاف کرنے والے کوعرش کا سایہ ۵۰۷
- قیامت کی پریشانیوں سے نجات ۵۰۷
- حضرت عثمان غنی ؓ کا پچاس ہزار درہم معاف کرنا ۵۰۸
- حضرت عبداللہ بن جعفر ؓ قرض معاف کرنا ۵۰۸
- امام اعظم ؒ کے مقروض مجوسی کا مسلمان ہونا ۵۰۹
- **زمینات ومکانات کی زکوۃ** ۵۱۱
- مسئلہ نمبر (۱) فلیٹ اور بلڈنگ کے خریداروں کی پیشگی رقم پر زکوۃ ۵۱۶
- مسئلہ نمبر (۲) زیر تعمیر عمارت یا ناقص عمارت پر زکوۃ ہے ۵۱۷
- مسئلہ نمبر (۳)۔کونسی قیمت کا اعتبار کیا جائے؟ ۵۱۷
- استصناع کے لئے دی ہوئی رقم میں زکاۃ ۵۱۹
- تجارتی فلیٹ عارضی طور پر کرایہ پر دینے میں زکاۃ کا حکم ۵۲۰
- کرایہ پر قبضہ سے پہلے زکاۃ نہیں ۵۲۰
- دین کی دو بنیادی قسمیں ۵۲۱
- **دفع شیاطین کے مسنون طریقے** ۵۲۴
- آیت الکرسی کی فضیلت ۵۲۴
- شیطان گھر میں نہیں آتا ۵۲۵
- رات کے وقت گھر کے اعمال ۵۲۷
- جب گھر میں داخل ہوتو یہ دعا پڑھے ۵۲۷
- گھر سے نکلتے ہوئے یہ کہے ۵۲۸

- شیطان کے دفاع کے وظائف ۵۲۹
- شیطان کے سامنے ذکر اللہ کا قلعہ ۵۳۰
- معوذتین کے ذریعے جنات اور انسانوں سے پناہ ۵۳۰
- نماز کے ذریعے پناہ ۵۳۰
- شیطان کا تخت ۵۳۲
- مصادر ومراجع ۵۳۳

بسم اللہ الرحمن الرحیم

تقریظ

عارف باللہ حضرت مولانا شاہ محمد جمال الرحمن صاحب دامت برکاتہم

صدر دینی مدارس بورڈ وصدر مجلس تحفظ ختم نبوت تلنگانہ وآندھرا

اسلام میں اکل حلال کی اس درجہ اہمیت ہے کہ اعمال صالحہ کا صدور اور اعمال صالحہ کا قبول اس پر موقوف ہے، اس لئے فقہاء کرام نے نہایت تفصیل کے ساتھ اس کے مسائل کو بیان کیا ہے، اور ضخیم ضخیم کتابیں لکھی ہیں، کسب حلال کی متعدد شکلیں ہیں، کسب معاش کے بیسیوں شعبے ہیں، ہر شعبہ سے متعلق سینکڑوں مسائل ہیں جو جس شعبہ کو ذریعہ کے طور پر اختیار کر رہا ہے، اس کے لئے لازم ہے کہ اس کے متعلق جو مسائل شرعیہ ہیں ان کو معلوم کرے اور اس کی روشنی میں کاروبار کو انجام دے۔

آج کل رئیل اسٹیٹ کے کاروبار ایک بڑا اور اہم ذریعہ کے طور پر اختیار کئے جارہے ہیں، اس شعبہ کے متعلق مسائل بڑی کتابوں میں بکھرے ہوئے ہیں، جن سے استفادہ کافی دشوار ہوتا ہے۔

الحمد للہ اس سلسلہ میں خاص اس شعبہ سے متعلق مسائل **"رئیل اسٹیٹ-احکام ومسائل"** کے نام عوام سے متعلق نہایت فکر مند مفتیوں میں مفتی ابوبکر جابر قاسمی صاحب اور مفتی رفیع الدین حنیف قاسمی صاحب بھی ہیں، جنہوں نے اب تک کئی کتابیں تالیف فرمائی ہیں، نئی تالیف طباعت کے لئے جارہی ہیں، یہ کتاب تقریبا ساڑھے پانچ سو صفحات پر مشتمل ہے، مرکزی عناوین تقریبا ۳۰ ہیں جب کہ تقریبا ۳۶۰ تفصیلی عناوین کے تحت سینکڑوں مسائل پر مشتمل عظیم علمی ذخیرہ مرتب فرمایا ہے، جو بڑی کاوش اور محنت

سے لکھا گیا ہے،موجودہ دور کی یہ بہت اہم ضرورت ہے۔

بڑی مسرت ہورہی ہے کہ ہمارے نوجوان علماء ملت اسلامیہ کے لئے اس درجہ فکرمند ہیں اوران کی صحیح رہنمائی کے لئے زبردست جدوجہد کررہے ہیں،ضرورت ہے کہ اس سے بھرپور استفادہ کیا جائے۔

اللہ کرے اس کتاب کو قبول عام حاصل ہو،اورکاوش عنداللہ مقبول ہو۔

۸/جمادی الاولی ۱۴۴۱ھ

۴/جنوری/۲۰۲۰م

بسم اللہ الرحمن الرحیم

تقریظ

فقیہ العصر حضرت مولانا خالد سیف اللہ رحمانی حفظہ اللہ ورعاہ

جنرل سکریٹری مسلم پرسنل لاء بورڈ، ناظم المعہد العالی الاسلامی حیدرآباد

اللہ تعالیٰ نے انسان کو جن مادی نعمتوں سے نوازا ہے، ان میں ایک بہت بڑی نعمت زمین ہے، جس پر ہمارا بسیرا ہے، غور کریں تو ہماری تمام مادی ضرورتیں اسی متواضع اور منکسر المزاج زمین سے پوری ہوتی ہیں، نہ سمندر میں ہم اپنی بستی بسا سکتے ہیں، نہ فضاؤں میں مستقل طور پر قیام کر سکتے ہیں، نہ پرندوں کی طرح درختوں میں ہمارے گھونسلے بن سکتے ہیں، اور نہ اونچے نیچے غیر مسطح پتھر کی چٹانوں پر ہم اپنے لئے کوئی سائبان کھڑا کر سکتے ہیں، یہی خاک کا بستر ہے، جس کو اللہ تعالیٰ نے ہمارے لئے آرام کی جگہ بنائی ہے: **وَالْأَرْضَ فَرَشْنٰهَا** (سورۂ ذاریات: ۴۸) پھر انسان کو زندگی بسر کرنے کے لئے تین بنیادی چیزیں مطلوب ہیں:

ہوا- تاکہ وہ سانس لے سکے اور آکسیجن کائنات کے معلوم سیاروں میں صرف سطح زمین ہی پر مہیا ہے۔

پانی- تاکہ انسان اپنی پیاس بجھا سکے، زمین نے اپنے سینے میں اس کا خزانۂ بے کراں جمع کر رکھا ہے، وہ بارش اور برف کو اسٹور کر کے رکھتی ہے، اور سال بھر انسان کو پانی فراہم کرتی ہے۔

غذا- جو زندگی کے لئے ایک ضروری شئی ہے، زمین ہی درختوں اور پودوں کے لئے اپنے سینہ کا چاک ہونا گوارا کرتی ہے، اور انسان جن جانوروں کے گوشت کھاتا

ہے، اس کے لئے بھی چارہ کا انتظام کرتی ہے، شاید اسی لئے فطری طور پر انسان زمین سے بڑی محبت کرتا ہے اور ایک ایک بالشت زمین کے لئے قتل وخون کی نوبت آجاتی ہے۔

شریعت نے بھی زمین سے متعلق احکام کو تفصیل سے بیان کیا ہے، مالکانِ زمین پر کچھ حقوق بھی عائد کئے گئے ہیں، زمین کی ملکیت کے عادلانہ قوانین کی بھی رہنمائی کی گئی ہے اور اس کی خرید وفروخت کے احکام پر بھی روشنی ڈالی گئی ہے، اگر کوئی شخص اس کی تجارت کو سرمایہ کاری کا ذریعہ بناتا ہے تو اس کے کیا کیا قواعد ہوں گے، کہ کسی کے ساتھ ناانصافی نہ ہو، زمین کی بیع اور اس کا اجارہ کس طور پر کیا جائے؟ زمین اور پیداوارِ زمین میں غریبوں کا کیا حق ہے؟ تعمیرِ مکان کی خواہش فطرتِ انسانی کا حصہ ہے؛ لیکن اس خواہش میں حدِ اعتدال کیا ہے؟ یہ اور اس طرح کے ڈھیر سارے مسائل زمین اور اس کی تجارت سے متعلق ہیں۔

آج کی دنیا میں غالباً رئیل اسٹیٹ کا بزنس سب سے کامیاب، زیادہ نفع آور، نسبتاً نقصان کے خطرہ سے محفوظ اور ہر زمانہ اور علاقہ میں قابلِ عمل سمجھا جاتا ہے؛ اسی لئے مسلمانوں کی بھی بہت بڑی تعداد تجارت کے اس میدان میں بھی قسمت آزمائی کر رہی ہے؛ اگرچہ متقدمین کے یہاں اس بات میں اختلاف تھا کہ زائد از ضرورت زمین جس کو مالکِ زمین آباد نہیں کرسکتا، کیا دوسرے کو کرایہ پر دے کر اس سے نفع اُٹھا سکتا ہے، بعض صحابہ اس کے قائل نہیں تھے؛ لیکن جمہور کے نزدیک زمین کو بیچ کر بھی نفع حاصل کیا جاسکتا ہے اور زمین کو کرایہ پر لگا کر بھی؛ لیکن فی زمانہ زمین کو بیچنے، لیز پر دینے اور ڈیولپ کرنے کی متنوع شکلیں رائج ہوگئی ہیں اور اس غرض کے لئے فائنانس کرنے کی جو صورتیں اختیار کی گئی ہیں، قدیم فقہاء کے یہاں اس قدر تنوع نہیں تھا۔

قرآن وحدیث میں ہمیں ایسے اصول تو مل جائیں گے، جن کو موجودہ زمانہ میں منطبق کیا جاسکتا ہے، جیسے یہ کہ معاملہ میں ابہام نہ ہو، جھوٹ اور دھوکہ نہ ہو، نہ سود کا لینا

ہو اور نہ سود کا دینا ہو، اور نہ گناہ کے کام میں تعاون ہو؛ لیکن ہمیں ساری جزئیات قرآن وحدیث میں یا قدیم فقہاء کے اجتہادات میں نہیں مل سکتیں، معاملات کے باب میں شریعت کے اصول اور فقہاء کے اجتہادات ہی ہماری رہنمائی کرتے ہیں، اور ان کو منطبق کر کے عصر حاضر میں پیدا ہونے والے مسائل کا حل دریافت کیا جا سکتا ہے، یہ فقہاء کی دقت نظر اور غیر معمولی ذکاوت کی بات ہے کہ انھوں نے ہر باب کے اصول کو اس طرح واضح کر دیا ہے کہ صدیوں بعد جو مسائل پیش آرہے ہیں، وہی چراغ آج بھی اس کے لئے روشنی فراہم کر رہا ہے-رحمہم اللہ رحمۃ واسعۃ-

رئیل اسٹیٹ سے متعلق مسائل کی کثرت کا تقاضا تھا کہ اس موضوع پر ایک ایسی کتاب مرتب ہو جو بڑی حد تک تمام ضروری مسائل کا احاطہ کرتی ہو، مجھے بڑی مسرت ہے کہ میرے دو عزیز دوستوں جناب مفتی ابوبکر جابر قاسمی اور مفتی رفیع الدین حنیف قاسمی -**بارك الله في خدماتهما وتقبل جهودهما**- نے اس محنت طلب کام پر توجہ کی اور اس کو مشترک طور پر پایۂ تکمیل کو پہنچایا، یہ کتاب **"رئیل اسٹیٹ، احکام ومسائل"** بحمد اللہ اس ضرورت کی تکمیل کرتی ہے، عام مسلمانوں، طلبہ، اصحاب افتاء اور اہل ذوق کے لئے عموماً اور تاجروں کے لئے خصوصاً یہ ایک رہنما کتاب ہے، جس کو معتبر مآخذ اور کتب فتاویٰ سے استفادہ کرتے ہوئے آسان اور عام فہم زبان میں مرتب کیا گیا ہے، خرید وفروخت کے مسائل پر روشنی تو ڈالی ہی گئی ہے، ساتھ ہی ساتھ تذکیری پہلو کو بھی ملحوظ رکھا گیا ہے، اس تجارت میں ظلم وزیادتی بھی بہت ہوتی ہے، اس پہلو پر بھی بات کی گئی ہے، فن تعمیر میں مسلمانوں کے کارناموں پر بھی گفتگو کی گئی ہے، راقم نے کتاب کو مختلف مقامات سے دیکھا اور دل بہت خوش ہوا، یوں تو پوری کتاب ہی لائق استفادہ ہے؛ لیکن میرا خیال ہے کہ اس کتاب میں زمین کی تجارت سے متعلق جو مسائل صفحہ ۲۰۲ سے شروع ہو کر ختم کتاب پر مکمل ہوتے ہیں، ان کو الگ سے بھی شائع کرنا چاہئے اور ان کا انگریزی ترجمہ بھی کرانا چاہئے۔

یورپ میں مشترک تصنیف کا ایک رواج ہے اور آج کل عالم عرب میں بھی بعض اہم مضامین کے لئے اس طریقۂ کار کا انتخاب کیا جاتا ہے، ان دونوں دوستوں نے یہ بڑا اچھا کیا کہ شرعی مسائل کی تحقیق وترتیب کے لئے ’’ید اللہ علی الجماعۃ‘‘ پر عمل کرتے ہوئے مشترک تصنیفی کام شروع کیا اور کئی اہم کتابیں اسی نہج پر مرتب کیں، اسی سلسلہ کی ایک کڑی یہ کتاب بھی ہے، دعاء ہے کہ اللہ تعالیٰ محترم مؤلفین کی اس خدمت کو قبول فرمائے اور انہیں مزید ایسے کاموں کی توفیق میسر ہو، **واللہ هو المستعان۔**

۱۷؍جمادی الاولیٰ ۱۴۴۱ھ — خالد سیف اللہ رحمانی

۱۳؍جنوری ۲۰۲۰ء — (خادم: المعہد العالی الاسلامی حیدرآباد)

پیش لفظ

۲۰۰۳ء مطابق ۲۴-۱۴۲۳ھ کی بات ہے جب میں دار العلوم دیو بند کے شعبۂ تکمیل افتاء میں زیر تعلیم تھا، رفیقِ درس مفتی ڈاکٹر یاسر ندیم صاحب الواجدی کی کتاب ''اسلام اور گلوبلائزیشن'' کا رسم اجراء ہوا، حضرت الاستاذ، شیخ الحدیث، حضرت مولانا سعید صاحب پالن پوری دامت برکاتہم نے ہمیں ترغیب اور حوصلہ دیتے ہوئے فرمایا کہ: ''تم لوگ عرب علماء کرام کی طرح مشترکہ تصنیفی کام بھی کر سکتے ہو، وہاں دو، دو، چار، چار اشخاص مل کر بھی کتابیں لکھتے ہیں، یہ ترکیب بطور خاص حافظہ میں محفوظ رہی، جب تدریسی، دعوتی اور ملی کاموں میں خدمت کا موقعہ ملا، تصنیفی کام کے متنوع تقاضے بھی آتے رہے تو اسی مشورہ کو عملی جامہ پہنایا گیا، میرے دورۂ حدیث کے رفیق درس مفتی رفیع الدین حنیف قاسمی صاحب (استاذِ حدیث دار العلوم دیودرگ، کرناٹک) کی پختہ استعداد، مطلوبہ یکسوئی، مزاج کی سلامتی وہم آہنگی نے بے حد نفع پہنچایا، ان جیسے رفقاء کرام کی اجتماعیت نے محض فضلِ خداوندی کی برکت سے قلمی کاموں میں سرعت اور کثرت، تبادلۂ خیال واستخراج، رسوخ وپختگی پیدا کر دی۔

رئیل اسٹیٹ احکام ومسائل، دار الدعوۃ والارشاد، یوسف گوڑہ حیدر آباد کے زیر نگرانی طبع ہونے والی سولہویں کتاب ہے، عالمی، ملکی، صوبائی اور ضلعی ہی نہیں بلکہ گاؤں گاؤں میں اس کاروبار سے غیر معمولی دلچسپی پائی جارہی ہے، اجتماعی اور انفرادی سطح پر کافی سرمایہ کاری ہورہی ہے، بعض مرتبہ نامناسب طریقے سے بھی، جیسے اپنے چلتے

کاروبار یا تعلیمی سلسلے ملازمت کو خیر باد کہہ کر مزید نفع کی لالچ میں لوگ اس میدان میں گھس رہے ہیں۔

لیکن اسلامی تعلیمات سے ناواقفیت نے قتل وغارت گری، مقدمہ بازی، دھوکہ دہی اور بدمعاملگی کو عام کردیا، تعلقات بگڑ گئے، دوستیوں میں دراڑ آگئی، ضرورت محسوس ہوئی کہ اس موضوع پر علمی اور عام فہم مواد اکٹھا کیا جائے، تحقیق اور تذکیر کا رنگ جمع ہوتا کہ اس شعبہ میں امتِ مسلمہ کی مکمل رہبری ہو، بحمد اللہ تعالی سینکڑوں صفحات، دسیوں مقالات، اکیڈمیوں اور افتاء کمیٹیوں سے عطر کشید کرکے راہِ عمل متعین کرنے کی ایک طالب علمانہ کوشش کی گئی، میرے مولی اس کو قبول فرما کر ہماری نجات کا فیصلہ فرما (آمین)

ابوبکر جابر قاسمی

۴/جمادی الثانی/۱۴۴۰

۲۰۱۹/۲/۱۰

اسلام میں زمینوں کی قسمیں

عمارت، گھر، میدان، یعنی وہ زمینیں جو رہنے کے لئے ہوتی ہیں، یا دیگر کاموں کے لئے استعمال ہونے والی جگہیں، باغات اور وہ غیر زرعی زمینیں جو شہروں اور گاؤں میں واقع ہوتی ہیں، ان جیسے زمینوں کے احکام شریعت میں بطریق صلح یا زبردستی حاصل کرنے کے اعتبار سے مختلف ہیں۔

۱: مملوکہ زمین

اس زمین کو کہتے ہیں جس میں کسی بھی طرح کی ملک سے آدمی اس میں تصرف کررہا ہو اس زمین کی منفعت اسی صاحبِ ملک شخص کو حاصل ہوگی اور اسے اس زمین میں تصرف کا پورا حق حاصل ہوگا، ان جیسی زمینوں میں ملکیت کے سارے احکام (یعنی خرید وفروخت، وقف، رہن میں رکھنے اور شفعہ وغیرہ) کی اجازت ہوگی، شریعت نے ان املاک (زمینوں) کی حفاظت کرنے کی اجازت؛ بلکہ ترغیب دی ہے، نبی کریم ﷺ کا ارشاد گرامی ہے: ''مَنْ أَحیَا مَوَاتًا مِنَ الأَرضِ فِيْ غَیرِ حقّ مسلم فهو لَهُ'' (۱) ''جو شخص ایسی بنجر زمین کو آباد کرے جس سے کسی مسلمان کا حق متعلق نہ ہو تو وہ اس کا حقدار ہوجاتا ہے'' اس حدیث میں نبی کریم ﷺ نے بنجر زمین میں مسلمانوں کے حق کو تسلیم کیا ہے، حالانکہ بنجر زمین کو آباد کرنا یہ غیر مملوک زمین میں ہوا کرتا ہے۔

(۱) المعجم الکبیر للطبرانی، حدیث نمبر: ۴، الأموال لابن زنجویة: ۲/ ۶۳۷، حدیث نمبر: ۱۰۵۲، مرکز الملك فیصل للبحوث والدراسات الإسلامیة - السعودیة، الطبعة الأولی ۱۴۰۶ھ

۲۔عُشری زمین

امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے نزدیک، عشری زمینیں یہ ہیں:

۱۔ جزیرۃ العرب کی پوری زمین عشری ہے، اور یہ علاقۂ عُذیب سے مکہ اور عدن ابین سے حجر (یمن) تک کا ہے۔

۲۔ وہ اراضی جن کے مالکین اپنی رغبت سے مسلمان ہوگئے ہوں۔

۳۔ ان علاقوں کی اراضی جو بذریعہ جنگ فتح کئے گئے ہوں اور فرمانروائے اسلام نے ان کو مسلمان مجاہدین میں تقسیم کردیا ہو۔

۴۔ مسلمانوں کے مکانات کی یا دوسری غیر زرعی زمین جس کو کھیت یا باغ بنادیا گیا ہو اور وہ عشری پانی سے سیراب کی جاتی ہو۔

۵۔ اُفتادہ (بنجر) زمین جس کو فرمانروائے اسلام کی اجازت سے مسلمانوں نے آباد کیا ہو اور وہ عشری زمین کے پڑوس میں ہو۔

۳۔خَراجی زمین

خراجی زمینیں یہ ہیں:

۱۔ جو علاقے بقوت فتح کئے گئے اور مسلم فرماں روا نے وہ اراضی غیر مسلموں کے قبضہ میں رہنے دیں۔

۲۔ اُفتادہ زمین جسے گو مسلمانوں نے آباد کیا ہو، مگر وہ خراجی زمین کے پڑوس میں ہو۔

۳۔ اُفتادہ زمین جسے غیر مسلم نے مسلمان حکومت کی اجازت سے آباد کیا ہو۔

۴۔ جو زمین مسلم حکومت نے اپنے معاون غیر مسلم فوجیوں کو انعام میں دی ہو۔

۵۔ غیر مسلموں کے مکانات کی زمین جن کو باغ یا کھیت بنادیا گیا ہو۔(۱)

(۱) تبیین الحقائق: ۲۷۱/۳، عشر اور خراج کی تفصیل کے لئے دیکھئے: کتاب العشر والزکاۃ، مولانا عبد الصمد رحمانی، اسلام کا نظام عشر وزکاۃ، مولانا خالد سیف اللہ رحمانی، قاموس الفقہ: ۳۹۴/۴، کتب خانہ نعیمیہ دیوبند

ہندوستانی اراضی کا حکم

ہندوستانی اراضی عشری ہیں، لہٰذا ہندوستان میں مسلمانوں کی زمین پر عشر واجب ہونا چاہئے، اس لئے کہ

۱۔ اول تو اصل مسلمانوں کی زمین کا عشری ہی ہونا ہے، اس لئے فقہاء نے پہاڑ وغیرہ کے پھلوں پر بھی عشر واجب قرار دیا ہے اور ابن نجیم نے سرخسی سے نقل کیا ہے کہ

"إن عليه العشر بكل حال لأنه أحق بالعشر من الخراج" (۱)

۲۔ دوسرے یہی اکثر فقہاء کی رائے ہے۔

۳۔ تیسرے یہی کتاب اللہ اور احادیث نبوی میں پیداوار کی زکوۃ کے عمومی حکم کا بظاہر تقاضا ہے۔

۴۔ اس میں احتیاط اور فقراء کا نفع ہے۔

۵۔ فقہاء احناف نے اس فرق کی وجہ یہ بیان کی ہے کہ عشر وخراج کا اجتماع لازم نہ آئے اور اسلامی حکومت کے مفقود ہونے کی وجہ سے یہاں خراج کا حکم نہیں تو یہاں اب عشر وخراج کے اجتماع کا بھی سوال نہیں رہا۔

اس وقت ہندوستان میں بالعموم اسی پر فتوی ہے اور یہی حق ہے، افسوس کہ اول تو مسلمانوں کی زکوۃ کی طرف توجہ ہی نہیں اور زیورات اور مالِ تجارت کی زکوۃ نکال بھی لیں تو عشر کی فرضیت کا احساس نہیں۔ (۲)

۴۔بنجر زمین

یعنی وہ زمین جو کسی کی ملک نہ ہو اور بے کار پڑی ہو۔

اس کی تعریف بعض لوگوں نے یوں کی ہے "الأرض المنفكة عن

---

(۱) کتاب الخراج: ۵۴

(۲) قاموس الفقہ: ۴/۳۹۷

الاختصاصات وملك معصوم"(۱) وہ سرزمین جو کسی کی خاص ملکیت میں یا کسی معصوم شخص کی ملک میں نہ ہو۔

۵۔موقوفہ سرزمین

یعنی جس زمین کو لوگوں کے مصالح کے لئے وقف کر دیا گیا ہو، خواہ وہ فتح کردہ سرزمین ہو جس کو امام نے بیت المال کے لئے مختص کر دیا ہو، (خمس کی ادائیگی کے بعد یا اہل خمس کی رضامندی کے بعد) حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ نے کسری اور اس کے گھرانے کی سرزمین جس کو یہ لوگ چھوڑ کر بھاگ گئے تھے، اس کے منافع کو مسلمانوں کے مصالح کے لئے وقف کر دیا تھا۔(۲)

یا جس زمین کو لوگوں نے از خود وقف کیا ہو، اصل زمین کو اپنی ملکیت میں روک کر رکھ لیں اور اس کے منافع کو لوگوں میں خرچ کریں۔

۶۔حِمی اور مَرافِق (حد بندی کی ہوئی اور لوگوں کی منافع کے مختص زمینیں)

حمی (حا کے زیر کے ساتھ) اس زمین یا چراہ گاہ کو کہتے ہیں جس میں جانوروں کے لئے گھاس روک کر رکھی جاتی ہے اور اس میں کسی دوسرے کے جانوروں کو چرنے کی اجازت نہیں ہوتی۔لہٰذا حدیث کا مطلب یہ ہوا کہ یہ بات بالکل مناسب نہیں ہے کہ اللہ اور اس کے رسول کی اجازت کے بغیر کسی چراگاہ کو صرف اپنے جانوروں کے لئے مخصوص کر لیا جائے اور اس میں دوسرے کے جانوروں کے چرنے پر پابندی عائد کر دی جائے۔اس حکم کی ضرورت یوں پیش آئی کہ زمانہ جاہلیت میں یہ معمول تھا کہ جس زمین میں گھاس اور پانی ہوتا اسے عرب کے سردار اپنے جانوروں کے لئے اپنی مخصوص چراگاہ بنا لیتے تھے جس میں ان کے علاوہ دوسروں کے جانوروں کو چرنے کی قطعاً اجازت نہیں ہوتی تھی۔چنانچہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے منع فرمایا تاہم آپ صلی اللہ علیہ وسلم

---

(۱) منتهى الارادات، ابن النجار: ۲۶۹/۳، مؤسسة الرسالة، بيروت

(۲) منتهى الارادات مع شرحه مطالب أولى النهى: ۱۷۷/۴

نے جہاد میں کام آنے والے گھوڑوں اور اونٹوں نیز زکوۃ میں آئے ہوئے جانوروں کے لئے ایسی مخصوص چراگاہیں قائم کرنے کی اجازت عطا فرمادی تھی۔لیکن اب آپ ﷺ کے بعد کسی بھی حاکم وسردار کے لئے یہ اجازت ہے کہ وہ کسی چراگاہ کو اپنے لئے یا کسی اور کے لئے مخصوص کردے؟اس بارے میں علماء کے مختلف اقوال ہیں کہ کسی فرد ہی کے لئے نہیں بلکہ اکثر مسلمانوں کے لئے کسی چراگاہ کو اپنے لئے مخصوص کرنا جائز ہے یا ناجائز؟ چنانچہ بعض حضرات تو کہتے ہیں کہ یہ جائز ہے جیسا کہ آپ ﷺ نے جہاد کے گھوڑوں اور اونٹوں نیز زکوۃ میں آنیوالے جانوروں کے لئے چراگاہ کو مخصوص کرنے کی اجازت دیدی تھی لیکن بعض دوسرے حضرات اس کو بھی ناجائز کہتے ہیں، جب کہ اکثر مسلمانوں کے لئے کسی چراگاہ کو مخصوص کردینا اہل شہر کی تکلیف وپریشانی کا باعث ہو۔

مرافق یعنی منافع،ایک وہ مرافق ہوتے ہیں جو عام لوگوں کے استفادہ کے لئے ہوتے ہیں،جس میں دوسروں کو تکلیف دینے کی گنجائش نہیں ہوتی، جیسے سڑکیں، جنگلات اور مسافر خانے وغیرہ۔

دوسرے وہ مرافق اور چراہ گاہیں جو خاص لوگوں کی ملک ہوں جیسے املاک اور زمین کنویں اور آنگن وغیرہ توان املاک کے مالک اس کے حق دار ہی ہوتے ہیں۔

۷۔بازآبادکاری(بنجرزمین کوآبادکرنا)

''احیاء''زندہ کرنا،حیاۃ یہ موت کی ضد ہے،''احیاءموات'' کامطلب ہے کہ

"مباشرتها بتأثير شيء فيها من إحاطة أو زرع أو عمارة" (۱)

بازآبادکاری کا مطلب یہ ہے کہ اس زمین پر باؤنڈری بنائی گئی ہو، کھیتی کی گئی ہو، یاتعمیر کی گئی ہو،اس کواحیاءیعنی زمین کوآبادکرنا کہتے ہیں۔

---

(۱) لسان العرب،ابن منظور،فصل الحاء المهملة:۲۱۴/۱۴، دار صادر،بیروت

بنجر زمین کوآباد کرنے کے شرعی احکام

فقہاء نے باز آبادکاری کو مشروع کہا ہے، سنت اور اقوال صحابہ سے یہ عمل ثابت ہے۔

احادیث نبویہ میں وارد ہے:

۱۔ حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی ﷺ نے ارشاد فرمایا: جو شخص کسی ویران بنجر زمین کو آباد کرے اسے اس کا اجر ملے گا اور جتنے جانور اس میں سے کھائیں گے اسے ان سب پر صدقے کا ثواب ملے گا: ”من أحيا أرضا ميتة فله بها أجر، وما أكلت العافية، فهو له بصدقة“(۱)

۲۔ حضرت عائشہ صدیقہ سے مروی ہے فرماتی ہیں: ”مَنْ أَعْمَرَ أَرْضًا لَيْسَتْ لأَحَدٍ فَهُوَ أَحَقُّ“(۲) جو کسی ایسی بنجر زمین کو آباد کرے جو کسی کی ملکیت نہ ہو تو وہ اس کا زیادہ حق دار ہے۔

۳۔ حضرت سعید بن زید رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جو شخص لا وارث زمین کو آباد کرے گا تو وہ اسی کا حق ہوگا اور ظلم کے درخت کا (جو اس نے جبراً لگا دیا ہو) کوئی حق نہ ہوگا۔(۳)

اس حدیث کی توضیح میں علامہ باجی کہتے ہیں:

”إحياء الأرض فى هذا الحديث، والله أعلم، عمارتها، وموتها تبورها وعدم الانتفاع بها على وجه الزراعة والحرث والبنيان“(۴)

---

(۱) مسند احمد: مسند جابر بن عبد الله رضی الله عنه، حدیث:۱۴۸۳۹

(۲) بخاری، کتاب الحرث والزراعة، باب من أحيا أرضا مواتا، حدیث:۲۳۳۵

(۳) ابوداؤد: کتاب الخراج، والإمارة والفیء، باب فی إحیاء الموات، حدیث نمبر: ۳۰۷۳، ترمذی، أبواب الأحكام عن رسول الله صلى الله عليه وسلم، باب ما ذکر فی إحیاء أرض الموات، حدیث نمبر:۱۳۷۸، امام ترمذی نے اس روایت کو حسن غریب کہا ہے۔

(۴) المنتقى شرح المؤطا:۶/۲۷

بنجر زمین کو آباد کرنے کا مطلب اس حدیث میں یہ ہے،(واللہ اعلم بالصواب)، اس کو آباد کرنا، اس کا بنجر ہونے کا مطلب اس کا ہلاک ہونا اور کھیتی، زراعت اور تعمیر کے نہ ہونے کی وجہ سے قابل انتفاع نہ ہونا۔

۴۔ حضرت عروہ سے روایت ہے کہ میں گواہی دیتا ہوں اس بات کی کہ رسول اللہ ﷺ نے فیصلہ فرمایا زمین بھی اللہ کی ہے اور بندے بھی اللہ کے ہیں اور جو شخص مردہ (بنجر) زمین کو زندہ کرے تو وہی اس کا زیادہ حقدار ہے "من أحياء مواتا فهو أحق"۔ یہ حدیث رسول اللہ ﷺ کی ہم سے ان لوگوں نے بیان کی ہے جنہوں نے آپ سے نماز سے متعلق روایات بیان کی ہیں۔(۱)

۵۔ جو شخص بنجر زمین کو آباد کرے تو وہ اسی کی ہے، غیر آباد زمین اللہ اور اس کے رسول کے لئے ہے، پھر میرے بعد تمہارے لئے ہے:

"من أحيا مواتا من الأرضِ فَهُوَ لَهُ، وَعَادِيُ الأرضِ للهِ ورسولِه، ثم هي لَكُمْ مِنِّي"(۲)

بنجر زمین کو آباد کرنے کے جواز پر اقوال صحابہ

۱۔ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ فرماتی ہیں: "من أعمر أرضا ليست لأحد فهو أحق"(۳) جو کسی ایسی بنجر زمین کو آباد کرے جو کسی نہ ہو تو وہ اس کا زیادہ حق دار ہے۔

اس حدیث کے ذکر کرنے کے بعد حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ حضرت عمر نے رضی اللہ عنہ اپنے زمانے میں ایسا ہی فیصلہ فرمایا۔

---

(۱) ابو داؤد، كتاب الخراج والإمارة والفيء، باب في إحياء الموات، حدیث نمبر: ۳۰۷۶

(۲) مسند الشافعي، كتاب الطعام والشراب، حدیث: ۱۴۹۹، حافظ ابن حجر نے الإصابه میں اس حدیث کو حسن کہا ہے۔

(۳) بخاري، كتاب الحرث والزراعة، باب من أحيا أرضا مواتا، حدیث نمبر: ۲۳۳۵

اور حضرت عمر ﷛ نے یہ فیصلہ کبارِ صحابہ ﷡ کی موجودگی میں فرمایا، ان کا سکوت حضرت عمر ﷛ کے فعل پر رضامندی کی دلیل ہے۔

بنجر زمین کو آباد کرنے کے فائدے

ا۔روزگار کے مواقع

بنجر زمین کو آباد کرنے میں بہت محنت لگتی ہے، جس کے لئے بہت سارے لوگوں کی ضرورت ہوتی ہے، جس میں تعمیرات، کھیتی کرنا، نہریں کھودنا، کنویں کھودنا، جس کے لئے افرادی قوت کی ضرورت پڑتی ہے، جس کی وجہ سے معاشرے کے لئے روزگار فراہم ہوتے ہیں۔

۲۔فرد کو کام پر ابھارنا

اللہ عزوجل کا ارشاد گرامی ہے:

هُوَ الَّذِىْ جَعَلَ لَكُمُ الْأَرْضَ ذَلُولاً فَامْشُوْا فِىْ مَنَاكِبِهَا وَكُلُوْا مِنْ رِّزْقِهِ وَإِلَيْهِ النُّشُوْر (۱)

وہی ہے جس نے تمہارے لیے زمین کو تابع کر دیا ہے، لہذا تم اس کے مونڈھوں پر چلو پھرو، اور اس کا رزق کھاؤ، اور اسی کے پاس دوبارہ زندہ ہو کر جانا ہے۔

نبی کریم ﷺ نے عاجزی اور سستی اور کاہلی سے منع کیا ہے۔ ابوہریرہ ﷛ روایت کرتے ہیں، انہوں نے کہا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضہ میں میری جان ہے تم میں سے ایک شخص کا رسی لینا اور اپنی پیٹھ پر لکڑیاں اٹھانا اس سے بہتر ہے کہ وہ کسی شخص کے پاس آ کر سوال کرے اور وہ اسے دے یا نہ دے:

"وَالَّذِىْ نفسِىْ بِيَدِهِ لأَنْ يأخذَ أحدكُمْ حبْلَهُ فيحْتَطِبْ

---

(۱) سورة الملك:۱۵

علی ظَهْرِهِ، خيرٌ له من أنْ يَأْتِيَ رجلًا فيسألُه أعطاهُ أو منعَهُ"(۱)

اللہ عزوجل نے زمین کو ہمارے لئے مسخر اس لئے کیا ہے کہ ہم زمین میں قابل انتفاع امور کو تلاش کریں، پیڑ پودے لگائیں، تعمیرات کریں، کھیتی کریں، راستے اور سڑکیں بنائیں۔

"فهو سبحانه الذی سخر لنا الأرض وذللها لندرك منها كل ما تعلقت به حاجتنا من غرس وبناء وحرث وطريق"(۲)

۳۔ اقتصادی ترقی اور خوش حالی

بنجر زمین کو آباد کرنا، اس کو قابل استعمال بنانا، اس کی تعمیر کرنے سے افراد کے منافع اور کمائی میں اضافہ ہوتا ہے، جس کی وجہ سے معاشرے میں کمائی بڑھتی ہے اور بنیادی ضروریات کی تکمیل ہوتی ہے، ملک کی معیشت کو ترقی حاصل ہوتی ہے، ابن العابدین شامی نے کہا ہے: "ومن محاسنه التسبب للخصب فی أقوات الأنام" (۳) بنجر زمین کو آباد کرنا یہ مخلوق کے رزق اور ہریالی کا باعث ہوتا ہے۔

۴۔ زمین کی آبادکاری اور قابل استعمال اراضی میں اضافہ

اللہ عزوجل نے انسان کو اس دنیا میں خلیفہ بنایا ہے، پھر اس کو زمین کی آبادکاری اور اس کی تعمیر وترقی کے ذریعہ زمین کی خوبیوں اور صلاحیتوں سے استفادہ کی بھی دعوت دی ہے، اللہ عزوجل نے زمین کو بندوں کے لئے مسخر کرنے کو بیان کرتے ہوئے فرمایا ہے: هُوَ الَّذِیْ خَلَقَ لَكُمْ مَا فِی الْأَرْضِ جَمِيْعًا (۴) یہی وہ ذات ہے جس نے

---

(۱) بخاری: کتاب الزکاۃ، باب الاستعفاف عن المسألة، حدیث نمبر: ۱۴۷۰

(۲) التفسیر السعدی: ۸۷۷

(۳) ردالمحتار: ۳۳۱/۶ (۴) البقرۃ: ۲۹

تمہارے لئے ساری زمین کو مسخر کیا ہے۔

۵۔اجر کا حصول

اگر کسی شخص نے صرف حصول اجر کے لئے بنجر اور غیر آباد زمین کو آباد کیا تو وہ اخلاص نیت کی وجہ سے اجر کا مستحق ہوگا، جیسا کہ پہلے گزرا۔

بازآبادکاری مندوب ہے یا مباح؟

احناف، حنابلہ اور مالکیہ کا کہنا یہ ہے کہ یہ عملِ مباح ہے۔

جب کہ امام شافعی رحمہ اللہ زمین کی آبادکاری کے عمل کو مستحب کہتے ہیں۔

جمہور ائمہ نے سابقہ دلائل جن میں زمین کی بازآبادکاری کا حکم دیا ہے اسی سے استدلال کیا ہے کہ نبی کریم ﷺ نے زمین کی بازآبادکاری کا حکم نہیں دیا؛ بلکہ زیادہ سے زیادہ نبی کریم ﷺ نے یہ بات بتائی ہے کہ بازآبادکاری سے زمین مالک کی ملک ہوجاتی ہے۔

حضرت امام شافعی رحمہ اللہ نے زمین کی بازآبادکاری سے اجر کے حصول والی روایت سے استدلال کیا ہے:

حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی ﷺ نے ارشاد فرمایا جو شخص کسی ویران بنجر زمین کو آباد کرے اسے اس کا اجر ملے گا اور جتنے جانور اس میں سے کھائیں گے اسے ان سب پر صدقے کا ثواب ملے گا۔ "**من أحيا أرضًا ميتةً فله منها يعني أجرًا، وما أكلتِ العَوَافِيُ، فله صدقةٌ**" (۱) امام شافعی رحمہ اللہ نے اس حدیث کی روشنی میں کم سے کم درجہ زمین کی بازآبادکاری کو مستحب امر کہا ہے، مزید کہتے ہیں اسی لئے ابن حبان نے اس حوالہ سے یہ عنوان باندھا ہے: "**ذكر كتبه جل وعلا الأجر لمحي الموات من أرض الله جلا وعلا**" (اللہ عزوجل نے زمین کی بازآبادکاری کرنے والے کے لئے ثواب لکھا ہے)۔

---

(۱) مسند احمد: مسند جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ، حدیث: ۱۴۲۷۱

لیکن اس حوالہ سے راجح قول یہی ہے کہ زمین کی باز آبادکاری یہ عمل مباح ہے، دیگر مباح امور کی طرح اس میں کوئی اجر نہیں ملے گا، جن احادیث میں ثواب کا تذکرہ آیا ہے، وہ احادیث زرعی پیداوار کے لئے زمین کو قابل کاشت بنانے اور اس زرعی زمینوں سے حاصل ہونے والے درخت، غلے وغیرہ جس سے درندے اور پرندے کھاتے ہیں بلکہ انسان بھی اس سے مستفید ہوتا ہے، اس کے بارے میں ثواب کا تذکرہ ہے۔

"مَا من مسلمٍ يَغْرِسُ غَرْسًا أو يزرعُ زرعًا فيأكلُ طير أو إنسانٌ أو بهيمةٌ إلا كان له به صدقةٌ" (۱)

اسی طرح اس ثواب میں وہ تعمیرات بھی داخل ہیں جو لوگوں کے لئے نفع بخش افادہ کے حامل ہوتے ہیں، جیسے کمپنیاں اور دیگر لوگوں کے مصالح کے لئے بنائی گئی سہولیات اگر اس میں اس کے بنانے والے نے اجر کی بھی نیت کی ہو۔

باز آبادکاری کے لئے امام کی اجازت کی شرط

اس سلسلے میں احناف میں سے صاحبین، شوافع، مالکیہ، حنابلہ اور ظاہریہ کا قول یہ ہے کہ: امام کی اجازت شرط نہیں ہے۔

امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ بنجر زمین کی باز آبادکاری کے لئے امام کی اجازت شرط ہے۔

مالکیہ کہتے ہیں جو زمینیں شہر سے قریب ہیں، اس میں امام سے اجازت لینا شرط ہے، جو زمینیں شہر سے دور ہوں اس کی باز آبادکاری کے لئے امام سے اجازت لینا شرط نہیں۔

جو لوگ یہ کہتے ہیں کہ امام کی اجازت شرط نہیں ہے، وہ مطلق زمین کی باز آبادکاری سے متعلق روایات سے استدلال کرتے ہیں کہ اس میں "مَنْ أَحْيَا أَرْضًا مَيْتَةً فَهِيَ لَهُ" اس میں امام کی اجازت کی شرط نہیں ہے۔

(۱) بخاری: كتاب الأدب، باب رحمة الناس والبهائم، حديث: ٦٠١٢

اس کا جواب یہ ہے کہ یہ احیاء (آبادکاری) سے خاص لوگوں کو آبادکاری کی اجازت دینا مقصود ہو، اس میں عموم نہ ہو کہ ہر شخص بنجر زمین باز آبادکاری کر سکتا ہے۔

اور ایک وجہ یہ بھی ہے کہ "من أحيا أرضا ميتة فهي له" کا مطلب ہے "حال الإذن بإحيائها" یعنی امام کے اجازت دینے کے وقت (۱) یعنی سبب کو بیان کرنا مقصود ہے کہ احیاء ارض سے آدھی زمین کا مالک ہو جاتا ہے، عمومی اباحت کو یہاں پر بتانا مقصود نہیں ہے۔ بہر حال شوافع دیگر تمام روایات سے امام کی اجازت کو ضروری نہیں قرار دیتے ہیں، البتہ استحباب کے وہ بھی قائل ہیں۔

امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں: نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا: "لَيْسَ للمرءِ إلَّا مَا طَابَتْ به نفسُ إمامِه" (۲) "آدمی کے لئے امام جس سے راضی ہو وہی حلال ہے"، امام کے طیب نفس اور خوشنودی سے جو چیز لی جاتی ہے اسی کو مباح قرار دیا گیا ہے۔

اور نبی کریم ﷺ نے فرمایا: "إنّ عَادِيَ الأرضِ لِلهِ ولرسولِه ولكم من بعدُ" اس روایت میں بنجر زمین کو اللہ عزوجل اور اس کے رسول اللہ ﷺ کی قرار دیا گیا ہے، پھر نبی کریم ﷺ کی اجازت سے مسلمانوں کی، یعنی زمین کی مصلحت اور اس کی عطا اور بخشش یہ امام کے ذمہ ہے۔

اور ایک روایت میں ہے کہ ایک بصرہ کا رہنے والا شخص حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی خدمت میں حاضر ہوا اور کہنے لگا:

"إنَّ بأرضِ البصرةِ أرضًا لا تضربُ أحد من المسلمين، وليست من أرضِ الخراج، فإن شئتَ أن تَقْطَعِنِيهَا اتّخذُها قضبًا، وزيتونًا ونخلًا"

اس نے کہا سرزمین بصرہ میں ایک زمین ہے، جس سے کسی مسلمان کو

---

(۱) بدائع الصنائع: ۱۹۵/۶

(۲) معجم الطبرانی الکبیر، حدیث نمبر: ۳۵۳۳

کوئی نقصان نہیں پہنچتا، یہ خراجی زمین بھی نہیں ہے، اگر آپ مناسب سمجھتے ہیں تو اس سرزمین کو مجھے دے دیں کہ میں اس میں گنّا، زیتون اور کھجور کے درخت لگا سکوں۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کو لکھ بھیجا کہ اگر یہ زمین ''حمیٰ'' ہے تو اس کو دیجئے۔اس طرح اس آدمی نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے حکم سے اس زمین کو آباد کیا۔

بہرحال بنجر زمین کی آبادکاری کے سلسلے میں امام کی اجازت حاصل کر لینا چاہئے تاکہ وہاں رہائش وغیرہ کے مصالح اور دیگر ضروریات حاصل ہوسکیں، اس زمین کے حصول میں نزاع اور شقاق اور جھگڑے بھی نہ ہو۔

مفتی دیار سعودیہ شیخ محمد بن ابراہیم کا فتوی بھی یہی ہے، وہ کہتے ہیں:

"ولكن شرط أن يكون النظر المصلحي، فينبغي أن يستأذن فيها لا سيما في الأزمان التي ضعف فيها الدين، وكثرت الفتن، وذلك لدرء المفاسدة، والواقع يشهد ذلك" (۱)

لیکن موجودہ زمانے میں نوعیت بدل چکی ہے، گاؤں سے لے کر ملک تک زمینوں پر ہی نہیں بلکہ سمندروں اور فضاؤں میں بھی حد بندی ہو چکی ہے، کہکشاں پر بھی دعوے چل رہے ہیں، سرکاری حکام کی اجازت کے بغیر ملک کے کسی حصہ میں اپنے طور پر کوئی شخص آسانی سے آباد نہیں ہوسکتا ہے، حکومتوں کی ذمہ داری ہے، مفت تعلیم، مکان اور علاج فراہم کرے مگر کتنی حکومتیں اس ذمہ داری کو پوری کر رہی ہیں سب جانتے ہیں، ضرورت اس بات کی ہے کہ کھلے دل سے اس سلسلہ میں قانون سازی ہو، نظم وضبط کے ساتھ بے آسرا لوگوں کو مکان فراہم کئے جائیں، بنجر و بے کار پڑی ہوئی زمینوں کا مناسب استعمال کر کے ملکی معیشت کو مستحکم کیا جائے۔(۲)

---

(۱) فتاوی ورسائل سماحة الشيخ محمد بن إبراہیم آل الشيخ: ۸/ ۲۰۷

(۲) مزید دیکھئے: انعام الباری شرح بخاری، افادات مفتی تقی عثمانی صاحب دامت برکاتہم: ۶/ ۵۸۲

مفتی تقی عثمانی صاحب بنجر زمینوں اور جنگلوں کے تعلق سے موجودہ دور میں اس کی حقیقت وحیثیت کی وضاحت اور اس کی تصدیق کرتے ہوئے فرماتے ہیں، فتاوی عثمانی میں ہے:

(۱) ہر بستی کے جنگلات اہلِ بستی کے درمیان مشترک ہوکران کی ملک ہیں۔

(۲) ضرورت مند حضرات محکمہ جنگلات سے اجازت نامہ (پرمٹ) لے کر کسی بھی بستی کے جنگلات سے تعمیراتی لکڑی حاصل کرسکتے ہیں۔

(۳) مفادِ عامہ اور تحفظ جنگلات کے پیش نظر اہل بستی محکمۂ جنگلات کی طرف سے جاری کردہ پرمٹ کومسترد کرنے کے مجاز ہیں۔

(۴) پرمٹ یا بلا پرمٹ کے جولکڑی مشترک جنگلات سے فروخت ہوجائے اس کی قیمت کی رقوم تمام شرکاء میں تقسیم ہوگی، یا ایسے ہی مفاد عامہ اور عام رفاہی واجتماعی امور میں صرف ہوگی۔

(۵) ایسے تمام جنگلات اہلِ بستی کی موروثہ ملک ہوں گے۔(۱)

نیز اس کے حاصل کے طور پر مفتی تقی عثمانی صاحب فرماتے ہیں:

۱) خودرو جنگلات ''موات'' کی تعریف میں شامل ہیں، لہٰذا جب تک کوئی ان کا احیاء نہ کرے وہ کسی کی ذاتی ملکیت میں نہیں آسکتے، بلکہ مباح عام ہیں۔

۲) مباح عام ہونے کا تقاضا یہ ہے کہ تمام دنیا کے لوگ اس سے مفت فائدہ اٹھا سکتے ہیں، لیکن حکومت کو یہ حق حاصل ہے کہ وہ ان سے انتفاع کوضوابط کا پابند بنا کر یہ قاعدہ مقرر کردے کہ ہر جنگل سے اس کے قریب بستی والے لوگ فائدہ اٹھائیں، نیز فائدہ اٹھانے کے لئے ہر شخص کو کاٹنے کی اجازت دینے کے بجائے خود اپنی نگرانی میں درخت کٹوا کر اس کی قیمت قریبی بستی کے لوگوں میں تقسیم کرے۔

---

(۱) فتاوی عثمانی: ۴/۱۷۵-۱۷۶

(۳) لیکن بعض علاقوں میں جو رواج ہے کہ ان جنگلات کے مالک صرف وہ سردار سمجھے جاتے ہیں جنہوں نے ابتداء میں گاؤں آباد کیا، یہ رواج خلاف شریعت ہے، اس کے بجائے گاؤں کے تمام افراد ان جنگلات کی آمدنی میں شریک ہوں گے۔

خلاصہ یہ کہ آپ کے بیان کردہ نتائج شاید قریب قریب وہی ہیں جو احقر نے اخذ کئے، البتہ ان کی فقہی تخریج وتکییف میں اختلاف ہے، آپ جنگلات کو گاؤں والوں کی ملکیت قرار دیتے ہیں، مجھے اس سے اتفاق نہیں، وہ ملکیت نہیں، حق مشترک ہے اور حکومت اسے قواعد کا پابند بنانے کے لئے قریبی بستی کے ساتھ مخصوص کرسکتی ہے۔(۱)

موجودہ دور میں زمین کی باز آبادکاری

زمین کی باز آبادکاری کیسے ہوتی ہے؟ اس حوالہ سے ائمہ کا اختلاف ہے:

(۱) پہلا قول اس سلسلے میں یہ ہے کہ زمین کی باز آبادکاری عرف عام میں جس طریقے سے بھی ہو وہ باز آبادکاری میں داخل ہے، یہ امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ، مالکیہ، شوافع اور حنابلہ کی ایک روایت ہے۔

(۲) دوسرا قول جو امام شافعی رحمہ اللہ کا مذہب اور حنابلہ کا ایک قول ہے وہ یہ ہے کہ: باز آبادکاری کے لئے زمین کا احاطہ اور گھیراؤ کرنا ضروری ہے، خواہ مقصود اس احاطہ بندی سے زراعت وکاشتکاری ہو، یا بکریوں کا کھوٹا وغیرہ بنا کر کی ہو۔

اس لئے کہ شریعت نے باز آبادکاری کو مطلق رکھا ہے، اس کی کوئی تعریف اور تحدید نہیں کی ہے، اس لئے اس میں جس طریقے سے بھی زمین کو اپنی ملکیت میں محبوس اور مقید کرنا ہو جائے وہ مشروع ہوگا۔

اس لئے بھی کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: **"من أحاط حائطا على أرض فهو له"** (۲) جس نے کسی بھی زمین کی احاطہ بندی کی تو وہ زمین اس کی ہے۔

---

(۱) حوالہ سابق: ۱۸۴/۴

(۲) مسند احمد حدیث سمرۃ بن جندب، حدیث: ۲۰۲۳۸

یہاں پر حدیث میں صراحت کے ساتھ زمین کی احاطہ بندی کو باز آبادکاری کے لئے ضروری قرار دیا گیا ہے۔اس کے علاوہ دیوار یا کانٹیاں وغیرہ لگانا، یہی باز آبادکاری ہے۔

لیکن اس حوالے سے امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کا قول زیادہ راجح ہے باز آبادکاری میں عرف وعادت کا اعتبار ہوگا، جس میں احاطہ بندی کی شرط نہیں، کیوں کہ "الکوکب المنیر" میں ہے:

"کل فعل رتب علیه الحکم، ولا ضابط فی الشرع، ولا فی اللغة، کإحیاء الموات، والحرز فی السرقة، والأکل من بیت الصدیق، وما یعد قبضا وإیداعا وہدیة غصبا والمعروف کالمشروط" (۱)

زمین کی باز آبادکاری کی بعض صورتیں

زمین کی باز آبادکاری کے لئے کوئی خاص طریقہ کار متعین نہیں۔

لیکن یہاں پر بعض امور کا تذکرہ کیا جارہا ہے، جو زمین کی باز آبادکاری پر دلالت کرتے ہیں۔

ا۔رہائشی زمینیں

رہائشی زمینوں کی باز آبادکاری احاطہ بندی سے ہوگی، یعنی زمین کی حفاظت کے لئے دیوار بندی کرنے سے، خواہ یہ عمارت پتھر کی ہو، یا مٹی یا چونے کی یا اس کے علاوہ لکڑیوں، گھاس پھوس وغیرہ کی جو بھی عرف اور عادت کے اعتبار سے احاطہ بندی پر دلالت کرے وہ باز آبادکاری شمار ہوگی۔

یا گھر کی تعمیر، یا کمروں کی تعمیر عرف وعادت کے اعتبار سے جس طرح سے بھی بنالئے جائیں۔

---

(۱) الکوکب المنیر للفتوحی:۶۰۰، والاشباہ والنظائر للسیوطی:۹۰۰

۲: زرعی زمینیں

زرعی اور کھیتی کی زمینوں کی باز آبادکاری کا پہلا طریقہ کار یہ ہے کہ کسی چشمہ، یا کنویں سے اس زمین کو پانی فراہم کردیا جائے۔

دوسرا طریقہ پتھریلی، اونچی اور درخت وجنگل والی زمین کو ہموار کرنا یہ اس کی باز آبادکاری ہوگی۔

تیسرے پودے یا چھوٹے چھوٹے درخت لگانا

چوتھے زمین میں کھیتی کرنا اور اس میں چشمہ یا کنویں سے پانی فراہم کرنا۔(۱)

۸۔امدادی زمینات ومکانات

اسلام میں جاگیر اور جائیدادیں دینے کا رواج رہا ہے، یہ امدادی زمین جو حکومت کی طرف سے دی جاتی ہیں، یہ بھی ان جاگیروں کی سی حیثیت رکھتی ہیں، یہ امدادی زمینیں یا مکانات، جو حکومت کی جانب محض نشاندہی کی وجہ سے اس شخص کی ملک میں آجاتی ہیں۔

ائمہ اربعہ جاگیر دیئے جانے اور اس کے مشروع ہونے پر متفق ہیں، احادیث رسول ﷺ اور افعال صحابہ سے اس کا ثبوت ملتا ہے۔

۱) حضرت انس رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ نبی (ﷺ) نے بحرین میں جاگیریں دینے کا ارادہ کیا تو انصار نے عرض کیا کہ (ہم لوگ نہ لیں گے) جب تک کہ ہمارے مہاجر بھائیوں کو بھی آپ ﷺ اتنی ہی جاگیر عطا فرمائیں، آپ ﷺ نے فرمایا کہ میرے بعد دیکھو گے کہ لوگوں کو تم پر ترجیح دی جائے گی، تو اس وقت تم صبر کرو، یہاں تک کہ مجھ سے ملو۔(۲) اس حدیث سے پتہ چلا نبی کریم ﷺ انصار کو بحرین کی زمین بطور جاگیر دینا چاہتے تھے۔

---

(۱) نوازل العقار، داحمد بن عبدل العزیز العمیرة: ۱۱۵، دار المیمان للنشر والتوزیع، ۱۴۳۲ھ

(۲) بخاری: کتاب الجزیة، باب ما اقطع النبی من البحرین، حدیث نمبر: ۳۱۶۳

۲) نبی کریم ﷺ سے وارد ہے کہ انہوں نے حضرت زبیر رضی اللہ عنہ کو درخت اور کھجور والی سرزمین بطور جاگیر عطا کی "أَقْطَعَ للزُبير رضى الله عنه أرضًا فِيهَا شجرٌ ونخلٌ"(۱)بطور جاگیر نبی کریم ﷺ نے حضرت زبیر رضی اللہ عنہ کو جاگیر عطا کی۔

۳) حضرت عمرو بن حُریث رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ (ﷺ) نے ان کو مدینہ میں ایک گھر کے لئے زمین دی کمان سے لکیر کھینچ کر اور فرمایا (اب یہ لے لے) "أَزِيدُك، أَزِيدُك" بعد میں اور بھی دوں گا۔(۲) اس سے بھی پتہ چلتا ہے کہ نبی کریم ﷺ نے عمرو بن حریث کو گھر بنانے کے لئے ایک قطعہ ارض دیا تھا، جس سے زمین کی باز آباد کاری کی مشروعیت کا پتہ چلتا ہے۔

صحابہ کا عمل

۱۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کا جاگیر عطا کرنا: حضرت ہشام نقل کرتے ہیں کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے حضرت زبیر رضی اللہ عنہ کو جَرف (شام کی جانب مدینہ سے تین میل کے فاصلہ پر ایک جگہ کا نام ہے) سے قنَاۃ (یہ مدینہ کی ایک وادی کا نام ہے) تک کی سرزمین عطا فرمائی۔

۲۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا جاگیر عطا کرنا: حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے بلال بن حارث سے اس زمین کے متعلق جو نبی کریم ﷺ نے ان کو بطور جاگیر دی تھی فرمایا: ''نبی کریم ﷺ نے تم کو یہ زمین اس لئے نہیں دی تھی کہ تم لوگ اس سے لوگوں کو روکو؟ تمہیں صرف نبی کریم ﷺ نے اس کو کام میں لانے کے لئے دیا تھا" لم يقْطَعْكَ لِتَحْجُرَهُ عن النَّاسِ، لم يقْطَعْكَ إِلَّا لِتَعْمَلَ" پھر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے

---

(۱) بخاری: کتاب النكاح، باب الغيرة، حدیث نمبر: ۵۲۲۴

(۲) ابوداؤد: كتاب الخراج والإمارة والفىء، باب فى إقطاع الأرضين، حدیث نمبر: ۳۰۶۰

لوگوں کوعقیق کی سرزمین بطورجاگیردی۔(۱)

۳۔ حضرت عثمان ﷛ کا جاگیرعطا کرنا: حضرت عثمان ﷛ نے پانچ اصحاب رسول اللہ ﷺ کوجاگیریں عطا کی تھی:

"اَقْطَعَ خمسَةً مِنْ أصحابِ رسولِ اللهِ ﷺ ،جن میں حضرت زبیر بن عوام،سعد بن ابی وقاص،عبد اللہ بن مسعود،اسامہ بن زید اورخباب بن الارت ﷡ داخل ہیں(۲)

۴۔ حضرت علی ﷛ کا جاگیرعطا کرنا: سوید بن غفلہ سے مروی ہے کہ فرماتے ہیں کہ میں نے حضرت علی ﷛ سے جاگیر کا مطالبہ کیا،فرمایا: "أکتبْ هٰذا ما اَقطعُ علی سُوَیْدٍ أرضًا لدَوَابِّهِ مابین کذَا إلی کذَا وَمَا شَاءَالله" (۳) یہ لکھوکہ میں نے سوید کوفلاں جگہ سے فلاں جگہ تک کی سرزمین بطورجاگیردی ہے۔

امام ترمذی فرماتے ہیں:

"والعمل علی هذا عند أهل العلم من أصحاب رسول الله صلی الله علیه وسلم وغیرهم، فی القطائع یرون جائزا أن یقطع الإمام لمن رأی ذلك" (۴)

❁❁❁❁❁

---

(۱) ابوداؤد: کتاب الخراج والفیء،باب اقطاع الأرضین،حدیث نمبر:۳۰۶۱

(۲) السنن الکبیری للبیهقی، کتاب أحیاء الأموات، باب کتابة القطائع،حدیث نمبر: ۱۲۱۴۰

(۳) ابن جریر فی تاریخ الامم والملوک:۱/۵۳

(۴) ترمذی: أبواب الأحکام،باب ماجاء فی القطائع،حدیث:۱۳۸۰،امام ترمذی نے اس حدیث کوحسن قرار دیا ہے۔

فن تعمیر، مسلمانوں کے کارنامے

مسلمان سائنسدانوں نے تعمیر کے میدان میں اہم کارنامے انجام دیے ہیں۔ مسلمانوں کی فن تعمیر میں جدت ہے، نفاست ہے اور پختگی ہے اور عقیدۂ توحید کا اظہار ہے۔عقیدۂ توحید کا اظہار اس اعتبار سے ہے کہ ان کے تعمیر کردہ مکانات اور محلات میں انسانی صورتوں کے بنانے سے گریز کیا گیا ہے، کہیں مورتیاں نظر نہیں آئیں گی، لیکن دلفریبی اور دلکشی میں کوئی کمی نہ ہوگی۔عربوں کے فن تعمیر میں اور عمارتی ٹیکنیک میں اورتزیین وآرائش میں ایسی چیزیں ملیں گی جو پہلے دوسری قوموں کی تعمیرات میں نظر نہیں آئیں گی۔مسلمانوں کے فن تعمیر میں:

۱۔ مخروطی ستون ۲۔ مینار ۳۔ آرائشی بیل بوٹے

۴۔ قرآنی آیات کی خطاطی وغیرہ کا استعمال بہت ملے گا۔

مسلمانوں سے پہلے کی عمارتوں میں بھی ستون پائے جاتے ہیں؛ لیکن کم بلندی کے ہوتے تھے، مسلمان نے عالیشان عمارتیں بنائیں تو ستونوں کی بلندی بھی بڑھائی اور چھوٹے ستونوں کو ایسی خوبصورتی سے جوڑا کہ دیکھنے میں جوڑ کا پتا نہیں چلتا تھا۔ مسلمانوں کے بنائے ہوئے ستون میں پہلے کے مقابلے میں جدت اور فنکاری زیادہ تھی، دوراسلامی کی تعمیرات میں گنبد کو امتیازِ خاص حاصل ہے کہ یہ گنبد پہلے نظر نہیں آتے تھے، یہ گنبد عمارتوں کے لحاظ سے مختلف ساخت اور مختلف شکل وصورت کے ہوتے تھے، کرُوی اور بیضاوی اور مخروطی طرز کے گنبد ہوتے تھے، یہ گنبد عالیشان قصور ومحلات پر بھی بنائے

جاتے تھے اور ایک خاص طرز کا گنبد مینار کے ساتھ مسجدوں کے سطح پر بھی بنایا جاتا تھا اور اس پر بیل بوٹے اور خوبصورت نقاشی سے کام لیا جاتا تھا، تاکہ دور سے تلاش کرنے والوں کو مسجد کا پتہ چل سکے، بہت سی مساجد میں قرآنی آیات خطِ کوفی میں اور بعض دوسرے خط میں لکھی جاتی تھیں۔ایران کی بہت سی مسجدوں میں زمین دوز راستے عورتوں کے لیے بنائے جاتے تھے؛ تاکہ مردوں سے اختلاط کے بغیر وہ مسجد میں پہنچ سکیں اور نماز ادا کرسکیں۔

مسلم معمار بلڈنگ ٹکنالوجی میں قدیم زمانہ میں پتھر،روڑیاں، پختہ اینٹوں، گارا اور لکڑی کے تختوں کا استعمال کرتے تھے۔صنوبر کی لکڑیاں ان کو وافر مقدار میں مل جاتی تھیں،شام اور کئی ملکوں میں صنوبر کے درخت بہت ہوتے ہیں۔پتھروں کو تراشنے کا بھی رواج تھا آراستہ پتھروں کو بنانے کے کارخانے قائم تھے۔خوبصورت لکڑیوں کا استعمال شہتیروں اور چھتوں کے لیے ہوتا تھا۔یہ لکڑیاں منقش بھی ہوتی تھیں۔ٹائلوں کا استعمال بھی ہوتا تھا جس کی صنعت گاہیں موجود تھیں۔ٹائل طرح طرح کے اور مختلف رنگوں کے ہوتے تھے اور مسلم ملکوں میں ان کا استعمال عام تھا۔

ہندستان میں مسلمان بادشاہوں نے فن تعمیر میں خصوصی دلچسپی لی اور مُغلیہ دور میں بننے والی عمارتوں میں ایرانی فن تعمیر کا عکس نمایاں ہے، ہندستان میں ہندوؤں کی بنائی ہوئی تعمیرات بھی ہیں اور مسلمانوں کی بنائی ہوئی عمارتیں بھی ہیں،مسلمانوں کی عمارتوں میں دیوان اور دالان کی تعمیر کثرت سے نظر آتی ہے، جن سے مکانات کی وسعت معلوم ہوتی ہے اور روشنی اور ہوا کا گذر زیادہ ہوتا ہے۔ہندوؤں کی تعمیرات میں مورتیاں اکثر نظر آتی ہیں، مسلمانوں کی تعمیرات مورتیوں سے خالی ہیں،مسلمانوں کی بہت سی عمارتوں میں سامنے کی جانب فوارہ بھی نظر آتا ہے۔ملک شام میں ایسے محلات بہت ہیں اور اگر فوارہ نہ بھی ہو تو زیب وزینت کے لیے پھول اور خوبصورت پودے نظر آتے تھے اور اس کے لئے عمارت میں جگہ رکھی جاتی تھی۔

مسلمانوں کے فن تعمیر کی ابتداء قباء کی مسجد سے ہوئی، جو مدینہ منورہ سے تین میل

کے فاصلے پر ہے۔ یہ مسجد پتھروں سے تعمیر کی گئی تھی، اس کے بعد دوسری مسجد نبوی کے نام سے مدینہ منورہ میں ہے اور آج تک موجود ہے اور جس میں مختلف دور میں توسیع کا کام ہوتا رہا ہے، ابتداء میں فرش بالکل خام تھا، بارش میں پانی سے بھیگ جاتا تھا، بعد میں اس میں سنگ ریزوں کا فرش بنایا گیا۔ مسلمانوں نے اپنے ابتدائی عہد میں جو عمارتیں تعمیر کیں وہ بالکل سادہ تھیں، تکلفات وآرائش سے پاک تھیں، اسلامی فن تعمیر کی ترقی امویوں کے عہد میں شروع ہوئی۔ حضرت امیر معاویہ کے عہد میں بصرہ میں ایک جامع مسجد تعمیر کی گئی جس کی دیواریں پختہ اینٹوں سے بنائی گئیں اور دیواروں پر گچ سے استرکاری کی گئی اور غالباً یہ پہلی مسجد تھی جس میں مینار تعمیر ہوا۔ بنوامیہ کے دور میں ٹیکنیک اور خوبصورتی کے لحاظ سے کئی مسجدیں مشہور ہوئیں، جن میں ایک قبۃ الصخراء کی مسجد ہے اور دوسری مسجد بیت المقدس ہے اور تیسری جامع مسجد اموی ہے جو دمشق میں ہے، اموی حکمراں ولید بن عبدلملک کے زمانے میں مسجد نبوی کی نئے سرے سے خوبصورت تعمیر ہوئی اور ایک بلند منبر بنایا گیا اور مسجد کے صحن میں ایک فوارہ بھی لگایا گیا اور قرآنی آیات کندہ کی گئیں۔

بنوعباس کے دور میں شہر بھی بسائے گئے، محلات آباد ہوئے اور مسجدوں کی تعمیر ہوئی اور تعمیرات کی انجینئرنگ کو فروغ ہوا، نئے طرز کے مینار اور گنبد بنے، محراب دورِ اسلام کی اہم تعمیری خصوصیت ہے، ورنہ پہلے محلات اور مکانات میں قوس نما محراب کا کوئی تصور نہیں تھا، مسجدوں کی دیواروں پر گلکاریاں کی گئیں، اور دیواریں بیل بوٹوں سے مزین کی گئیں، خلفاء کے بعض محل قلعہ نما تھے، تراشیدہ پتھروں سے بنائے گئے تھے، بنوعباس کے دور میں شہر بغداد کی بھی تعمیر ہوئی، جس کے چاروں طرف خندق کھودی گئی اور اینٹوں کی بنی ہوئی فصلیں تیار کی گئیں، شہر کے وسط میں ایک محل تھا جس کے اوپر سبز گنبد بنا ہوا تھا، یہ محل خلیفہ کے رہنے کی جگہ تھی۔ اندلس میں مسلمانوں کے دور حکومت میں فن تعمیر کو بہت فروغ ہوا، قرطبہ کی جامع مسجد اندلس کے مسلمانوں کے فن تعمیر کا عمدہ اور دلکش نمونہ ہے، یہ پوری عمارت سنگِ مرمر کے خوبصورت ستونوں پر قائم ہے، جس کی

تشبیہ اقبال نے اپنی نظم میں اس طرح دی ہے: ''شام کے صحراء میں ہو جیسے ''ہجوم نخیل''
اس مسجد میں اکیس دروازے تھے، جن میں چند دروازے عورتوں کی راہداری کے لیے تھے۔ ایک دروازہ خلیفہ کے لیے بنایا گیا تھا جس سے گذر کر وہ صف اول میں منبر تک پہنچ سکتا تھا، اس مسجد میں ستونوں اور محرابوں پر نہایت عمدہ نقش کاری کی گئی ہے اور اس مسجد میں ہزاروں جھاڑ فانوس آویزاں ہیں۔

اندلس میں قصر الزہراء یا مدینۃ الزہراء مسلمانوں کے فن تعمیر کا عمدہ نمونہ ہے۔ یہ شہر قرطبہ سے شمال مغرب میں چار میل کے فاصلے پر ایک پہاڑی کے دامن میں تعمیر کیا گیا ہے، اس شہر کی تعمیر میں تیرہ سال لگے تھے، یہ بلند سطح پر تعمیر کیا گیا تھا، ہر تھوڑی دور پر باغ اور حمام بنے ہوئے تھے اور ایک دیوان تھا جو خلیفہ سے رسمی ملاقات کے لیے بنایا گیا تھا، قصر الحمراء اپنی خوبصورتی میں بے نظیر ہے، صحن سنگِ مرمر کا بنا ہوا ہے، جس کے دونوں جانب خوبصورت ستونوں کی قطار ہے۔

مصر میں جامع ازہر اور یروشلم میں قبۃ الصخراء اور مسجد اقصی خوبصورت فن تعمیر کا بہترین نمونہ ہے۔

ہندستان میں فیروز شاہ تُغلق کو عمارات بنانے کا بہت شوق تھا، اس نے اپنے عہد میں ایک سو سرائے، تیس تالاب، سو شفاء خانے، سو حمام، تیس اعلی مدارس اور ڈیڑھ سو پل تعمیر کرائے۔

اکبر نے اپنے عہد میں ہمایوں کا مقبرہ اور آگرے کی جامع مسجد تعمیر کرائی۔

شاہ جہان کو فن تعمیر سے انتہائی لگاؤ تھا، اس کی بنائی ہوئی عمارتوں میں جامع مسجد دہلی، موتی مسجد آگرہ، لال قلعہ دہلی اور تاج محل بہت مشہور ہیں۔ روضہ تاج محل کا شمار دنیا کے عجائبات میں ہوتا ہے اور یہ ہر دور میں سیاحوں کی دلچسپی کا گذر رہا ہے، یہ دریائے جمنا کے کنارے آگرہ میں ایک عظیم الشان باغ میں واقع ہے، اس کی تعمیر میں سنگ مرمر استعمال کیا گیا ہے، یہ مقبرہ مشہور معمار ستاد عیسی خاں کے زیر نگران کاروں میں مکرمت خان

اور عبدالکریم کے نام بھی آتے ہیں، مقبرہ کی عمارت کے چاروں کونوں پر چار مینار ہیں۔

ہندوستان میں مسلم فن تعمیر کی یادگار قطب مینار ہے یہ اعلی ذوقِ تعمیر کا شاہکار ہے، جامعہ ملیہ کے پروفیسر محمد مجیب نے قطب مینار کی تعمیری خصوصیات پر بہت قیمتی مقالہ لکھا تھا جو ان کے مجموعہ مضامین میں موجود ہے۔

ایران کا ملک بھی فن تعمیر کے لحاظ سے بے مثال رہا ہے، سلجوقیوں کے عہد میں مساجد کی تعمیر کا کام بہت ہوا ہے، ایک قدیم خوبصورت مسجد اپنی خوبصورتی میں اب بھی بے مثال ہے، سلجوقی اپنی عمارتوں کی تزیین وآرائش اینٹوں کے ذریعہ کرتے تھے اور عمارتوں کے بہت سے حصوں کو خوبصورت رنگوں سے رنگین بناتے تھے، سلجوقیوں کے بعد صفوی عہد میں بھی تعمیرات کی بہت زیادہ ترقی ہوئی مسجدیں بنیں، قصر اور محلات بنے، خوبصورت محرابیں تعمیر کی گئیں، دور سے نظر آنے والا اور دل کو کھینچنے والا گنبد تعمیر ہوا، ایران کی بہت ساری تعمیرات بہت دلکش ہیں، ان میں امام علی رضا کا روضہ اور شاہ عباس کی مسجد خاص طور پر قابلِ ذکر ہیں۔ تعمیرات میں جیومیٹری کی ضرورت بھی پیش آتی ہے علم مُثلّث **Trignometry** اور کُروی مُثلّث اور جَیبُ الزَاویۃ (**sine**) وغیرہ کا نظریہ پیش کرنے والے مسلمان ہی تھے۔(۱)

---

(۱) مزید اس عنوان پر ''مسلمان حکمرانوں کے تمدنی جلوے'' کتاب ملاحظہ فرمائیں، اس کتاب سے ہندوستان میں مسلمانوں کی فنِ تعمیر میں خدمات اور کارناموں کے حوالے سے تفصیلات ذکر کی گئی ہیں، مزید اس حوالے سے پروفیسر محسن عثمانی ندوی کی کتاب ''مشاہیر علوم اسلامیہ اور مفکرین و مصلحین، دوسو شخصیات اور ان کے علمی اور دینی کارناموں کا تذکرہ، اور دارالمصنفین کی ان کتابوں: ہندوستان کے مسلمان حکمرانوں کے عہد کے تمدنی جلوے، مرتبہ سید صباح الدین عبدالرحمن، دارالمصنفین اعظم گڑھ، جو سلاطینِ دہلی اور شاہانِ مغلیہ کے عہد کے دربار، محلات، حرم، لباس، پارچہبافی، زیورات وغیرہ کی تفصیلات بیان کرتی ہے، اسی طرح ''گجرات کی تمدنی تاریخ، مسلمانوں کے عہد میں)، مرتبہ مولانا سید ابوظفر ندوی مرحوم، اس کتاب میں بڑی تلاش وجستجو سے گجرات کی تمدنی تاریخ اور شاہان گجرات کے آثار ومشاہد کے محققانہ حالات بیان کئے گئے ہیں، اس کے علاوہ اور ایک کتاب ''ہندوستان کے مسلمان حکمرانوں کے عہد کے تمدنی کارنامے، اس کتاب میں سلاطین دہلی اور شاہان مغلیہ کے عہد کے فنِ تعمیر اور رفاہ عام کے کام، شہروں، گاؤں کی آبادی، باغات وغیرہ کا تذکرہ موجود ہے۔

شہری منصوبہ بندی اور اسلام

اسلام کا ٹاؤن پلاننگ یا شہری منصوبہ بندی کا عمل ایک خاص جدت اور طبیعت کو اپنے اندر لئے ہوئے ہوتا تھا، اس کی منصوبہ بندی اور پلاننگ بھی اسلامی شریعت اور مزاج کے موافق ہوا کرتی تھی، جس میں نصرانی، یہودی اور مجوسی قوموں کی فنِ تعمیر کی تقلید نہیں کی جاتی تھی، بلکہ مسلمانوں کے مصالح اور اسلامی ماحول میں شہر کی منصوبہ بندی کی جاتی، جس سے اسلامی تہذیب وثقافت کا اظہار بھی ہوتا، اس سلسلے میں خصوصاً جہتِ قبلہ وغیرہ کی رعایت خوب کی جاتی، اور دینی مزاج کے موافق اور نبی کریم ﷺ کے ہدایات کے مطابق شہری منصوبہ بندی کی جاتی، جس میں تمام دینی، اقتصادی اور اجتماعی اور معاشرتی مصالح پیشِ نظر ہوتے، خصوصاً دینی پہلو میں جہت قبلہ کو بہت زور ہوتا کہ خصوصاً بیت الخلاء کے بنانے میں قبلہ کی جانب رخ یا پشت نہ ہونے پائے، چونکہ جہت قبلہ کے حوالے سے مسلمانوں کا یہ عقیدہ ہے کہ وہ اللہ عزوجل کی عظیم ذات کی جانب رخ کررہے ہیں، جس میں اللہ کے خوف وخشیت اور خشوع وخضوع اور احترام کو ملحوظ رکھتے۔

ا۔ مسجد

اسلامی فنِ تعمیر، شہری منصوبہ بندی میں سب سے پہلے مسجد کو مقدم کیا جاتا؛ نہ صرف یہ کہ انہوں نے اسلامی فتوحات کے بعد شہروں میں مساجد کی تعمیر کو رواج دیا ہے بلکہ خود نبی اکرم ﷺ کا معمول مبارک بھی شہری تعمیر کے حوالہ سے یہی تھا کہ جب آپ ﷺ مدینہ تشریف لے گئے تو سب سے پہلے مسجد کی تعمیر کے حوالے سے اپنی توجہ مبذول کی

ہے،آپ ﷺ قباء میں ٹھہرے، یہاں مدینہ جانے سے پہلے چند دن کا ہی قیام ہوا لیکن آپ ﷺ نے مسجد قبا کی وہاں بنیاد رکھی،آپ ﷺ مدینہ تشریف لے جانے کے بعد بھی اہل قباء کو تعمیرِ مسجد کا حکم کر سکتے ؛لیکن چونکہ مسجد اسلام میں محور اور اساس اور بنیاد کی حیثیت رکھتی ہے، یہ مسلمانوں کا مرجع ومنبع اوران کے اجتماعیت اوررب کے حضور اپنے بندگی اورعبدیت کے اظہار کی جگہ ہے، پھر جب نبی کریم ﷺ مدینہ تشریف لائے ہیں تو کسی کے گھر ٹھہرنے اور کہیں آرام کرنے سے قبل مسجد نبوی کی تعمیر کے حوالے سے جگہ کی تعیین اورتحدید کی ہے،حضور اکرم ﷺ کا معمولِ مبارک یہ تھا کہ جہاں کہیں بھی تشریف لے جاتے وہاں مسجد کی تعمیر پر زور دیتے،جس میں مسجد الطائف،مسجد العسیر ،مسجد تبوک وغیرہ اس کی زندہ جاوید مثالیں ہیں۔

اس لئے صحابہ اور بعد میں تابعین اور تبعِ تابعین کا بھی اس حوالے سے یہی معمول رہا ہے کہ انہوں نے اپنے گھروں کی تعمیر سے پہلے مسجدوں کی تعمیر کو اہمیت دی ہے، چونکہ مسجد روئے زمین پر اللہ عزوجل کا گھر ہوتا ہے، اسی طرح مسلمانوں میں بناء تفریق اوراختلاف کی اجتماعیت کی جگہ ہوتی ہے، دیگر مصالح سے قبل شریعتِ اسلام نے مسجد کی مصلحت کو پہلے ترجیح دی ہے۔

اس لئے مسجد کی تعمیر کے حوالہ سے یہ بات ملحوظ رہے کہ مسجد چونکہ مسلمانوں کی اجتماعیت کی جگہ ہے اس کے تعمیر کے حوالے سے یہ بات خوب پیش نظر رہے کہ مسجد کی تعمیر شہر کی ایسی جگہ اورشہر کے وسط میں ہو جہاں مسلمانوں کی آمدورفت بآسانی ممکن ہوسکے، وہ جماعت میں بغیر کسی مشقت کے حاضر ہوسکیں، اس لئے مسجد کے تعمیر کے حوالے سے یہ بات ملحوظ رکھی گئی محلہ اوربستی کے ہرسمت سے مسجد کی شان یہ ہو کہ وہ دائرہ اور نقطہ اور مرکز کی حیثیت رکھتی ہو۔

اس لئے کہ مسجد ہی وہ واحد جگہ ہے جہاں تمام مسلمان اپنے دینی اوراجتماعی امور کے حوالے سے غور وخوض کے حوالہ سے بآسانی مجتمع ہوسکتے ہیں، اس لئے بھی مسجد کو

اسلام میں پارلیمنٹ کی حیثیت حاصل رہی ہے، اس لئے ایسی جگہ مسجد ہو جہاں ہر مسلمان بآسانی پہنچ سکتا ہو، اس کے لئے کوئی دقت نہ ہوتی ہو۔

اس کے علاوہ یہ بات بھی ملحوظ رہے کہ شریعت میں نہ صرف یہ کہ عبادت اور مسلمانوں کی اجتماعیت کی جگہ ہے بلکہ یہ دورِ اسلام میں غرباء اور مساکین اور بے گھر بے سہارا لوگوں کا ماوی وملجا بھی رہی ہے، اس لئے بھی اگر مسجد وسط شہر میں ہوتی ہے تو ہر شخص کے لئے مسجد کا رخ کرنا ممکن ہوسکتا ہے، اس لئے وسط شہر میں تمام ضروریات اور حاجات کی چیزیں بھی بآسانی فراہم ہوجاتی ہیں۔

اس لئے شہری پلاننگ میں مسجد کی پلاننگ اور اس کی تعمیر میں اسی کو اساس اور بنیاد بنا کر شہر کی تعمیر کی جائے۔

نبی کریم ﷺ نے قباء اور مدینہ میں مسجد سے شہرِ مدینہ کی ابتداء کی، عتبہ بن غزوان نے بصرہ میں اولاً مسجد تعمیر کی، سعید بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ نے مدائن، پھر کوفہ میں، عقبہ بن نافع نے قیروان، حجاج بن یوسف نے واسط میں، ابوجعفر المنصور نے بغداد میں، ابن طولون نے قطائع میں، جوہر الصقلی نے قاہرہ میں ابتداء مسجد ہی کی تعمیر کی۔

خواہ مسلمان حکام عادل یا ظالم، خواہ وہ متواضع یا شان وشوکت کا اظہار کرنے والے بہرحال انہوں نے جہاں بھی شہروں کو بسایا ہے مسجد کی تعمیر کو اولین ترجیح دی ہے۔ وہی مسجدیں بعد میں دینی وعصری علوم کی عظیم وعالمی یونیورسیٹیاں ہوئے، دار القضاء کا کام بھی وہیں کیا جاتا، حقیقت یہ ہے کہ وہ مسجدیں مسلم معاشرہ میں ہمہ جہتی نفع پہنچایا کرتیں۔

۲۔ بیت الامارت

امیر اور حکومت کے ذمہ دار کا گھر یہ عموماً مسجد سے متصل ہوتا ہے، چونکہ امیر کی اقامت گاہ کے طور پر مسجد سے متصل اور بہتر جگہ کوئی اور نہیں ہوسکتی ہے، چونکہ اس کے علاوہ بھی امیر کے گھر کے مسجد سے متصل ہونے پر امیر کا امتیاز بھی ظاہر ہوتا ہے۔ چونکہ

جس طرح مسجد کی اشد ضرورت ہوا کرتی ہے، امور اور معاملات میں مشورہ اور احکام شرع کی جانکاری کے لئے امیر کی بھی ضرورت اسی انداز سے ہوا کرتی ہے، اس لئے امیر کا گھر مسجد سے متصل ہو، تا کہ وہاں آمد ورفت بآسانی ہوسکے، اور اس کا دروازہ لوگوں کے واسطے ہر دم کھلا ہو، حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ نے جب اپنے گھر کا دروازہ لکڑی کا بنایا اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو اس کی اطلاع ہوئی تو ان کے پاس حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے محمد بن مسلمہ کو بھیجا کہ وہ ان کے گھر کے دروازہ کو جلا دیں **"بعث إليه محمد بن مسلمة فأحرق باب الدار"** (۱) یعنی دار الامارۃ مسجد سے متصل ہونا یہ اسلام کی خصائص اور امتیازات سے تعلق رکھتا ہے، چونکہ سیاست اور حکومت بھی اسلام کا ایک جزو لازم ہے، جس طرح بغیر نماز کے انسان کا ایک دن نہیں گزر سکتا، اسی طرح مسلمانوں کا ایک دن بھی بغیر امیر سے ملاقات اور اپنے امام سے اکٹھا ہوئے بغیر نہ گذرے، چونکہ سیاست دین سے علاحدہ کوئی چیز نہیں ہیں، اس لئے دار الامارۃ مسجد سے متصل ہو۔

اسی لئے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے مسجد سے متصل اپنا گھر بنایا تھا، عتبہ نے دار الامارۃ مسجد کے قریب بنایا تھا **"وبنى عتبه دار الإمارة دون المسجد"** (۲) حضرت سعد نے کوفہ میں مسجد کی جگہ کی تعیین پھر اس کی تعمیر کی پھر اس کے قریب وجوار میں دار الامارۃ تعمیر کیا، (۳) فسطاط میں عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ نے اپنا گھر مسجد کے پڑوس میں بنایا، صرف ایک راستہ درمیان میں حائل تھا **"لم يفصل بينهما إلا طريق"** (۴)

اسلام کا ایک خاص مزاج اور ایک خاص رنگ جس میں دینداری کو اہمیت زیادہ ہے، دین کی تمام شعبہ جات اور حیات کے ہر گوشہ میں خواہ معاشرتی ہو، یا سیاسی،

---

(۱) البلاذری: ۲۷۷
(۲) فتوح البلدان البلاذری: ۳۴۱
(۳) فتح البلدان: البلاذری، المرجع السابق
(۴) احمد فرید، المدينة العربية الإسلامية: ۶۳

اقتصادی یا تہذیبی خواہ اخلاقی ہو ہر گوشہ میں اسلام نے ان امور کو ملحوظ رکھا ہے، اس لئے ان امور کو اسلام سے قطعِ نظر بالکل نہیں کیا جاسکتا۔

معاشرتی اسباب

دوسری چیز جس کا اسلامی شہری منصوبہ بندی میں ملحوظ رکھنا نہایت ضروری ہے چونکہ عرب جزیرہ عربیہ میں اجتماعی زندگی گزارتے تھے، جس میں قبائل وغیرہ کی اجتماعی زندگیاں بھی تھی، شریعت اور اسلام نے قبائلی نظام کو زائل نہیں کیا البتہ اس کو مہذب اور مرتب کیا، اس لئے یہ قبائلی نظام اسلامی نظام کے متوازی نہیں، شریعت نے قبائل کی جانب انتساب کو درست قرار دیا ہے البتہ اس کے لئے اسلام نے چند امور کی تحدید کی کہ قبائلی عصبیت کو ختم کر دیا، ان کی ولاء اور قربت اور رشتہ داری کو باقی رکھا لیکن اس کو اسلام کے ساتھ جوڑ دیا، البتہ شریعت نے قبیلہ کی جانب انتساب میں یہ بات ملحوظ رکھنے کے لئے کہا کہ اس میں اصل نسب والا بیٹا ہوگا، اور تمام افرادِ خانہ میں عدل اور استحقاق میں برابری ملحوظ رکھی جائے گی اور یہ تمام افراد امت دین اسلام کے پیغام کی اشاعت کے یکساں ہوں گے۔

اس لئے قبائل عرب کی نسبتوں کو ختم کر دیا جاتا تو اس سے نسبوں کا محفوظ رہنا مشکل ہوجاتا ہے، جس سے باپ، دادا، چچا اور ماموں وغیرہ کی پہچان اور شناخت متعلق ہوتی ہے، گرچہ قبیلے کی جانب انتساب یہ شرعی نقطہ نظر سے معمولی چیز ہے لیکن اس سے تعارف نسب کے لئے خلاصی بھی ممکن نہیں ہے۔

البتہ شریعت نے اس اجتماعی نظام کو اور مضبوط کیا اور مسلمانوں کو آپس میں اجتماعی اخوت اور اسلامی اخوت کے رشتہ سے جوڑ دیا فرمایا: " **يَا أَيُّهَا النَّاسُ إِنَّا خَلَقْنَاكُمْ مِّنْ ذَكَرٍ وَأُنْثَىٰ وَجَعَلْنَاكُمْ شُعُوبًا وَّقَبَائِلَ لِتَعَارَفُوا إِنَّ أَكْرَمَكُمْ عِنْدَ اللّٰهِ أَتْقَاكُمْ إِنَّ اللّٰهَ عَلِيمٌ خَبِيرٌ** "(۱)

---

(۱) الحجرات: ۱۳

اس لئے اگر اسلامی شہر میں ایک تنہا قبیلہ کے لئے کوئی ایک جگہ مختص کی جاتی ہے تاکہ وہ اپنی بہادری اور جرأت کے ساتھ رہیں اور اپنا دفاع اچھے طریقے سے کرسکیں تو اس کی اجازت ہے۔ پھر رابطہ اسلامی ان کے درمیان مزید قوت واستحکام کا ذریعہ بن سکتا ہے، اس طرح ترقی، استحکام کے اسباب اور پختہ ہوسکتے ہیں۔

اس کے علاوہ عرب خصوصاً ہر جگہ سکونت پذیر نہیں ہو پاتے؛ بلکہ وہ اپنے مزاج کے مطابق جگہ اپنی سکونت اور رہائش کے لئے چنتے۔

اس لئے جب عربوں نے مدائن کو فتح کیا اور وہاں ان کے رنگ بدل گئے، ان کا گوشت کم ہوگیا، ان کے جسم کمزور پڑ گئے، حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ سے پوچھا کہ ان کے ساتھ یہ کیسا ہوا؟ تو فرمایا: "إنّ العرب خَدَّدهُ وغيرِ ألوانهم وَخُومَةُ المدائنِ ودجلةَ" (١)

چنانچہ پھر ان کے لئے وہاں ایک دوسری جگہ جس میں مچھر مکھیاں نہ ہو بسائی گئی، پھر وہ وہاں سکونت پذیر ہوگئے:

"قالوا فأصابهم البعوضُ، فكتبَ سعدٌ إلى عمرَ يُعلمُه أنّ الناسَ قد تأذّوا بذلك" (٢)

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے پھر خط لکھا جس میں انہوں نے سلمان فارسی رضی اللہ عنہ اور حذیفہ بن الیمان رضی اللہ عنہ کو بھیجا کہ وہ آبادی کے مناسب جگہ تلاش کریں۔

"ليرتادمنزلا للناس تتوفر فيه الشروط التى توافق بيئة العرب والمناخ الذى يناسبهم، واشترط فيه أن يكون بريا بحريا بينهم وبينه لا فيه بحر ولا جسر"

چنانچہ حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ فرات کے مشرقی جانب گئے وہ جگہ مناسب نظر

---

(١) تاریخ الطبری، الطبری: ٤/٤١، دار التراث العربی، بیروت

(٢) فتوح البلدان: البلاذری: ٢٧١، دار ومکتبة الهلال، بیروت

نہیں آئی، پھر کوفہ آئے تو وہاں ایک جگہ ان کو مناسب لگی تو ان دونوں نے وہاں نماز پڑھی اور فرمایا:

اللهم ربَّ السماءِ وما أظلَّت، وربَّ الأرضِ وما اقلّت، والريحِ وما ذرتْ، والنجومِ وما هوتْ، والبحارِ وما جرتْ، والشياطين وما أضلّت، والخصاصِ وما أجنتْ بارك لنا في هذه الكوفةِ واجعله منزلَ ثباتٍ (۱)

اس لئے شہری منصوبہ بندی میں یہ بھی ضروری ہے کہ آب وہوا کا بھی لحاظ کیا جائے جس سے لوگوں کی صحت اور طبیعت باقی رہے، وہ امراض اور بلیات کا نشانہ نہ بنیں۔

۳۔ سڑکیں اور میدان

عرب نے اسلامی شہروں کی آبادکاری میں سڑکوں کے سلسلے میں نہایت پلاننگ اور منصوبہ بندی کی جس سے ان کی قوتِ ادراک اور سمجھ بوجھ کا پتہ چلتا ہے۔

شہروں میں سڑکیں اور میدان کو بہت اہمیت ہوتی ہے، سڑکیں کشادہ، میدان وسیع وعریض ہو، جس قدر لوگوں کو اچھی آب وہوا میسر ہوگی اور سورج کی روشنی بآسانی پہنچی گ ی یہ صحت کے لئے نفع بخش ہوگا۔

سڑکیں اور میدان کا ماحول کا صحت مند بنانے میں بڑا رول ہوتا ہے، محلوں کی کوئی قیمت نہیں ہوتی اگر اس میں مناسب روشنی اور مناسب پلاننگ اور آب وہوا کی مناسبت سے نہ بنائے گئے ہوں، تنگ سڑکیں یہ نہ صرف رہائش پذیر لوگوں کے لئے تنگی اور گھٹن کا باعث ہوتی ہیں، اس کی وجہ سے پاکی صفائی وستھرائی کا بھی خاص اہتمام نہیں ہوسکتا، جس سے گھروں میں موذی حشرات الارض اور گندگی اور بدبو سے محفوظ رکھا جائے اور سورج کی روشنی بآسانی گھر میں پہنچ سکے، تاکہ سردی میں سورج کی روشنی سے مستفید ہو اور گرمی میں اس کی چھاؤں سے استفادہ کیا جاسکے۔

---

(۱) تاریخ طبری، الطبری: ۴/۴۱

اس لئے عرب خصوصا فطری طور پر وسیع سڑکوں اور کشادہ میدانوں میں بسنے کے عادی تھے، چونکہ جس علاقے میں وہ پلے بڑھے وہ تنگ علاقہ نہیں تھا، وہاں کثیر آبادی نہیں تھی، بلکہ اکثر وبیشتر تو خیمہ زن زندگی کے عادی تھے، وہ لوگ خیموں میں زندگی گزارتے تھے جس میں بھیڑ کے بال اور کھال کا استعمال ہوتا جس کا تذکرہ اللہ عزوجل نے بطور نعمت کے فرمایا ہے:

وَاللّٰهُ جَعَلَ لَكُمْ مِّنْۢ بُيُوْتِكُمْ سَكَنًا وَّجَعَلَ لَكُمْ مِّنْ جُلُوْدِ الْاَنْعَامِ بُيُوْتًا تَسْتَخِفُّوْنَهَا يَوْمَ ظَعْنِكُمْ وَيَوْمَ اِقَامَتِكُمْ ۙ وَمِنْ اَصْوَافِهَا وَاَوْبَارِهَا وَاَشْعَارِهَآ اَثَاثًا وَّمَتَاعًا اِلٰى حِيْنٍ (۱)

صحراء وبیاباں کی وسعت جہاں عرب رہائش پذیر تھے، افق کی لامحدود وسعت جس میں یہ پلے بڑھے یہ اسلامی شہری منصوبہ بندی کی خصوصیات ہیں، مسجد کو بھی ایک کشادہ میدان سے ہر چہار جانب سے گھیرا جاتا۔

جب مسجد کی تعمیر ہوئی تو لوگ مسجد کے اردگرد گھروں کی تعمیر میں دلچسپی لینے لگے تو جس کی وجہ سے حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کو قرعہ اندازی سے کام لینا پڑا، چنانچہ اہل نزار اور اہل یمن کو تیر اندازی کا حکم کیا جس کا تیر پہلے لگے گا ان کو اس سمت میں جگہ دی جائے گی، چنانچہ اہل یمن کو مشرقی جانب میں گھر دیئے گئے، اہل نزار کو مغربی جانب اس طرح سب کو مرتب انداز میں بنایا گیا۔

مسجد کے میدان کو اور دار الامارۃ کو ایک خندق سے ڈھنک دیا گیا تا کہ ادھر سے دشمن حملہ نہ کریں، مسجد کے جہت قبلہ میں چار سڑکیں اور شمالی جانب چار، مشرق جانب چار اور مغربی جانب چار سڑکیں نکالی گئیں، شمال مسجد میں قبیلہ سلیم، ثقیف، ہمدان، بجیلہ تیم اللات، تغلب وغیرہ مقیم ہوگئے۔ اور ہر قبیلہ کے بیچ ایک راستہ سے فاصلہ کیا گیا۔

---

(۱) النحل: ۸۰

جنوب مسجد میں بنو اسد، نخع، کندہ اور ازد اقامت پذیر ہوئے، ان کے درمیان ایک راستہ سے فاصلہ کیا گیا۔

مسجد کے مشرقی جانب انصار، مزینہ، تمیم محارب، اسد وعامر اقامت پذیر ہوئے، ہر ایک کے بیچ ایک راستہ بنایا گیا۔

مسجد کے مغربی جانب بجالہ، بحلہ، جدیلۃ اخلاط، جہینہ اور اخلاط وغیرہ قبیلوں کو جگہ دی گئی۔

یہ کوفہ کی منصوبہ بندی تھی، بلکہ حضرت سعد کوفہ کی منصوبہ بندی فوجی اور سرحد کے نگراں کاروں کے لئے بھی خصوصی منصوبہ بندی کی جس میں یہ آکر اقامت پذیر ہوتے۔

اسی طرح بازار بھی مسجد اور ان چہار جانب کی گھروں کے درمیان میں فضائی مقام پر تھا، تاکہ لوگوں کے لئے ان کے حاجات کے سامان بآسانی مہیا ہوسکیں، چنانچہ بازار کو ایسی دوری پر بسایا کہ جس کی وجہ سے وہاں کا شور ان کے کانوں میں نہ پڑے۔

اور ایک ہدایت یہ بھی تھی کہ اینٹ سے تو تعمیر کی جاسکتی ہے لیکن ہمہ منزل تعمیریں نہیں کی جاسکتی، تین منزل تک تو ٹھیک ہے، اور اس حوالہ سے سنت کی پیروی کی تلقین کی:

"وكان من توجيهات الخليفة لما هم الناس بالبناء باللبن أن يبنوا ولا يتطاولوا في البنيان وحدد لهم ثلاثة طوابق، وأوصاهم بإتباع السنة لكي تلزمهم الدولة" (۱)

یہ اسلامی شہری منصوبہ مندی کی ایک انوکھی مثال ہے، اس لئے اگر ان کو عمارتوں کی تعمیر کے حوالے سے بے مہار چھوڑ دیا جاتا تو یہ تعمیر کے سلسلہ میں فخر ومباہات

(۱) عناية الإسلام بتخطيط المدن وعمارتها: ۱۲

اور مسابقت میں لگ جاتے اور بڑے بڑے محلات کے مالک بننے میں لگ جاتے اور اس میں جو مفاسد ہیں اس کو ہر شخص اچھی طرح جانتا ہے۔

بلند تعمیرات یہ کبر ونخوت اور بے پردگی کا باعث ہوتی ہیں، یہ دلوں میں کمزوری پیدا کرتی ہیں، اگر مسلمانوں میں یہ صفات آتی ہیں تو مسلم قوم ہلاکت کے دہانے پر پہنچ جاتی ہے، اس کے علاوہ اس کی وجہ سے اس قوم کی فضول خرچی کا علم ہوتا ہے جو امت کے لئے نہایت مہلک کن ہے، جس کی وجہ سے لوگ خروج فی سبیل اللہ کے عمل سے رہ جاتے ہیں، جو ان کی نخوت اور ذلت کا باعث ہوجاتا ہے۔

اس کے علاوہ تعمیرات میں مسابقت کا جذبہ اس کی وجہ سے روشنی بھی رک جاتی ہے، سورج سے گھروں کی تطہیر اور صفائی کا عمل بھی رک جاتا ہے، ٹھنڈی اور بہترین آب وہوا سے بھی لوگ محروم ہوجاتے ہیں۔

اس کی وجہ سے انسانی نفسیات بگڑ جاتے ہیں، اور صحت بگڑ جاتی ہے اور دیگر مہلکات سے دوچار ہونا پڑتا ہے، اس لئے حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے تعمیر میں اعتدال کی راہ اپنانے کا حکم دیا، جس میں تعمیرات کو حد سے زیادہ بلند کرنے سے منع کیا گیا، اس کی مقدار کے متعلق جب ان سے پوچھا گیا تو فرمایا:

"وما القدر؟ قال: لا یقربکم من السرف ولا یخرجکم من القصد"(۱)

جس میں اسراف بھی نہ ہو اور اعتدال اور وسطیت سے بھی خروج نہ ہو۔

صاحبِ تاریخ بغداد نے نقل کیا ہے کہ منصور نے مدینۃ السلام کی سڑکیں نہایت وسیع وعریض بنائی تھیں، جو چالیس گز تھی، اور ان جگہوں میں جو بھی عمارتیں آئیں ان کو منہدم کرنے کا حکم دیا تھا۔

---

(۱) تاریخ الطبری: ۴/۴۴

"أن المنصور أوسع الطريق بمدينة السلام ، وجعلها أربعين ذراعا، وأمر بهدم ما شخص من الدور عن ذلك المقدار" (۱)

جب منصور نے دیکھا کہ لوگ عمارتوں پر فخر کرنے لگے ہیں جس کی وجہ سے عمارتیں ایک دوسرے سے مزاحم ہونے لگی ہیں جس کی وجہ سے پیدل چلنے والوں کے لئے بھی راستے نہیں رہے خصوصا بازار جو شہر کے اندر تھے تو اسلامی نظام کے مطابق نہیں تھے، تو اس صورتحال سے منصور بہت پریشان ہوا، اس نے فوراً سڑکوں کی کشادگی کا حکم دیا، غالب گمان یہ ہے کہ اسی منصوبہ کو نافذ کیا جس کو خلیفہ المسلمین عمر بن الخطاب ﷛ نے چالیس گز راستہ بنانے کا حکم دیا تھا۔

خلیفہ المؤمنین عمر بن الخطاب ﷛ ان گھروں کو منہدم کرنے کا حکم فرماتے جو راستوں میں ہٹے ہوئے ہوتے، جس کی وجہ سے لوگوں کے راستے تنگ ہوجاتے اس لئے دیگر خلفاء نے بھی انہیں کی پیروی کی۔

منصوبہ بندی کے حوالے سے توجہ اور بے التفاتی جس میں رعایت کے ساتھ شفقت اور لوگوں کے احوال کی رعایت سے نظم کے بگڑنے کا امکان تھا، جس کی وجہ سے ان کی انتشار اور حکومت کے قوانین کے عدمِ احترام پر ہمت افزائی ہوسکتی تھی، جس کی وجہ سے ان کی جراءت لوگوں کے حقوق پر ڈاکہ ڈالنے کی ہوتی، جس سے کمزوروں کے حقوق کے ضائع ہونے کا بھی امکان تھا، جس کی وجہ سے قانون کی خلاف ورزی کے سلسلے میں کسی سے کوئی رعایت نہیں برتی گئی۔

اس کے علاوہ اس طرح چھوٹ دینے میں فنِ جمال اور شہر کی حسن وخوبصورتی ختم ہوجاتی، تنگ سڑکیں اور ایک دوسرے سے ملے ہوئے گھر یہ پتھروں کے ڈھیر کے مانند ہوتے ہیں، یا اینٹوں کا محض ایک جنگل ہوتا ہے، اس لئے مسلمانوں نے خصوصا

---

(۱) تاریخ بغداد: ۱/ ۸۰

شہری منصوبہ بندی میں فسطاط جیسے شہروں میں داخلی منظم گلیاں، منسق کمرے، افقی منقوش عمارتیں تھی، اسی طرح احمد بن طولون نے بھی جو علاقے تعمیر کئے تھے جس میں نہایت عالیشان گھر محل اور نہایت اونچی اور خوبصورت مساجد تھی، جس کی گواہی اس وقت شہر اندلس دیتا ہے، مورخین جس حقیقت سے پردہ پوشی یا تجاہل عارفانہ برتنا چاہتے وہ خود اس وقت اس کی شاہد عدل ہیں۔

اس سے بھی پتہ چلتا ہے کہ شہری منصوبہ بندی میں آب وہوا کے ساتھ ساتھ فنی حسن وجمال کی بھی خوب رعایت کرتے تھے۔

بازار بھی شہر کے بیچوں بیچ مسجد اوردار الامارت کے بالکل بازو ہوتے، تاکہ مصلحت عامہ ملحوظ رہے، مسلمانوں کے لئے سہولت ہو، جب روم کے پادریوں نے منصور کے عہد سلطنت میں بغداد دیکھا اور اس کی سڑکوں اور بازاروں میں گھومے پھرے واپسی کے بعد ان میں سے کسی سے منصور نے پوچھا شہر کیسا ہے:

تو اس نے کہا:

”جيدة وجميلة إلا أنه يعيبها أمر واحد، قال المنصور: وما هو؟ لأن وجود السوق أى داخل المدينة يمكن العدو من الدخول من غير معارض ؛ لأنه يدخل متسوفا، والتجار يرحلون إلى البلاد، ويتكلمون بأخبارك فيطلع عليها عدوك، عندئذ أمر منصور بهدم الأسواق داخل الأسوار، ونقلها إلى خارجها وحولها إلى باب الكرخ وباب الشعير، وباب المحول“(١)

یہ نہایت خوبصورت اور بہترین ہے، لیکن صرف اس میں ایک عیب ہے، منصور نے کہا: کیا ہے تو اس نے کہا: بازار کا شہر کے بیچوں بیچ

(١) تاریخ بغداد: خطیب :١/ ٨٠

ہونا یہ بغیر کسی رکاوٹ کے دشمن کے حملہ آور ہونے کی وجہ بن سکتا ہے، چونکہ جب تاجر اپنے شہروں کو جاتے ہیں تو وہ تمہاری باتیں کرتے ہیں، جس پر اس وقت تمہارا دشمن مطلع ہوتا ہے، اس وقت منصور نے شہر کی فصیلوں سے بازاروں کو نکالنے اور اس کو شہر کے اطراف واکناف میں منتقل کرنے کا حکم کیا تو اس کو "باب کرخ"، "باب الشعیر" اور "باب المحول" کی جانب منتقل کر دیا گیا۔

اس کے علاوہ بازاروں کے شہر سے منتقل کرنے کی ایک وجہ یہ بھی ہوسکتی ہے کہ بازار کے شور وشغب سے محفوظ رہا جائے، اگر بازار شہر میں ہوتے ہیں تو اس کی وجہ سے پکار اور آواز کا امکان ہوتا ہے۔جس کی وجہ سے شہریوں کا سکون برباد ہوجاتا ہے، اس کے علاوہ بازار کے فضلات اور یہ عفونت اور گندگی پیدا کرتے ہیں، جس کی وجہ سے نہایت قبیح اور برا منظر نظر آتا ہے، راستے گندگی سے اٹ جاتے ہیں، اس وقت چونکہ بازاروں میں اس قدر کافی وسائل نفاست نہیں تھے اور نہ ہی کافی تعداد میں اس کی صفائی کو انجام دینے والے لوگ۔

جمالی اسباب کے علاوہ سیاسی اسباب نے بھی منصور کو بازاروں کے شہر کے باہر منتقل کرنے پر مجبور کیا، اسی طرح اس سے قبل بھی یہ بات گذری کہ خرید وفروخت کی آوازیں حضرت سعد بن ابی وقاص ؓ کی مجلس میں خلل انداز ہورہی تھیں، جب کہ بازار دار الامارۃ کے پڑوس میں واقع تھے۔

اسی طرح جب منصور کو یہ بتا چلا کہ سقاء گدھوں پر شہر میں پانی لاتے ہیں تو اس نے اپنے وزیر کو حکم دیا کہ س اگوان سے بنے پلوں سے باب خراسان سے محل تک پانی لانے کا نظم کیا جائے:

"وأمر وزيره أن يجر الماء إلى المدينة عن طريق قنوات

من الساج تأتی من باب خراسان حتی تصل إلی القصر"(۱)

یہ شہر بغداد کی منصوبہ بندی تھی۔ (۱)

❁❁❁❁❁❁❁❁

(۱) معجم البلدان: یاقوت الحموی: ۱/ ۲۶۰

(۲) عنایة الاسلام بتخطیط المدن وعمارتها، محمد السید وکیل، دار الانصار، القاهرة، یہ کتاب اسلامی طرز تعمیر، شہر منصوبہ بندی، جس میں مسجد کو مرکزی حیثیت حاصل تھی، اس کے علاوہ سڑکوں کی وسعت کا اہتمام، بازار اور اس کے علاوہ گھروں کی تعمیر میں بے جا اسراف اور نہایت منصوبہ بند انداز میں شہر کی نو آبادیاتی کا انتظام ہوتا تھا، جس کے لئے، شہری منصوبہ بندی سے متعلق مضمون کا مطالعہ کیا جائے۔ اس ٹاون پلاننگ کے متعلق دیگر کتابوں میں "تخطیط المدن وتاریخه، محمد حماد، تاریخ تخطیط المدن، محمد احمد عبد الله، المفهوم الاسلامی لتخطیط المدینة، أثر البعد البیئی علی تخطیط المدن والعمارة الإسلامیة، العمارة والزخرفة، حتّان قرقونی، المدینة الإسلامیة، محمد عبد الستار، العالم المعارف، العمراة، الأصالة والمعاصرة، تخطیط المدن -اسلوب ومراحل، نماذج من المدن الإسلامیة، المدینة العربة الإسلامیة، صالح بن علی" وغیرہ کتابیں اس موضوع پر انٹر نیٹ پر دستیاب ہیں، شائقین استفادہ کر سکتے ہیں۔

مختصر بنیادی اصول

۱) تجارت ضرورتِ زندگی ہے مقصد زندگی نہیں۔

۲) حلال مال ہمیشہ دیکھنے میں تھوڑا نظر آئے گا اور حرام زیادہ "قُل لاَّ يَسْتَوِي الْخَبِيثُ وَالطَّيِّبُ وَلَوْ أَعْجَبَكَ كَثْرَةُ الْخَبِيثِ"۔(۱)

۳) رزق کی فکر میں رزاق، پیٹ کے غم میں قبر کو نہ بھولئے۔

۴) بے محنت کے مال کے حاصل کرنے کا جذبہ یا کم محنت میں زیادہ کمانے کا جذبہ کبھی آدمی کو حرام کی طرف لے جاتا ہے۔

۵) دوسرے کو دھوکہ دیئے بھی بغیر آپ ترقی کر سکتے ہیں۔

۶) بہر حال قسمت کا لکھا ملنے والا ہے "ألا إن نفسا لن تموتَ حتى تستكملَ رزْقَها" (۲)

۷) کوئی آپ کے مقدر کے ایک دانے کو چھین نہیں سکتا۔

۸) ایک ہی کاروبار میں صرف سہولت یا لالچ کی وجہ سے بہت سے لوگوں کا داخل ہونا مناسب نہیں، ملک، شہر، بستی اور محلہ میں زمینات اور مکانات کے علاوہ بھی انسانی ضروریات ہیں، خواہ مخواہ بلا وجہ مقابلہ کے ماحول میں جھوٹ، فریب،

---

(۱) المائدة:۱۰۰

(۲) حلية الأولياء، احمد بن الحواری ومنهم الزاهد فی السراوی: ۲۶/۱۰، سنن ابن ماجة، باب الاقتصاد فی طلب المعيشة، حدیث: ۲۱۴۴

خیانت کا ارتکاب کیوں کررہے ہیں۔

۹) جتنا ہو سکے پاٹنر شب چاہے جائز طریقے پر ہومت کیجئے

وَإِنَّ كَثِيْراً مِّنَ الْخُلَطَاء لَيَبْغِيْ بَعْضُهُمْ عَلَى بَعْضٍ إِلَّا الَّذِيْنَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ وَقَلِيْلٌ مَّا هُمْ (۱)

۱۰) چاہے اپنے اور بھائی سے لین دین کا معاملہ ہو مگر صاف اور واضح انداز میں تمام باریکیوں کے ساتھ تحریر میں لائیے۔

يَا أَيُّهَا الَّذِيْنَ آمَنُواْ إِذَا تَدَايَنتُم بِدَيْنٍ إِلَى أَجَلٍ مُّسَمًّى فَاكْتُبُوهُ (۲)

۱۱) اُدھار کاروبار سے بچیئے، اُدھار خریدنے سے ادائیگی میں غیر معمولی دباؤ اُدھار بیچنے سے وصولی کا عذاب لگا رہے گا "**قليل يكفيك خير من كثير يلهيك**" (۳)

۱۲) ضروریات بہت تھوڑی ہیں، انسان کو خواہشات نے پریشان کر رکھا ہے، ضرورت وہ ہے جس کے بغیر ہمیں ضرر اور تکلیف ہو۔

۱۳) اللہ کی رضا، دل کا چین، رشتوں کا جوڑ، دوستوں کا خلوص واعتماد، اولاد کی تربیت، والدین کی خدمت، صحت کی حفاظت، مال کی برکت اصل ہے، یہ سب کچھ ختم ہو چکا ہو تو آپ دولت بٹور کر کیا کریں گے۔

---

(۱) سورۃ ص: ۲۴

(۲) البقرۃ: ۲۸۲

(۳) مرقاۃ المفاتیح، کتاب الرقاق: ۸/۳۲۳۴، دار الفکر، بیروت

کونسی تعمیر مذموم ہے؟

شرعی پردہ، اولاد کی تربیت، معاشرتی یکسوئی ذاتی مکان کے بغیر نہیں ہوسکتی، کرایہ کی مہنگائی، مالکِ مکان کی بے تمیزی، ناگہانی حالات کی وجہ سے مکان کی ضرورت بڑھ چکی ہے، خود رسول اللہ ﷺ نے مسجد نبوی کے پاس اپنے تمام بیویوں کے لئے ضروری علاحدہ مستقل کمرے تعمیر کئے۔

لیکن آخرت سے غفلت، نمائش وتفاخر کا جذبہ، استحکام ومضبوطی سے زیادہ بے جا، مبہم، معیاری زندگی پر خرچ کرنا، اس زمانہ کا مرض بن چکا ہے، شہروں میں مکان ہی نہیں، بڑھاپے میں شہر کے باہر فارم ہاؤس (جس میں کھیت، باغیچہ، جانور، سیونگ پل وغیرہ کا انتظام ہوتا ہے) تعمیر کرنے کا رواج ہوتا جارہا ہے، قرآنی اشارات، احادیث شریفہ، صحابہ کرام کے واقعات، ملفوظات نقل کئے گئے تاریخی واقعات سے عبرت لینے کی کوشش کی گئی، بقدر ضرورت مکان بنانے کے بعد مدارس ومکاتب کا قیام، دارالقضاء کی ترویج، غیر سودی قرضوں کی فراہمی، بے گھر لوگوں کو آسان قسطوں اور سستی قیمتوں میں مکان کی تعمیر کر کے دینا، قادیانیت، عیسائیت زدہ دیہاتوں کی رفاہی خدمات، اسلامی اسکولس اور پابندِ شریعت ہاسپٹلس بنانا اور بہت سے کام ہیں جو ہمارے اموال کا صحیح، دیرپا، نہایت نافع، قوم کی عظیم خدمت بنا سکتے ہیں، معذورین، معمرین، مہلک امراض میں مبتلی اشخاص، ریسرچ وتحقیق کے اعلیٰ ادارے دوسری قوموں نے جتنے انسانیت کی بنیاد پر کام کئے اس آخری زمانے میں اتنے کام نہیں

ہوئے ، ہم کب سمجھیں گے کہ قوم بلند وبالا ، فلک بوس، حیرت انگیز عمارتوں سے باقی نہیں رہتی، نسلوں کی صحیح منصوبہ بند تعمیر کرنے سے زندہ رہتی ہیں۔

گھر کی تعمیر انسان کی بنیادی ضروریات میں سے ہے، انسان ابتدائے آفرینش ہی سے اپنی رہائش کے لئے مختلف انداز میں گھروں کی تعمیر کے جذبہ کی تکمیل کرتا رہا ہے، پہاڑوں کو تراش کر، گھاس پھوس، جھونپڑوں، ریت، مٹی، گارے اور پتھروں سے لے کر جدید طرزِ تعمیر کے فلک بوس عمارتیں جو آہنی سلاخوں (Steel) سے بنائے جاتے ہیں، اس کے ذریعہ انسان اپنے ٹھکانے، آشیانے اور آسرا کو بناتا رہا ہے۔

اللہ عزوجل نے مکان کو موقع احسان وامتنان میں ذکر فرمایا ہے: "**وَاللّٰهُ جَعَلَ لَكُمْ مِّنْ بُيُوْتِكُمْ سَكَنًا**"(۱) اللہ عزوجل نے تمہارے گھروں کو تمہارے لئے باعث سکون بنایا ہے۔

انسان کی اسی رہائشی ضرورت کو بتلاتے ہوئے آپ ﷺ نے فرمایا: ابن آدم کو بس یہ چیزیں حاصل کرنے کا حق ہے: ایک گھر جس میں رہائش اختیار کرے، ایک کپڑا جس سے وہ ستر ڈھانک سکے اور روٹی اور پانی جس سے شکم سیر ہوسکے "بیت یسکنه، وثوب یواری به عورته وجلف الخبز والماء"(۲)

اور ایک روایت میں کشادہ، بقدرِ ضرورت مکان کی تعمیر کو آدمی کی سعادت قرار دیتے ہوئے فرمایا: کشادہ مکان، نیک پڑوسی اور خوشگوار سواری آدمی کی سعادت کی علامت ہیں:

"مِنْ سَعَادَةِ المرْءِ المسكنُ الواسِعُ، والجارُ الصَّالِحُ، والمركَبُ الْهَنِيءُ"(۳)

---

(۱) النحل:۸۰

(۲) ترمذی: باب منه، حدیث نمبر: ۲۳۴۱، امام ترمذی نے اس روایت کو حسن صحیح کہا ہے۔

(۳) الأدب المفرد: باب المسكن الواسع، حدیث نمبر: ۴۵۷، مولانا الیاس بارہ بنکوی نے اس روایت کو صحیح کہا ہے۔

حضرت مستورد بن شداد ﷺ سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کوفرماتے ہوئے سنا کہ: جس شخص کے یہاں بیوی نہ ہووہ بیوی حاصل کرے، جس کے پاس خادم نہ ہو، وہ خادم حاصل کرے، جس کے پاس گھر نہ ہووہ گھر حاصل کرے "فَإِنْ لَمْ يَكُنْ لَهُ مَسْكَنٌ فَلْيَكْتَسِبْ مَسْكَنًا"(۱)

حضرت حبۃ اور سواء خالد کے لڑکوں سے روایت ہے کہ وہ دونوں کہتے ہیں کہ: ہم رسول اللہ ﷺ کے پاس آئے، آپ ﷺ کسی کام میں مشغول تھے یا کوئی تعمیر فرما رہے تھے، تو ہم نے آپ کی مدد کی تو آپ ﷺ نے کام سے فارغ ہونے پر ہم کو دعا دی "هُوَ يَعْمَلُ عَمَلًا أَوْ يَبْنِي بِنَاءً فَأَعَنَّاهُ عَلَيْهِ، فَلَمَّا فَرَغَ دَعَا لَنَا"(۲)

مکان کی تعمیر انسان کی رہائشی ضرورت کی تکمیل کے لئے ہے، اس لئے اس میں کفایت شعاری سے کام لیا جائے، دراصل انسان کا اصل گھر اور ٹھکانہ تو دارِ آخرت ہی ہے، فکرِ آخرت انسان کو عارضی دنیا، اس کی زیب وزینت، بڑی بڑی تعمیرات، کوٹھیاں، محلات بنانے کی فرصت اور مہلت ہی نہیں دیتی۔

حضور ﷺ نے فرمایا: "كُنْ فِي الدُّنْيَا كَأَنَّكَ غَرِيبٌ أَوْ عَابِرُ سَبِيلٍ" تم دنیامیں ایسے رہو جیسے کوئی مسافر یا رہ گذر ہوتا ہے۔(۳)

کسی مسافر کو درمیانِ سفر کسی جگہ پر مکان کی تعمیر کی نہیں سوجھتی وہ تو بس اپنی ضرورت کی تکمیل کے بعد منزلِ مقصود کی طرف رواں دواں ہوجاتا ہے، اور کسی رہ گذر کو درمیان راہ میں مکان کی تعمیر کا خیال بھی نہیں آتا، آخرت کی اَبدی زندگی کے مقابلے میں دنیا کی مختصر زندگی بھی دارِ آخرت کی تیاری کی رہ گذر ہے، اس لئے اس کے حسن وخوبصورتی اور اس کی آرائش وزیبائش میں اپنی فکری اور مالی ومادی توانائی کو صرف کرنا

(۱) ابوداؤد: حدیث نمبر: ۲۱۴۲، امام منذری نے اس پر سکوت اختیار کیا ہے۔

(۲) مسند احمد: حديث حبة وسواه ابني خالد، حدیث نمبر: ۱۵۸۹۴

(۳) بخاری: باب قول النبی صلی اللہ علیہ وسلم: کن فی الدنیا کانك غریب، حدیث نمبر: ۶۰۵۳

کسی عقل مند کا تو کام نہیں ہوسکتا، روئے زمین پر اس وقت کتنے ہی مکانات، تعمیرات، محلات، عالی شان عمارتیں ایسی بھی ہیں جو اپنی قدامت وصلابت میں بے مثال ہیں اور ان کو دنیا کے عجائبات میں شمار کیا جاتا ہے، اس کی طرزِ تعمیر اور نقش ونگار آج بھی دنیا والوں کی آنکھوں کو خیرہ کئے ہوئے ہیں، مکان تو موجود ہیں، مکیں کا کوئی نام ونشان تک نہیں، بجائے اس مٹی، گارے، کنکر پتھر پر اپنے روپیئے پیسے خرچ کرنے کے کارِ خیر میں ان کو صرف کر کے آخرت کے گھر کیلئے اپنے ان پیسوں کو اللہ کیلئے محفوظ کر لیتے تو روزِ آخرت میں کام آتے۔

آپ ﷺ نے تعمیرات میں اسراف اور فضول خرچی سے منع کرتے ہوئے فرمایا: آدمی کے ہر خرچ کا اجر وثواب ملتا ہے سوائے تعمیر میں خرچ کے "یُوْجَرُ الرَّجُلُ فِیْ نَفْقَتِهٖ کُلِّهَا اِلَّا التراب" (۱)

اور ایک روایت میں ہے کہ "اِلَّا البناءَ فَلَا خَیرَ فِیْهَا" سوائے تعمیر کے اس میں کوئی خیر نہیں۔ (۲)

اور ایک روایت میں فرمایا: "جب اللہ عزوجل کسی بندے کے ساتھ برائی کا ارادہ فرماتے ہیں تو اسے اینٹ اور مٹی کا سبز باغ دکھاتے ہیں (اس کی نگاہ میں تعمیر کو خوشنما بناتے ہیں) پھر وہ تعمیرات میں لگ جاتا ہے، "اذا أرادَ اللهُ بِعَبْدٍ شرًا خضّرَ لَهٗ فی اللَّبِنِ وَالطّیْنِ حتی یَبْنِیْ" (۳)

آپ ﷺ نے اپنے اصحاب رضی اللہ عنہم کو گھر کے بنانے اور تعمیر میں مصروف دیکھا تو ان کو دارِ آخرت کی جانب متوجہ کیا۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ ایک دفعہ رسول اللہ ﷺ باہر تشریف لے گئے،

---

(۱) ترمذی: باب: حدیث نمبر: ۲۴۸۲، امام ترمذی نے اس روایت کو حسن صحیح کہا ہے۔
(۲) ترمذی: باب: حدیث نمبر: ۲۴۸۲، امام ترمذی نے اس روایت کو غریب کہا ہے۔
(۳) الترغیب: حدیث نمبر: ۲۸۸۰: ۳/ ۱۳، دار الکتب العلمیۃ، بیروت، منذری کہتے ہیں کہ: اس کو طبرانی تینوں معاجم میں سند جید کے ساتھ روایت کیا ہے۔

آپ ﷺ نے راستے میں ایک قبہ (گنبد) دیکھا، تو فرمایا: یہ کیا ہے؟ تو آپ ﷺ کے اصحاب نے کہا: یہ فلاں انصاری کا گنبد ہے، تو آپ ﷺ خاموش ہو گئے، اور اس بات کو اپنے دل ہی میں رکھا، جب وہ صاحب آپ ﷺ کے یہاں مجلس میں آئے اور آپ ﷺ کو سلام کیا تو آپ ﷺ نے ان سے اعراض فرمایا، وہ آپ ﷺ کے اعراض اور ناراضگی کو سمجھ گئے اور اس کا ذکر اپنے ساتھیوں سے کیا، تو انہوں نے حضور ﷺ کے ان کے گنبد کو دیکھنے اور اس پر اظہارِ ناراضگی کرنے کا ذکر کیا، وہ صحابی اپنے گھر گئے اور اس گنبد کو زمین بوس کر دیا ، پھر ایک دفعہ آپ ﷺ کا وہاں سے گذر ہوا تو آپ ﷺ کو وہ گنبد دکھائی نہ دیا تو آپ ﷺ نے فرمایا: اس گنبد کا کیا ہوا؟ صحابہ ﷢ نے عرض کیا: ہم نے آپ کے اعراض کا ذکر کیا تو انہوں نے اسے منہدم کر دیا، تو آپ ﷺ نے فرمایا: سنو ہر تعمیر آدمی کے لئے وبال ہے مگر جو ضرورت کے درجے میں ہو ”**كُلُّ بِنَاءٍ وبالٌ عَلَى صاحبِهِ اِلّا مَا لا اَلّا مَا لَا**“(۱)

حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص ﷛ سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں کہ ایک دفعہ میرے پاس رسول اللہ ﷺ کا گذر ہوا، میں اپنے چھپر اور جھگی کو درست کر رہا تھا، تو آپ ﷺ نے فرمایا: یہ کیا ہے؟ میں نے کہا: اے اللہ کے رسول ﷺ ! میں اپنے کوٹھے کو درست کر رہا ہوں تو آپ ﷺ نے فرمایا: ”**الأمرُ أسرعُ مِنْ ذٰلك**“ موت اس سے زیادہ قریب ہے۔(۲)

یعنی عمارت کے منہدم ہونے اور اس کے درست نہ کرنے میں اس کے فساد اور بگاڑ کے اندیشہ سے بڑھ کر آدمی کی موت قریب ہے، اعمال کی اصلاح اور درستگی تعمیر کی اصلاح اور درستگی سے اہم اور ضروری ہے۔

---

(۱) ابو داؤد: **باب ما جاء فی البناء**، حدیث نمبر: ۵۲۳۷، عراقی کہتے ہیں کہ: اس کو ابوداؤد نے سند جید کے ساتھ نقل کیا ہے، **المغنی عن حمل الأسفار، فی الزهد**: ۱۱۱۶/۲، **مکتبة طبريه**

(۲) ابو داؤد: **باب ما جاء فی البناء**، حدیث نمبر: ۵۲۳۷، منذری کہتے ہیں کہ: اس کو ابوداؤد، ترمذی نے روایت کیا ہے اور ترمذی نے حسن صحیح کہا ہے اور ابن ماجہ اور ابن حبان نے بھی اپنی صحیح میں نقل کیا ہے، **الترغيب: كتاب التوبة والزهد**، حدیث نمبر: ۵۰۶۶

صحابہ اور اکابر کا نمونہ

أَفَمَنْ أَسَّسَ بُنْيَانَهُ عَلَى تَقْوَى مِنَ اللهِ وَرِضْوَانٍ خَيْرٌ أَمْ مَّنْ أَسَّسَ بُنْيَانَهُ عَلَى شَفَا جُرُفٍ هَارٍ فَانْهَارَ بِهِ فِي نَارِ جَهَنَّمَ وَاللهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الظَّالِمِينَ. لَا يَزَالُ بُنْيَانُهُمُ الَّذِي بَنَوْا رِيبَةً فِي قُلُوبِهِمْ إِلَّا أَن تَقَطَّعَ قُلُوبُهُمْ وَاللهُ عَلِيمٌ حَكِيمٌ (۱)

خدا جانے کسی شاعر نے کس جذب وسرمستی میں ڈوب کر کہا تھا:

جنہیں دن رات فکر آشیاں ہے
کریں گے کیا وہ تعمیر گلستاں

دیدہ زیب وخوشنما عمارات، بلند وبالا اور اعلیٰ وارفع محلات، شاندار حویلیوں اور نقش ونگار، آرائش وزیبائش، ٹیپ ٹاپ اور نہایت خوبصورت مکانات بنانے کا چلن عام ہو چکا ہے، امیر وغریب، فقیر ومفلس، شاہ وگدا، صنعت کار ودستکار سبھی کے ذہن ودماغ پر ایک دوسرے سے اچھے مکانات بنانے اور رنگین وحسین نقش نگار کرانے کا بھوت سوار ہے، اقتصادیات کا دیوالیہ ہو جائے، معیشت تباہ وبرباد ہو جائے، آمدنی کے سارے وسائل منجمد ہو جائیں، مالیات اور ذخائر سے بھرپور تجوریوں میں گرد وغبار رراڑنے لگے، تجارت کو گھن لگ جائے اور غربت ومفلسی دستک دینے لگے؛ چاہے قرضے ادا کرنے میں بے جا ٹال مٹول ہوتا رہے، سود کے گناہ کا ارتکاب کرنا پڑے، بعضے مرتبہ رشتے ٹوٹ جائیں، پھر بھی عمدہ واعلیٰ کوٹھیوں بلند وبالا حویلیوں اور اونچے اونچے فلک بوس مکانوں کے خوابوں کا تسلسل ٹوٹنے اور ٹوٹ کر بکھرنے کا نام نہیں لیتا۔

عبرت وبصیرت کا مرقع

تاریخ میں ایسے افراد کی بھی کمی نہیں، جن کی کل آمد پر تعیش مکانوں، لباسوں

---

(۱) التوبہ:۱۰۹-۱۱۰

اور پر تکلف غذاؤں پر صرف ہوگئی، کل تک جن کے ناموں کیساتھ دنیا نوابوں، راجاؤں، مہاراجاؤں اور سیٹھ وساہوکاروں کے القاب لگانے پر مجبور تھی آج یہ حال ہے کہ دنیا ان پر تھوکتی ہے، طعن وتشنیع کرتی ہے، ان کی پر تعیش زندگی کے پر ملامت تذکرے ہوتے ہیں، گلی گلی ایسے اشخاص کے تذکرے دلچسپی کیلئے نہیں "عبرت وبصیرت" کیلئے سنائے جاتے ہیں۔

عبرتناک تعمیرات

ہندوستان میں کئی سو سال تک سلطنت کرنے والے مغل حکمرانوں کی عبرتناک تعمیرات" آج ہر اس شخص کیلئے ذلت ورسوائی، نکبت وپستی اور خود ان حکمرانوں کی پر تعیش زندگی سے نہ صرف دبیز پردے اٹھاتی ہیں بلکہ حالات اور ماحول سے ناواقفیت، مستقبل کے بارے میں ان کی کوتاہ علمی اور آنے والی نسلوں کیلئے ان کی بے رغبتی اور لاپرواہی ارباب عقل وخرد کو جس بات کا پتہ دیتی ہیں، اس کے تذکرے سے ہی کلیجہ منہ کو آتا ہے۔

آگرہ کے تاج محل، لال قلعہ، دہلی کے قطب مینار، لال قلعہ، پرانا قلعہ اسی طرح لکھنؤ اور فتح پور سیکری سمیت پورے ہندوستان میں ہمارے "مستقبل ناشناس شاہوں کی دلچسپیوں" کا خمیازہ آج پوری مسلمان قوم بھگت رہی ہے، لال قلعہ سمیت قسم قسم کے آثار قدیمہ جو ایک طرف "مسلم شاہوں اور حکمرانوں" کی فضول خرچیوں کی منہ بولتی تصویر ہیں تو دوسری طرف خود انہی کی قوم اور نسل کیلئے نہ صرف بیکار ہیں بلکہ تاریخ کی ستم ظریفی کہئے کہ موجودہ حکومتوں کے سوتیلے سلوک، ان عمارتوں اور قلعوں پر اغیار کے قبضوں اور ان کے تقدس کی پامالی دیکھ کر آنکھیں خون کے آنسو رونے پر مجبور ہیں۔

چشم بینا اور فکر دانا رکھنے والے حضرات بچشم خود دیکھ رہے ہے کہ "آثار قدیمہ" کے نام سے ہماری عبادت گاہیں بھی متعصب ذہنیت رکھنے والی حکومت کی تحویل میں پہنچ کر اپنی ذلت ورسوائی پر ماتم کناں ہیں۔

وہ کل کے غم و عیش پہ کچھ حق نہیں رکھتا
جو آج خود افروز و جگر سوز نہیں ہے

وہ قوم نہیں لائق ہنگامہ فردا
جس قوم کی تقدیر میں امروز نہیں ہے

تاج محل سے مسلمانوں کو کیا فائدہ ہوا؟ آگرہ کے لال قلعہ نے مسلمانوں کی عظمت رفتہ کو مزید واضح کیا، دہلی کے لال قلعہ پر اغیار کے قبضے نے ہمارا منہ چڑایا، قطب مینار کی رفعت نے ہمیں اپنی اوقات یاد دلانے میں اہم کردار ادا کیا، پرانے قلعوں میں واقع اسلامی عبادت گاہوں نے ہماری بے بسی و بے حسی کا رونا رویا، پھر کیا ضرورت تھی ایسی عمارات کو تعمیر کرنے کی جن کو ان شاہوں اور بادشاہوں کی نسل آگے چل کر اگر دیکھنا بھی چاہے تو دیگر لوگوں کی طرح دوسروں کے رحم وکرم اور ''ٹکٹ و چیکنگ'' کے مراحل سے گذر کر ہم اپنے ہی مکانوں کیلئے غیر ہوگئے، ہم سے ہمارے محلات چھین کر الٹے ہماری شہریت پر انگلیاں اٹھنے لگیں؟ ہماری حویلیاں ہمارے لئے باعث ننگ و عار ہوگئیں، اب لال قلعہ پر ہندوستانی علم، تاج محل کی پرشکوہ عمارت، پرانے قلعے کی ویرانی و بربادی، قطب مینار اور جامع مسجد کی رفعت وقدامت سے ہماری یہ نسل کوئی عبرت حاصل نہیں کرتی، انہیں اپنے اجداد کی ہزار سالہ خدمات اور قربانیوں کا اگر کوئی پھل یا بالفاظ دیگر اپنے حکمرانوں کی ''وراثت'' ملی ہے تو یہی آثار قدیمہ ہیں جن کے لئے ہم غیر ہیں اور ہماری سوئی ہوئی غیرت ہمارے سوئے ہوئے ضمیر کو بیدار کرنے میں یکسر ناکام ہے۔ فیا أسفا

دل ہمارے یاد عہد رفتہ سے خالی نہیں
اپنے شاہوں کو یہ امت بھولنے والی نہیں
اشکباری کے بہانے ہیں یہ اجڑے بام و در
گریہ پیہم سے بینا ہے ہماری چشم تر

تہذیب اسلامی کے گہرے نقوش

مصر، الجزائر، نائیجیریا اور لیبیا وغیرہ افریقی ممالک ہیں؛ لیکن آج ان کا شمار عربی ممالک میں ہوتا ہے، ایسا کیوں ہے؟ جواب بالکل صاف اور واضح ہے کہ مسلمان جہاں

جہاں اور دنیا کے جس خطہ وعلاقہ میں پہنچے اپنی زبان، تہذیب اور تعلیمات کے گہرے نقوش دیگر اقوام وملل کے قلوب پر ایسے مرتسم کرتے چلے گئے کہ وہاں کی لغت وثقافت سب کچھ بدل ڈالا؛ لیکن ہندوستان میں مغلیہ سلطنت کے عہدِ حکومت میں نہ تو یہاں کی زبان کو عربی کیا جاسکا نہ ہی یہاں کی تہذیب ومعاشرت پر اپنی تہذیب کے گہرے نقوش ثبت کئے جاسکے، نہ تو کوئی ایسا نصاب اور قانون وضع ہوا جس کی وجہ سے آنے والے کل ان کی مسلمان قوم در در کی ٹھوکریں کھانے سے محفوظ رہ سکتی۔

حضرت عالمگیر کا علمی کارنامہ

حضرت عالمگیر رحمہ اللہ نے اپنے دور حکومت میں علماء امت وداعیانِ مملکت کے ذریعہ فتاوی عالمگیری مرتب کرائی جو بلاشبہ اسلامی تاریخ کا ناقابل فراموش کارنامہ ہے، اسی طرح غرباء ومساکین کے تعاون میں ان بادشاہوں نے ہمیشہ سخاوت اور فیاضی کا عدیم النظیر مظاہرہ کیا ہے، جس کا ہمیں دل کی گہرائیوں سے اعتراف ہے لیکن یہ بھی سچ ہے کہ ان کی تمامتر صلاحیتیں تعمیرات کی نذر ہو گئیں ورنہ آج کی تاریخ میں ہندستان کا نقشہ ہی دوسرا ہوتا۔

ہمارے مغل حکمراں ہوں یا شاہانِ اودھ تعمیرات پر بے دریغ روپیہ خرچ کرنے کے بجائے اگر دینی تعلیم کے لئے بڑے بڑے مدارس کھولتے، اسلامی احکامات اور فرامین جاری کرنے کے لئے اس فن کے ماہرین کی ٹیم تیار کر کے انہیں ان کی شایانِ شان سہولت فراہم کرتے، مختلف سماجی اور فلاحی ادارے قائم کرتے تا کہ اس سے ان کی نسل آئندہ بھی فیضیاب ہو پاتی، اسلامی مراکز قائم کرتے تا کہ مسلم امت ان سے خاطر خواہ فائدہ اٹھا سکتی، اسلامی تعلیم اور عصری علوم کے لئے پورے ملک میں اسلامی یونیورسٹیاں بناتے تا کہ ان شاہوں کی علم پروری آئندہ بھی کام دیتی لیکن ایسا کچھ نہیں ہوا اور وہ ہوا، جس سے مسلمانوں کو کوئی فائدہ نہیں مل سکتا!

علامہ اقبال نے پیرس کی ایک مسجد کو دیکھ کر بہت درد کے ساتھ فرمایا تھا:

مری نگاہ کمال وہنر کو کیا دیکھے
کہ حق سے یہ حرم مغربی ہے بیگانہ
حرم نہیں ہے فرنگی کرشمہ بازوں نے
تنِ حرم میں چھپا دی ہے روح بت خانہ
یہ بت کدہ انھیں غارت گروں کی ہے تعمیر
دمشق ہاتھ سے جن کے ہوا ہے ویرانہ

ہمارے باذوق ''مغلوں'' کی عمارات ومحلات سے خودان کو یا ہم کو جو فائدہ ہورہا ہے، گزشتہ سطور سے ظاہر ہے لیکن بڑی بڑی بلڈنگوں اور فلک بوس عمارتوں کی تعمیرات اِس زمانہ میں بھی کثرت کے ساتھ وجود پذیر ہورہی ہیں، اس ابتلاء میں مبتلاافراداور شخصیات میں ہمارا کم پڑھا لکھا طبقہ ہی نہیں ہے بلکہ وہ لوگ بھی شامل ہیں جن کے پیش نظر احادیثِ رسول، فرامین صحابہ اور اقوالِ اکابر ہیں شاید حالات زمانہ نے اس مقدس طبقہ کو بھی اس تلویث وآلودگی پر مجبور کردیا ہے۔

تعمیرات کے سلسلے میں حد سے بڑھی ہوئی دلچسپیاں صرف مغل حکمرانوں تک محدود نہیں ہے؛ بلکہ ایران سمیت ممالک عربیہ، افریقہ، اسپین اور یورپ وغیرہ مختلف خطوں اور علاقوں میں ہزاروں سال پہلے کی تعمیرات آج بھی سیاحوں کے لئے مرکزتوجہ ہیں۔

حیرت تو اس پر ہے کہ ''بحرمیت'' اور ''سدوم'' میں جو حضرت لوط علیہ السلام کی نالائق اور نافرمان قوم آباد تھی اس بستی کو اللہ تعالیٰ نے الٹ دیا تھا؛ تاکہ عقل والے عبرت پکڑسکیں؟ لیکن آج وہاں سیاحوں کے قافلے جوق درجوق اور کارواں درکارواں پہنچ کر اپنی خباثتوں، حرام کاریوں، عیاشیوں اور نیم برہنگیوں کا مظاہرہ کررہے ہیں۔

یمن شام اورغسان وغیرہ میں اسلام کی آمد سے پہلے ایسی تعمیرات موجود تھیں جو اپنی کہنگی، قدامت، بوسیدگی اوراپنے معماروں ومکینوں کی داستان ولخراش بیان کررہی تھیں۔

۶۵۶ مطابق ۱۲۵۸ میں مغلوں نے بغداد پر قبضہ کر کے قتل عام شروع کیا اور آخری عباسی حکمراں معتصم باللہ، ہلاکو خان کے ہاتھوں، اس فساد میں جس طرح بغداد تہہ و بالا ہوا اور علوم فنون کے ذخائر کو جس بے دردی اور شقاوت قلبی کے ساتھ ضائع کیا گیا اس کے تذکرہ ہی سے ہر آنکھ اشکبار اور ہر شخص دلفگار رہے۔

اس فتنہ وفساد کے بعد بغداد کی کیا حالت ہوگئی تھی، موسیوفلانڈین کی زبانی:

''بہت سی گرد کے نیچے دبی ہوئی چند مکانات کی بنیادیں نکلی ہیں جن میں بہ مشکل ہارون الرشید اور زبیدہ کی یادگار نظر آتی ہے''

تعمیرات اور اکابرین امت

حضرت خباب بن ارت رضی اللہ عنہ کا ارشاد

حضرت ابووائل شقیق بن سلمہ رحمہ اللہ کہتے ہیں جب حضرت خباب رضی اللہ عنہ بیمار تھے تو ہم لوگ ان کی عیادت کرنے گئے ان کے پاس ایک کھلے ہوئے صندوق میں ۸۰ ہزار درہم موجود تھے، آپ نے ان دراہم سے اپنی لاتعلقی اور عدم محبت کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا کہ میرے ساتھیوں نے دین کو زندہ کرنے کے لئے خوب محنت کی اور انہیں دنیا نہیں ملی، ان کے بعد ہم یہاں رہ گئے اور ہمیں خوب دولت ملی جو ساری گارے مٹی (تعمیرات) میں لگادی۔(۱)

حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ کا نظریہ

حضرت مالک بن انس رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ کسی درخت کے سائے میں بیٹھا کرتے تھے (اور مسلمانوں کے اجتماعی کاموں کو انجام دیا کرتے تھے) سایہ گھوم کر جدھر جاتا خود بھی ادھر کھسک جاتے، اس کام کے لئے ان کا کوئی گھر نہ تھا، ان سے ایک آدمی نے کہا کیا میں آپ کو ایک کمرہ نہ بنادوں؟ کہ گرمیوں میں اس

(۱) حیاۃ الصحابۃ: ۳۴۹/۲ بحوالہ ابونعیم فی الحلیۃ ۱۴۵/۱

کے سایہ میں رہا کریں اور سردیوں میں اس میں رہ کر سردی سے بچاؤ کرلیا کریں ؟ حضرت سلمان فارسی ﷺ نے اس سے فرمایا کہ ہاں بناوو! جب وہ آدمی پشت پھیر کر چل پڑا تو حضرت سلمان ﷺ نے اسے زور سے آواز دے کر کہا کہ کیسا کمرہ بناوٗگے؟ اس آدمی نے کہا ایسا کمرہ بناؤں گا کہ اگر آپ اس میں کھڑے ہوں تو آپ کا سر چھت کو لگے اور اگر آپ اس میں لیٹیں تو آپ کے پاؤں دیوار کو لگیں حضرت سلمان ﷺ نے کہا پھر ٹھیک ہے:

"إذا اضطجعت فيه رأسك من هذا الجانب ورجلاك من الجانب الآخر، وإذا قمت أصاب رأسك ، قال سلمان: كأنك في نفسي" (۱)

حضرت ابوذر غفاری کا گھر اور جائیداد

حضرت عبداللہ بن خراش کہتے ہیں: میں نے حضرت ابوذر ﷺ کو ربذہ بستی میں دیکھا کہ وہ اپنے ایک کالے چھپر کے نیچے بیٹھے ہوئے ہیں اور اسی چھپر کے نیچے ان کی کالی عورت بیٹھی ہوئی ہے، اور وہ بوری کے ایک ٹکڑے پر بیٹھے ہوئے ہیں: " رأيت أباذر رضي الله عنه بالربذة في ظلّة له سوداء، وتحته امرأة له سمحاء ، وہو جالس على قطعة جوالق "۔ ان سے عرض کیا گیا کہ آپ کی اولاد زندہ نہیں رہتی۔ انھوں نے فرمایا: اللہ کا شکر ہے کہ وہ انھیں اس فانی گھر میں لے لیتا ہے اور ہمیشہ باقی رہنے والے گھر میں بوقتِ ضرورت ہمیں واپس کر دے گا اور وہ بچے وہاں کام آئیں گے۔ پھر ساتھیوں نے عرض کیا: آپ اس عورت کے علاوہ کوئی اور (خوب صورت) عورت لے لیتے تو اچھا تھا۔ فرمایا: میں ایسی عورت سے شادی کروں جس سے مجھ میں تواضع پیدا ہو یہ مجھے اس سے زیادہ محبوب ہے کہ میں ایسی عورت سے شادی کروں جس سے مجھ میں بڑائی پیدا ہو۔ پھر ساتھیوں نے کہا: آپ اس سے زیادہ نرم بستر لے لیتے۔ فرمایا:

---

(۱) حياة الصحابة: ۲/۶۵۷، موسسة الرسالة، بيروت

اے اللہ! مغفرت فرما اور جو تو نے دیا ہے اس میں سے جتنا جی چاہے لے لے۔

حضرت ابراہیم تیمی کے والد محترم کہتے ہیں: حضرت ابوذر سے کسی نے کہا: جیسے فلاں فلاں آدمیوں نے جائیداد بنائی ہے آپ بھی اس طرح جائیداد کیوں نہیں بنا لیتے؟ فرمایا: میں امیر بن کر کیا کروں گا؟ مجھے تو روزانہ پانی یا دودھ کا ایک گھونٹ اور ہر ہفتہ گندم ایک قفیز (ایک پیمانہ کا نام ہے جس کی مقدار ہر علاقہ میں مختلف ہوتی ہے۔ مصر میں قفیز سولہ کلوگرام کا ہوتا ہے) کافی ہے۔

ابونعیم کی ایک روایت میں ہے کہ حضرت ابوذر ﷛ نے فرمایا: میری روزی حضور ﷺ کے زمانے میں ایک صاع تھی، میں مرتے دم تک اس سے زیادہ نہیں کرسکتا۔(۱)

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ کا معمول

حضرت ابن عمر ﷛ فرماتے ہیں کہ جب سے حضور ﷺ کا انتقال ہوا میں نے نہ اینٹ پر اینٹ رکھی (کوئی تعمیر نہیں کی) اور نہ ہی کھجور کا کوئی پودا لگایا ہے۔(۲)

حضرت ابوالدرداء ﷛ کو حضرت عمر ﷛ کی تنبیہ

حضرت سلمہ بن کلثوم کہتے ہیں کہ حضرت ابوالدرداء ﷛ نے دمشق میں ایک اونچی عمارت بنائی، حضرت عمر بن خطاب ﷛ کو مدینہ منورہ میں اس کی اطلاع ملی تو حضرت ابوالدرداء ﷛ یہ کو خط لکھا کہ ”اے عویمر بن ام عویمر! کیا تمہیں روم وفارس کی عمارتیں کافی نہیں ہیں کہ تم اور نئی عمارتیں بنانے لگ گئے؟ حضرت محمد کے صحابہ (ہر کام سوچ سمجھ کر کیا کرو کیونکہ) دوسروں کے لئے نمونہ ہو (لوگ تمہیں جیسا کرتے ہوئے دیکھیں گے ویسا ہی کرنے لگیں گے)۔(۳)

---

(۱)　حیاۃ الصحابۃ:۲/۵۷۶،موسسۃ الرسالۃ،بیروت

(۲)　حیاۃ الصحابۃ:۲/۳۹۱،بحوالہ ابونعیم فی الحلیۃ:۱/۳۰۳

(۳)　حیاۃ الصحابۃ:۲/۵۷۷،موسسۃ الرسالۃ،بیروت

اور ایک جگہ مروی ہے جس کا تذکرہ معیارِ زندگی بلند کرنے پر نکیر کے تحت گذر چکا کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ حضرت ابو الدرداء رضی اللہ عنہ کے ہاں جانے لگے تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے دروازے کو دھکا دیا تو اس کی کنڈی نہیں تھی۔ ہم اندر گئے تو کمرے میں اندھیرا تھا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ ان کو (اندھیرے کی وجہ سے) ٹٹولنے لگے یہاں تک کہ ان کا ہاتھ ابو الدرداء رضی اللہ عنہ کو لگ گیا۔ پھر ان کے تکیہ کو ٹٹولا تو وہ پالان کا کمبل تھا۔ پھر ان کے بچھونے کو ٹٹولا تو وہ کنکریاں تھیں۔ پھر ان کے اوپر کے کپڑے کو ٹٹولا تو وہ باریک سی چادر تھی۔(۱)

ایک جگہ مروی ہے: حضرت ثابت کہتے ہیں: حضرت ابو ذر رضی اللہ عنہ حضرت ابوالدرداء رضی اللہ عنہ کے پاس سے گزرے وہ اپنا گھر بنا رہے تھے۔ حضرت ابو ذر رضی اللہ عنہ نے کہا: تم نے بڑے بڑے پتھر لوگوں کے کندھوں پر لاد دیے ہیں۔ ابوالدرداء رضی اللہ عنہ نے کہا: میں تو گھر بنا رہا ہوں۔ حضرت ابو ذر رضی اللہ عنہ نے پھر وہی پہلا جملہ دہرایا۔ ابوالدرداء رضی اللہ عنہ نے کہا: اے میرے بھائی! شاید میرے اس کام کی وجہ سے آپ مجھ سے ناراض ہو گئے ہیں۔ حضرت ابو ذر رضی اللہ عنہ نے کہا: اگر میں آپ کے پاس سے گزرتا اور آپ اپنے گھر والوں کے پاخانے میں مشغول ہوتے تو یہ مجھے اس کام سے زیادہ محبوب تھا جس میں آپ اب مشغول ہیں۔(۲)

دنیا کو اجاڑنے کا حکم

حضرت راشد بن سعد رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو خبر ملی کہ حضرت ابو الدرداء رضی اللہ عنہ نے حمص میں دروازے پر ایک چھجہ بنوایا ہے تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے انہیں یہ خط لکھا کہ اے عویمر! روم والوں نے جو تعمیرات کی ہیں کیا وہ دنیا کی زیب وزینت کیلئے تمہیں کافی نہیں تھیں؟ حالانکہ اللہ تعالی نے تو دنیا کو اجاڑنے یعنی سادگی کا حکم دے رکھا ہے۔(۳)

---

(۱) حیاۃ الصحابۃ: ۲/ ۵۷۷، موسسۃ الرسالۃ، بیروت

(۲) حیاۃ الصحابۃ: ۲/ ۵۷۷، موسسۃ الرسالۃ، بیروت

(۳) حیاۃ الصحابۃ: ۲/ ۵۷۷، موسسۃ الرسالۃ، بیروت

حضرت خارجہ بن حذافہ کو حضرت عمر ﷺ کی تنبیہ

حضرت یزید بن ابی حبیب ؒ کہتے ہیں کہ مصر میں سب سے پہلے حضرت خارجہ بن حذافہ نے بالاخانہ بنایا تھا، حضرت عمر بن الخطاب ؓ کو جب اس کی اطلاع ملی تو انہوں نے حضرت عمرو بن العاص ؓ کو یہ خط لکھا:

''سلام ہو، امابعد! مجھے یہ خبر ملی ہے کہ خارجہ بن حذافہ نے بالاخانہ بنایا ہے خارجہ اپنے پڑوسیوں کے پردہ کی چیزوں پر جھانکنا چاہتے ہیں؟ لہٰذا جوں ہی تمہیں میرا یہ خط ملے اس بالاخانے کو گرادو''۔(۱)

جب کوفہ کے گورنر نے مکان بنانے کی اجازت مانگی

حضرت سعد بن وقاص ؓ کوفہ کے گورنر تھے انہوں نے خط لکھ کر حضرت عمر ؓ سے گھر بنانے کی اجازت مانگی تو حضر عمر ؓ نے جواب لکھا کہ ایسا گھر بناؤ جس سے تمہاری دھوپ اور بارش سے بچنے کی ضرورت پوری ہو جائے؛ کیونکہ دنیا تو گزارہ کرنے کی جگہ ہے۔(۲)

فرعون جیسے لوگ

حضرت سفیانؒ کہتے ہیں کہ حضرت عمر ؓ کو خبر ملی کہ ایک آدمی نے پکی اینٹوں سے مکان بنوایا ہے تو فرمایا میرا خیال نہیں تھا کہ اس امت میں فرعون جیسے لوگ بھی ہوں گے۔راوی کہتے ہیں حضرت عمر ؓ فرعون کے اس جملہ کی طرف اشارہ فرمارہے تھے کہ فَأَوْقِدْ لِيْ يَا هَامَانُ عَلَى الطِّيْنِ فَاجْعَلْ لِّيْ صَرْحاً ،(۳) اے ہامان! تم ہمارے لئے مٹی کی اینٹیں بنوا کر ان کو آگ میں پزاوہ لگا کر پکواؤ پھر ان پختہ انیٹوں سے میرے واسطے ایک بلند عمارت بنواؤ۔(۴)

---

(۱) حياة الصحابة: ۵۷۷/۲،موسسة الرسالة،بيروت
(۲) حياة الصحابة: ۵۷۷/۲،موسسة الرسالة،بيروت
(۳) القصص: ۳۸
(۴) حياة الصحابه: ۳۹۷/۲

بڑی لمبی اور دور کی امیدیں

حضرت عبداللہ بن ہذیل ﷫ کہتے ہیں جب حضرت عبداللہ بن مسعود ﷛ نے اپنا گھر بنایا تو حضرت عمار ﷛ سے کہا آؤ جو گھر میں نے بنایا ہے وہ دیکھ لو، چنانچہ حضرت عمار ﷛ ان کے ساتھ گئے اور گھر دیکھ کر کہنے لگے آپ نے بڑا مضبوط گھر بنایا ہے اور بڑی لمبی اور دور کی امیدیں لگائی ہیں؛ حالانکہ آپ جلد ہی دنیا سے چلے جائیں گے۔(۱)

حضرت ابوعبیدہ بن جراح ﷛ کا نظریہ

حضرت عروہ فرماتے ہیں: حضرت عمر بن خطاب ﷛ حضرت ابوعبیدہ بن جراح ﷛ کے ہاں گئے تو وہ کجاوے کی چادر پر لیٹے ہوئے تھے اور گھوڑے کو دانہ کھلانے والے تھیلے کو تکیہ بنایا ہوا تھا۔ان سے حضرت عمر ﷛ نے فرمایا: آپ کے ساتھیوں نے جو مکان اور سامان بنالیے وہ آپ نے کیوں نہیں بنالیے؟ انھوں نے کہا: اے امیر المومنین! قبر تک پہنچنے کے لیے یہ سامان بھی کافی ہے۔اور حضرت معمر راوی کی حدیث میں یہ ہے کہ جب حضرت عمر ملکِ شام تشریف لے گئے تو لوگوں نے اور وہاں کے سرداروں نے حضرت عمر کا استقبال کیا۔حضرت عمر ﷛ نے فرمایا: میرا بھائی کہاں ہے؟ لوگوں نے پوچھا: وہ کون ہے؟ انھوں نے فرمایا: حضرت ابوعبیدہ ﷛۔لوگوں نے کہا: وہ ابھی آپ کے پاس آجائیں گے۔ چناں چہ جب حضرت ابوعبیدہ ﷛ آئے تو سواری سے نیچے اتر کر حضرت عمر ﷛ نے انھیں گلے لگایا۔ پھر ان کے گھر تشریف لے گئے اور انھیں گھر میں صرف یہ چیزیں نظر آئیں: ایک تلوار، ایک ڈھال اور ایک کجاوہ۔(۲)

ذرا سوچئے!

مذکورہ بالا احادیث کی روشنی میں ہم اپنا جائزہ لیں تو معلوم ہوگا کہ اس سلسلہ میں ہم سے کس قدر کوتاہیاں سرزد ہو رہی ہیں شدید ممانعت اور وعیدات کے باوجود کیا ہم نے

---

(۱) حیاۃ الصحابۃ:۲/۴۰۰

(۲) حیاۃ الصحابۃ:۲/۱۷۵،موسسۃ الرسالۃ،بیروت

تعمیرات کے سلسلہ میں اپنا ہاتھ روک لیا ہے؟

کیا بقدرِ ضرورت اور بقدرِ کفاف پر ہمارا عمل ہو رہا ہے؟ کیا قسم قسم کی تعمیرات اور ان پر دولت کا بے دریغ اسراف کر کے ہم اللہ اور اس کے رسول ﷺ کے احکامات کی کھلم کھلا خلاف ورزی نہیں کر رہے ہیں؟ کیا نت نئے ڈیزائنوں، بلند و بالا عمارتوں، وسیع وعریض کوٹھیوں، شاندار وجاندار بلڈنگوں، خوبصورت وخوشنما محلوں، دیدہ زیب ونقش ونگار اور خوب سے خوب تر بنانے میں ہماری دولت، ثروت، دماغ اور وقت ضائع نہیں ہو رہا ہے؟ فخر ومباہات، عجب وتکبر، ریا ونفاق اور اپنی مالداری کا مظاہرہ کرنے کیلئے نقشہ نویسوں سے لے کر انجینئروں تک میں ایک دوڑ لگی ہوئی ہے، مہنگے ترین انجینئروں کی خدمات حاصل کی جارہی ہیں، طرح طرح کے نقشے اور دیدہ زیب چارٹ بنوانے پر آج اتنی رقم صرف کر دی جاتی ہے، کہ اتنی رقم میں رہائش کے لئے ایک سادہ مکان تیار ہوسکتا ہے پھر طرفہ تماشا یہ ہے کہ ان عمارتوں اور بلڈنگوں میں ہم کتنے دن رہیں گے جس وقت بلاوا آجائے گا سب کچھ چھوڑ چھاڑ بلکہ دنیائے دنی سے ہاتھ جھاڑ کے ہر کسی کو جانا ہے، نہ عمارتیں ساتھ جائیں گی، نہ شہرت کام آئے گی، نہ دولت وثروت کچھ تعاون کر سکیں گی اور نہ ہی قربِ الٰہی کا ذریعہ بن سکیں گی؛ بلکہ الٹے ہماری یہ ہی عمارتیں جان لے لیتی ہیں، زلزلوں کی صورت میں ان عمارتوں کا نقصان ظاہر ہوتا ہے۔

مکان ایسا بنانا چاہیے کہ جو مکین کو نہ لے بیٹھے

حکیم الامت حضرت تھانوی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

> ''آج کل یہ بھی مرض ہے کہ بہت اونچی اونچی عمارتیں بناتے ہیں پھر جب وہ گرتی ہیں تو کسی چیز کا پتہ نہیں چلتا سب کو لے کر بیٹھ جاتی ہیں، ان آفات سے محفوظ گاؤں کے مکان ہیں جو نیچا ہونے کی وجہ سے زلزلہ میں بھی نہیں گرتی، ۲۸/اپریل منگل کے دن کانگڑے میں زلزلہ آیا زلزلہ میں شدت تھی ایک تو زلزلہ کی شدت دوسرے

بڑے اوراونچے مکانوں میں حرکت،تو میں نے کہا یا اللہ تیرا شکر ہے
کہ ہمارے مکان چھوٹے چھوٹے ہیں جو زلزلوں کے اثر سے محفوظ
ہیں اس واسطے کہ یہ قاعدہ ہے کہ مرکز سے محیط کو جس قدر بعد ہوگا اس
میں حرکت زیادہ ہوگی، دیواریں جس قدر لمبی ہوں گی، زلزلہ میں
حرکت زیادہ ہوگی، یہ قاعدہ کلیہ ہے کہ نیچے نیچے گھر والے دنیا میں
بھی شدتِ زلزلہ سے محفوظ رہیں گے اور خدا تعالیٰ کے یہاں بھی
محفوظ رہیں گے، خدا تعالیٰ کو یہ مسئلہ بھی بتانا تھا کہ مکان ایسا بنانا
چاہیے کہ جو مکین کو نہ لے بیٹھے اور کچے مکانوں اور نیچے گھروں میں گو
بعض تکالیف ہوتی ہیں مگر راحتیں زیادہ ہیں اگر کبھی گر پڑا تو جلدی
سے دوسرا ویسا بن سکتا ہے:

خدا اگر بہ حکمت بہ بندو درے کشاید بہ فضل وکرم دیگرے

اور یہاں اللہ تعالیٰ نے ''تاسیس بنیان'' پر نکیر نہیں فرمایا بلکہ مقید
بقید خاص پر نکیر فرمایا ہے معلوم ہوا کہ خود مکان بنانا مذموم نہیں بلکہ وہ
تو اگر بقدر ضرورت ہو تو محمود ہے''۔(۱)

اللہ اس کا مال گارے اور مٹی میں لگاتے ہیں؟

بہت ساری احادیث میں یہ وارد ہوا ہے کہ جب اللہ عزوجل کسی کے ساتھ برائی چاہتے تو اس کا مال گارے اور مٹی میں لگاتے ہیں، یا بعض روایات میں آیا ہے ''ہر تعمیر صاحب تعمیر کے لئے وبال سوائے ضرورت کے'' یا ''آدمی کے ہر نفقہ اور خرچ میں ثواب ملتا ہے سوائے اس خرچ کے جو مٹی اور گارے اور تعمیرات میں ہو''۔

ان احادیث کا بعض لوگوں نے یہ مطلب بتایا ہے کہ: یعنی آدمی کی ساری توجہات

---

(۱) ملفوظات فقیہ الاسلام: ۸۸، تلخیص: ماخوذ از کتاب: بلند وبالا عمارتیں، قیامت کی علامتیں: مفتی ناصر الدین مظاہری، المعہد العالی ناکلسیہ روڈ سہارنپور

کا مرکز تعمیر وتزئین ہوجائے، حاجت اورضرورت سے زیادہ تعمیر اور آرائش وزیبائش میں اپنے پیسے کوخرچ کرے، اس لئے مطلقاً تعمیرات میں پیسے کا خرچ یہ ممنوع اس لئے نہیں ہے کہ صاحب تعمیر کے اہل وعیال اور اس کی ضروریات وغیرہ کے اعتبار سے تعمیرات میں کمی زیادتی ہوسکتی ہے۔

حافظ ابن حجر فرماتے ہیں:

"وہذا كله محمول على ما لا تمس الحاجة إليه، مما لا بد منه للتوطن ومايقي البرد والحر"(۱)

یہ تمام مذمت والی حدیثیں اس صورت پر محمول ہیں جب کہ بلا ضرورت اور بغیر کسی حاجت کے تعمیر میں پیسہ خرچ کیا، البتہ رہنے اورگرمی اور سردی سے بچنے کے لئے تعمیر تو اس مذمت میں داخل نہیں ہے۔

پھر علامہ ابن حجر نے ان لوگوں کے اقوال ذکر کئے ہیں جس سے یہ پتہ چلتا ہے کہ تعمیر بالکل مذموم ہے، پھر اس پر اعتراض کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

"وليس كذلك، بل فيه التفصيل، وليس كل ما زاد منه على الحاجة يستلزم الإثم۔۔۔ فإن فی بعض البناء ما يحصل به الأجر، مثل الذی يحصل به النفع لغير البانی، فإنه يحصل للبانی به الثواب"(۲)

یعنی بات ایسی نہیں ہے، بلکہ اس سلسلے میں تفصیلات ہیں، ہر حاجت اور ضرورت سے زائد تعمیر بھی گناہ کو مستلزم ہو ایسا نہیں۔۔۔ کیوں کہ بعض تعمیرات صاحب تعمیر کے لئے (صدقہ جاریہ وغیرہ) یہ باعث

---

(۱)　فتح الباری، قوله باب ماجاء فی البناء: ۱۱/۹۲

(۲)　فتح الباری، قوله باب ماجاء فی البناء: ۱۱/۹۲

اجر وثواب ہوتی ہے، چونکہ اس سے صاحب تعمیر کے علاوہ دیگر لوگ مستفید ہوتے ہیں جس سے صاحب تعمیر کوثواب ملتا رہتا ہے۔

اس کے علاوہ تعمیر کی مذمت والی احادیث کوشراح حدیث نے اس بات پر محمول کیا ہے صرف ان بکثرت تعمیرات کا مقصود صرف ریاء کاری، دکھلاوا، شان وشوکت کا جتلانا اور لوگوں میں اپنے آپ کو بڑا بنا کر پیش کرنا مقصود ہوتو اس طرح کی تعمیر مذموم ہے۔

علامہ ابن رجب حنبلی نے اس تطاول بنیان (تعمیرات میں تفاخر) کی احادیث سے متعلق یہ فرمایا ہے:

"إن أسافل الناس يصيرون رؤساءهم، وتكثر أموالهم حتى يتباهون بطول البنيان وزخرفته وإتقانه" (۲)

یعنی نچلے طبقے کے لوگ سردار بن جائیں گے، ان کے پاس مال کی کثرت ہوگی، وہ اپنے اموال کولمبی تعمیرات، اس کی تزئین اور اس کی مضبوطی پر خرچ کریں گے (یہ قرب قیامت کی نشانی ہے)۔

علامہ نووی نے شرح مسلم میں فرمایا ہے:

"أما إذا طال البنيان لغرض شرعی كتوفير المرافق والمساكين للمحتاجين أو لاتخاذها سبيلا للكسب أو لكثرة من يعول ونحو ذلك فلا شیء فی ذلك فيما يظهر لنا، فإن الأمور بمقاصدها، قال صلى الله عليه وسلم "إنما الاعمال بالنيات وإنما لكل امری مانوی" (۲)

---

(۱) سبيل الرشاد فی هدی خير العباد: ۹۸/۶، الدار الاثر، عمان، الأردن

(۲) دیکھئے تفصیل کے لئے: فتاوی اللجنة الدائمة للبحوث العلمية والإفتاء: ۳۸۴/۴، ۳۸۵

اگر یہ تطاول بنیان (بڑی بڑی عمارتوں کی تعمیر) بغرض شرعی ہو جیسے محتاجوں اور مسکینوں کے لئے سہولیات کی فراہمی، یا اس تعمیر کو ذریعہ معاش بنا رہا ہو، یا اہل بکثرت ہوں کہ جس کی وجہ سے بڑی تعمیر کی ضرورت ہو اس جیسے امور یہ مذموم تعمیر میں داخل نہیں ہیں، اس لئے چیزوں کو مقاصد کے اعتبار سے دیکھا جاتا ہے، نبی کریم ﷺ نے فرمایا: ''اعمال کا دارو مدار نیتوں پر ہوتا ہے، ہر شخص کو اس کی نیت کے اعتبار سے ثواب ملتا ہے''

مزید اس فتوی میں یہ بھی تفصیل ہے کہ:

"هذه الأحاديث وما جاء في معناها منها ما هو صحيح، ومنها ما هو حسن، ومنها ما ليس بصحيح، فما كان منها حجة، فهو محمول على ذم من فعل ذلك للتباهي والإسراف والتبذير، فإن هذه يختلف باختلاف الأحوال والأشخاص والأمكنة والأزمنة" (۲)

یہ حدیثیں اور ان جیسی دیگر احادیث جن میں کچھ صحیح احادیث ہیں، کچھ حسن ہیں اور کچھ صحیح نہیں ہیں، بہر حال ان میں جو قابل استدلال ہیں، وہ اس صورت پر محمول ہیں جب کہ یہ تعمیر فخر ومباہات، اسراف فضول خرچی کے طور پر ہو، چونکہ تعمیر کے مقاصد احوال، اشخاص اور جگہ اور زمانے کے اعتبار سے مختلف ہوتے ہیں۔

---

(۲) دیکھئے تفصیل کے لئے: فتاوى اللجنة الدائمة للبحوث العلمية والإفتاء: ۴/ ۳۸۴، ۳۸۵

گھر کیسے بنائیں؟

☆ تعمیر میں مسابقت اور منافست اور عمارتوں کو بلند کرنا اور اس کی تزیین وآرائش اور اس کا نقش ونگار کرنا یہ قیامت کی علامت ہے۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: قیامت اس وقت تک قائم نہیں ہوگی یہاں تک کہ لوگ تعمیرات میں ایک دوسرے سے مسابقت اور آگے بڑھنے کی کوشش نہ کریں "حَتّٰی یَتَطَاوَلَ النَّاسُ فِی الْبُنْیَانِ" (۱)

☆ عمارتوں میں بے جا نقش ونگار کو بھی حضور ﷺ نے ناپسند فرمایا ہے: آپ ﷺ کا ارشادِ گرامی ہے جس کے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ راوی ہیں کہ: آپ ﷺ نے فرمایا: قیامت اس سے پہلے نہیں آئے گی کہ لوگ گھر بنانے لگیں گے جو یمنی چادروں کے مشابہ (یعنی اس کی طرح نقش ونگار کے) گھر بنائیں گے "حَتّٰی یَبْنِیَ النَّاسُ بُیُوْتًا یُشَبِّھُوْنَھَا بِالْمَرَاحِلِ" (۲)

آپ ﷺ کے ازواجِ مطہرات رضی اللہ عنہن کے کمرے سادگی کے نمونہ تھے:

حضرت حسن بصری رحمہ اللہ ماتے ہیں کہ: میں حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ کی خلافت کے زمانہ میں ازواجِ مطہرات رضی اللہ عنہن کے حجروں میں جاتا اور اپنے ہاتھوں سے ان

---

(۱) بخاری: باب خروج النار، حدیث نمبر: ۶۴۰۴

(۲) الأدب المفرد: باب نقش البنیان: حدیث نمبر: ۲۱۶، مولانا الیاس بارہ بنکوی نے اس حدیث کو صحیح کہا ہے۔

حجروں کی چھتوں کو چھولیتا "فَاَتَنَاوَلُ سَقْفَهَا بِيَدِيْ" (۱)

حضرت داؤد بن قیس ﷺ نے کہا کہ میں نے امہات المؤمنین کے حجروں کو اندر سے جا کر دیکھا تو وہ کھجور کے تنوں سے چھائے گئے تھے، اور اس کے اوپر چمڑے وغیرہ ڈالے گئے تھے، میرا اندازہ ہے کہ ایک حجرہ کی چوڑائی حجرہ کے دروازے سے لے کر اس کی آخری دیوار تک چھ ہاتھ یا سات ہاتھ اور حجرے کے اندر کی گنجائش دس ہاتھ اور اس کی چھت آٹھ یا سات ہاتھ ہوتی یا اس کے قریب "وَاَحْزُزُ الْبَيْتَ الدَّاخِلَ عَشَرَ اَذْرُعٍ وَاَظُنُّ سُمْكُهُ بَيْنَ الثَّمَانِ وَالسَّبْعِ نَحْوَ ذٰلِكَ" (۲)

☆ حضرت عمر فاروق ﷺ نے بھی اپنے دورِ خلافت میں بلند وبالا اور غیر ضروری عمارتوں کے تعلق سے لوگوں کو تنبیہ اور تاکید فرمائی تھی۔

حضرت عبداللہ رومی کہتے ہیں کہ میں ام طلق کے پاس گیا، اور کہا کہ: آپ کے حجرے کی چھت کتنی نیچی ہے، انہوں نے کہا کہ: اے میرے بچے! امیر المؤمنین حضرت عمر بن الخطاب ﷺ نے اپنے گورنروں کو تحریری حکم دیا تھا کہ اپنی عمارتیں زیادہ اونچی نہ بنائیں؛ کیونکہ اونچی چھت بنانے کا زمانہ تمہارے برے دن ہوں گے "اَنْ لَّا تُطِيْلُوْا بِنَاءَكُمْ، فَاِنَّهُ مِنْ شَرِّ اَيَّامِكُمْ" (۳)

حضرت عمر ﷺ نے کوفہ کی پلاننگ اور ازسرِ نو تعمیری منصوبہ بندی کی تو لوگوں کو بانس کے گھر بنانے کو کہا، لیکن جب اس میں آگ لگنے لگی تو حضرت عمر ﷺ پتھر کے

---

(۱) الأدب المفرد: باب التطاول فی البنیان، حدیث نمبر: ۴۵۰، مولانا الیاس بارہ بنکوی نے اس کو صحیح الاسناد کہا ہے۔

(۲) الأدب المفرد: باب التطاول فی البنیان، حدیث نمبر: ۴۵۰، مولانا الیاس بارہ بنکوی نے اس کو صحیح الاسناد کہا ہے۔

(۳) الأدب المفرد: باب التطاول فی البنیان، حدیث نمبر: ۴۵۶، مولانا الیاس بارہ بنکوی نے کہا ہے کہ اس میں علی بن مسعدہ ہیں، ابوداؤد طیالسی نے ان کی توثیق کی ہے، ابوحاتم نے کہا ہے کہ ان میں کوئی حرج نہیں، اور ام طلق کے احوال بھی نامعلوم ہیں۔

بنانے کی اجازت طلب کی گئی تو حضرت عمر ﷺ نے فرمایا: ٹھیک ہے ایسا کرو، لیکن دو کمروں سے کوئی زائد نہ بنائے اور نہ عمارت کی بلندی اور اونچائی میں مفاخرت کرے "وَلَا تَطَاوَلُوْا فِي الْبُنْيَانِ" (۱)

☆ آپ ﷺ نے تعمیرات میں مسرفانہ اور بے جا خرچ پر بہت سخت وعیدیں سنائی ہیں: حضرت ابو بشیر ﷺ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جب اللہ عزوجل آدمی کو ذلیل کرنا چاہتے ہیں تو اس کے مال کو تعمیر میں لگادیتے ہیں: "إِذَا أَرَادَ اللهُ بِعَبْدٍ هَوَانًا أَنْفَقَ مَالَهُ فِي الْبُنْيَانِ" (۲)

اور ایک روایت میں ہے کہ جو شخص اپنی ضرورت سے زیادہ تعمیر کرے تو اسے روزِ قیامت اٹھانے کے لئے کہا جائے گا "مَنْ بَنٰى فَوْقَ مَا يَكْفِيْهِ كُلِّفَ أَنْ يَحْمِلَهُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ" (۳)

اور ایک روایت میں ہے کہ جب اللہ عزوجل کسی کے مال کی برکت اٹھالینا چاہتے ہیں تو اس کے مال کو مٹی اور پانی میں لگادیتے ہیں "إِذَا لَمْ يُبَارَكْ فِي مَالِهِ" (۴)

البتہ گھر کی تعمیر میں ان امور کا ضرور لحاظ کیا جائے:

۱- گھر کا بیت الخلاء اس طرح بنایا جائے کہ قبلہ کی طرف چہرہ یا پشت نہ ہونے پائے۔

---

(۱) تاریخ ابن خلدون: الفصل الثانی المبانی والمصانع فی الملة الاسلامیة قلیلة: ۱/۴۴۷، دار الفکر، بیروت

(۲) مجمع الزوائد: باب ما جاء فی البنیان، حدیث نمبر: ۵۲۷۸، علامہ ہیثمی فرماتے ہیں کہ: اس کو طبرانی نے اوسط میں روایت کیا ہے اور اس میں ایک شخص ہیں جن کو میں نہیں جانتا۔

(۳) مجمع الزوائد: باب الاقتصاد فی طلب الرزق، حدیث نمبر: ۶۲۸۱، علامہ ہیثمی کہتے ہیں کہ: اس کو طبرانی نے کبیر میں روایت کیا ہے اور اس میں مسیب بن واضح ہیں، ان کی نسائی نے توثیق کی ہے اور ایک جماعت نے ان کو ضعیف قرار دیا ہے۔

(۴) شعب الإيمان، فصل في ذم بناء ما لا يحتاج، حدیث نمبر: ۱۰۷۱۹، مناوی کہتے ہیں کہ: اس کو سندِ ضعیف کے ساتھ نقل کیا ہے: التیسیر فی شرح جامع الصغیر، حرف الهمزه: ۱/۲۵۴ مکتبة الامام الشافعی، الریاض

۲- مکان اس طرح بنائیں کہ پردے کے سلسلہ میں جوشرعی احکام ہیں ان کا لحاظ کرنا آسان ہو۔

۳- گھر کی گندگی اور غلاظت کو راستہ پر نہ ڈالا جائے، اس کے بہاؤ کا معقول انتظام کیا جائے؛ تاکہ راہ چلنے والوں کو تکلیف نہ ہو۔

۴- جتنی زمین اس کی ملکیت میں ہے اس پر ہی مکان بنائے، سرکاری اور عوامی املاک میں تجاوز سے گریز کرے۔

۵- ڈیکوریشن میں غلو اور مبالغہ سے کام نہ لے، یہ فضول خرچی ہے، اور فضول خرچی جائز نہیں۔

حضرت مولانا محمد اشرف علی تھانوی رحمہ اللہ مکان بنانے کے حدود کو بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ یہ ہر شخص سمجھ سکتا ہے؛ کیونکہ لوگوں کے درجات مختلف ہیں اور انہیں درجات سے ضروریات بھی مختلف ہیں، کسی ایک کو ایک حجرہ (کمرہ) آسائش وراحت کے لئے کافی ہوتا ہے اور کسی کو ایک بڑا مکان بھی مشکل سے کافی ہوتا ہے، ایک شخص کو زیادہ سردی لگتی ہے وہ لحاف اوڑھتا ہے اور ایک شخص کا جاڑا ہلکی رضائی میں چلا جاتا ہے، دونوں کا اسراف الگ الگ ہے، ہر شخص اپنی ضرورت کو خود ہی سمجھ سکتا ہے۔

ہاں ضرورت سے آگے ایک درجہ آرائش کا ہے وہ بھی جائز ہے بشرطیکہ اس میں اسراف اور حدودِ شرعیہ سے تجاوز نہ ہو اور نہ قصد وفخر وعجب کا اختلاط ہو؛ کیوں کہ یہ درجہ نمائش کا ہے جو ناجائز ہے۔

تعمیرِ مکان: اصولی ہدایات

الف: بے ضرورت مکان نہ بنوائے جائیں

ب: اپنی عمارت کی اصلاح کے لئے جس کے پاس زمین دیکھی دبالی تاکہ اپنی عمارت نہ بگڑے (یہ ناجائز اور حرام ہے) اسی طرح کسی کی مِلک میں دروازہ نہ کھولا جائے

اور نہ کسی کو بگاڑا جائے (یہ ناجائز اور حرام ہے) اسی طرح کسی کی مِلک میں دروازہ نہ کھولا جائے اور نہ کسی کی مِلک میں نالی نکالی جائے۔

افسوس ہے کہ پہلے زمانہ میں تو کفار سلاطین (بادشاہ) بھی ایسا نہ کرتے تھے پھر حیرت ہے کہ ہم مسلمان اور ضعیف القدرہ ہوکر یہ حرکتیں کریں؟

نوشیرواں بادشاہ تھا جب اپنا محل بنانا چاہا تو ایک بڑھیا کا مکان محل کے قریب تھا جس کے ملانے کی ضرورت تھی ورنہ محل میں ریخ (رخنہ وکج) رہتا تھا، مگر اس نے دینے سے انکار کردیا تو نوشیرواں نے اس پر زور نہ دیا اور نہ جبر کیا بلکہ اپنا مکان ٹیڑھا ہی بنالیا اور ایک گوشہ کے بگڑنے کا خیال نہ کیا۔

ج: تیسری چیز اس سلسلے کی یہ ہے کہ تعمیر میں حرام مال نہ لگایا جائے ورنہ ازروئے حدیث یہی ویرانی کی جڑ ہے، تھانہ بھون میں پیر محمد صاحب کی مسجد عالمگیر کے وقت کی ہے جس کی دیواریں اور گنبد گارے کے ہیں، مگر (مضبوطی اور) پائیدار کی اس کے سوا اور کیا وجہ ہوسکتی ہے کہ مال حلال تھا اور نیت میں خلوص تھا۔

د: چوتھے یہ کہ عمارات میں ریاء وتفاخر واسراف سے تحرز (بچنا) لازم ہے، بس ہر عمارت میں یہ امر ضروری اور قابل لحاظ ہے کہ یہ تعمیر آسائش کے واسطے ہوں وہ تقوی کے خلاف ہیں اور آج کل اکثر عمارتیں نمائش (دکھلاوے) کے واسطے ہیں جن میں ضرورت کا لحاظ نہیں کیا جاتا۔(۱)

ہ: تعمیر میں خصوصا پردہ کا اہتمام ہو، چونکہ تعمیر کے اہم مقاصد میں سے ستر پوشی اور پردہ بھی شامل ہے، اگر گھر میں بے پردگی ہوتی ہو اس گھر کے بنانے سے کوئی فائدہ نہیں، جس گھر میں یہ خصوصیت نہ ہو وہ گھر، گھر کہلانے کے لائق ہی نہیں، اس لئے کہ ارشاد ربانی ہے:

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَدْخُلُوا بُيُوتًا غَيْرَ بُيُوتِكُمْ حَتّٰى

---

(۱) احکام المال: ۱۵۷-۱۵۸، احکام المال: ۱۴۹-۱۵۰

تَسْتَأْنِسُوْا وَتُسَلِّمُوْا عَلٰٓى أَهْلِهَا (۱)

اے مومنو! دوسروں کے گھر میں بغیر ان کو مانوس کئے ہوئے اور گھر والوں کوسلام کئے ہوئے داخل نہ ہو۔

و: حرام تصاویر اور جاندار چیزوں کے پتلے اور مجسمے گھر میں نہ رکھے جائیں، جیسا کہ گھروں میں اس طرح کی تصاویر اور مجسموں کے رکھنے کا رواج ہے، تصویریں اور مجسمے یہ شرعا حرام ہیں۔

ز: گھروں میں کمروں کی کم سے کم مقدار تین ہونا چاہئے، تاکہ گھر میں اختلاط، بے پردگی اور فحاشی اور عریانیت کا مظاہرہ نہ ہوجائے، کم سے کم تین کمرے گھر میں اس لئے ہونا چاہئے کہ تاکہ ماں باپ کے لئے علاحدہ کمرہ، لڑکوں اور لڑکیوں کے لئے کم ازکم علحدہ کمرے ہوسکیں۔

اس کی وجہ یہ ہے کہ اللہ عزوجل قرآن کریم میں گھر میں داخل ہونے پر استیذان اور اجازت کا حکم فرمایا ہے، تاکہ گھر کی بے پردگی نہ ہوسکی اور حدیث میں مروی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: جب بچے سات سال کے ہوجائیں تو انہیں نماز کا حکم کرو اور دس سال کے ہونے پر نماز کی عدم ادائیگی پر ان کو مارو اور ان کے بستر علحدہ کردو "**وفرقوا بينهم في المضاجع**" (۲) یہاں پر بستروں میں بچوں کے بیچ علحدگی کمروں کے الگ ہونے پر ہی ممکن ہے۔

ح: اپنے گھر اور تعمیر کے ذریعہ راستے کو مشغول نہ کرے، اپنے گھر کی تعمیر کے لئے دوسروں کی زمین نہ ہڑپ لیں، گھر کی بالکنیاں، چبوترے اس قدر زیادہ نہ رکھیں کہ جس کی وجہ سے راستہ تنگ ہوجائے، نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے مروی ہے کہ جو مسلمانوں کے راستے کا کچھ بھی حصہ ہڑپ کرلیتا ہے تو وہ اس حصہ کو زمین

---

(۱) سورۃالنور:۲۷

(۲) بخاری، کتاب الصلاۃ، باب متی یؤمر الغلام بالصلاۃ، حدیث:۴۹۵

کے سات حصوں کے ساتھ اٹھا کر اللہ عزوجل کے یہاں آئے گا" جاء به يوم القيامة يحمله من سبع أرضين" (۱)

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اپنے دور خلافت میں ایک لوہار کی بھٹی کو شاہراہ عام پر دیکھا تو فرمایا کہ تم نے بازار کو بالکل چھوٹا کر دیا، پھر اس کے منہدم کرنے کا حکم فرمایا: "فقال: لقد انتقصتم السوق، ثم أمر به فهدم" (۲)

ط: راستہ تنگ کرنے پر نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے سخت وعیدیں سنائی ہیں، اسی طرح میٹریل اور تعمیراتی ساز وسامان ڈال کر راستے کو بند کر کے لوگوں کو مشکل میں نہ ڈالیں، اس لئے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: "مَنْ ضيّق منزلاً، أو قطع طريقًا فلا جهاد له" (۳) (جو کسی جگہ کو تنگ کرے یا راستہ کو روکے تو اس کا جہاد مقبول نہیں ہوتا)۔ (۴)

☆ آدمی کا اپنا مکان اس کے لئے باعث راحت وسکون ہوتا ہے حضرت مولانا اشرف علی تھانوی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ہماری گھر والی ہم سے ہمیشہ کہا کرتی کہ ایک مکان رہنے کے لئے علاحدہ بنالو، لیکن میں ان کو ٹال دیتا کہ چند روزہ زندگی کے لئے مکان بناتی ہو، جب میں حج کرنے گیا اور بعد میں گھر میں پہنچ گئیں تو انہوں نے حضرت حاجی صاحب سے شکایت کی کہ میں گھر بنوانے کو کہتی ہوں اور یہ گھر نہیں بناتے، حضرت نے مجھ سے فرمایا: میاں تمہارے گھر میں سے گھر بنوانے کو کہتی ہیں کیا حرج ہے، یہ تو اچھی بات ہے، اپنے خاص گھر میں آرام ملتا ہے، میں نے جی میں کہا کہ ترکیب تو مکان بنوانے کی اچھی نکالی، میں نے عرض کر دیا

(۱) بخاری، باب ما جاء في أرض سبعين، حدیث: ۳۱۹۸
(۲) تقريب التهذيب: ۱/۳۰۶، دار المعرفة، بيروت، لبنان
(۳) ابو داؤد: باب ما يؤمر من انضمام العسكر وسعته، حدیث: ۲۶۲۹
(۴) احكام المال: ۱۵۷-۱۵۸، احكام المال: ۱۴۹-۱۵۰، ضوابط البناء في الفقه الإسلامي، سيتي فاطمة بنت صالح، ۱۸۵

بہت اچھا اب بن جائیگا، واپسی کے بعد جب مکان بن گیا تو قصداً میں نے حضرت کو لکھا، حضرت نے فرمایا: گھر مبارک ہو۔

حضرت (تھانوی رحمہ اللہ) نے فرمایا کہ گھر بنانے کے بعد معلوم ہوا کہ اس کے بغیر راحت نہیں ہوتی، باقی اگر کسی کو تنگی ہو اور نہ بنا سکے تو اور بات ہے۔

☆ مکان کشادہ ضرور ہونا چاہئے:

حضور اکرم ﷺ کا ارشاد گرامی ہے: ”الشَّؤْمُ فِیْ ثَلَاثَةٍ: المرأةُ وَالدَّارُ والفَرسُ“ (۱)

شراحِ حدیث نے شوم فی الدار (یعنی منحوس گھر) کی ایک تعبیر یہ بھی کی ہے کہ مکان تنگ ہو، ضرورتوں کے لئے کافی نہ ہو، تنگ مکان سے واقعی تکلیف ہوتی ہے۔ حدیث شریف میں وسعتِ مکان (یعنی مکان کے وسیع ہونے) کی دعاء بھی آئی ہے، چنانچہ ارشاد ہے ”اَللّٰهُمَّ وَسِّعْنِیْ فِیْ دَارِیْ“ یعنی اے اللہ مجھ کو وسیع مکان دیجئے۔

البتہ واقعی مکان نہ ہونے سے سخت تکلیف ہوتی ہے مگر مختصر مکان ضرورت کے لائق کافی ہے، زیادہ اونچا مناسب نہیں، حدیث میں ہے ”وبَيْتٌ يتَدَخَّلُ فِيْهِ“ کہ مکان ایسا ہو جس میں بے تکلف داخل ہو سکے، مکان زیادہ اونچا کرنا قوم عاد کی میراث ہے، قومِ عاد اپنی شان کے لئے نئے نئے اونچے اونچے مکان بنایا کرتے تھے۔

☆ رہ گئی ”واستو“ کی بات یعنی مکان کا ڈیزائن کیا ہو، اور کونسی چیز کس جگہ ہو؟ اور اس سے برکت اور بے برکتی کو متعلق سمجھنا قطعاً درست نہیں، یہ ایمان کی کمزوری کی بات ہے، مسلمانوں کا ایمان ہے کہ تمام نفع ونقصان اللہ کے فیصلہ پر منحصر ہے، اور کوئی بھی چیز اپنی اصل میں منحوس نہیں، مکان کے ڈیزائن اور اس میں مختلف ضروریات کے لئے جگہ کے تعین کا مشورہ انجینئرس اور فنی ماہرین سے کرنا چاہئے نہ کہ پنڈتوں سے۔

---

(۱) مسلم: کتاب السلام، باب: الطيرة والفأل وما يكون فيه من الشؤم، حدیث: ۲۲۲۵

مسافر بن عوف بن الاحمر نے حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ سے جس وقت وہ انباری سے نہروان جارہے تھے کہا: امیر المؤمنین! آپ اس وقت سفر نہ کریں، دن کے جب تین گھنٹے گزر جائیں تو روانہ ہوں، حضرت علی رضی اللہ عنہ نے کہا: کیوں؟ اس نے کہا: اگر اس وقت سفر کریں گے تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھیوں کو سخت نقصان پہنچ سکتا ہے، اور جس گھڑی میں جانے کے لئے کہہ رہا ہوں اس وقت جائیں گے تو کامیاب اور بامراد ہوں گے، حضرت علی رضی اللہ عنہ نے کہا: حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے کوئی نجومی تھا اور نہ ہمارے لئے آپ کے بعد اس طرح کا کوئی نجومی ہوگا "مَا كَانَ لِمُحَمَّدٍ مُنَجِّمٌ وَلَا لَنَا مِنْ بَعْدِهِ" پھر فرمایا: اے اللہ اچھائی اور برائی سب تیری ہی طرف سے ہے "اَللّٰهُمَّ لَا طَيْرَ اِلَّا طَيْرُكَ وَلَا خَيْرَ اِلَّا خَيْرُكَ" پھر منزلِ مقصود کی جانب چل پڑے۔(۱)

☆ گھر میں ایک جگہ معتکف اور عبادت گاہ کے طور پر بھی ہو جو چھوٹے بچوں کی آمد ورفت سے دور ہو، اور گندگی اور غلاظت وہاں نہ ہو، گھر کا کوئی فرد بھی وہاں یکسوئی کے ساتھ نماز کی ادائیگی کر سکتا ہو۔

چنانچہ حضرت موسی علیہ السلام کو اللہ نے قرآن میں حکم دیا "وَاجْعَلُوْا بُيُوْتَكُمْ قِبْلَةً"، (۲) اپنے گھروں کو قبلہ بناؤ (نماز گاہ بناؤ)۔

اسی طریقے سے نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث ہے "وَلَا تَجْعَلُوْا بُيُوْتَكُمْ مَقَابِرَ" (۳) اپنے گھروں کو قبر نہ بناؤ۔

مہمان خانہ اور وضو خانہ

اگر جگہ کشادہ ہو اور اخراجات کے اعتبار سے گنجائش ہو تو ضرور مہمان خانہ تعمیر کرنا چاہئے، مہمان نوازی ایمان والے کا شیوہ ہے، حتی الامکان اسے راحت پہنچا کر وہ خوش

---

(۱) تفسیر القرطبی: سورۃ الجن: ۱۹/۲۹، دار الکتب المصریہ، القاہرۃ

(۲) یونس: ۸۷

(۳) مسلم: باب استحباب صلاۃ النافلۃ فی بیتہ، حدیث نمبر: ۷۸۰

ہوتا ہے، مہمان کے ساتھ کھانے کے لئے انتظار کرتا ہے،علٰحدہ کمرہ ہوتو انہیں یکسوئی، آرام اور پردہ میں سہولت ہوتی ہے۔

اسی طرح عام طور پر اٹیچ باتھ روم کا رواج چل پڑا ہے،طبی اعتبار سے نہایت نقصان دہ ہے، جراثیم گھر میں داخل ہوجاتے ہیں،قدیم زمانے میں بیت الخلاء اور حمام علاحدہ ہوتے اور رہائش کی جگہ سے فاصلہ پر، وہی طریقہ بہت بہتر تھا، اگر رواج سے ہٹ کر اس طرح تعمیر ہوسکتی ہوتو کریں، حمام میں وضو کرتے ہوئے اطمینان نہیں ہوتا، سنتوں کی ادائیگی بھی مکمل طور پر نہیں ہو پاتی ہے،اس لئے ایک دونل (ٹوٹیاں) گھر کے صحن میں بنائی جائیں تو مسجد آنے جانے، اجنبی اور گھر کے افراد سے اطمینان سے وضو کرسکیں گے۔

❁❁❁❁❁❁

نئے گھر بنانے پر دعوت

☆ نئے گھر بنانے پر بطور شکرانے کے دعوت کی جاسکتی ہے اور اقارب، رشتہ دار اور پڑوسیوں کو مدعو کر کے خوشی کا اظہار کیا جاسکتا ہے۔

موسوعۃ فقہیہ میں ہے:

"الوليمة للبناء مستحبة، كبقية الولائم التى تقام لحدوث سرور او اندفاع شر" (۱)

گھر کی تعمیر پر دعوت کرنا یہ مستحب ہے، جس طرح دیگر خوشی یا دفع شر ومصیبت کے مواقع سے دعوت کی جاتی ہے۔

البتہ مقصود اس دعوت کا بس یہ ہوگا کہ اللہ کی اس نعمت کے شکرانے اور خوشی کے اظہار اور اقارب دوستوں اور پڑوسیوں کی اس خوشی کے موقع سے شرکت اور ان سے تعارف مقصود ہے۔ اس طرح کی دعوت کرنا اور اپنی حیثیت کے موافق کچھ پکا کر کھلانا جائز ہے۔ (۲)

☆ ہاں اگر اس دعوت کا مقصود جنات کو بھگانا، یا اس جگہ کے شر سے پناہ حاصل کرنا ہو یا کسی بھی طرح کی بد اعتقادی کے ساتھ جانور وغیرہ ذبح کرنے سے اس شر

---

(۱) الموسوعة الفقهية: ۲۰۷/۸

(۲) مجموع فتاوى ابن باز: ۳۸۸/۵، المنتقى من فتاوى الفوزان: ۶۱/۹۴، فتاوى اللجنة الدائمة: ۲۱۴/۱

کے دفعیہ کے لئے دعوت کی جاتی ہے۔

شیخ ابوبکر ابوزید رحمہ اللہ کہتے ہیں:

”ومن البدع: التخصيص بلا دليل، بقراءة آية، أو سورة في زمان أو مكان أو لحاجة من الحاجات، وهكذا قصد التخصيص بلا دليل“ (۱)

اس موقع سے بغیر کسی دلیل کے خاص آیت یا سورۃ کسی خاص جگہ یا خاص وقت یا کسی خاص ضرورت کی تکمیل کے لئے پڑھنا یہ بغیر کسی شرعی دلیل کے ان امور کی تخصیص کرنا، اور تخصیص بلا دلیل ہے۔

☆ البتہ مطلقا شیطان کو بھگانے کے لئے گھر میں اذان دینا اور قرآن کریم کے پڑھنے میں کوئی حرج نہیں، خاص طور سے سورہ بقرہ پڑھنا، چونکہ جس گھر میں سورہ بقرہ پڑھی جاتی ہے وہاں سے شیاطین بھاگ جاتے ہیں اور یہ معمول صرف گھر میں منتقل ہونے کے وقت نہ رہے بلکہ گھر سے شیاطین کے بھاگنے کے لئے ان معمولات کا اختیار کرنا نہایت مجرب اور مفید ہے۔

مسلم کی روایت ہے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ راوی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

” لا تجعلُوا بيوتكم مقابرَ إنَّ الشيطانَ ينفِرُ من البيتِ الذي تُقرأُ فيه سورةُ البقرةِ“ (۲)

اپنے گھروں کو قبرستان نہ بناؤ، شیطان اس گھر سے بھاگ جاتا ہے، جس میں سورہ بقرہ پڑھی جاتی ہے۔

اسی کھانے کو جو گھر کی تعمیر کی تکمیل کے شکرانے کے طور پر بنایا جاتا ہے اور لوگوں

---

(۱) فتاوی بکر ابو زید رحمه الله: ۱۴

(۲) مسلم: باب استحباب صلاة النافلة في بيته، وجوازها في المساجد، حدیث: ۷۸۰

کو اس میں مدعو کیا جاتا ہے عرب ''وَکِیْرۃ'' کہتے ہیں، جمہور فقہاء نے اس دعوت میں شرکت کو مستحب کہا ہے، اس کے لئے کوئی خاص اہتمام کی ضرورت نہیں، جو میسر ہو کھلایا جاسکتا ہے، البتہ اس دعوت کے سلسلے میں عادت یہ ہے کہ اس کو گھر کی تعمیر اور اس میں منتقل ہونے کے بعد کیا جاتا ہے۔(۱)

❁❁❁❁❁❁❁❁

(۱) الموسوعة الفقهية: ۴۵/۱۱۸

ناجائز قبضے اور جبری معاملے

ریئل اسٹیٹ کے کاروبار میں ساری دنیا دیکھ رہی ہے کہ ظلم، ہوس، قتل وغارت گری، ناجائز قبضے، وعدہ خلافی، خیانت اور غلط بیانی بڑھتی جارہی ہے، انسان کو نہ خدا یادرہا نہ آخرت، صحت کا ہوش ہے نہ گھر کا، زیادہ سے زیادہ کمانے، ایک پر دوسرے معاہدہ کی جلد بازی بڑھتی جارہی ہے، معاملات کا الجھاؤ، لین دین کی پیچیدگی، تعلقات کا بگاڑ عام ہے، ایک شریف انسان کا اس کاروبار میں رہنا مشکل ہوگیا، مالِ وقف کو بھی نہیں چھوڑا جاتا، بیوہ، یتیم اور ضعیف لاچار کی جائیداد بھی کسی طرح قبضہ کرلی جاتی ہے، سیاسی لیڈر اقتدار حاصل کرتے ہی کمزوروں مالداروں کی اراضی کی طرف نگاہ اٹھاتا ہے، جائز ناجائز کمیشن کی دوڑ لگی ہے، مسجدوں اور دینی اداروں میں ان بازاری تنازعات کا اثر پہنچ رہا ہے، ذیل میں ایسے واقعات منتخب کئے گئے جس سے ظلم کی روک تھام ہو، طاقت کا نشہ کم ہو، نگاہِ عبرت سے پڑھیں، خدا کی قدرت کمزور نہیں ہوگئی، مہلت کو نعمت کبھی نہ سمجھنا چاہئے۔ ویسے ہر شخص اپنے کو مظلوم سمجھتا ہے، ظالم اور مظلوم کو طے کرنے کا پیمانہ شریعت ہے، ذاتی فہم اور رواج ہرگز اس کا معیار نہیں ہوسکتا، "**وَتِلْكَ حُدُوْدُ اللّٰهِ وَمَنْ يَّتَعَدَّ حُدُوْدَ اللّٰهِ فَقَدْ ظَلَمَ نَفْسَهٗ**" (۱)

ابتدائی صفحات میں مذکور احادیث سے یہ پتہ چلا کہ کسی غیر مملوک، لاوارث اور بنجر زمین کو آباد کرلے تو وہ اسی کی ملکیت میں آجاتی ہے، دوسری طرف ان احادیث

---

(۱) الطلاق:۱

سے یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ آبادکاری سے صرف انہیں زمینوں پر آبادکار کو ملکیت حاصل ہوتی ہے جو پہلے سے کسی کی شخصی ملکیت میں نہ ہو؛ لیکن اگر زمین پہلے سے کسی آبادکار کی ملکیت میں ہے تو خواہ غیر آباد کیوں نہ پڑی ہو، اس پر اس کی اجازت کے بغیر آبادکاری جائز نہیں، اور ایسی آبادکاری سے آبادکار کو کوئی حق پیدا نہیں ہوتا، اسی طرح یہ احادیث شخصی ملکیت کے ثبوت پر دلالت کرتی ہیں اور اس بات پر بھی کہ جو زمین کسی شخص کی ملکیت میں ہو، دوسروں کے ذمے اس کی ملکیت کا احترام اسی طرح واجب ہے (جس طرح اشیاء صرف کی ملکیت کا)۔

اسی طرح رسول اللہ ﷺ نے بہت سی بنجر زمینیں متعدد صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو حقوق کے ساتھ عطا فرمائیں، مفتوحہ اراضی کو مجاہدین کے درمیان تقسیم فرما کر انہیں ان اراضی کا مالک بنایا، اور جب بنو نضیر کے یہودی جلاوطن ہوئے تو ان کی متروکہ اراضی مہاجرین میں تقسیم کی گئیں، عبدالرحمن بن کعب رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

فَأَعْطَى النَّبِيُّ ﷺ أكثرها لِلْمُهَاجِرِيْنَ وَقَسَّمَهَا بَيْنَهم، وَقَسَمَ منها رَجُلَيْنِ مِنَ الأَنْصَارِ، كَانَا ذَوِيْ حَاجَةٍ لم يَقْسِمْ لأَحَدٍ مِنَ الأَنْصَارِ غيرِهما(۱)

آنحضرت ﷺ نے بنو نضیر کی اکثر زمینیں مہاجرین کو دیدیں، اور انہیں ان کے درمیان تقسیم فرمایا اور انصار میں سے بھی دو صاحبان کو زمین کا حصہ عطا فرمایا جو ضرورت مند تھے، انصار میں سے ان صاحبان کے سوا کسی کو ان زمینوں میں سے کچھ نہیں دیا۔(۲)

اسی طرح جب خیبر فتح ہوا تو وہاں کی زمینیں مجاہدین میں تقسیم فرمائیں، امام زہری رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

(۱) ابو داود: باب ما جاء في خبر بني نضير، حدیث نمبر: ۳۰۰۴، شعیب الارنوط اور البانی نے اس روایت کو صحیح کہا ہے۔

(۲) تلخیص سنن ابی داؤد: حدیث نمبر: ۳۸۸۴

"خَمَسَ رسولُ اللهِ ﷺ خيبرَ ثُم قَسَمَ سائرَهَا عَلَى مَنْ شَهِدَهَا وَمَنْ غَابَ عَنْهَا مِنْ أَہْلِ الحدَيْبِيَةِ"(۱)

آنحضرت ﷺ نے خیبر کی اراضی کا پانچواں حصہ بیت المال کے لئے نکالا، پھر باقی تمام اراضی کو غزوہ حدیبیہ کے شرکاء میں تقسیم فرمایا جو اس وقت وہاں موجود تھے، ان کو بھی دیا اور جو موجود نہ تھے ان کو بھی۔

اس کے علاوہ بہت سے صحابہ کرام کو آپ نے مختلف اراضی بطور عطیہ عنایت فرمائیں مثلاً ابوداؤد نے اپنی سنن میں اس کے آٹھ نو واقعات ذکر فرمائے ہیں، جن میں مروی ہے کہ آنحضرت ﷺ نے حضرت وائل بن حجر، حضرت بلال، حضرت ابیض بن حمّال اور حضرت زبیر بن عوام رضی اللہ عنہم وغیرہ کو زمینیں عطا فرمائیں۔(۲)

اسی طرح زمینوں کی خرید وفروخت کے بارے میں بھی آنحضرت ﷺ نے اجازت عطا فرمائی، جو اس بات کی واضح دلیل ہے کہ آپ نے زمینوں پر کسی کی ملکیت کو اس کی تمام تفصیلات کے ساتھ جائز قرار دیا۔

ناجائز قبضہ نہ کریں

حضرت سعید بن زید رضی اللہ عنہ (حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے بہنوئی) عشرہ مبشرہ میں سے ہیں، ایک خاتون جس کا نام "اروی تھا" نے دعوی کر دیا کہ انہوں نے اس خاتون کی زمین کے کچھ حصہ پر ناحق قبضہ کرلیا ہے، مقدمہ مروان بن حکم کی عدالت میں پیش ہوا تو انہوں نے اپنے بیان میں کہا کہ: "میں ان کی زمین کا کوئی حصہ کیسے لے سکتا ہوں؟ جب کہ میں آنحضرت ﷺ کو فرماتے ہوئے سنا ہے:

"مَنْ أَخَذَ شِبرًا مِنَ الأَرْضِ بِغَيرِ حَقِّهِ طَوَّقَهُ فِيْ سَبْعِ

---

(۱) ابوداؤد: كتاب الخراج والعمارة، باب حكم أرض خيبر، حدیث نمبر: ۳۰۱۹

(۲) ابوداؤد: باب إقطاع الارضين، حدیث نمبر: ۲۹۳۵

اَرْضِین یَوْمَ الْقِیَامَۃِ" (۱)

جو شخص ایک بالشت برابر زمین بھی ناحق لے گا، قیامت کے دن اس کے گلے میں وہ زمین سات زمینوں کے ساتھ طوق بنادی جائے گی۔

اور فرمایا: میں اس کے بعد میں تم سے سوال نہیں کروں گا، سعید نے کہا: اے اللہ! اگر یہ جھوٹی ہے تو اس کی آنکھ کی بصارت ختم کر دیجئے، اس کو اس کی زمین میں قتل کر دیجئے، اس کی آنکھ چلی گئی، وہ اپنی زمین کے گڑھے میں گر کر مر گئی "وَوَقَعَتْ فِیْ حُفْرَۃٍ فِیْ أَرْضِهَا، فَمَاتَتْ" (۲)

اور روایت میں یہ بھی ہے کہ "میں تو اس حدیث کی بناء پر اپنی زمین سے چھ ہاتھ کے برابر زمین اس خاتون کے حق میں چھوڑ چکا ہوں، بلکہ بعد میں جتنی زمین پر اس خاتون کا دعوی تھا، اس سے بھی حضرت سعید بن زید ؓ اسی کے حق میں دست بردار ہو گئے۔ (۳)

اسی طرح حضرت رافع بن خدیج ؓ روایت کرتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ نے ارشاد فرمایا:

"مَنْ زَرَعَ أَرْضَ قَوْمٍ بِغَیْرِ إِذْنِهِمْ فَلَیْسَ لَهُ مِنَ الزَّرْعِ شَیْءٌ، وَرُدَّ عَلَیْهِ نَفَقَتُهُ" (۴)

جو شخص دوسروں کی زمین میں ان کی اجازت کے بغیر کھیتی کرے اس کے لئے کھیتی کا کوئی حصہ حلال نہیں، ہاں اس کا کیا ہوا خرچ اس کا حق ہے۔

حضرت ابو حمید ساعدی ؓ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

---

(۱) بخاری، باب ماجاء فی سبع أرضین، حدیث نمبر: ۳۱۹۸

(۲) حلیة الاولیاء: ۱/۹۶، دار الکتاب العربی، بیروت

(۳) حلیة الاولیاء: ۱/۹۶، دار الکتاب العربی، بیروت

(۴) مسند ابن أبی شیبة، خدیجة رضی اللہ عنہا، حدیث نمبر: ۷۰

لَا يَحِلُّ لمسلمٍ أن يأخُذَ مالَ أخيهِ بغيرِ حَقٍّ، وذلك لما حَرَّمَ اللّٰهُ مالَ المسلمِ عَلَى المسلمِ أن يأخُذَ عصا أخيهِ بغيرِ طِيْبِ نفسٍ"(۱)

کسی مسلمان کے لئے حلال نہیں کہ وہ اپنے بھائی کا مال کسی حق کے بغیر لے اور یہ اس لئے کہ اللہ تعالیٰ نے مسلمان کا مال مسلمان پر حرام کیا ہے، اور اس کو بھی حرام کیا ہے کہ کوئی اپنے بھائی کی لاٹھی بھی اس کی خوش دلی کے بغیر لے۔

حضرت سائب بن یزید رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے نبی کریم ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ

"لا يَأْخُذُ أَحدُكُمْ متاعَ صاحبِهِ لا عِبًّا وَلا جَادًّا، وإذَا أَخذَ أحدُكُمْ متاعَ صاحبِه فليرُدَّهَا إليه"(۲)

تم میں سے کوئی شخص کسی ساتھی کا کوئی سامان نہ مذاق میں لے، نہ سنجیدگی سے اور اگر کسی کا کوئی سامان کبھی لے لیا ہو تو اسے اسی کو لوٹا دے۔

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ فرماتے ہیں:

قلتُ يَا رسولَ اللهِ! أيُّ الظُّلْمِ أَظْلَمُ؟ فقَالَ: ذِرَاعٌ منَ الأرْضِ يَنْتَقِصُهَا المرءُ المسْلِمُ من حقِّ أخِيهِ إلا طُوِّقَهَا يومَ القيامةِ إلى قَعْرِ الأرْضِ، ولا يعلمُ قعرهَا إلا اللهُ الذي خَلَقَهَا"(۳)

---

(۱) موارد الظمآن، باما جاء في الغضب، حدیث نمبر:۱۱۶۶

(۲) مجمع الزوائد: فيمن أخذ شيئا بغير إذن صاحبه، حدیث: ۶۸۶۸، اس کو طبرانی کی کبیر میں روایت کی ہے، اس میں عبداللہ بن یزید بن سائب، میں نے اس کا ترجمہ نہیں پایا، اس کے بقیہ رجال صحیح رجال ہے۔

(۳) مسند احمد، عبد الله بن مسعود رضی اللہ عنہ، حدیث نمبر: ۳۷۷۳، اس کو احمد اور طبرانی نے کبیر میں روایت کیا ہے، امام احمد کی سند حسن ہے۔

میں نے عرض کیا یا رسول اللہ! سب سے بڑا ظلم کیا ہے؟ آپ نے فرمایا: اگر ایک زمین بھی کوئی مسلمان شخص اپنے بھائی کے حق میں سے کم کرے تو اسے قیامت کے دن زمین کی تہہ تک اس کے گردن میں طوق بنا دیا جائے گا، اور زمین کی تہہ کا علم اللہ کے سوا کسی کو نہیں جس نے اسے پیدا کیا۔

حضرت ابو مالک اشعری ﷛ روایت کرتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ نے ارشاد فرمایا:

أَعْظَمُ الغُلُوْلِ عِندَ اللهِ عزَّ وجلّ ذراعٌ من الأرضِ، تجدُونَ الرَّجلَينِ جَارَيْنِ فی الأرضِ أوفِی الدَّارِ، فیقْتَطِع أحدُهما مِنْ حَظِّ صاحبِه ذِرَاعًا إذا اقْتَطَعَتْه طَوَّقَهُ من سبع أرَضين إلی یَوْمِ القیامةِ (۱)

اللہ تعالیٰ کے نزدیک عظیم ترین خیانت ایک گز زمین (میں خیانت) ہے، تم اگر دیکھو کہ دو آدمی کسی زمین یا کسی گھر میں پڑوسی ہیں، پھر ان میں سے ایک شخص اپنے ساتھی کے حصے سے ایک گز کاٹ کر لے لیتا ہے تو جب وہ ایسا کرے گا تو قیامت کے دن اس کے گلے میں سات زمینوں کا طوق ڈالا جائے گا۔

حضرت سعد بن ابی وقاص ﷛ سے روایت ہے کہ آنحضرت ﷺ نے ارشاد فرمایا:

مَنْ أَخَذَ شَيْئًا مِنَ الأَرْضِ بِغَيْرِ حَقِّهِ طَوَّقَهُ مِنْ سَبْعِ

---

(۱) مسند احمد، حدیث ابی مالک الأشجعی، حدیث نمبر: ۱۷۲۵۵، مجمع الزوائد: باب فیمن غضب أرضا، حدیث نمبر: ۶۸۷۹، اس کو احمد اور طبرانی نے کبیر میں روایت کیا ہے، اس کی سند حسن ہے۔

اَرْضِینَ لَا یُقْبَلُ مِنْهُ صرفٌ وَلَا عَدْلٌ (۱)

جو شخص زمین کا کچھ حصہ جائز وجہ کے بغیر لے لے تو اسے سات زمینوں کا طوق پہنایا جائے گا اور اس سے کوئی معاوضہ یا فدیہ قبول نہیں کیا جائے گا۔

حضرت عبداللہ بن مسعود ﷛ روایت فرماتے ہیں کہ حضور اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا:

مَنْ غَصَبَ رَجُلًا أَرْضًا ظُلْمًا لَقِيَ اللهَ وَهُوَ عَلَيْهِ غَضْبَانُ (۲)

جو شخص کسی دوسرے شخص سے کوئی زمین ظلماً چھین لے، وہ اللہ تعالیٰ سے اس حال میں ملے گا کہ اللہ تعالیٰ اس پر ناراض ہوگا۔

حضرت سعید بن زید ﷛ روایت فرماتے ہیں کہ حضور اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا:

مَنْ أَحْيَا أَرْضًا مَيْتَةً فَهِيَ لَهُ، وَلَيْسَ لِعِرْقٍ ظَالِمٍ حَقٌّ (۳)

جو شخص مردہ (غیر مملوک وغیر آباد) زمین کو آباد کرے تو وہ زمین اسی کی ہے (اور دوسرے کی زمین میں ناجائز طور پر آبادکاری کرنے والے) کو کوئی حق حاصل نہیں ہوتا۔

حضرت عبادۃ بن صامت ﷛ سے روایت ہے:

---

(۱) **مجمع الزوائد، باب فیمن غصب أرضا**، حدیث نمبر: ۶۸۸۵، اس کو ابویعلی، بزاز، طبرانی نے اوسط میں روایت کیا ہے، اس میں حمزہ بن ابو محمد ہے اس کو ابو حاتم ابو زرعہ، امام ترمذی نے اس حدیث کو ترمذی نے حسن قرار دیا ہے۔

(۲) **مجمع الزوائد: باب فیمن غیر علام الأرض**، حدیث نمبر: ۶۸۹۱، اس کو طبرانی نے کبیر میں روایت کیا ہے، اس میں یحی بن عبدالحمید الحمانی ہے، یہ ضعیف ہے، کبھی ان کی توثیق بھی کی گئی ہے، اس سلسلے میں بہت سارا کلام ہے۔

(۳) **ابو داؤد: باب إحیاء الموت**، حدیث نمبر: ۳۰۷۳، امام ترمذی نے اس روایت کو حدیث حسن غریب کہا ہے۔

إِنَّ مِنْ قَضَاءِ رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ أَنَّهُ لَيْسَ لِعِرْقٍ ظَالِمٍ حَقٌّ (۱)

رسول اللہ ﷺ کے فیصلوں میں سے ایک فیصلہ یہ ہے کہ کسی ناحق آباد کار کو کوئی حق نہیں، حضرت یعلی بن مرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا:

اَيُّمَا رَجُلٍ ظَلَمَ شِبْرًا مِنَ الأَرْضِ كَلَّفَهُ اللّٰهُ أَن يَحْفِرَهُ حَتَّى يَبْلُغَ آخرَ سبع أَرْضِين، ثُمَّ يُطَوِّقُه إلى يَوْمِ الْقِيَامَةِ حَتَّى يُقْضِى بَيْنَ النَّاسِ (۲)

جو شخص بالشت بھر زمین بھی ظلما لے تو اللہ تعالیٰ اسے مامور کریں گے کہ اس زمین کو کھودیں، یہاں تک کہ سات زمینوں کے آخر تک پہنچ جائے، پھر وہ اس کے گلے کا طوق بنایا جائے گا، یہاں تک کہ لوگوں کے درمیان مکمل فیصلہ ہوجائے گا۔

جبراً زمین کی خرید وفروخت

کیا کسی شخص کو جبراً معاوضہ دے کر اس کی کوئی ملکیت حاصل کی جاسکتی ہے؟ اس سوال کا جواب یہ ہے کہ معاوضہ دے کر زبردستی کسی سے اس کی ملکیت لے لینا درحقیقت ایک جبری بیع ہے، قرآن وسنت کی روشنی میں شریعت کا اصل حکم یہی ہے کہ بیع فریقین کی باہمی رضامندی سے ہونی چاہیے اور کوئی فریق دوسرے کو اس پر مجبور نہیں کرسکتا، اس سلسلے میں قرآن وسنت کے چند ارشادات مندرجہ ذیل ہیں:

(۱) سورۃ النساء میں اللہ تبارک وتعالیٰ کا ارشاد ہے:

يَا أَيُّهَا الَّذِيْنَ آمَنُوْا لَا تَأْكُلُوْا أَمْوَالَكُمْ بَيْنَكُمْ بِالْبَاطِلِ

---

(۱) مجمع الزوائد: باب فيمن غصب أرضا، حدیث نمبر: ۶۸۷۷، اس کو عبداللہ بن احمد نے حدیث طویل میں ذکر کیا ہے، اس کو طبرانی نے کبیر میں روایت کیا ہے۔

(۲) مجمع الزوائد، باب فيمن غصب أرضا، حدیث نمبر: ۶۸۸۲، اس کو احمد، طبرانی نے کبیر اور صغیر میں اسی طرح کی سند کے ساتھ ذکر کیا ہے، اس کے بعض کے رجال صحیح ہیں۔

إِلَّآ أَنۡ تَكُوۡنَ تِجَارَةً عَنۡ تَرَاضٍ مِّنۡكُمۡ (۱)

اے ایمان والو! آپس میں ایک دوسرے کے مال ناحق طور پر مت کھاؤ الّا یہ کہ وہ کوئی تجارت ہو، جو تمہاری باہمی رضامندی سے ہوئی ہو۔

یہ آیت دوسرے کا مال لینے کے بارے میں یہ واضح حکم دے رہی ہے کہ اس کے جائز ہونے کے لئے دو شرطیں ہیں ایک یہ کہ وہ تجارت (یعنی بیع) کے ذریعہ ہو اور دوسرے یہ کہ یہ بیع باہمی رضامندی سے ہوئی ہو اور کسی بھی فریق نے دوسرے کو اس پر مجبور نہ کیا ہو۔

حضرت علی ﷜ نے ارشاد فرمایا:

"قَدْ نَهَى رسولُ اللهِ ﷺ عَنْ بَيْعِ الْمُضْطَرِّ" (۲)

حضرت ابو ہریرہ ﷜ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: "لا يَتَفَرَّقَنَّ عَنْ بَيْعٍ إِلَّا عَنْ تَرَاضٍ" کوئی شخص بیع کر کے اس وقت تک نہ جائے جب تک باہمی رضامندی نہ ہو چکی ہو۔ (۳)

حضرت ابو سعید خدری ﷜ سے روایت ہے کہ آنحضرت ﷺ نے ارشاد فرمایا:

"إِنَّمَا الْبَيْعُ عَنْ تَرَاضٍ" (۴)

قرآن وسنت کے ارشادات سے یہ واضح ہوجاتا ہے کہ شرعاً وہی بیع معتبر اور قابل نفاذ ہے جو فریقین کی رضامندی سے وجود میں آئی ہو، کسی شخص کو زبردستی اس کی

(۱) النساء:۲۹

(۲) ابو داؤد:، کتاب البیوع، باب النھی عن بیع المضطر، حدیث نمبر:۳۳۸۲

(۳) جامع الترمذی: کتاب البیوع، باب نمبر:۲۶، حدیث نمبر:۱۲۴۸، امام ترمذی نے اس حدیث کو غریب کہا ہے۔

(۴) سنن ابن ماجة، کتاب التجارات، باب نمبر:۱۸، حدیث نمبر: ۲۱۸۵، شعیب الارنؤط نے اس روایت کو صحیح لغیرہ کہا ہے، اس کی سند حسن ہے۔

مرضی کے خلاف بیع پر مجبور کر کے اس سے کوئی چیز خرید نا جائز نہیں، اور ایسی بیع شرعاً معتبر بھی نہیں ہوتی، چنانچہ فقہاء کرام نے ایسی بیع کو فاسد قرار دیا ہے، علامہ حصکفی لکھتے ہیں: "بیع المضطر وشراؤه فاسد" (۱) جس شخص کو اس کی رضامندی کے بغیر معاملے پر مجبور کیا گیا ہو اس کی بیع وشراء فاسد ہے۔

بلکہ اس کے تحت علامہ ابن عابدین شامی نے اس صورت کو بھی شامل کیا ہے جب کوئی شخص اپنے ذاتی حالات کے تحت کوئی چیز بیچنے پر مجبور ہو گیا اور خریدار اس کی مجبوری کا فائدہ اٹھاتے ہوئے قیمت اتنی کم لگائے جو بازار کے نرخ کے لحاظ سے بہت کم ہو، اس کو بھی انہوں نے "بیع المضطر" قرار دیا ہے:

"وكذا في الشراء منه: اى من المضطر مثال بيع المضطر أى بأن اضطر الى بيع شيء من ماله، ولم يرض المشترى إلا بشرائه بدون ثمن المثل بغبن فاحش" (۲)

البتہ فقہاء کرام رحمہم اللہ نے اسی اصول کے مطابق ضروریات کے موقع پر جبری خریداری کو جائز قرار دیا ہے، جس کی مثال:

فقہ حنفی کی ایک اور مشہور کتاب "درمختار" میں ہے:

"تؤخذ أرض ودار وحانوت بجنب مسجد ضاق على الناس بالقيمة كرها" (۳)

جو مسجد لوگوں کے لئے تنگ ہوگئی ہو اور اس کے قریب کوئی زمین یا گھر یا دکان ہو تو اسے قیمت کے ذریعہ زبردستی حاصل کیا جاسکتا ہے۔

فقہ حنفی کی مشہور کتاب "فتاوی قاضی خان" میں ہے:

---

(۱) درمختار مع الرد: مطلب بيع المضطر وشراؤه: ۵/ ۵۹

(۲) درمختار مع الرد: مطلب بيع المضطر وشراؤه: ۵/ ۵۹

(۳) الدر مع الرد، مطلب فى الوقت إذا خرب ولم يكن عمارته: ۴/ ۳۷۹

”لدى الحاجة يؤخذ ملك كائن من كان بالقيمة بأمر السلطان ويلحق بالطريق لكن لا يؤخذ من يده ما لم يود له الثمن“(۱)

ضرورت کے وقت سلطان کے حکم سے ہر شخص کی ملکیت خواہ وہ کوئی بھی ہو، قیمت ادا کر کے لی جاسکتی ہے اور اسے راستے میں شامل کیا جاسکتا ہے، لیکن اس کے قبضے سے اس وقت تک نہیں لی جائے گی جب تک اسے قیمت ادا نہ کر دی گئی ہو۔

۱) بہر حال عام حالات میں کسی کو اس کی ملکیت فروخت کرنے پر مجبور نہیں کیا جاسکتا۔

۲) صرف ”ضرورت“ یا ”عمومی حاجت“ کے موقع پر ہی خریداری جائز ہوسکتی ہے ،اس کا معیار یہ ہے کہ اس جبری خریداری کے بغیر یا تو کسی جان کے چلے جانے کا براہِ راست خطرہ گمانِ غالب کے درجے میں پیدا ہو گیا ہو یا اس کے بغیر عام انسانوں کو شدید مشکلات میں مبتلا ہونے کا غالب گمان ہو۔

۳) مذکورہ ”ضرورت“ یا عمومی حاجت کو دور کرنے کا اس جبری خریداری کے سوا کوئی راستہ نہ ہو اور فیصلہ ممکنہ متبادل طریقوں پر اچھی طرح غور کرنے کے بعد کیا گیا؛ لہٰذا ”مفاد عامہ“ (public Interest) مجمل بنیاد کافی نہیں، جب تک ”ضرورت“ یا ”عمومی حاجت“ کا تیقن نہ کیا گیا ہو۔

۴) جبری خریداری میں جو چیز زبردستی کسی شخص سے لی جارہی ہے، اس کا معاوضہ جبری خریداری کی تاریخ میں اس شی کی بازاری نرخ (Market value) کے مطابق متعین کیا جائے، کیوں کہ وہاں ”قیمت“ یا ”ضمان“ کی ادائیگی لازم قرار دی ہے، اور ”قیمت“ یا ”ضمان“ دونوں کا مطلب ”بازاری نرخ“ کے

---

(۱) فتاوی قاضی خان:۱/ ۲۳۶،كتاب الزكاة فصل أحياء الأموات

مطابق ادائیگی ہے، محض کسی حاکم کی طرف سے استبدادی طور (Arbitrary) معاوضہ کے تعین کو "قیمت" یا "ضمان" نہیں کہا جاسکتا۔

۵) بازاری نرخ کے مطابق یہ معاوضہ شئ مطلوبہ کا قبضہ لینے سے پہلے یا اس کے ساتھ ساتھ ادا کردیا جائے (البتہ عمومی تاخیر جو انتظامی طور پر ناگزیر ہو اور جسے قابل ذکر تاخیر نہ سمجھا جائے اسی ہی میں داخل سمجھی جاسکتی ہے)۔

ان شرائط کی مکمل رعایت کے ساتھ حاکم مجاز کو شرعاً یہ اختیار دیا جاسکتا ہے کہ وہ کسی کی ملکیت جبری طور پر خرید لے۔(۱)

رئیل اسٹیٹ کاروبار میں اب یہ عام صورتحال بنتی جارہی ہے کہ کسی سیاسی نمائندے یا پہلوان کا سہارا لے کر زمین کے مالک پر دباؤ ڈالا جاتا ہے، سیاسی، تجارتی رکاوٹیں پیدا کی جاتی ہیں، جان کی دھمکیاں ہی نہیں قتل بھی ہلکا سمجھا جاتا ہے، اچھی طرح جان لینا چاہئے کہ اس طرح خریدنے سے کوئی مالک نہیں ہوتا، وہ مال ہرگز حلال نہیں، بلکہ زبردستی قیمت کم کروا کر لینا بھی جائز نہیں ہے۔

❁❁❁❁❁❁❁

---

(۱) اسلام اور جدید معاشی مسائل: ۷/۷ ۱۰، مفتی تقی عثمانی صاحب

ظالموں کا انجام
قرآن وحدیث اور سچے واقعات کی روشنی میں

حق کو چھوڑ کر باطل کی طرف مائل ہونا، یا دوسرے کی ملکیت میں دخل دینا اور حد سے بڑھنا ظلم کہلاتا ہے۔

معاشرے میں عام طور پر ظلم ہی تمام برائیوں کی جڑ ہے چاہے اپنی ذات پر ہو یا کسی اور پر، اللہ تعالیٰ کے ساتھ کسی کو شریک ٹھہرانا سب سے بڑا ظلم ہے۔

اللہ تعالیٰ نے صرف ظلم کرنے سے منع ہی نہیں فرمایا بلکہ ظالم کی طرف مائل ہونے، محبت رکھنے اور اس کی بات ماننے سے بھی منع فرمایا ہے، اور اگر کوئی یہ کرے تو اس کو دوزخ کی آگ سے ڈرایا ہے، چنانچہ ارشاد ہے:

"وَلَا تَرْكَنُوٓاْ إِلَى ٱلَّذِينَ ظَلَمُواْ فَتَمَسَّكُمُ ٱلنَّارُ"(۱)

ترجمہ: دیکھو! ظالموں کی طرف ہرگز نہ جھکنا ورنہ تمہیں بھی (دوزخ کی) آگ لگ جائے گی"۔

ظلم ایسا سنگین گناہ ہے جو معاشرے میں مصیبتوں، ہلاکتوں اور سختیوں کا سبب بنتا ہے اسی وجہ سے اللہ تعالیٰ حدیث قدسی میں ارشاد فرماتے ہیں:

"يَا عِبَادِيْ إِنِّي حَرَّمْتُ الظُّلْمَ عَلَى نَفْسِيْ وَجَعَلْتُهُ بَيْنَكُمْ

---

(۱) سورۃ ھود: ۱۱۳

محرَّمًا فلَا تظَالموا"(۱)

ترجمہ: اے میرے بندو! میں نے ظلم کو اپنے اوپر حرام کیا ہے اور اسے تمہارے درمیان بھی حرام کیا ہے؛ لہٰذا تم ایک دوسرے پر ظلم مت کرو۔

ظلم کی مذمت میں چند اقوال

حضرت ابو موسیٰ اشعری ﷺ سے روایت ہے حضور اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا: ''بے شک اللہ تعالیٰ ظالم کو ڈھیل دیتے ہیں، پھر جب اس کی پکڑ کرتے ہیں تو اس کو نہیں چھوڑتے'' پھر یہ آیتِ کریمہ تلاوت فرمائی:

وَكَذَٰلِكَ أَخْذُ رَبِّكَ إِذَا أَخَذَ الْقُرَىٰ وَهِيَ ظَالِمَةٌ إِنَّ أَخْذَهُ أَلِيمٌ شَدِيدٌ(۲)

اور آپ کے پروردگار کی پکڑ اسی طرح ہے جب وہ بستی والوں کو پکڑتا ہے جو (اپنے اوپر) ظلم کرتے رہتے ہیں بے شک اس کی پکڑ بڑی تکلیف دہ ہے بڑی سخت ہے''

☆ مروی ہے کہ ایک مرتبہ ظلم کا ذکر اس مجلس میں کیا گیا جس میں حضرت عبداللہ بن عباس ﷺ تشریف فرما تھے، حضرت کعب ﷺ نے فرمایا: میں کتاب اللہ (قرآن) میں یہ بات نہیں پاتا کہ ظلم گھروں کو خراب کرتا ہے، یہ سن کر حضرت عبداللہ بن عباس ﷺ نے فرمایا: میں تمہیں یہ آیت بتاتا ہوں، اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

فَتِلْكَ بُيُوتُهُمْ خَاوِيَةً بِمَا ظَلَمُوا (۳)

---

(۱) صحیح مسلم، باب تحریم الظلم، حدیث:۲۵۷

(۲) سورہ ھود:۱۰۲

(۳) سورۃ النمل:۵۲

ترجمہ: سو یہ ان کے گھر ہیں جو ویران پڑے ہیں، ان کے ظلم کے سبب''

☆ حضرت جابر ﷛ فرماتے ہیں کہ جب سمندری مہاجرین رسول اللہ ﷺ کے پاس واپس پہنچے تو آپ نے فرمایا تم نے حبشہ میں جو عجیب باتیں دیکھیں وہ ہمیں نہیں بتاؤ گے؟ ان میں سے چند نوجوانوں نے عرض کیا ضرور اللہ کے رسول! ایک مرتبہ ہم بیٹھے ہوئے تھے کہ وہاں کے درویشوں کی ایک بڑھیا سر پر پانی کا مٹکا اٹھائے ہمارے پاس سے گزری تو وہاں کا ایک نوجوان اس کے پاس آیا، اس نے اپنا ایک ہاتھ اس کے دونوں کندھوں کے درمیان رکھا پھر اسے دھکا دیا وہ گھٹنوں کے بل گری اور اس کا مٹکا ٹوٹ گیا جب وہ اٹھی تو اس کی طرف متوجہ ہو کر کہنے لگی تمہیں عنقریب علم ہو جائے گا اے مکار جب اللہ تعالی کرسی قائم فرمائیں گے اور اولین وآخرین کو جمع فرمائیں گے اور ہاتھ پاؤں اپنے کرتوت بیان کریں گے اس وقت تمہیں علم ہوگا کہ اللہ کے یہاں میرا اور تمہارا کیا فیصلہ ہوتا ہے رسول اللہ نے فرمایا اس بڑھیا نے سچ کہا سچ کہا اللہ تعالیٰ کیسے اس قوم کو پاک کریں جس میں کمزور کی خاطر طاقتور سے مواخذہ نہ کیا جائے۔

''قَالَ : يَقُوْلُ رسولُ اللهِ ﷺ : صَدَقَتْ، صَدَقَتْ، كَيْفَ يُقَدِّسُ اللهُ أُمةً لا يُؤخذُ لضَعِيفِهِم من شَدِيْدِهِمْ''(۱)

☆ حضرت عمر ﷛ نے اپنے ہُنی نامی غلام کو ایک چراگاہ پر مقرر کر کے فرمایا اے ہُنی! تم مسلمانوں سے بڑی عاجزی کے ساتھ ملنا مظلوم کی دعا سے بچنا کیونکہ مظلوم کی بد دعا بہت جلد قبول ہوتی ہے اور اس چراگاہ میں تھوڑے اونٹ والوں اور تھوڑی سی بکریوں والوں کو اندر آنے کی اجازت دینا لیکن خبردار عبد الرحمن بن عوف اور عثمان بن عفان ﷛ کے مویشیوں کو اس میں نہ آنے دینا کیونکہ ان

(۱) ابن ماجه، حدیث نمبر: ۳۲۳۸

دونوں کے جانور اگر ہلاک بھی ہوجائیں تو یہ دونوں کھیتی باڑی اور باغوں سے اپنا کام چلا سکتے ہیں اور اگر تھوڑے سے اونٹ والوں اور تھوڑی سی بکریوں والوں کے مویشی ہلاک ہوجائیں تو وہ اپنے بچوں کو میرے پاس لاکر کہیں گے اے امیر المومنین! ہم تو فقیر ہوگئے، اوہنی! تیرا باپ نہ رہے، کیا میں انہیں کچھ رقم دیئے جانے کا حکم نہیں دونگا؟ لہٰذا سونے اور نوٹوں کے دینے کی بہ نسبت ان کو پانی اور گھاس دینا میرے لئے زیادہ آسان ہے اور اللہ کی قسم! یہ لوگ یہ خیال کریں گے کہ میں نے ان پر ظلم کیا ہے، کیونکہ یہ شہر انہی کے ہیں زمانہ جاہلیت میں انہوں نے انہی شہروں کے لئے لڑائیوں میں اپنی عزیز جانیں قربان کیں ہیں، اور وہ اسی زمین پر اسلام لائے ہیں قسم ہے اس ذات کی جس کے ہاتھ میں میری جان ہے، اگر میری تحویل میں ایسے جانور نہ ہوتے، جن کو میں اللہ کی راہ میں سواری کے طور پر دیتا ہوں، تو میں ہرگز ان کے شہروں کی ایک بالشت بھر جگہ کو بھی چراگاہ نہ بناتا۔ "مَا حَمِيْتُ عَلَيْهِمْ مِنْ بِلَادِهِمْ شِبْرًا" (۱)

بددعا کرنا بدلہ لینا ہے

☆ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے حضور اقدس ﷺ کا یہ ارشاد گرامی مروی ہے:

"مَنْ دَعَا عَلَى مَنْ ظَلَمَهُ فَقَدْ انْتَصَرَ" (۲)

جس نے اپنے اوپر ظلم کرنے والے کے حق میں بددعا کی اس نے ظلم کا بدلہ لے لیا"۔

تشریح: یعنی اس نے بددعا دے کر ظالم کی آبرو کو ٹھیس پہنچائی، جس سے ظلم کرنے والے کے گناہ اور مظلوم کے ثواب میں اس کے بقدر کمی واقع ہوگئی، گویا کہ اس حدیث میں یہ بتایا گیا ہے کہ جو شخص بدلہ لے لے، چاہے وہ زبان ہی سے ہو، وہ اپنا پورا

(۱) صحیح البخاری، کتاب الجہاد والسیر، حدیث نمبر: ۲۸۹۳

(۲) فیض القدیر: ۳/ ۳۷۳

حق وصول کر لیتا ہے، اور اس بدلہ میں نہ تو اس پر کوئی گناہ ہے (بشرطیکہ حد سے نہ بڑھے) اور نہ ہی اس کو اجر وثواب ملے گا۔

☆ حضرت عائشہ سے روایت ہے کہ ایک مرتبہ ان کا لحاف چوری ہوگیا تو وہ چور کے لیے بددعا کرنے لگیں آپ ﷺ نے فرمایا اس کے گناہ میں کمی مت کر۔

سب ظالم ہوگئے

وَلَا تَحْسَبَنَّ اللّٰهَ غَافِلًا عَمَّا يَعْمَلُ الظَّالِمُونَ إِنَّمَا يُؤَخِّرُهُمْ لِيَوْمٍ تَشْخَصُ فِيهِ الْأَبْصَارُ (۱)

اور (اے مخاطب!) جو کچھ ظالم لوگ کر رہے ہیں اس سے اللہ تعالیٰ کو بے خبر مت سمجھو (کیوں کہ اللہ تعالیٰ نے) ان کو صرف اس روز تک مہلت دے رکھی ہے، جس میں ان لوگوں کی نگاہیں پھٹی رہ جائیں گی''۔

احمد رحمہ اللہ جو بڑے پائے کے بزرگ ہیں ان کی سوانح عمری درر العقود الفریدۃ: ۱/ ۲۴۳ میں مقریزی لکھتے ہیں:

احمد رحمہ اللہ دمشق میں مجھ سے ملاقات کرنے تشریف لائے، لوگ اس زمانے میں ظالموں کی طرف سے شدید مظالم سے دوچار تھے، ہم اسی ظلم کے سلسلے میں گفتگو کرنے لگے تو احمد رحمہ اللہ نے مجھ سے فرمایا: اس زمانے میں لوگوں کی دعا قبول نہ ہونے کی کیا وجہ ہے؟ جب کہ لوگوں پر ظلم اپنی انتہا تک پہنچ گیا ہے یہاں تک کہ ایک شریف النسب اور نیک عورت کو صرف اس وجہ سے سزا دی گئی کہ وہ گھر کا کرایہ دینے سے عاجز ہوگئی تھی، جب کہ حضور اقدس ﷺ نے فرمایا: ''مظلوم کی بددعا سے ڈرو'' کیوں کہ اس کے اور اللہ تعالیٰ کے درمیان کوئی پردہ نہیں'' (۲) جب کہ یہاں ہم لوگ برسوں

---

(۱) سورہ ابراهیم: ۳۰

(۲) صحیح البخاری، کتاب المظالم، حدیث نمبر: ۲۳۱۶

سے ظالموں کو بددعا دیتے ہوئے دیکھ رہے ہیں؛ لیکن ان کی بددعا قبول نہیں ہوتی۔

ہم اسی گفتگو میں مشغول تھے کہ احمد رحمہ اللہ نے فرمایا: کیا اس کی وجہ میں خود بتادوں۔

ہم نے کہا: جی ہاں ضرور بتادیجئے؟

احمد رحمہ اللہ فرمانے لگے: اس کی وجہ یہ ہے کہ اس زمانے میں نگراں اور ماتحتوں میں ظلم عام ہونے کی وجہ سے ہم میں سے ہر کوئی ظلم کی صفت سے متصف ہوگیا ہے، گویا کہ حقیقت میں کوئی مظلوم باقی ہی نہیں رہا، کیوں کہ اگر ہم غور کریں تو اپنے زمانے میں ہر شخص کو چاہے وہ کتنا ہی کمزور آدمی ہو، دیکھیں گے کہ وہ اپنے شعبہ زندگی میں رہتے ہوئے جس پر ظلم نہیں کرتا اس کی وجہ صرف یہی ہے وہ ظلم کرنے سے عاجز ہے، اسے ظلم کرنے کی قدرت حاصل نہیں ہے، سو اگر ایسے شخص کو ظلم کرنے کی قدرت حاصل ہوجائے تو وہ بھی ضرور ظلم کرے، اس سے یہ بات معلوم ہوئی کہ جو لوگ اپنے سے کمزور لوگوں پر ظلم نہیں کرتے تو اس کی وجہ گناہ سے بچنا یا ظلم سے بچنا نہیں؛ بلکہ ظلم کرنے سے عاجز ہونا چاہئے''۔

اور میں خدا کی قسم کھا کر کہتا ہوں کہ احمد رحمہ اللہ نے بالکل درست فرمایا: متنبی نے زمانہ قدیم میں کہا تھا:

وَالظُّلْمُ مِنْ شِيَمِ النُّفُوسِ فَإِنْ تَجِدْ
ذَا عِفَّةٍ فَلِعِلَّةٍ لَا يَظْلِمُ

یعنی ظلم کرنا لوگوں کی عادتوں میں سے ہے، سو اگر تم کسی ایسے شخص کو پاؤ
جو ظلم کرنے سے بچتا ہو تو وہ کسی نہ کسی عذر کی وجہ سے لوگوں پر ظلم نہیں
کرتا ہوگا، ورنہ اگر وہ عذر ختم ہوجائے تو وہ بھی ظلم کرنے لگے گا''(۱)

---

(۱) درر العقود الفريدة: ۱/ ۳۴۲، حمد بن علی المقريزی، وزارة الثقافة، دمشق: ۱۹۹۵ھ، دعوة المظلوم: ۱۶-۲۶، مکتبۃ بیت العلم، کراچی۔

مظلوم ظالم بن جاتا ہے

حضرت رباح بن عبیدہ کہتے ہیں: میں عمر بن عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ کی محفل میں بیٹھا ہوا تھا، انہوں نے حجاج کا ذکر چھیڑا تو میں نے اسے گالیاں دیں اور برا بھلا کہنا شروع کر دیا، اس پر عمر بن عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: رباح! ذرا رکو، مجھے یہ بات پتہ چلی ہے کہ ایک آدمی ظلم کرتا ہے اور ادھر اس کا مظلوم اس کو گالیاں دیتا ہے اور برا بھلا کہتا رہتا ہے یہاں تک کہ وہ اس سے اپنا حق پورا پورا وصول کر لیتا ہے، اور پھر آخر میں مظلوم کے اوپر ظالم ہی کا حق رہ جاتا ہے یعنی ظالم مظلوم، اور مظلوم ظالم بن جاتا ہے۔(۱)

مظلوم کی بددعا سے بچو!

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

"اِتَّقُوا دعوةَ المظلُومِ ، فَإِنَّهَا تصعدُ إلى السَّماءِ كَأَنَّها شرارَةٌ" (۲)

مظلوم کی بددعا سے بچو، بے شک وہ آسمان پر ایسے چڑھتی ہے گویا وہ ایک چنگاری ہے۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور اقدس ﷺ نے یہ ارشاد فرمایا:

"تین آدمی ایسے ہیں اللہ تعالیٰ نے اپنی ذات پر یہ لازم کر لیا ہے کہ ان کی کسی دعا کو رد نہیں فرمائیں گے" یعنی ان تینوں میں سے ہر شخص کی دعا کو جو تمام ارکان و شرائط کی رعایت رکھتے ہوئے اخلاصِ نیت سے مانگی جائے قبول کی جائے گی "دعوة الصائم" (روزے دار کی دعا) "حَتّٰی یفْطِرَ" (یہاں کہ افطار کر لے)، "والمظلوم" (اور مظلوم کی بددعا) کیوں کہ ظلم کرنے والے کے بارے میں مظلوم کی بددعا قبول

---

(۱) حلية الأولياء: أبو نعيم الاصفهانی: ۵/۲۷۷، دار الكتاب العربی، بيروت ۱۹۸۷ھ، دعوة المظلوم: ۷۰-۷۱

(۲) صحیح البخاری: الظلم من الکبائر: ۲۲۸۶

ہوتی ہے، ”حتی ینتصر“ وہ ظالم سے ہاتھ یا زبان کے ذریعے بدلہ لے لے، کیوں کہ وہ مجبور اور مصیبت زدہ ہے۔ ”وَالمسَافِرُ حَتَّی یَرْجِعَ“(۱) یعنی مسافر یہاں تک کہ وہ اپنے گھر لوٹ آئے۔

بادشاہ کی ظلم سے توبہ

کہا جاتا ہے کہ بادشاہ نے ایک گاؤں پر حملہ کر کے بہت ہی زیادہ لوٹ مار کی، لوگوں کے مال مویشی چھین لئے، اور بہت سارے لوگوں کا ناحق خون بہایا، اتنے میں کسی گھر سے ایک بوڑھی عورت نکلی اور بادشاہ کی طرف دیکھ کر کہنے لگی۔

اے فلاں! تمہاری ہلاکت ہو تو روزِ جزاء میں جزا دینے والے سے کیا غافل ہو گیا؟ جس دن آسمان پھٹ جائے گا، اور جس دن حق تعالیٰ شانہ فیصلے کے لئے ظاہر ہوں گے۔

بادشاہ نے کہا: اے بڑھیا! کیا تو نے قرآن میں نہیں دیکھا اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

قَالَتْ إِنَّ الْمُلُوكَ إِذَا دَخَلُوا قَرْيَةً أَفْسَدُوهَا وَجَعَلُوا أَعِزَّةَ أَهْلِهَا أَذِلَّةً (۲)

جب بادشاہ کسی بستی میں داخل ہوتے ہیں تو اسے تہہ و بالا کر دیتے ہیں اور اس کے عزت دار لوگوں کو ذلیل کر دیتے ہیں۔

بڑھیا کہنے لگی: ارے کیا تم دوسری آیت بھول گئے، جو اسی سورت میں اسی آیت کے بعد ہے: ”فَتِلْكَ بُيُوتُهُمْ خَاوِيَةً بِمَا ظَلَمُوا“(۳) (سو یہ ان کے گھر ہیں، جو ویران پڑے ہوئے ہیں) ان کے ظلم کے سبب سے بادشاہ نے کہا: ان بستی والوں کے اموال اور ان کو واپس لوٹا دو، جب مال واپس لوٹا دیئے گئے تو کہنے لگا: اے

(۱) مسند البزار، مسند أبي حمزة انس بن مالك، حدیث: ۸۱۴۸، امام بزار کہتے ہیں، اس حدیث کو ہم نہیں جانتے، اس کو ان الفاظ کے ساتھ اس سند سے صرف حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے نقل کیا ہے۔

(۲) سورة النمل: ۳۴

(۳) سورة النمل: ۵۲

بڑھیا! اب ہماری نجات کیسے ہوگی؟ - بڑھیا کہنے لگی: ناامید مت ہو وہ ذات ایسی ہے جو اپنے بندوں کی توبہ قبول فرماتی ہے۔ (۱)

ظلم کا انجام

کہا جاتا ہے کہ یزدجر کا ظلم جب اپنی رعایا پر حد سے بڑھ گیا اور وہ رعایا کے اموال غصب کر کے انہیں سخت قسم کی تکالیف پہنچانے لگا اور جب ان تکلیفوں کو برداشت کرنا مشکل ہوگیا تو مظلوموں کی ایک جماعت کسی عبادت خانے میں اکٹھی ہوئی اور سب نے اللہ تعالیٰ سے دعا کی کہ اے اللہ! ہمیں یزدجر کے ظلم سے نجات عطا فرما، ابھی اس بددعا کو پانچ یا سات دن ہی ہوئے تھے کہ یزدجر کے پاس اس کا خادم آیا اور اسے بتایا: ایک وحشی گھوڑا جس کے اندر گھوڑے کی تمام اچھی صفات موجود ہیں دوڑتا ہوا بادشاہ کے دربار پر آکر رک گیا ہے، لوگ اس گھوڑے سے بہت خوفزدہ ہیں، اس کے سامنے جانے کی کسی کی جرأت نہیں ہو رہی ہے دوسرے گھوڑے بھی اس کو دیکھ کر بھاگ گئے ہیں، اور اس کے قریب تک نہیں جارہے ہیں، یزدجر نے جب یہ بات سنی تو اپنے محل سے باہر آکر دیکھا کہ گھوڑا کھڑا ہے، پھر اس نے ایک عجیب منظر یہ دیکھا کہ جب وہ گھوڑے کے قریب ہوا تو گھوڑا اس کے سامنے جھک گیا، یہ کیفیت دیکھ کر اس کے اندر حب جاہ سرایت کر گئی، پھر اس نے گھوڑے کے پیشانی کے بال پکڑے اور اس کے چہرے پر ہاتھ پھیر کر خادم کو زین کسنے اور لگام لگانے کا حکم دیا، اس کے بعد یزدجر نے گھوڑے پر سوار ہو کر چکر لگایا، جب گھوڑے کو دوڑانے کے لئے ایڑ لگائی تو گھوڑے نے اس کے ساتھ سرکشی کی اور دوڑتے دوڑتے آنکھوں سے اوجھل ہوگیا، یہاں تک کہ سمندر کے قریب پہنچ کر اس نے یزدجر سمیت اپنے آپ کو سمندر میں ڈال دیا، یہ وہ آخری خبر تھی جو یزدجر کے بارے میں معلوم ہوئی۔ (۲)

---

(۱) الجواهر اللؤلؤية: ۱/ ۲۳۱، دعوة المظلوم: ۹۹

(۲) المنهج المسلوك: ۶۲/ ۳، عبدالرحمن بن محمد، دار صادر بيروت، دعوة المظلوم: ۱۱۶۔

حضرت امیر معاویہ کا اپنے لڑکے کے خلاف فیصلہ

قبیلہ بنو امیہ کے ایک شخص بیان کرتے ہیں: میں ایک دن امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی خدمت میں حاضر ہوا، اس روز انہوں نے سب کو عام اجازت دی ہوئی تھی کہ ان کے پاس جا کر اپنے اوپر ہونے والے مظالم کو بیان کریں۔

چنانچہ ان کے پاس ایک عورت آئی، اور آ کر کہنے لگی: اے معاویہ! تمام تعریفیں اللہ کے لئے اس طرح اس نے فصیح وبلیغ گفتگو کی، پھر اس کے بعد کہا: میں قبیلہ بنی ذکوان کی ایک عورت ہوں، زیاد جو کہ ابوسفیان کا بیٹا ہونے کا دعویدار ہے، اس نے مجھ سے میری وہ زمین چھین لی، جو مجھے میرے ماں باپ سے وراثت میں ملی ہے، میرے رشتہ داروں میں سے جو اس زمین کو زیاد سے مانگنے کی کوشش کرتا ہے تو وہ لڑائی پر آمادہ ہو جاتا ہے، اب میں آپ کے پاس مدد طلب کرنے آئی ہوں، اگر آپ میرے ساتھ انصاف کا معاملہ کرتے ہیں تو اچھی بات ہے، ورنہ میں آپ اور زیاد کو اللہ عزوجل کے حوالہ کرتی ہوں، پس مجھ پر ہونے والا ظلم چاہے آپ کی طرف سے ہو، چاہے زیاد کی طرف سے کبھی بے کار جانے والا نہیں، لہٰذا آپ حاکم ہیں، فیصلہ کر دیجئے۔

حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ اس کی اس بات سے حیران رہ گئے اور تعجب سے اسے دیکھ کر کہنے لگے: یہ زیاد کو کیا ہو گیا ہے؟ اس پر اللہ کی لعنت ہو، وہ ہمیشہ اپنے عیوب اور بدکاریوں پر ایسے لوگوں کو کھڑا کر دیتا ہے جو اس کو خوب پھیلاتے ہیں، پھر اپنے کاتب کو حکم دیا کہ وہ زیاد کو لکھ کر بھیجے کہ وہ اس عورت کو اس کا حق چکا دے، ورنہ امیر معاویہ رضی اللہ عنہ اس کو عہدہ سے ذلیل وخوار کر کے ہٹا دیں گے، پھر امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے اس عورت کے لئے بیس ہزار درہم کا حکم دیا، حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ اور جتنے لوگ وہاں موجود تھے، سب اس عورت کی اس فصیح گفتگو اور اس کی حاجت رسائی سے بڑے حیران ہوئے۔(۱)

---

(۱) بلاغات النساء: ۹۰، تاریخ دمشق: ۷/۲۸۱، ابی طیفور احمد بن ابی طاہر، دار الحداثۃ، بیروت، دعوۃ المظلوم: ۱۰۴-۱۰۶۔

ابوعبید علی بن حسین کا واقعہ

ابوعبید بن حسین کہتے ہیں: واسط میں میری ایک زمین تھی، میں بادشاہ کو اس کا خراج (ٹیکس) دیا کرتا تھا، ایک مرتبہ ہمارے پاس بادشاہ کا ایک ایسا شخص آیا جو ظلم، بدمزاجی اور بداخلاقی میں مشہور تھا، اس نے ایک حیلے سے ان زمینداروں کو جمع کیا جن کی زمینوں کا خراج اس تک نہیں پہنچایا جاتا تھا، تو اس نے کسی کو مارا اور کسی کو برا بھلا کہہ کر ذلیل کیا کہ تم لوگ خراج (ٹیکس) کیوں نہیں دیتے؟ حاضرین میں سے ایک شخص نے کہا: ''آپ مجھ کو دوپہر تک مہلت دیجئے، بادشاہ کے آدمی نے اس سے کہا: شاید تو ان لوگوں میں سے ہے جو یہ کہتے ہیں ایک ستون سے دوسرے ستون تک فاصلہ ہے۔

تو اس نے کہا: اللہ کی قسم! میں تو یہ سمجھتا ہوں کہ ایک لمحہ سے دوسرے لمحہ تک فاصلہ ہے، جس کی امید اللہ سے رکھی جائے، اس کی اس بات پر وہ ہنس پڑا، اللہ کی قسم! ابھی تھوڑا ہی وقت گذرا تھا کہ ہمارے پاس۔۔۔۔ اسی جگہ وہ تھا۔۔۔۔۔ خوارج کا قافلہ یہ کہتا ہوا آیا ''السُّلَیْطِین السُّلَیْطِین'' ۔۔۔۔۔ یعنی زبان درازی کرنے والوں کا انجام، چنانچہ انہوں نے اپنی تلواروں سے اس کے ٹکڑے ٹکڑے کردیئے اور چلے گئے، میں نے جب یہ ماجرا دیکھا تو سمجھ گیا کہ یہ وہی سزا ہے جس کا انتظار تھا۔(۱)

بادشاہ کی ہلاکت

ابوعلی القنائی کہتے ہیں: مجھ سے میرے دادا نے بیان کیا: ایک دن میں صبح کے وقت موسیٰ بن عبدالملک کے پاس آیا، اتنے میں داؤد بن جراح بھی آئے، وہ میرے ایک جانب کھڑے ہوگئے اور کہنے لگے: کل میرے پاس ایک پسندیدہ خبر آئی اور وہ یہ کہ جب میں یہاں سے روانہ ہوا تو میں نے اپنے گھر میں ایک شریف عورت کو پایا، اس نے مجھ سے موسیٰ بن عبدالملک کی شکایت کی اور کہنے لگی: اس نے میری فلاں فلاں زمین

---

(۱) المكأفاة وحسن العقبى: ٧٧، أحمد يوسف الكاتب، دار الكتب العلمية، بيروت، دعوة المظلوم: ۱۶۴۔

لینے کی کوشش کی، حالانکہ تم جانتے ہو کہ وہ میری معیشت میں سب سے بہترین زمین ہے اور دوسری بات یہ ہے کہ میری تربیت میں ایک یتیم بچی ہے، جس سے میں اس کی کفالت کرتی ہوں تو میرے اس کام میں کونسا حیلہ بتاتے ہو کہ میں اس کو بیچ دوں یا اس کی تکلیف برداشت کروں یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ میری پریشانی دور کردے؟ میں نے اس سے کہا: جہاں تک میرے حیلے بتانے کا تعلق ہے تو میرے پاس کوئی حیلہ نہیں، ہاں ایک مشورہ دے سکتا ہوں کہ نبطی نے کہا ہے: ''کسی شریر نکمے کی وجہ سے اپنی زمین مت بیچو، کیوں کہ وہ تو مرجائے گا مگر زمین باقی رہے گی'' یہ سن کر اس عورت نے میرے حق میں دعا کی اور چلی گئی، داؤد مجھ سے اسی بارے میں باتیں کررہا تھا جب کہ موسی اسی دروازے کے پیچھے تھا، جس پر ہم بیٹھے تھے، چنانچہ اس نے یہ باتیں سن لیں تو باہر نکل کر داؤد سے کہا:

اے ابو سلیمان! اپنی زمین ایک شریر نکمے کی وجہ سے نہ بیچو، کیوں کہ وہ تو مرجائے گا مگر زمین باقی رہے گی، (یعنی وہی بات دہرائی جو داؤد نے اس عورت سے کہی تھی) اور وہ چلا اور ہم اس کے پیچھے پیچھے چل دیئے، مجھ سے داؤد نے کہا: اللہ کی قسم! یہ تو ہلاکت والا اتفاق ہے، میں کہاں بھاگوں؟ کہاں جاؤں؟ کیسے جان چھڑاؤں؟ راستہ ختم ہونے والا ہے، لہٰذا اس کے ایوان شاہی پہنچنے سے پہلے میرے لئے کچھ سوچو اور کچھ مشورہ دو! میں نے کہا: اللہ کی قسم! میں نہیں جانتا۔

تو اس نے آسمان کی طرف اپنے ہاتھ اٹھائے اور کہنے لگے: اے اللہ! مجھے اس کے شر سے بچادے کہ تو میرے حال سے واقف ہے، میں نے تو خیر کے علاوہ کچھ نہ چاہا تھا، چنانچہ اس کی پریشانی اور آہ وزاری اور بڑھ گئی، ہم ایوانِ شاہی کے قریب پہنچ گئے تو موسی نے کہا: یہ کالا پہاڑ ہمارے راستے میں کب سے واقع ہوگیا یہ کہہ کر وہ زمین سے جھکا اور گر گیا اور اس کو سکتہ طاری ہوگیا اسے گھر لایا گیا اور وہ اس کا آخری وقت تھا۔(۱)

---

(۱) الهفوات النادرات: ۹۳، محمد بن هلال الصابی، مجمع اللغة، دمشق، ۱۹۶۷ھ، دعوة المظلوم: ۱۶۵-۱۶۶۔

ایک مظلوم شخص

ایک مظلوم شخص اپنی ظلم کی داستاں سناتے ہوئے کہتے ہیں: جب ابوعبداللہ احمد بن علی نے لوگوں پر بہت ہی ظلم کیا، جس وقت ابوعبداللہ ناصر الدولۃ کی طرف سے لوگوں پر حاکم مقرر ہوئے تھے اور بغداد کے امیر الامراء بھی تھے تو میں بھی ظلم کے فریادیوں میں سے ایک فریادی تھا، سو اس نے میرے اوپر ظلم کیا اور جامدہ میں جو میری زمین ہے، اس کی فصل اور چالیس کُر چاول جو میری اذاتی ملکیت تھا مجھ سے لے لیا، بیت المال کے حق میں سے لینے کے علاوہ میں نے اس سے اپنے ظلم کا شکوہ کیا اور اس سے بات کی تو اس نے مجھ سے انصاف نہ کیا۔

جب کہ اس وقت آدھے کُر چاول کی قیمت تیس دینار تھی۔

میں نے اس سے کہا: ہمارے سردار نے مجھ سے جو لیا سو لے لیا، اور اللہ کی قسم! ہمارا اسی پر گزر بسر تھا، اور میرے پاس اہل وعیال کی کفالت کے لئے کچھ چاہتا ہوں کہ آپ اس میں سے دس کُر واپس کر دیں اور باقی اپنے لئے رکھ لیں۔

اس نے کہا: یہ بات ممکن نہیں۔

میں نے کہا: تو پانچ کر۔

اس نے کہا: میں کم نہیں کروں گا۔

چنانچہ میں رویا اور اس کا ہاتھ چومنے لگا اور نرم انداز ولہجہ میں گفتگو کیا اور کہا: مجھے اس میں سے کچھ تو دے دیں، پانچ کُر نہیں دیتے تو دو کُر دے دیں، اور باقی سب آپ اپنے لئے رکھ لیں۔

تو اس نے کہا: اللہ کی قسم! اس میں سے ایک چاول کا دانہ بھی نہ دوں گا۔

یہ سن کر میں حیران ہوا اور اس سے کہا: پھر میں تمہارے ظلم کا اللہ سے شکوہ کروں گا۔

تو اس نے مجھ سے کہا: ہاں! کر لینا رات کے اندھیرے میں۔ اور اس کو تین مرتبہ دہرا لیا۔

میں دل شکستہ واپس ہو گیا، اور اپنے گھر والوں کو جمع کر کے کئی راتیں اس کے لئے بددعائیں کرتا رہا۔

چنانچہ وہ چاول لینے کے بعد تیرہویں رات واسط سے بھاگا اور اس کے بعد وہ کبھی واسط نہیں آیا، میں نے کھلیان آکر اپنا چاول لیا اور اسے گھر لوٹا دیا۔(۱)

ظالم کی موت

قاسم بن احمد نے اپنی کتاب ''العباد'' میں یہ قصہ ذکر کیا ہے کہ شیبان زاہد رحمہ اللہ کے ایک پڑوسی تھے جو ابن صیقل کے نام سے مشہور تھے، ان کا گھر ابراہیم بن عیسی بن حیویہ الفقیہ کے گھر سے ملا ہوا تھا، ابن حیویہ نے ان سے وہ گھر خریدنا چاہا تو انہوں نے انکار کر دیا کہ تمہارا مال حلال نہیں، جب کہ میرا یہ چھوٹا سا گھر پاکیزہ ہے، یہ میرے باپ دادا کے ورثے سے چلا آرہا ہے۔

اس نے ان پر بیچنے کے لئے کافی دباؤ ڈالا، مگر جب وہ نہ مانے تو ان سے کہنے لگا، خدا کی قسم! اگر تم نے یہ گھر مجھے نہ بیچا تو میں تمہارا جینا دوبھر کر دوں گا، یہاں تک کہ تم خود ہی پریشان ہو کر بھاگ جاؤ گے۔

ابن صیقل نے اطمینان سے جواب دیا: مجھے اللہ سے یہ امید ہے کہ وہ میرے بھائیوں کی بدولت تمہارے شر سے میری حفاظت فرمائے گا۔

ابن حیویہ کہنے لگا: اچھا اگر تم اللہ ہی سے دعا کرنا چاہتے ہو تو شیبان وحسان کے ساتھ مل کر اس کوٹھری میں دعا کرنا، کیوں کہ یہ کوٹھری اللہ کے نزدیک زیادہ مقرب ہے۔

تو انہوں نے بدستور پرسکون ہو کر کہا: انشاء اللہ! ہم ایسا ہی کریں گے۔

ابن صیقل اسی وقت شیبان وحسان کے پاس پہنچے اور ان کو ابن حیویہ کا سارا قصہ سنایا، انہوں نے اطمینان دلایا کہ ضرور ہم ایسا ہی کریں گے۔

---

(۱) نشوار المحاضرة: ۱۵۸/۸، علی المحسن بن علی، تحقیق عبود الشالجی، ۱۹۷۱ھ، دعوۃ المظلوم: ۱۸۳-۱۸۴۔

جب رات کی تاریکی نمایاں ہوئی تو انہوں نے اس کوٹھری میں ہی نماز پڑھتے اور دعا مانگتے ہوئے رات کاٹی، جب رات اپنے اختتام پر تھی، اور پچھلے پہر کا چاند روشن تھا، تو اچانک چیخ وپکار کی آوازیں کانوں میں پڑیں، چنانچہ معلوم کرنے پر پتہ چلا کہ ابن حیویہ کو اس رات موت نے آلیا، سو اللہ نے ان دونوں کی بد دعا کو ابن حیویہ کے حق میں قبول کیا اور اللہ نے اس شخص کی شرارتوں سے انہیں اور مسلمانوں کو محفوظ رکھا، یہ خبر جنگل کی آگ کی طرح سارے شہر قرطبہ میں پھیل گئی اور اس قصہ کا تذکرہ آج تک زبانوں پر جاری ہے۔(۱)

عدل سے ہی ملک ہے

خلیفہ منصور عباسی کے زمانے میں کسی حاکم نے ایک آدمی کی جاگیر پر ناجائز قبضہ کرلیا، وہ آدمی خلیفہ کے دربار میں شکایت لے کر گیا اور عرض کیا: اللہ تعالیٰ آپ کو سلامت رکھے اے امیر المؤمنین! میں اپنی حاجت بیان کروں یا کوئی مثال دوں؟ خلیفہ نے کہا: حاجت سے پہلے کوئی مثال ہی بیان کرو۔ وہ آدمی گویا ہوا: بچے کو جب کسی ناپسندیدہ بات کا سامنا ہوتا ہے تو ماں سے بڑھ کر کوئی دوسرا اس کا مددگار نہیں ہوتا، جب کچھ ہوش مند ہوتا ہے تو اپنے باپ سے شکایت کرتا ہے؛ کیونکہ وہ سمجھتا ہے کہ ماں سے زیادہ اس کا باپ اس کا مددگار ہوسکتا ہے، پھر جب جوان ہوجاتا ہے تو اپنی شکایت حاکم کے پاس لے جاتا ہے؛ کیوں کہ اسے معلوم ہوتا ہے کہ باپ کے مقابلے میں حاکم زیادہ طاقت ور ہے، پھر جب اس کی عقل میں اضافہ ہوتا ہے تو اپنا مسئلہ سلطان کے دربار میں پیش کرتا ہے؛ کیوں کہ اسے معلوم ہوتا ہے کہ سلطان سب لوگوں سے زیادہ طاقتور ہے؛ لیکن جب اسے بادشاہ کے دربار میں بھی انصاف نہیں ملتا تو پھر اللہ تعالیٰ کا دروازہ کھٹکھٹاتا ہے۔

---

(۱) المستغیثون: ۵۴، خلف بن عبد اللہ بن بشکوال، دار الکتب العلمیۃ، بیروت، ۱۹۹۹ھ، دعوۃ المظلوم: ۲۲۶-۲۲۷

مجھے بھی ایک مصیبت آپڑی ہے اور شکایت لے کر آپ کے پاس حاضر ہوا ہوں، مجھے معلوم ہے کہ آپ سے زیادہ طاقت ور اس روئے زمین پر کوئی نہیں، اگر آپ نے میرے ساتھ انصاف کردیا تو ٹھیک ورنہ میں انصاف کے لئے اللہ تعالیٰ کا دروازہ کھٹکھٹاؤں گا، خلیفہ منصور نے کہا: ہم تمہارے ساتھ انصاف ہی کریں گے، اس نے بتایا کہ آپ کے فلاں حاکم نے میری زمین پر ناجائز قبضہ کرلیا ہے، خلیفہ نے اپنے حاکم کو جاگیر واپس کرنے کا حکم دیا اور اس کو لکھا کہ اس آدمی کے لئے اسبابِ راحت مہیا کرو اور اس کی معیشت کو تشفی بخش بناؤ۔(۱)

ایک بیوہ کی آزادانہ فریاد

دولت عباسیہ کا تاجدار مامون الرشید جس نے نوشیرواں کے عدل اور حاتم کی سخاوت کی یاد تازہ کردی تھی سلطنت بغداد پر جلوہ افروز ہے، شہزادہ عباس، مامون الرشید کا بڑا لڑکا طائفۃ النمل کے قریب شکار میں مصروف تھا کہ اس کی نظر ایک حسین وجمیل، خوبرو عورت پر پڑی جو ایک چشمے سے پانی کا گھڑا بھر رہی تھی۔اس نے اس عورت سے مخاطب ہوکر کہا: تو کون ہے اور کس خاندان سے تعلق رکھتی ہے، کیا ایسے غیر آباد مقامات پر بھی جہاں پہاڑ اور جنگلوں کے سوا کچھ نہیں ہے، حسن جنم لے سکتا ہے؟ شہزادہ کی بات پر غیور عورت کے تیور بدل گئے، اس کا چہرہ غصہ سے تمتما گیا، چنانچہ اس نے سپاہیوں سے کہا کہ اس عورت کا حسب نسب معلوم کر کے اس کو میری جانب سے پیغام نکاح دو، چنانچہ سپاہی حکم کی تعمیل میں عورت کے حسب ونسب کا پتہ کر آئے کہ عورت خاندان برامکہ سے تعلق رکھتی ہے، نام مغیرہ بنت ازار ہے، وہ دو بچوں کی ماں اور حسین بن موسیٰ کی بیوہ ہے، اس کے عزیز واقارب میں سے اب کوئی زندہ نہیں ہے، صرف دو معصوم بچے ہیں، نکاح کا پیغام اس عورت کے لئے قیامت سے کم نہ تھا، وہ آپے سے باہر ہوگئی، کہنے لگی: ہارون ہماری جانیں تباہ کرچکا ہے، اب مامون ہماری عزت کے در پے ہے، لیکن عباس

(۱) سنہرے فیصلے:۱۶۱

یادر کھے کہ اس کی شہزادگی کو اس ٹوٹی پھوٹی جھونپڑی کی دہلیز پر دونوں ہاتھوں سے مسل دوں گی۔ چنانچہ عباس نے اس عورت کو دو گھنٹے کی مہلت دے کر اس کو گھر سے نکل جانے کو کہا، مغیرہ یہ پیغام سن کر دروازے پر آئی اور قاصد سے کہا: عباس اس وقت کو بھول جائے جب میرے دادا جعفر کا سر ان کے دادا ہارون کے سامنے رکھا گیا اور اس بے گناہ قتل نے آلِ برامکہ کو دو اور دو دانوں کو محتاج کر دیا؛ لیکن برمکی بیبیاں عباسی مظالم کو جس تحمل سے برداشت کرتی آئی ہیں، تاریخ اس کو فراموش نہیں کرسکتی، اتنا کہہ کر مغیرہ ایک سفید چادر سر پر ڈال کر دونوں بچوں کو ساتھ لے کر باہر چلی گئی۔

ایک طویل مدت کے بعد یہ مغیرہ جس پر کہ ضعیفی کے آثار نمایاں ہو چکے تھے مامون کے دربار میں حاضر ہوئی اور کہا کہ ایک بیوہ کا مکان صرف اس لئے کہ وہ اپنی عصمت کی محافظ تھی، سلطنت عباسیہ کو مبارک ہو؛ لیکن مامون الرشید! ایک دن اس بادشاہ کو بھی منہ دکھانا ہے جس کی سلطنت کبھی فنا نہ ہوگی، ایک ظالم کے خلاف تیرے پاس فریاد لائی ہوں، انصاف کر اور داد دے، مامون الرشید نے عورت سے کہا: اس ظالم کا نام بتا کہ وہ کون ہے؟ عورت نے ہنس کر کہا: شہزادہ عباس جو تختِ شاہی پر آپ کے برابر بیٹھا ہے، مامون کا چہرہ اتنا سنتے ہی غصے سے سرخ ہوگیا، اس نے چوبدار کو حکم دیا کہ عباس کو اس عورت کے برابر کھڑا کر دے؛ تاکہ مدعی اور مدعا علیہ میں کوئی امتیاز نہ رہے، شہزادہ عباس خاموش تھا اور ہر سوال کے جواب میں رک رک کر ایک آدھ بات کہہ دیتا، مغیرہ دھڑلے سے اپنی داستان سنائے جارہی تھی، اس نے کہا: ''عباس! یہ صحیح ہے کہ تو مامون الرشید کا لڑکا اور سلطنت کا مالک ہے؛ لیکن یہ ہاتھ منتظر تھے اس وقت کے کہ اگر تو اپنی دھن میں آگے بڑھ کر میرے قریب پہنچتا تو تیری گردن مروڑ کر رکھ دیتے، آلِ برامکہ کی دولت عباسیوں نے پامال کر دی؛ مگر ہماری عصمت وہ دولت ہے کہ ہم عباسیوں کو اس پر قربان کر دیں گے''۔

وزرائے سلطنت مغیرہ کی جرأت پر متعجب ہوئے اور کہا: یہ بے باکی آدابِ شاہی کے خلاف ہے، ادب سے گفتگو کرو، مامون نے کہا: اس کو مت روکو، یہ حق رکھتی ہے کہ جو

کچھ اس کے منہ میں آئے کہے، یہ صرف اس کی صداقت ہے جس نے اس کی زبان کو تیز اور اس کے حوصلے بلند کردیے ہے اور عباس کی کمزوری ہے جس نے اس کو گونگا کردیا ہے۔

اسی وقت پانچ تھیلیاں اشرفیوں سے بھری ہوئی اہلکاروں سے لے کر مامون الرشید نے مغیرہ کے قدموں میں ڈال دیں اور نہ صرف اس کا مکان واپس کیا؛ بلکہ ایک عالی شان محل ''قصر عباس'' مغیرہ کو عطا فرما کر درخواست کی کہ وہ شہزادے کا قصور معاف کردے۔(۱)

قاضی منذر کا فیصلہ

خلیفہ عبدالرحمن نے قرطبہ میں ایک مکان اپنی ضرورت کی وجہ سے خریدنا چاہا، وہ مکان یتیم بچوں کی ملکیت میں تھا اور وہ یتیم بچے قاضی منذر کی نگرانی میں تھے، جب قاضی کے پاس اس مکان کی خریداری کا پیغام پہنچا تو قاضی صاحب نے فروخت کرنے سے انکار کردیا اور خلیفہ کی خدمت میں کہلا بھیجا کہ یتیموں کی جائیداد اسی وقت منتقل ہوسکتی ہے جب ان میں تین شرطوں میں سے کوئی ایک شرط پوری ہو۔(۱) کوئی سخت ضرورت لاحق ہو، (۲) جائیداد کے تلف ہوجانے کا اندیشہ ہو(۳) ایسی قیمت ملتی ہو کہ جس کے لینے میں یتیموں کا آئندہ فائدہ مقصود ہو، فی الحال ان تین شرطوں میں سے کوئی ایک شرط موجود نہیں اور ملازمین سرکار نے جو قیمت اس مکان کی تجویز کی ہے وہ بہت کم ہے، خلیفہ یہ پیغام سن کر خاموش ہوگیا اور اس نے سمجھا کہ قاضی بغیر قیمت بڑھائے نہ مانے گا، چنانچہ قاضی نے فوراً مکان کو منہدم کروادیا، اس کے بعد ملازمین شاہی نے دوگنی قیمت دے کر اس زمین کو خرید لیا، خلیفہ کو اس واقعہ کی اطلاع ہوئی تو انہوں نے قاضی کو بلا کر مکان منہدم کرانے کا سبب دریافت کیا، قاضی منذر نے کہا: جس وقت میں نے مکان منہدم کرنے کا حکم دیا تھا اس وقت میرے پیش نظر قرآن کی یہ آیت تھی:

فَانْطَلَقَا حَتّٰى إِذَا رَكِبَا فِي السَّفِيْنَةِ خَرَقَهَا قَالَ أَخَرَقْتَهَا

(۱) سلاطین ہند اول: عدل وانصاف کے حیرت انگیز واقعات: ۸۱

لِتُغْرِقَ أَهْلَهَا لَقَدْ جِئْتَ شَيْئًا إِمْرًا (۱)

خلیفہ یہ سن کر خاموش ہوگیا اور اس روز سے قاضی منذر کی اور زیادہ عزت کرنے لگا، اس واقعہ سے خلیفہ اور قاضی دونوں کی پاک باطنی کا ثبوت ملتا ہے۔ (۲)

ایک غریب بیوہ کا جھونپڑا

کہا جاتا ہے خلیفہ وقت حکم بن عبدالرحمن ثالث کو اپنا محل بنوانا تھا، اتفاق سے جو زمین پسند کی گئی، اس میں ایک غریب بیوہ کا جھونپڑا آتا تھا، اس بیوہ کو کہا گیا کہ یہ زمین قیمۃً دے دے، مگر اس نے انکار کر دیا، خلیفہ نے زبردستی قبضہ کر کے اس زمین پر اپنا محل بنوایا، اس بیوہ نے قاضی کی عدالت میں حاضر ہو کر اس کی شکایت کی قاضی نے اسے تسلی دے کر کہا کہ اس وقت تم جاؤ کسی مناسب وقت میں تمہارا انصاف کرنے کی کوشش کروں گا، خلیفہ حکم بن عبدالرحمن الثالث جب پہلے پہل محل اور باغ کو دیکھنے گیا تو اسی وقت قاضی بھی وہاں ایک گدھا اور خالی بوری لے کر آ گیا اور خلیفہ سے وہاں سے مٹی بھرنے کی اجازت چاہی، اجازت دی گئی، قاضی نے اس بورے میں مٹی بھر کر عرض کیا کہ مہربانی فرما کر اس بورے کو اٹھانے کی مدد کی جائے، خلیفہ نے اسے ایک مذاق سمجھا اور بورے کو ہاتھ لگا کر اٹھانے کی کوشش کی، چونکہ وزن زیادہ تھا، خلیفہ سے ذرا بھی نہ اٹھا، موقع مناسب تھا، لوہا گرم تھا، قاضی نے فوراً چوٹ لگائی کہا: اے خلیفہ! جب تو اتنا بوجھ اٹھانے کے قابل نہیں تو قیامت کے دن جب ہم سب کا مالک انصاف کرنے کے لئے عرش پر جلوہ افروز ہوگا اور جس وقت وہ بیوہ جس کی زمین تم نے زبردستی لی ہے، اپنے پروردگار سے انصاف چاہے گی تو اتنی بھاری زمین کا بوجھ کس طرح اٹھا سکو گے، خلیفہ پر اس برمحل بات کا اتنا بڑا اثر ہوا اور اس نے فوراً یہ محل اس کے لوازمات سمیت اس بیوہ کے حوالہ کر دیا۔ (۳)

---

(۱)　سورۃ الکہف: ۷۱

(۲)　تاریخ اسلام: ۳/۱۷۱، عدل وانصاف کے حیرت انگیز واقعات: ۱۰۸

(۳)　ندائے منبر ومحراب: ۲/۳۵۳، مولانا محمد اسلم شیخوپوری، دارالکتاب، دیوبند

اللہ کی پکڑ کافی ہے!

الشیخ محمد بن محمد بن المہدی نے میمونہ بنت شاقولہ سے روایت کی ہے کہ وہ کہتی ہیں: ''ہمارا پڑوسی بہت ایذاء وتکلیف پہنچاتا تھا ہمہ وقت اس کی طرف سے پریشانی ودکھ پہنچتے رہتے تھے وہ کسی طرح باز نہ آیا تو میں نے دورکعت نماز پڑھی، ہر رکعت میں سورۃ فاتحہ اور ہر سورت میں سے ایک ایک آیت تلاوت کی نماز کے بعد دعا مانگی کہ ''اے اللہ! ہمیں اس ظالم وفاسق پڑوسی کے شر سے بچا اگلی صبح معلوم ہوا کہ یہ فاسق وفاجر انسان آج رات سیڑھی سے گر کر مر گیا، واقعی سچ فرمایا نبی آخرالزماں ﷺ نے:

''ثَلاَثُ دَعواتٍ لاَ شَکَّ فِیْ اِجَابَتِھِنَّ دعوۃُ المظلُوْمِ، ودعوۃُ المسافرِ، ودعوۃُ الوالدِ''(۱)

یعنی تین افراد کی دعائیں بلاشک وشبہ قبول ہوتی ہیں: (۱) مظلوم کی دعا (۲) مسافر کی دعا (۳) والد کی دعا۔

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''مظلوم کی بددعا سے بچو۔ بے شک یہ آگ کے شعلے کی مانند آسمان کی طرف جاتی ہے''۔

ایک دن محدث طاؤس یمانی رحمہ اللہ خلیفہ وقت ہشام بن عبدالملک کے پاس گئے اور ان کو نصیحت کرتے ہوئے کہا: جس دن ندا دی جائے گی اس دن سے ڈرو''۔ ہشام نے پوچھا: یہ ندا کا دن کون سا ہے؟؟

فرمایا: کیا تم نے یہ آیت نہیں سنی؟

فَأَذَّنَ مُؤَذِّنٌ بَيْنَهُمْ أَن لَّعْنَةُ اللَّهِ عَلَى الظَّالِمِينَ (۲)

''قیامت کے دن، ندا دینے والا ندا دے گا کہ بے شک لعنت ہے ظالموں پر''۔

---

(۱) سنن الترمذی، باب ما جاء فی دعوۃ الوالدین، حدیث: ۱۹۰۵، امام ترمذی فرماتے ہیں: یہ حدیث حسن ہے۔ (۲) الأعراف: ۴۴

یہ آیت سن کر خلیفہ ہشام روتے روتے بے ہوش ہو گیا۔

محدث طاؤس رحمہ اللہ نے کہا:

''جہنم کی صفت سن کر یہ حالت ہے جب آنکھوں سے دیکھو گے تو کیا حالت ہو گی''۔(۱)

ظالم کا جسم جیل خانہ بن گیا

بادشاہوں اور امراء کے دربار میں بک جانے والے قاضی اور علماء عوام الناس اور علماء حق کے لیے بہت نقصان کا باعث بن جاتے ہیں ایسے ہی درباری لوگوں میں ایک ظالم ''احمد بن ابوداؤد المعتزلی'' ہے۔ یہ معتصم باللہ (عباسی خلیفہ) کا قاضی تھا اس ظالم نے اپنے عہدے کے ذریعے علماء اہل سنت پر بڑے ظلم ڈھائے۔ بے شمار لوگوں کو قتل کیا، سزائیں دیں اور جیل میں ڈالا۔

امام مجدد احمد بن حنبل رحمہ اللہ کو جیل بھیجنے اور کوڑوں کا حکم دینے والا یہی تھا۔ امام احمد ابن حنبل رحمہ اللہ کو برا کہنے اور آپ کی شان میں گستاخی کرنے میں سب سے آگے رہتا تھا۔ اس کے ظلم وستم سے تنگ آکر امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ نے نہ چاہتے ہوئے بھی بددعا دے دی۔

اب اللہ کی لاٹھی حرکت میں آگئی یہ ظالم قاضی لاعلاج بیماری میں مبتلا ہو گیا یہ موت مانگتا تھا لیکن اس کو موت نہیں آتی تھی سارا سارا دن ایڑیاں رگڑتے رگڑتے گزرتا ایک بار شیخ عبدالعزیز الکنانی رحمہ اللہ اس بدبخت سے ملنے آئے فرمایا: ''میں تم جیسے ظالم کی عیادت کرنے نہیں آیا بلکہ تم کو دیکھ کر اللہ کی حمد وثنا بیان کرنے آیا ہوں اللہ نے تمہارے جسم کو تمہاری روح کے لیے قید خانہ بنا دیا ہے''۔

امام ابن کثیر رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ''علماء حق پر ظلم وستم کرنے اور ان کو قتل کرنے

---

(۱) نهاية الظالمين: ۱۶۹، احكام النساء: ذكر جماعة من القدامة: ۱۳۷، دار الكتب العلمية، بيروت

کی پاداش میں اللہ تعالیٰ نے قاضی احمد بن ابوداؤد المعتزلی کو موت سے چار سال قبل فالج میں مبتلا کر دیا یہ بڑے عبرتناک انجام سے دوچار ہوا بستر پر پڑا روتا تھا اپنے جسم کے کسی حصہ کو حرکت نہ دے سکتا تھا اس کے لیے کھانا پینا اور بیوی سے ملنا حرام ہو گیا اللہ کا عذاب اس قدر سخت تھا کہ اس کے جسم کا آدھا حصہ اس قدر نازک ہو چکا کہ اگر کوئی مکھی بھی بیٹھ جاتی تو اسے لگتا کسی سانپ نے ڈس لیا ہے اسی طرح جسم کا دوسرا نصف حصہ اس قدر سخت ہو گیا تھا کہ اگر واقعی سانپ ڈس لیتا تو اس بدبخت کو معلوم بھی نہیں ہوتا تھا"۔

اس کے پاس بعض اہل علم آئے اور کہنے لگے: "ہم تمہاری عیادت کو نہیں آئے ہیں۔نہ ہی افسوس کا اظہار کرنے کے لیے آئے ہیں۔ہم اس ذات باری تعالیٰ کی حمد وثناء بیان کرنے آئے ہیں، جس نے تیرے جسم کو بھی جیل خانہ بنا دیا ہے۔واقعی دنیا کی تمام جیلوں سے بڑھ کر یہ جیل زیادہ سخت ہے""**وأحمد الله الذی سجنك فی جسدك الذی هو أشد عليك عقوبة من كل سجن**"۔(۱)

ظالم ترین حجّاج بن یوسف کا انجام

حجاج بن یوسف بہت ظالم اور سفاّک شخص تھا۔تاریخ اسلام میں ایسے دہشت گرد کا ذکر بہت کم ملتا ہے۔بنو امیہّ کے مخالفین کا خون بہانا اس کے نزدیک جائز تھا۔

ہشام بن حسان کہتے ہیں: "جن افراد کو حجاج نے اپنے ظلم کا نشانہ بنا کر قتل کیا ان کی تعداد تقریباً ایک لاکھ بیس ہزار ہے"۔

امام ذہبی رحمہ اللہ نے حجاج کی حالات زندگی میں لکھا ہے: "حجاج بڑا سرکش، جابر اور ظالم تھا۔اس نے بہت لوگوں کا خون بہایا۔اس کی بدترین تاریخ سے تمام سیرت کی کتابیں بھری ہوئی ہیں۔اس نے حضرت عبداللہ ابن زبیر رضی اللہ عنہ کو کعبہ میں محصور کر دیا۔کعبہ پر سنگ باری کی۔نمازوں کو معطل کیا۔ہم سب حجاج سے نفرت کرتے ہیں۔اس سے محبت نہیں کرتے۔ بلکہ اللہ کے لیے بغض رکھتے ہیں۔اللہ کے لیے محبت کرنا

---

(۱) البداية والنهاية لابن كثير، وممن توفی فيها: ۱۰/۳۵۵،دار احياء التراث العربی، بيروت

اور اللہ کے لیے بغض رکھنا ہمارے ایمان کی مضبوط کڑی ہے۔'' حضرت عمر بن عبدالعزیز ؒ کا فرمان ہے: ''اگر قیامت کے دن ہر امت اپنے اپنے دور کا خبیث ترین آدمی لائے گی تو ہم حجاج کی وجہ سے ان پر غالب آجائیں گے۔'' حضرت اسماء ؓ بنت ابی بکر ؓ کے پاس ان کے بیٹے حضرت عبداللہ بن زبیر ؓ کو قتل کرنے کے بعد حجاج گیا اور جا کر کہنے لگا: ''تمہارے بیٹے عبداللہ نے بیت اللہ میں فساد پھیلایا اس لیے اللہ نے ان کو سزا دی ہے۔'' حضرت اسماء ؓ نے فرمایا: ''اے حجاج! تم جھوٹے ہو عبداللہ بن زبیر ؓ اپنے والدین سے بہت نیکی کرنے والے، روزہ رکھنے والے، شب زندہ دار تھے۔ میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا ہے کہ ''بنوثقیف قبیلہ میں ایک ظالم اور ایک کذاب نکلے گا۔ بے شک کذاب تو مختار ثقفی تھا اور ظالم تم ہو۔'' حجاج کے بڑے گناہوں میں سے ایک اس کا حضرت سعید بن جبیر رحمہ اللہ کو شہید کرنا ہے۔

امام ابن کثیر ؒ کے مطابق حجاج نے جب سعید بن جبیر ؒ کو گرفتار کیا تو کہا: ''اے بد بخت! میں تم کو قتل کر دوں گا۔'' سعید بن جبیر ؒ نے فرمایا: ''تو اگر مجھے قتل کردے گا تو میں سعید (خوش قسمت) بن جاؤں گا۔ میری ماں نے مجھے یہی نام (سعید) دیا ہے۔'' اس کے بعد حجاج نے سعید کا خونِ ناحق کر دیا۔ پھر حجاج بمشکل چالیس دن زندہ رہ سکا۔ اسے راتوں کو نیند نہیں آتی تھی۔ جب بھی سونے کی کوشش کرتا تو خواب میں اس کے سامنے سعید بن جبیر ؒ آجاتے۔ اور اس کو پکڑ کر کہتے ''اے دشمنِ خدا تم نے مجھے کیوں قتل کیا''؟؟ حجاج رو رو کر سعید سے جان چھڑاتا لیکن جان نہیں چھٹی۔ آخر کار ایڑیاں رگڑ رگڑ کر مر گیا۔ (۱)

ناپ تول میں کمی کرنے والوں کے لیے بطورِ خاص

حضرت امام ذہبی ؒ اپنی کتاب ''الکبائر'' میں لکھتے ہیں: ''اکثر ناپ تول میں کمی کرنے والے جہنم کی آگ میں جلیں گے دکانداروں اور ناپ تول کا کاروبار کرنے

---

(۱) ندائے منبر ومحراب: ۴/ ۴۰۸

والوں میں بہت کم لوگ ہوتے ہیں جو بے ایمانی سے محفوظ ہوں۔'' حضرت امام ذہبی ؒ مزید لکھتے ہیں: ''ایک محدّث کا بیان ہے، میں مرضُ الموت میں مبتلا شخص کے پاس گیا۔اس پر نزع کا عالم طاری تھا۔میں نے اسے (لا الہ الا اللہ) پڑھنے کی تلقین کی۔وہ باوجود کوشش کے کلمہ توحید نہ پڑھ سکا۔تھوڑی دیر بعد جب بیماری کا افاقہ ہوا تو میں نے کہا: ''بھائی کیا بات ہے؟ میں تمہیں بار بار کلمہ پڑھنے کی تلقین کررہا تھا لیکن تم پڑھ نہ سکے''۔اس مریض نے جواب دیا: ''مجھے ترازو نے روک دیا، اس لیے میں کلمہ نہ پڑھ سکا۔'' میں نے پوچھا: ''کیا تم ناپ تول میں کمی کرتے تھے؟؟'' اس نے کہا: ''نہیں! خدا کی قسم ایسی بات نہیں ہے۔لیکن میں بڑے عرصے تک اپنے ترازو کی جانچ پڑتال نہیں کرتا تھا۔یہ چیک نہیں کرتا تھا کہ ترازو ٹھیک وزن کررہا ہے یا نہیں۔'' "**واللہ ولکن ما کنتُ أقفُ مدۃ لأختبر صحۃ میزانی**" یہ حالت اس شخص کی ہے جو صرف ترازو کو چیک کرنے میں سستی سے کام لیتا ہے۔ذرا سوچیے ان لوگوں کا کیا حشر ہوگا جو ناقص ترازو استعمال کرتے ہوں گے اور جان بوجھ کر ناپ تول میں ڈنڈی مارتے ہوں گے؟ واقعی سچ فرمایا باری تعالیٰ نے:

وَيْلٌ لِّلْمُطَفِّفِيْنَ ○ الَّذِيْنَ اِذَا اكْتَالُوْا عَلَى النَّاسِ يَسْتَوْفُوْنَ ○ وَاِذَا كَالُوْهُمْ اَوْ وَّزَنُوْهُمْ يُخْسِرُوْنَ ○ اَلَا يَظُنُّ اُولٰٓئِكَ اَنَّهُمْ مَّبْعُوْثُوْنَ ○ لِيَوْمٍ عَظِيْمٍ ○ (۱)

''ویل ہے ان لوگوں کے لیے جو ناپ تول میں کمی کرتے ہیں۔وہ لوگ جب تول کر سامان لیتے ہیں تو پورا لیتے ہیں اور جب ناپ کر یا وزن کر کے دیتے ہیں تو کمی کرتے ہیں کیا یہ سمجھتے ہیں کہ انھوں نے کھڑا نہیں ہونا اس عظیم (قیامت) دن میں۔جب لوگ اللہ رب العالمین کے سامنے کھڑے ہوں''۔

---

(۱) المطففین:۱-۵

فرمانِ نبوی ﷺ ہے:

''ویل جہنم کی وادی کا نام ہے۔کافر اس وادی کی تہہ میں گرنے سے قبل چالیس سال تک نیچے گرتا رہے گا''۔(۱)

☆صحابی رسول ﷺ کی بددُعا

حضرت جابر بن سمرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ ''اہل کوفہ ہمیشہ اپنے حاکموں کی ناشکری کرتے اور اپنے بڑوں پر طرح طرح کے الزام عائد کرتے تھے کوفہ کی عوام توصحابی رسول (رضی اللہ عنہ) کوبھی نہیں بخشتی تھی ،امیر المومنین حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے کوفہ پر گورنری کے عہدے کے بعد حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کومقرر کیا (آپ رضی اللہ عنہ جلیل القدر صحابی رسول اور عظیم فاتح تھے)۔اہل کوفہ نے اپنی عادت کے مطابق اپنے گورنر حضرت سعد رضی اللہ عنہ کے بارے میں الزام تراشی شروع کردی۔جب ان کے الزامات وشکوے شکایات حد سے بڑھے تو حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے حضرت سعد رضی اللہ عنہ کومعزول کردیا کوفہ کے لیے نئے گورنر حضرت عمار رضی اللہ عنہ کا تقرر ہوگیا۔کوفہ کے لوگوں کا پہلا الزام تھا کہ سعد اچھی طرح سے نماز نہیں پڑھتے عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے تفتیش کی تو حضرت سعد رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ''اللہ کی قسم! میں نے ہمیشہ اہل کوفہ کونماز نبوی ﷺ کے مطابق نماز پڑھائی نماز عشاء میں پہلی دو رکعتیں لمبی اور دوسری دو رکعتیں ہلکی پڑھاتا تھا۔ امیر المؤمنین حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ''مجھے سعد کے بارے میں یہی گمان تھا'' پھر آپ رضی اللہ عنہ نے مزید چھان بین کے لیے چند افراد کوکوفہ بھیجا۔ایک کوفی اسامۃ بن قتادہ نے حضرت سعد رضی اللہ عنہ پر تہمت لگائی کہ سعد کبھی بھی جنگ کے لیے لشکر کے ساتھ نہیں گئے۔ اور نہ ہی عوام الناس کے ساتھ عدل وانصاف کا معاملہ کیا۔ان الزامات اور تہمتوں کوسن کر اس جلیلُ القدر صحابی کوشدید دلی دُکھ پہنچا۔آپ رضی اللہ عنہ نے بددعا دیتے ہوئے فرمایا:

---

(۱) الكبائر للذهبي، الكبيرة الثانية والستون نقص الكيل والزراع، وما أشبه ذلك: ۲۲۵/۱، دار الندوة الجديدة، بيروت

''میں تین دعائیں کرتا ہوں اے اللہ! اگر تیرا یہ بندہ جھوٹا ہے اور محض ریا وشہرت کے لیے الزام لگاتا ہے تو اے اللہ تُو اس کی عمر طویل کردے۔ اس کی فقیری ومحتاجی کو وسیع کردے اور اس پر فتنے نازل فرما''

اس کوفی کے حق میں تینوں بددعائیں قبول ہوگئیں یہ خود اپنے بارے میں کہا کرتا تھا: ''میں بڑا فتنے باز ہوں، مجھے سعد کی بددعا لگ گئی ہے۔'' عبدالملک بن عمر فرماتے ہیں: ''میں نے اس کوفی کو دیکھا تھا۔ اس کی سفید بھویں اس کی آنکھوں پر گرتی رہتی تھیں۔ یہ بڑھاپے میں بھی راہ چلتی عورتوں کو چھیڑا کرتا تھا''۔

"فطال عمره، حتى سقط حاجباه على عينيه من الكبر، وإنه ليتعرض للجوارى فى الطريق يغمزهن، وكان يقول: شيخ كبير مفتون، أصابته دعوة سعد" (۱)

مظلوم ظالم بن جاتا ہے

حضرت محمد بن سیرین رحمہ اللہ نے ایک شخص کو ظالم کے لئے بددعا کرتے ہوئے سنا تو اس سے فرمایا: اتنی زیادہ بددعائیں مت کر، کہیں ایسا نہ ہو کہ ظالم ہی تجھ سے نفع کما لے۔ (۲)

حضرت یحی بن نعیم فرماتے ہیں: جب امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ معتصم کے پاس آئے، جس دن ان کو کوڑوں سے مارا گیا تھا تو عون نے جو ان کی نگرانی پر مامور تھا ان سے کہا: اگر اور کچھ نہیں کرسکتے تو ظالموں کے لئے بددعا ہی کردیجئے۔

فرمانے لگے: جس نے ظالم کے لئے بددعا کی، اس نے اس سے بدلہ لے لیا،

---

(۱) صحيح البخارى: باب وجوب القراءة للإمام والمأموم فى الصلوات كلها، حدیث: ۷۵۵

(۲) عيون الأخبار: ۱/۷۹، عبد الله بن مسلم بن قتيبة، دار الكتب العلمية، ۱۹۲۵ھ، دعوة المظلوم: ۷۰-۷۱

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا: جس نے ظالم کے لئے بددعا کی اس نے اس سے بدلہ لیا ہے۔(۱)

نہ بادشاہ رہا نہ محل

منقول ہے کہ ایک اسرائیلی عورت کا بادشاہ کے محل کے برابر گھر تھا، جس کی وجہ سے محل بدنما معلوم ہوتا تھا، بادشاہ چاہتا تھا کہ یہ عورت اپنا گھر بیچ دے، چنانچہ اسے بیچنے کو کہا، لیکن وہ عورت نہ مانی، ایک دن وہ عورت کسی کام سے سفر پر گئی تو بادشاہ نے اس کا گھر ڈھانے کا حکم دے دیا، واپس آئی تو پوچھا میرا گھر کس نے گرایا؟

لوگوں نے بتایا: بادشاہ نے گرایا:

اس نے ایک نگاہ آسمان کی طرف اٹھائی اور کہا: اے میرے اللہ! میرے آقا! میرے مولا! میں تو کہیں گئی ہوئی تھی؛ لیکن تو تو موجود تھا دیکھ رہا تھا، اور تو کمزوروں کا مددگار اور مظلوموں کا سہارا ہے، یہ کہہ کر بیٹھ گئی۔

کہنے لگی: اب میں تمہارے محل کی بربادی کا انتظار کر رہی ہوں، عورت کی اس بات کا بادشاہ نے بہت ہی مذاق اڑایا اور ہنسا، جب رات ہوگئی تو اللہ تعالیٰ نے بادشاہ کو محل سمیت زمین میں دھنسایا، محل کی بعض دیواروں پر یہ اشعار لکھے ہوئے تھے۔(۱)

أتَهْزَءُ بالدعاءِ وتَزْدَرِيْه ولا تري بِمَا صنعَ الدُّعَاءُ

سِهامُ الليلِ لا تخطِئ ولكن لها أمدٌ وللأمد انقضاءُ

وقد شَاءَ الإلهُ بما تَرَاه فما للمُلْكِ عندكم بقاء

کیا تم بددعاؤں کا مذاق اڑاتے ہو اور اسے حقیر جانتے ہو، تمہیں پتہ نہیں ہے کہ ان بددعاؤں سے کتنے بڑے بڑے کام ہوجاتے ہیں۔

---

(۱) المنهج الأحمد: ۲ے ۱۷۳، طبقات الحنابلة: ۲/۲۷۹، ابو الحسن محمد بن ابی یعلی، دار المعرفة، بیروت، دعوة المظلوم: ۱۷

(۲) المخلاة: ۴۰۷، ۱، بهاء الدين محمد العاملی، عالم الكتب، ۱۹۸۸ء، دعوة المظلوم: ۸۷=۸۸

رات کے تیر (آخر شب کی بد دعا) کبھی خطا نہیں ہوتی، لیکن اس کی
ایک انتہاء ہوتی ہے اور انتہاء ایک دن ختم ہو ہی جاتی ہے۔
یہ جو کچھ تم دیکھ رہے ہو یہ سب اللہ کی مرضی سے ہوا، اب تمہارا ملک
تمہارے پاس نہیں رہا (بلکہ تو خود بھی نہیں رہا)

گردش زمانہ

ایک شخص اپنی اہلیہ کے ساتھ عمدہ کھانے پر بیٹھا تھا کہ فقیر نے خیرات کی صدا لگائی، فقیر کی آواز اسے بہت بری لگی، اسے جھڑک کر دروازہ سے دھتکارا؟

بے چارہ سائل فقیرانہ آیا تھا اور صدا لگا کر چلا، گردش دوران دیکھئے کہ یہ شخص خود فقیر ہو گیا، مال ودولت جاتا رہا، بیوی کو طلاق دے دی، اس نے کسی اور سے نکاح کرلیا، یہ دونوں میاں بیوی ایک دن عمدہ کھانا کھا رہے تھے، ایک فقیر نے صدا لگائی۔

شوہر نے کہا: ''یہ کھانا اسے دے آؤ'' وہ کھانا دے کر واپس ہوئی تو رونے لگی، میاں نے وجہ پوچھی تو کہا: ''فقیر میرا سابقہ شوہر تھا، اس حالت میں اسے دیکھ کر رونا آیا'' اور سائل کو جھڑکنے کا سابقہ قصہ اسے سنایا، اس کا شوہر بولا ''بخدا وہ فقیر میں ہی تھا''۔

پژمردگی گل پہ جب ہنسنے لگی کلی
آواز دی خزاں نے تو بھی نظر میں ہے۔(۱)

نقد سزا

کہا جاتا ہے کہ بنی اسرائیل کی ایک عورت تھی، اس کے پاس صرف ایک مرغی تھی، وہ چوری ہوگئی، وہ عورت بہت پریشان ہوئی، لیکن اس نے صبر کیا اور اپنا معاملہ اللہ کے حوالے کر دیا اور بد دعا تک نہ کی، جب چور نے اس مرغی کو ذبح کیا اور اپنا معاملہ اللہ کے حوالے کر دیا اور بد دعا تک نہ کی، جب چور نے اس مرغی کو ذبح کیا اور اس کے پر

---

(۱) المستطرف فی کل فن مستظرف: ۱۳۳، شہاب الدین محمد، دار الفکر، بیروت، ۱۹۷۳، دعوۃ المظلوم: ۹۱-۹۲

نوچے تو وہ سارے پر اس کے چہرے پر لگ گئے، اس نے ہٹانے کی بہت کوشش کی؛ لیکن وہ نہ ہٹے، وہ بنی اسرائیل کے ایک بڑے عالم کے پاس گیا اور ان کو اس صورت حال سے آگاہ کیا۔

عالم نے فرمایا: اس کا علاج یہ ہے کہ وہ عورت تمہارے لئے بددعا کرے اس کے سوا اور کوئی علاج نہیں ہے، چنانچہ انہوں نے عورت کے پاس کسی آدمی کو یہ کہہ کر بھیجا کہ آپ کسی بھی طرح اس عورت کو بددعا کرنے پر ابھاریں، اس آدمی نے جا کرنا واقفوں کی طرح پوچھا تمہاری مرغی کہاں ہے؟

کہنے لگے: چوری ہوگئی۔ وہ کہنے لگا: اس چور کی وجہ سے تو آپ کو بہت ہی تکلیف ہوئی ہوگی؟ کہنے لگی: اب کیا ہوسکتا ہے؛ لیکن پھر بھی بددعا نہ کی۔

وہ کہنے لگی: اب تو جو ہوگیا سو ہوگیا، چنانچہ وہ اسی طرح پوچھ گچھ کر کے اس کی تکلیف بڑھاتا رہا، یہاں تک کہ اس عورت کو غصہ آگیا اور اس نے چور کے لئے بددعا کر ہی دی، ادھر اس نے بددعا کی ادھر اس چور کے چہرے سے پر گرنے شروع ہوگئے، بعد میں اس عالم سے پوچھا گیا کہ اس کا علاج آپ کو کیسے پتہ چلا؟

فرمانے لگے: جب اس عورت نے صبر کیا اور بددعا نہ کی تو اللہ تعالیٰ نے اس کا انتقام اس آدمی کے چہرے پر پر لگا کر لے لیا؛ لیکن جب اس نے بدلہ لے لیا، یعنی بددعا کردی تو اس آدمی کے چہرے سے پر گر گئے۔(۱)

حرام لقمہ

عمرو بن دینار فرماتے ہیں: بنی اسرائیل میں ایک آدمی تھا، اس نے سمندر کے ساحل پر ایک آدمی کو دیکھا، جو زور زور سے آواز لگا رہا تھا: خبردار! جو مجھے دیکھے وہ کبھی کسی پر ظلم نہ کرے، بنی اسرائیل کے اس آدمی نے کہا: میں نے قریب جا کر اس سے کہا: اے اللہ کے بندے! کیا بات ہے تمہیں کیا ہوا؟

---

(۱) المستطرف فی کل فن مستظرف: ۳۱۰، دعوۃ المظلوم: ۹۲-۹۳

اس نے کہا: میرے قریب آؤ میں تمھیں بتاتا ہوں! میں قریب آیا تو کہنے لگا: میں پولیس میں سپاہی تھا، ایک دن میں اس ساحل پر آیا تو ایک مچھیرے کو دیکھا جس نے ایک مچھلی شکار کر رکھی تھی، میں نے اس سے کہا: یہ مچھلی مجھے دے دو! اس نے منع کر دیا تو میں نے کہا: اچھا مجھے بیچ ہی دو۔

اس نے یہ بات بھی نہ مانی تو میں نے اس کے سر پر ایک کوڑا مارا اور مچھلی اس سے لے لی، پھر اسے لے کر گھر آیا، جب میں گھر پہنچا تو میری انگلی پر اچانک ایک پھوڑا نکلا، میرے گھر والوں نے مچھلی پکا کر میرے سامنے رکھی تو کیا دیکھتا ہوں کہ میری دوسری انگلی پر پھوڑا نکلا ہوا ہے، میں بہت رویا چلایا، میرا ایک پڑوسی ڈاکٹر تھا، میں نے اسے جا کر اپنی انگلی دکھائی۔

اس نے کہا: یہ تو کینسر ہے تم اپنی انگلی کاٹ کر پھینک دو ورنہ تم مر جاؤ گے، چنانچہ میں نے وہ انگلی کاٹ کر پھینکی تو میرے بازو پر دو پھوڑے اور نکل آئے، جس میں کیڑے پڑ گئے، میں اپنے گھر سے ڈر کی وجہ سے چیختا چلاتا ہوا بھاگا، ابھی میں بھاگ ہی رہا تھا کہ مجھے ایک درخت نظر آیا، میں اس کے سائے میں بیٹھ کر سو گیا تو میں نے خواب میں دیکھا کہ ایک آدمی میرے پاس آ کر کہنے لگا: کیا تم اپنے اعضاء کو اسی طرح کاٹ کاٹ کر پھینکتے جاؤ گے؟ حق دار کو اس کا حق لوٹا دو اور اس بیماری سے نجات پاؤ، اتنے میں میں جاگ گیا۔

چنانچہ میں سمجھ گیا کہ یہ سب کچھ میرے ساتھ اس مچھیرے پر ظلم کرنے کی وجہ سے ہو رہا ہے، میں اس مچھیرے کے پاس گیا تو میں نے دیکھا کہ وہ اپنا جال ڈالے بیٹھا ہے، میں اس کے جال نکالنے کا انتظار کرنے لگا، جب اس نے اپنا جال نکال لیا تو اس میں ایک بڑی مچھلی پھنسی ہوئی تھی، اس کے قریب گیا اور کہا: اے اللہ کے بندے! میں تمہارا غلام ہوں مجھے آزاد کر دو۔ وہ کہنے لگا: میں تو تمھیں جانتا تک نہیں۔

میں نے کہا: میں وہ سپاہی ہوں جس نے تمہارے سر پر کوڑا مارا تھا اور تمہاری

مچھلی چھین لی تھی، پھر میں نے اسے اپنا ہاتھ دکھایا، جب اس نے میری یہ حالت دیکھی تو بہت غمزدہ ہوا اور کہا: تم آزاد ہو، تب جاکر میرے ہاتھ سے کیڑے جھڑنا شروع ہوئے، اور زمین پر گرنے لگے، وہ اس بات سے اور بھی خوف زدہ ہوگیا اور وہ جانے لگا تو میں نے اس کو روکا اور اپنے گھر لے آیا اور اپنے بیٹے کو بلا کر کہا: تم اس کونے کو کھودو، اس نے کھود کر اس میں ایک مٹکا نکالا جس میں تیس ہزار درہم تھے، میں نے اس مچھیرے سے کہا: ان میں سے دس ہزار گن کر لے لو یہ اپنی ضروریات میں استعمال کر لینا اور دس ہزار مزید گن کر لے لو، ان کو اپنے غریب رشتہ داروں اور پڑوسیوں میں بانٹ دینا، چنانچہ اس نے ایسا ہی کیا، جب وہ جانے لگا تو میں نے کہا: اچھا ایک بات تو بتاؤ! کیا تم نے مجھے بد دعا دی تھی؟

اس نے کہا: جی ہاں، جب تم نے میری مچھلی چھینی اور میرے سر پر کوڑا مارا تو میں اپنا سر آسمان کی طرف اٹھا کر رونے لگا اور کہا: اے میرے رب! تو نے مجھے بھی پیدا کیا اور اسے بھی پیدا کیا، لیکن اسے تو نے طاقتور بنایا اور مجھے کمزور بنایا، پھر تو نے اس کو مجھ پر مسلط کر دیا اور ظلم کرنے سے نہ روکا اور نہ ہی مجھے اتنی طاقت دی کہ میں اس کے ظلم سے بچ جاتا، بس میں تجھ سے اسی طاقت کا سوال کرتا ہو جو تو نے اسے دی ہے، اللہ اللہ! اسے اپنی مخلوق کے لئے موجب عبرت بنا دے۔

سپاہی کہتا ہے: یہ سن کر میں رونے لگا اور اس سے کہا: اللہ تبارک وتعالیٰ نے تمہاری بد دعا قبول کر لی اور مجھے موجب عبرت بنا دیا۔(۱)

انانیت کا نشہ

عبدالصمد بن معقل فرماتے ہیں: میں نے وہب کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ ایک بادشاہ کا جوان بیٹا اپنی فوج کے ساتھ گھوڑے پر سوار ہو کر نکلا تو وہ راستے میں گھوڑے

---

(۱) تاریخ دمشق: ۶۳/۵، سراج الملوك: ۴۴۶، المجالسة وجواہر العلم: ۳۶۷/۶، احمد بن الحسن المسعودی، دار الفکر، بیروت، ۱۹۷۳ء، دعوة المظلوم: ۹۳۔۹۴۔۹۵۔

سے گرا، اور گرتے ہی اس کی گردن ٹوٹ گئی اور مر گیا، وہ ایسی زمین پر گر کر مرا جس کے قریب ہی ایک بستی آباد تھی، اس کا والد بادشاہ بہت ہی غصہ ہوا، اور یہ قسم کھائی کہ وہ ان سب بستی والوں کو شروع سے لے کر آخر تک قتل کر دے گا، ان سب کو ہاتھیوں سے کچلوا دے گا، پھر جو ہاتھیوں سے بچ جائیں گے ان کو گھوڑے روندیں گے اور جو گھوڑوں سے بچ جائیں گے ان کو لشکر کے آدمی روندتے ہوئے گزریں گے۔

چنانچہ اس نے گھوڑوں اور ہاتھیوں کو شراب پلائی اور اس بستی کا رخ کیا اور اپنی فوج کو حکم دیا کہ ان سب کو ہاتھیوں سے روندو، جو ہاتھیوں سے رہ جائیں انہیں گھوڑے اور پھر جو گھوڑوں سے بچ جائیں انہیں لشکر روند ڈالے۔ جب بستی والوں نے یہ سنا اور جان لیا کہ بادشاہ اب یہ کرنے والا ہے تو سب کے سب ایک جگہ ہوئے اور اللہ تعالیٰ کے سامنے خوب آہ وزاری کی اور خوب زور سے رو کر اللہ تعالیٰ سے دعا کی: یا اللہ! تو ہمیں اس بادشاہ کے شر اور جو اس نے ہماری ہلاکت کا منصوبہ بنایا ہے اس سے ہماری حفاظت فرما۔

ادھر بادشاہ اور اس کا لشکر اس ارادے سے آرہے تھے، اور ادھر بستی والے، اللہ کے سامنے رونے، گڑگڑانے اور خوب گریہ وزاری میں مشغول تھے کہ اتنے میں آسمان سے ایک گھوڑ سوار اترا اور لشکر کے بیچ میں حملہ کر دیا، جس سے ہاتھی بھاگتے ہوئے گھوڑے پر چڑھ گئے اور گھوڑے آدمیوں پر چڑھ گئے، بادشاہ اور اسکے سارے ساتھی مر گئے اور ان ہی کے ہاتھیوں اور گھوڑوں نے ان کو روند ڈالا، اس طرح اللہ تعالیٰ نے اس کی حفاظت فرمائی۔(۱)

☆وہ بھی ظلم میں شریک ہے

زہری کہتے ہیں: ایک یہودی عبد الملک بن مروان کے پاس آیا اور کہا: ابن ہرمز نے مجھ پر ظلم کیا ہے، لیکن عبد الملک نے اس کی طرف کوئی توجہ نہ کی، یہودی نے

---

(۱) البدایة والنهایة: ۹/۲۹۹، ابن کثیر اسماعیل بن عمر، مکتبة المعارف بیروت، ۱۹۸۵ء، دعوة المظلوم: ۹۵-۹۶

دو بارہ سہ بارہ کہا، لیکن وہ پھر بھی اس کی طرف متوجہ نہ ہوا، پھر اس یہودی نے کہا: ہم اللہ کی کتاب توریت میں یہ بات پاتے ہیں کہ بادشاہ کبھی بھی ظلم میں کسی کے ساتھ شریک نہیں ہوتا، جب تک اس ظلم کی خبر اس تک نہ پہنچائی جائے، لیکن اگر ظلم کی خبر اس تک پہنچ جائے، اور اس کے باوجود وہ ظالم کے خلاف کوئی کاروئی نہ کرے تو وہ بھی ظلم میں شریک ہوجاتا ہے۔

زہری کہتے ہیں کے اس کی اس بات سے عبد الملک ڈر گیا اور ابن ہرمز کو بلوا کر معزول کر دیا۔(۱)

صرف خالق سے امید

''زہر الریاض'' میں ہے کہ ہارون الرشید کے زمانہ میں ڈاکوؤں کی ایک جماعت راستے میں لوٹ مار کیا کرتی تھی، بادشاہ نے انہیں پکڑ کر لانے کے لئے کچھ لوگ بھیجے، چنانچہ انہوں نے جب ان ڈاکوؤں کو پکڑ کر باندھ لیا تو ان میں سے ایک بھاگ نکلا، بادشاہ کے آدمی اس کی جگہ ایک دوسرے اجنبی شخص کو گرفتار کر کے لے گئے اور ان سب کو جیل میں قید کر دیا، ڈاکوؤں کے ساتھی سفارشیں کروا کر انہیں چھڑا لے گئے، اور وہ اجنبی رہ گیا، اس نے اپنا سارا قصہ ایک پرچہ پر لکھا، اور داروغہ جیل سے کہا: اس پرچے کو جیل کی چھت پر رکھ دے، چنانچہ ایسا ہی کیا گیا، اور وہ پرچہ ہوا سے اڑ گیا۔

ہارون الرشید نے خواب میں دیکھا کہ کوئی کہہ رہا ہے کہ: جیل میں ایک اجنبی نے اپنا قصہ بیان کیا ہے کہ بندہ ذلیل کی جانب سے رب جلیل کی طرف، گزارش یہ ہے کہ ہر شخص کی اس کے ساتھی کے حق میں سفارش قبول ہوچکی ہے، اور میں تو بس آپ ہی سے سفارش کی امید لگائے بیٹھا ہوں، چنانچہ ہارون رشید نے اسے بلوایا اور اسے دس جوڑے کپڑے، دس گھوڑے اور دس ہزار درہم عطا کئے، اور ایک شخص کو یہ حکم دیا کہ وہ یہ آواز لگائے:

(۱) تاریخ دمشق: ۱۴۲/۳/۷، دعوۃ المظلوم: ۱۰۸-۱۰۹

یہ اس شخص کا بدلہ ہے جو تمام مخلوق کو چھوڑ کر خالق سے سفارش کی امید رکھتا ہے۔(۱)

تکلیف دہ موت

عبید اللہ کے دورِ خلافت میں ایک شیخ بمع اپنے ساتھیوں کے گھوڑوں پر سوار ہو کر سفر کے لئے نکلے، وہ لوگ رات کے وقت مسجد میں ٹھہرے اور اپنے گھوڑوں کو بھی مسجد میں لے گئے، جب ان سے مسجد کے متولی نے پوچھا کہ تم نے اپنے گھوڑوں کو مسجد میں کیسے داخل کر لیا؟

تو ان سے شیخ اور اس کے ساتھیوں نے کہا: ان گھوڑوں کا گوبر اور پیشاب پاک ہے، کیوں کہ یہ مہدی کے گھوڑے ہیں، مسجد کے متولی نے کہا: جب مہدی کے جسم سے خارج ہونے والی چیز نجس ہے، تو اس کے گھوڑے سے نکلنے والی چیز کیسے پاک ہو سکتی ہے؟

یہ سن کر وہ لوگ بہت غصہ ہوئے اور متولی سے کہا: تم نے مہدی کی شان میں گستاخی کی ہے، یہ کہہ کر اسے پکڑ کر مہدی کے پاس لے گئے، چنانچہ مہدی نے جمعہ کی شام اس کو باہر نکالا اور قتل کر دیا۔

پھر جب وہ مرنے کے قریب تھا تو اس نے مہدی کو بد دعا دی، اللہ تعالیٰ نے اس کی بد دعا قبول فرمائی، اور مہدی کو ایک بری بیماری میں مبتلا کر دیا، چنانچہ اس کی بیماری کچھ اس طرح تھی کہ اللہ تعالیٰ نے اس کے پیٹ میں کدو کے بیج کی شکل میں کیڑے پیدا کئے جو اس کی آنتوں کو کھاتے تھے، اس کے پاس مینڈھوں کی بڑی بڑی دمی لائی جاتیں جن کو وہ اپنے پیٹ میں داخل کرتا، تا کہ وہ کیڑے اس کی آنتوں کو چھوڑ کر دموں کو کھانے میں مشغول ہو جائیں، اس طرح ان کے دموں میں مشغول ہونے سے اس کو کچھ راحت حاصل ہوتی، پھر جب وہ دموں کو باہر نکالتا تو کیڑے ان کو کھا کر پھاڑ چکے ہوتے اور یہ سلسلہ یونہی چلتا رہا، آخر کار اسی میں ہلاک ہو گیا۔

---

(۱) نزهة المجالس: ۲۵۲/۱، عبد الرحمن الصفوری، موسسة دار العلوم ،دعوة المظلوم: ۱۱۰_۱۱۱

اس کی ہلاکت کے بعد غسانی کے بھانجے کو لایا گیا تا کہ اس کے سر کے پاس تلاوت کرے، اور وہ بہت اچھی تلاوت کرنے والا تھا، اس وقت عبید اللہ کے بیٹے اس کے اردگرد بیٹھے رو رہے تھے، بغدادی نے غسانی سے کہا: تلاوت کرو! وہ کہتے ہیں کہ میں سوچنے لگا کہ کون سی آیت پڑھوں، تو مجھے صرف یہ آیت ہی یاد آئی۔

يَقْدُمُ قَوْمَهُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ فَأَوْرَدَهُمُ النَّارَ وَبِئْسَ الْوِرْدُ الْمَوْرُودُ(۱)

''وہ قیامت کے دن اپنی قوم کے آگے آگے ہوگا، پھر ان کو دوزخ میں جا اتارے گا''

پھر میں نے کوئی اور آیت پڑھنی چاہی مگر نہ پڑھ سکا، اور اسی کو بار بار دہراتا رہا یہاں تک کہ مجھے اس بات کا اندیشہ ہوا کہ اگر اس کے بیٹوں کو رونے سے کچھ افاقہ ہوجائے اور وہ میری تلاوت پر غور کریں تو مجھے قتل کردیں گے، یہ سوچ کر میں وہاں سے ہٹا اور باہر نکل گیا۔

ابن عذاری مرکشی کہتے ہیں: اس کے بیٹوں کا دورِ خلافت مستقل تین سوسال تک رہا اور وہ لوگ سبتہ کی گھاٹی سے لے کر مکہ تک کے علاقے پر قابض ہوگئے یہ اس بات کی دلیل ہے کہ دنیا اللہ کی نظر میں بہت ذلیل اور انتہائی حقیر اور بے قدر و قیمت والی ہے، یہی وجہ ہے کہ اس نے ان کافر اور فاجر لوگوں کو اس میں اختیار دیا کہ وہ اللہ کے اولیاء کو بدترین عذاب اور تکلیفیں دیں۔(۲)

بددعا نہ پسند

جب حبشی بصرہ میں داخل ہوئے تو خوب قتل وغارت اور لوٹ مار کی، سہل بن عبداللہ

(۱) سورہ ہود:۹۸

(۲) البیان المغرب:۱/ ۲۸۳، ابن عذاري المركشی، دار الثفافة بيروت، دعوة المظلوم: ۱۲۸-۱۲۹

سے ان کے ساتھیوں نے درخواست کی: ''کہ آپ اللہ تعالیٰ سے ان کی بربادی کی دعا فرمادیں'' یہ سن کر وہ خاموش رہے پھر فرمایا: اس شہر میں اللہ کے بہت سے ایسے نیک بندے موجود ہیں کہ اگر وہ ظالموں کے حق میں بددعا کردیں تو زمین پر کوئی ظالم نہ بچے، اور زمین پر کوئی ظالم صبح نہ کرے اور راتوں رات مارا جائے؛ لیکن وہ ایسا نہیں کرتے،
پوچھا گیا: کیوں؟

فرمایا: کیوں کہ وہ لوگ اس کو ناپسند کرتے ہیں، جس کو اللہ ناپسند کرتے ہیں۔(۱)

ظلم نے قبولیتِ دعا کو روک دیا

سلطان یعقوب بن لیث ایک مرتبہ شدید بیمار ہوا اور مرض بھی ایسا لگ گیا، جس نے تمام حکیموں کو پریشان کردیا، چنانچہ حکیموں نے اس سے کہا: آپ کی سلطنت میں ایک شخص ہے جس کا نام سہل بن عبداللہ ہے، اگر وہ آپ کے لئے دعا کردیں تو امید ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کی دعا قبول فرماکر آپ کو صحت سے نوازیں۔

یعقوب نے سہل کو بلا بھیجا اور کہا: آپ اللہ عزوجل سے میرے لئے دعا فرما دیجئے۔

انہوں نے فرمایا: میری دعا آپ کے حق میں کیسے قبول ہوگی، کیوں کہ آپ کی قید میں مظلوم ہیں، جو آپ کو بددعا دے رہے ہیں، یہ سن کر یعقوب نے تمام قیدیوں کو آزاد کردیا۔

پھر سہل نے فرمایا: اے اللہ! جس طرح آپ نے اس کو گناہوں کی ذلت سے آشنا فرمادیا، اسی طرح اطاعت کی عزت ورفعت سے روشناس فرمادیجئے، اور ان کی بیماری ان سے دور فرمادیجئے'' چنانچہ اس دعا سے اس کو شفا ہوگئی، اس پر یعقوب نے انہیں مال کی پیش کش کی جس کو انہوں نے قبول کرنے سے انکار کردیا اور ان سے اجازت

---

(۱) جنة الرضا، محمد بن عاصم الغرناطی، دار البشیر، بیروت، ۱۹۸۹ء ،دعوة المظلوم:۱۴۶/۱

لے کر چلے گئے، ان کے اس روپے پر ان کے ساتھیوں نے کہا: اگر آپ اس مال کو قبول کر لیتے اور فقراء میں تقسیم کر دیتے تو بہتر ہوتا'' یہ سن کر انہوں نے صحراء کی کنکریوں کی طرف نظر اٹھا کر دیکھا تو وہ جواہرات میں تبدیل ہوگئیں، پھر انہوں نے اپنے ساتھیوں سے فرمایا: کیا جس کو یہ کچھ عطا کیا گیا ہو، اس کو یعقوب بن لیث کے مال کی ضرورت ہوسکتی ہے۔(۱)

کہا جاتا ہے: ایک امیر زادہ ساحل سمندر پر گانے بجانے اور شراب وکباب کی محفل جمایا کرتا تھا، اس زمانے میں ابوالحسن بن بشار بھی تھے، وہ نیک لوگوں کو جمع کر کے اس امیر زادے کے گھر کے نیچے جا کھڑے ہوئے اور زور زور سے قرآن پاک کی تلاوت اور ذکر کرنے لگے، یہ سن کر اس کا ایک خادم آیا اور کہنے لگا: لوگ کیا چاہتے ہیں؟

ابن بشار نے فرمایا: تم اس آدمی سے کہو کہ اپنے اس برے کام سے باز آجاؤ ورنہ ہم اس سے لڑیں گے؟ یہ سن کر وہ اپنے آقا کے پاس گیا اور اس کو اس بارے میں بتایا:

تو امیر زادے نے کہا: وہ میرا مقابلہ کیسے کر سکتے ہیں، حالانکہ میرے پاس ہزاروں کا لشکر ہے۔

خادم واپس آیا اور امیر زادہ کی بات بتائی کہ ''تم لوگ کیسے اس کا مقابلہ کر سکتے ہو''.

ابن بشار نے فرمایا: ہم ان پر رات کے تیروں سے حملہ کریں گے'' خادم نے پوچھا: رات کے تیر کیا ہیں؟ فرمایا: اللہ کی بارگاہ میں ہاتھوں کا اٹھانا۔

جب امیر زادہ کو یہ بات پہنچی تو اس نے کہا: اب ہم میں ان کے مقابلہ کی کوئی طاقت نہیں رہی۔

پھر اپنے اس برے کام سے باز آ گیا۔(۲)

---

(۱) الرسالة القشيرية: ۲۶۸، عبد الكريم بن هوازن النيشابوری، دار الخير، ۱۹۸۸ھ، دعوة المظلوم: ۱۴۶-۱۴۷

(۲) مختصر رونق المجالس: ۱۷۲، عثمان بن يحي الميری، دار الايمان، ۱۹۹۹ھ، دعوة المظلوم: ۱۴۷-۱۴۸

ظالم کے حق میں دعا مردود

مالک بن دینار رحمہ اللہ بلال بن بردہ کے پاس حاضر ہوئے، بلال نے ان سے کہا: اے ابو یحیٰ! اللہ کے حضور میرے لئے دعا کریں۔

یہ سن کر مالک بن دینار رحمہ اللہ نے فرمایا: میری دعا تمہیں ذرہ برابر بھی فائدہ نہیں پہنچا سکے گی، کیوں کہ تمہارے دروازے پر دو سو سے زائد لوگ تمہارے لئے بددعا کررہے ہیں (۱)

زمین کا قاضی آسمان کا قاضی

یوسف کوفی اپنے والد سے نقل کرتے ہیں، میں حج کرنے گیا تھا کہ اچانک میں نے بیت اللہ کے پاس ایک آدمی کو یہ کہتے ہوئے دیکھا: اے اللہ! میری مغفرت فرما اور میں سمجھتا ہوں تو معاف نہیں کرے گا۔

میں نے کہا: اے فلاں! تمہاری اللہ تعالیٰ کی طرف سے عجیب ناامیدی ہے۔

کہنے لگا: میرا گناہ بہت بڑا ہے۔ میں نے کہا: مجھے بتاؤ تم نے کیا گناہ کیا ہے؟

کہنے لگا: میں یحییٰ بن محمد کے ساتھ موصل میں تھا، اس نے ہمیں جمعہ کے دن لوگوں کے قتل کرنے کا حکم دیا تو ہم نے تیس ہزار لوگ قتل کردیئے، پھر اس نے آواز لگائی کہ جس نے اپنا کوڑا جس گھر میں لٹکادیا تو وہ گھر سامان سمیت اس کا ہوگا، چنانچہ میں نے اپنا کوڑا ایک گھر میں لٹکادیا، جس میں ایک آدمی، اس کی بیوی اور ان کے دو بیٹے تھے، تو میں اس آدمی کی طرف بڑھا اور اسے قتل کردیا، پھر میں نے اس عورت سے کہا: تمہارے پاس جتنا مال ہے وہ دے دو ورنہ میں تمہارے بیٹوں کو قتل کردوں گا تو وہ سات دینار اور کچھ سامان میرے پاس لائی۔

میں نے کہا: تمہارے پاس اور مال بھی ہے وہ بھی دے دو۔ تو اس نے کہا: میرے پاس اس کے علاوہ اور کچھ نہیں، چنانچہ میں اس کے ایک بیٹے کی طرف بڑھا

---

(۱) حلیۃ الأولیاء: ۲/ ۳۸۴، دعوۃ المظلوم: ۷۰۔۱۵۶۱۷۔۱۵۷

اوراس کوقتل کر دیا اور پھر میں نے کہا: جتنا مال ہے دے دو، ورنہ دوسرے بیٹے کوبھی قتل کردوں گا، جب اس نے میری انتہائی درجے کی سنگ دلی دیکھی تو کہنے لگی: نرمی اختیار کرو کہ میرے پاس ایک امانت ہے جوان بچوں کے والد نے میرے سپرد کی ہے، یہ کہہ کر وہ سونے کی ایک زرہ لائی کہ اس جیسی خوبصورت زرہ میں نے کبھی نہیں دیکھی تھی، میں نے بڑے تعجب سے اس کو الٹ پلٹ کرنا شروع کر دیا تو اس پر سونے سے یہ دو اشعار لکھے ہوئے تھے:

إذا جَارَ الأميرِ وحَاجِبَاه
وقاضِي الأرضِ أَسْرَفَ في القضاءِ
فويلٌ! ثُمَّ ويلٌ ثم ويلٌ
لقاضي الأرض من قاضِي السَّماءِ

''جب امیر اوراس کے دربان ظلم کرنے لگیں اور زمین کا قاضی قضاء (فیصلہ) میں بے انصافی کرنے لگے تو ہلاکت ہے، پھر ہلاکت ہے، پھر ہلاکت ہے، زمین کے قاضی کے لئے آسمان کے قاضی طرف سے''۔(۱)

اوپر والا دیکھ رہا ہے

دو وزارتوں والے ابوعبداللہ بن خطیب رحمہ اللہ نے اپنے باغ کی تعمیر شروع کی اوراپنی جگہ سے ہٹ کر کچھ جگہ اپنے پڑوسی کی بھی لے لی اوراس کی پرواہ نہیں کی، وہ پڑوسی اس ظلم کی شکایت سلطان کے سامنے نہ کرسکا؛ کیوں کہ ابن خطیب کا بادشاہ کے ہاں بڑا مرتبہ تھا، ابن خطیب اس آدمی سے ملا اس کے بعد کہ وہ ان کی شکایت سلطان سے کر چکا تھا، اوراس کو کوئی جواب نہ ملا تھا، تو ابن خطیب نے اس کی بے عزتی کرتے

---

(۱) الجليس الصالح: ۸۲، سبط ابن الجوزی، دار ریاض، ۱۹۸۹ھ، دعوة المظلوم: ۱۶۶-۱۶۷

ہوئے کہا: کیا تو نے میری شکایت کی ہے؟

اس نے کہا: ہاں۔ کہنے لگے: کیا تمہیں کوئی جواب ملا؟ اس نے کہا: ہاں۔

انہوں نے کہا: کیا کہا گیا؟ تو اس نے **أَعُوْذُ بِاللهِ مِنَ الشَّيْطَانِ الرَّجِيْمِ** پڑھ کر سورہ طور کی یہ آیت پڑھی:

"**وَاصْبِرْ لِحُكْمِ رَبِّكَ فَإِنَّكَ بِأَعْيُنِنَا**" (۱) اور تو منتظر رہ اپنے رب کے حکم کا سو تو ہماری آنکھوں کے سامنے ہے۔

شیخ یہ سن کر بہت زور سے چیخنے اور کہنے لگے: مجھے اللہ کافی ہے یہ کہہ کر انہوں نے باغ کی طرف سواری کی لگام موڑ دی اور وہاں سے اس وقت تک نہ ہٹے جب تک کہ سارا کا سارا ابنا بنایا مکان ڈھا نہ دیا، چنانچہ مزدوروں اور دوسرے لوگوں کو بہت حیرت ہوئی۔ (۲)

ولی کو پریشان نہ کرو

قبیصہ بن جابر کہتے ہیں: ہمارے چچازاد بھائی نے جنگ قادسیہ کے متعلق یہ اشعار کہے:

الم تر أنَّ اللهَ أنزل نُصرةً
وسعدٌ ببابِ القادسية معصمُ
فأُبنَا وقد آمَتْ نساءٌ كثيرةٌ
ونسوةُ سعدٍ ليس فيهنَّ أَيِّمُ

کیا تم نہیں دیکھتے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنی مدد نازل کی؟ اور سعد قادسیہ کے درواں کو پکڑے بیٹھے ہیں، ہم لوٹے جب کہ بہت سی عورتیں بیوہ ہو گئیں، لیکن سعد کی عورتوں میں کوئی بیوہ نہیں"

جب حضرت سعد رضی اللہ عنہ تک یہ بات پہنچی تو فرمایا: "اے اللہ! اس کی زبان

(۱) سورة الطور: ۴۸

(۲) جنة الرضا: ۳/ ۱۳، دعوة المظلوم: ۱۷۱۔ ۱۷۲

اور ہاتھ کاٹ دیجئے ؟'' سوا ایک تیر آیا اور اس کے منہ پر لگا جس سے وہ گونگا ہو گیا، پھر لڑائی کے دوران اس کا ہاتھ کاٹ دیا گیا۔

جنگ کے دوران حضرت سعد رضی اللہ عنہ نے فرمایا: مجھے دروازے تک لے جاؤ''

سوانہیں اٹھا کر باہر لایا گیا تو انہوں نے اپنی کمر کھولی جس میں نیزوں اور تلواروں کے بہت سے گہرے زخم تھے، چنانچہ لوگوں کو معلوم ہوا کہ حضرت سعد رضی اللہ عنہ بزدل نہ تھے ،زخم دکھانے حضرت سعد رضی اللہ عنہ نے لوگوں سے فرمایا: میں نے تم لوگوں کو اپنی کمر اس لئے دکھائی کہ مجھے تمہاری باتیں پہنچ چکی تھیں''(۱)

بددعا کیوں قبول نہیں ہوتی ؟

کسی نے ابراہیم بن نصر سے کہا: قرمطی نے مکہ میں داخل ہو کر لوگوں کو قتل کر ڈالا اور بہت کچھ کر گزرا۔

اس کے خلاف بددعائیں تو بہت کثرت سے ہوتی ہیں؛ لیکن اللہ تعالیٰ ہماری بددعاؤں کو قبول نہیں کرتا۔ ابراہیم بن نصر نے فرمایا: لوگوں میں دس مذموم صفات ہیں جو بددعا کو قبولیت سے روکنے والے ہیں، پھر کس طرح ان کی بددعا قبول ہو۔

میں نے عرض کیا: وہ دس مذموم صفات کیا ہیں؟

انہوں نے فرمایا:

۱۔ وہ اللہ تعالیٰ کو جانتے ہیں مگر اس کی اطاعت نہیں کرتے۔

۲۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت کا دعوی کرتے مگر ان کی پیروی نہیں کرتے ہیں۔

۳۔ قرآن کریم پڑھتے ہیں مگر اس پر عمل نہیں کرتے۔

۴۔ جنت کا شوق ہے مگر حاصل کرنے کی کوشش نہیں کرتے۔

۵۔ زبان سے دوزخ کی برائی کرتے ہیں مگر اس کے راستے پر چلنے میں ایک دوسرے سے آگے بڑھتے ہیں۔

---

(۱) تاریخ دمشق: ۲۰/ ۳۴۵، دعوۃ المظلوم: ۷۰۔ ۱۸۹۱۷۔ ۱۹۰

۶۔ ابلیس کے دشمن ہونے کا اقرار کرتے ہیں، پھر بھی اس کی بات مانتے ہیں۔
۷۔ رشتے داروں اور دوستوں کو اپنے ہاتھوں زمین میں دفن کرتے ہیں؛ مگر عبرت نہیں پکڑتے۔
۸۔ دوسروں کو برا کہتے ہیں، مگر اپنی برائیوں پر نظر نہیں رکھتے۔
۹۔ مال کو جمع کرتے ہیں مگر حساب دینے سے غافل رہتے ہیں۔
۱۰۔ قبروں کو ڈھاتے ہیں اور بڑے بڑے محلات تعمیر کرتے ہیں۔(۱)

دکھے دلی کی آہ سے بچ گیا

جب ابن مجاہد ابو بکر محمد بن موسی کے یہاں کوئی قرآن پاک ختم کرتا تو وہ اس پر دعوت کا اہتمام کرتے، ایک مرتبہ ایک بڑھیا کے بیٹے نے قرآن ختم کیا تو انہوں نے دعوت کا اہتمام کیا، ابو بکر اپنے ساتھیوں کے ہمراہ تشریف لائے اور بہت سے صوفیائے کرام بھی تشریف لائے، جب رات اپنے پچھلے پہر میں داخل ہوئی تو ابو بکر نے اپنی چادر منگوائی اور اسے اپنے مونڈھے پر ڈال کر کہنے لگے: میں اپنے ایک ضروری کام سے جارہا ہوں اور ابھی واپس آؤں گا، کوئی میرا پیچھا نہ کرے۔

حاضرین مجلس کہتے ہیں: ہمیں ان کے اس وقت چلے جانے پر بڑا تعجب ہوا اور ہمیں یہ گمان ہوا کہ انہیں ہماری کسی گستاخی سے ناگواری ہوئی، ہم بد دل ہو کر بیٹھے رہے، پورے دو گھنٹے گزرنے کے بعد وہ لوٹ آئے تو ہمارے اندر خوشی کی لہر دوڑ گئی، سو ہم نے ان سے ان کے اس طرح اچانک چلے جانے کے متعلق سوال کیا تو وہ کہنے لگے:

کیا میں تمہیں سچ سچ بتاؤں؟ ہم نے کہا: جی ہاں سچ ہی بتادیں، انہوں نے کہا:

جب میں یہاں بیٹھ کر لذتوں اور عنائیوں میں منہمک ہو گیا تو مجھے یاد آیا کہ میرے اور فلاں نابینا کے درمیان تو بغض وعداوت ہے اور میں ان عیاشیوں میں مصروف ہوں، جب کہ وہ اللہ کے سامنے تہجد گزاری میں مصروف ہے، لہٰذا مجھے یہ بات

---

(۱) تاریخ دمشق: ۷/۹ ۲۳، دعوۃ المظلوم: ۲۰۱۔ ۲۰۲

پسند نہ آئی کہ میں تو اس حال میں ہوں اور وہ بھاری دل کی اس کیفیت میں مبتلا ہو، سو مجھے اللہ کا خوف لاحق ہوا، میں نے ان کا رخ کیا اور ان کے گھر میں داخل ہو کر ان کے سر پر بوسہ دیا، جب میں نے ان کے اور اپنے درمیان معاملہ کو سلجھا لیا اور میرا ان سے بد دعا کا اندیشہ جاتا رہا، تب میں واپس اپنی محفل میں خوش دلی کے ساتھ لوٹ آیا۔(۱)

خوشہ اتر آیا

حضور اکرم ﷺ کے ایک انصاری تاجر صحابی تھے، جن کی کنیت ابو معلق تھی، وہ شراکت کے اموال سے تجارت کیا کرتے تھے، اور ان اموال کو لے کر دور دراز ملکوں میں گھوما کرتے تھے، بہت متقی اور پرہیز گار تھے، ایک مرتبہ ایسا ہوا کہ جب وہ مالِ تجارت لے کر نکلے تو راستے میں ایک چور نے جو کہ اسلحہ سے لیس تھا ان کو پکڑ لیا اور ان سے کہنے لگا: جو کچھ تمہارے پاس ہے وہ میرے حوالے کر دو اور میں تم کو قتل بھی کر دوں گا۔

ابو معلق کہنے لگے: تم مجھے قتل کر کے کیا کرو گے، تمہیں تو مال سے مطلب ہے؟

اس نے جواب دیا: جہاں تک مال کا تعلق ہے وہ میرا ہی ہے مگر میں تمہیں بھی قتل کروں گا۔

ابو معلق نے کہا: اگر تم میرے قتل کرنے پر اصرار ہی کر رہے ہو تو پھر مجھے چار رکعت پڑھنے دو۔ اس نے کہا: تمہارا جتنا دل چاہے پڑھو، پس وضو کر کے چار رکعت پڑھنے لگے اور جب آخری سجدے میں پہنچے تو انہوں نے یہ دعا کی:

يَا وَدُوْدُ، يَا ذَا العرشِ المجيدِ، يَا فَعَّالَ لما يُرِيْدُ، أَسْأَلُكَ بِعِزِّكَ الَّذِىْ لاَ يُرَامُ، وَمُلْكِكَ الَّذِىْ لَا يُضَامُ، وَبِنُوْرِكَ الَّذِىْ مَلأَ أَرْكَانَ عَرْشِكَ، أَنْ تَكْفِيَنِىْ شرَّ هَذَا اللِّصِّ، يَا مُغِيْثُ اَغِثْنِىْ، يَا مُغِيْثُ اَغِثْنِىْ"

---

(۱) تاریخ الطبری: ۱۱/۳۰۰، محمد بن جریر طبری، دار التراث، بیروت، ۱۹۹۷ھ، دعوۃ المظلوم: ۲۰۲

اے بے پناہ محبت کرنے والے، اے برتر عرش کے مالک! اے جو چاہے سو کرنے والے! میں تیری عزت کا واسطہ دے کر سوال کرتا ہوں جو تجھ سے علیحدہ نہیں ہوتی اور تیری سلطنت کا واسطہ دیتا ہوں جہاں ظلم نہیں ہوتا اور تیرے اس نور کے وسیلہ سے جس نے تیرے عرش کے اطراف کو بھر دیا ہے، سوال کرتا ہوں تو میرے لئے اس چور کی شرارتوں سے کافی ہو جا۔ اے فریاد رس! فریاد رسی فرما، میری فریاد رسی فرما۔

چنانچہ اس دعا کو تین دفعہ پڑھا، سو اچانک ایک گھوڑ سوار اپنے ہاتھ میں نیزہ تھامے جس کو اس نے اپنے گھوڑے کے دونوں کانوں کے درمیان رکھا ہوا تھا، نمودار ہوا سو جب چور کی اس پر نظر پڑی تو اس کی طرف متوجہ ہوا، پس گھوڑ سوار نے اس پر وار کرتے ہوئے اس کا کام تمام کر ڈالا، اس کے بعد ابو معلق کی طرف رخ کر کے کہنے لگا: کھڑے ہو جاؤ! ابو معلق کھڑے ہو گئے اور اس گھوڑ سوار سے کہا: میرے ماں باپ تم پر قربان تم کون ہو؟ آج اللہ نے تمہارے ذریعہ سے میری فریاد رسی فرمائی ہے۔

گھوڑ سوار کہنے لگے: میں چوتھے آسمان کا ایک فرشتہ ہوں، جب تم نے پہلی مرتبہ دعا کی تو اس وقت میں نے آسمان کے دروازوں کی چرچراہٹ سنی، جب تم نے دوسری مرتبہ دعا کی تو آسمان والوں کی چیخ و پکار میرے کانوں سے ٹکرائی، پھر جب تم نے تیسری مرتبہ دعا کو دہرایا تو مجھ سے کہا گیا: یہ کسی مظلوم کی پکار ہے، تو میں نے اللہ تبارک وتعالیٰ سے درخواست کی کہ ظالم کے قتل کی ذمہ داری مجھے سونپ دے اور اللہ تعالیٰ نے اجازت دے دی۔

حضرت انس ﷛ فرماتے ہیں: جان لو! جو شخص بھی وضو کرے اور چار رکعت نفل پڑھ کر مذکورہ بالا دعا مانگے تو اس کی دعا ضرور قبول ہوگی، چاہے وہ مصیبت زدہ ہو یا نہ ہو۔(۱)

---

(۱) موسوعۃ رسائل ابن أبی الدنیا: ۴، دعوۃ المظلوم: ۲۰۲-۲۰۳

مظلوم سے معافی

حضرت ابومسلم خولانی رحمہ اللہ کی عادت شریفہ تھی کہ جب بھی اپنے گھر میں داخل ہوتے تو سلام کرتے اور جب گھر کے درمیان میں پہنچتے تو اللہ اکبر کا نعرہ لگاتے اور ساتھ ہی ان کی بیوی اللہ اکبر کہہ کر جواب دیتیں۔

راوی کہتے ہیں: پھر وہ اندر چلے جاتے اور اپنی چادر اور جوتے اتار کر رکھتے، اتنے میں ان کی اہلیہ کھانا لے آتیں تو وہ کھا لیتے۔

ایک مرتبہ وہ گھر تشریف لائے اور تکبیر پڑھی تو ان کی بیوی نے جواب نہ دیا، پھر گھر کے دروازے پر آ کر تکبیر پڑھی اور سلام کیا تب بھی جواب نہ ملا، دیکھا تو گھر کا چراغ بھی بجھا ہوا ہے اور بیوی ہاتھ میں لکڑی لئے بیٹھی زمین کریدرہی ہے۔ دریافت کیا کہ کیا معاملہ پیش آیا؟۔

ان کی بیوی کہنے لگیں: لوگ تو عیش وعشرت کی رعنائیوں میں مست ہیں اور اے مسلم کے باپ! ایک تم ہو..... اگر تم بھی امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے دربار میں جاؤ تو وہ ہمارے لئے بھی ایک خادم کا انتظام کردیں اور تمہیں کچھ ساز وسامان سے نوازیں تو ہم اپنی باقی زندگی سکھ وچین سے بسر کرسکیں۔

حضرت ابومسلم رحمہ اللہ نے یہ سن کر فرمایا! خدایا! تمہیں کس نے مشورہ دیا؟ اگر تم اپنے خاوند سے فرمائش کرو کہ وہ معاویہ رضی اللہ عنہ سے تم لوگوں کے لئے خادم اور ساز وسامان طلب کرے تو یہ ممکن ہے کہ وہ آپ کو دے دیں۔

راوی کہتے ہیں: اسی اثناء میں وہ عورت اپنے گھر میں بیٹھی تھی اور چراغ روشن تھا کہ اچانک اس کو اپنی بینائی جاتی محسوس ہوئی، چنانچہ وہ حواس باختہ ہوکر گھر والوں سے کہنے لگے: کیا تمہارا چراغ بجھ گیا ہے؟

انہوں نے جواب دیا: نہیں تو اس نے "اِنَّا لِلّٰهِ وَاِنَّا اِلَيْهِ رَاجِعُوْنَ" پڑھ کر کہا: میں آنکھوں کی روشنی سے محروم ہو چکی ہوں اور پھر اسی حالت میں حضرت ابومسلم

خولانی رحمہ اللہ کی طرف دوڑی اوران کوخدا کے واسطہ دیتے ہوئے اپنی بینائی کے لئے دعا کروائی، توحضرت ابومسلم خولانی رحمہ اللہ نے اللہ تعالیٰ کے دربار میں اس کے لئے دعا کی، چنانچہ اللہ تعالیٰ نے اس کی آنکھیں پھر روشن کردیں اوروہ دوبارہ صحیح ہوگئی۔(۱)

پیاس نہیں بجھتی

بنوابان بن دارم میں ایک شخص تھا،جس کا نام ذرعہ تھا،وہ حضرت حسین رضی اللہ عنہ کے قتل میں شریک تھا،جب اس نے حضرت حسین رضی اللہ عنہ پرتیر چلایاتووہ تیرحضرت حسین رضی اللہ عنہ کے تالومیں جاگھسا،اس وقت حضرت حسین رضی اللہ عنہ نے فرمایا:جب کہ ان کے منہ سے خون کافوارہ جاری تھا کہ اسی طرح آسمان سے اس پربھی آفتیں نازل ہوں،اوریہ اس طرح ہواکہ حضرت حسین رضی اللہ عنہ نے پینے کے لئے پانی منگوایا،اتنے میں اس بدبخت نے ان کو تیرماراتووہ پانی نہ پی سکے اور پیاسے رہ گئے،حضرت حسین رضی اللہ عنہ نے لاچاری کے عالم میں بددعادی:اے میرے اللہ!اسے بھی پیاساہی رکھیو۔

راوی بیان کرتے ہیں:جس نے اسے حالت نزع میں دیکھاوہ مجھے بتاتے تھے کہ وہ اپنے پیٹ میں شدیدآگ لگنے سے چلاتااوراپنی کمرپرٹھنڈک کی شکایت کرتا،اس کے آگے توبرف رکھی گئی تھی اور پیچھے انگیٹھی نصب کی گئی تھی اوروہ چیختا تھا کہ مجھے پانی پلاؤ میں پیاس کی شدت سے مررہاہوں،تو یہ چیخ وپکارسن کرلوگ ایک بڑادیگچہ لاتے جس میں ستو یاپانی اوردودھ ہوتااوراتنی مقدارمیں ہوتا کہ اگراسے پانچ آدمی بھی پیناچاہیں توسب کے لئے کافی ہوجائے،پس وہ ساراپی جاتااورپھریہی پکارنے لگتا،مجھے پانی پلاؤ،پیاس میری جان لے لے گی،حتی کہ اسکاپیٹ پھول کرگدھے کے پیٹ کے مانندپھٹ پڑا۔(۲)

ظلم کبھی نہیں چھپتا

علامہ ابن جوزی رحمہ اللہ معتضد کے خدمت گزارسے روایت کرتے ہیں کہ ایک

---

(۱) موسوعۃ رسائل ابن ابی الدنیا: ۷۶/۴،دعوۃ المظلوم: ۲۳۰-۲۳۱

(۲) مجموعۃ رسائل ابن أبی الدنیا: ۱/۴،دعوۃ المظلوم: ۲۳۴-۲۳۵

مرتبہ معتضد دوپہر کے وقت سویا ہوا تھا، اور ہم اس کی مسہری کے ارد گرد کھڑے تھے، اتنے میں وہ اچانک بوکھلا کر اٹھا اور ہمیں پکارا، ہم اس کے پاس دوڑے تو کہنے لگا: ارے تمہارا ناس ہو! جلدی سے دجلہ کی طرف دوڑو اور جو پہلی کشتی تمہیں خالی گہرے پانی میں نظر آئے اس کے ملاح کو پکڑ کر لاؤ، سو ہم نے ایک خالی کشتی میں پایا، سو ہم اسے پکڑ کر خلیفہ کے پاس لے آئے، پس جیسے ہی ملاح نے خلیفہ کو دیکھا تو قریب الوفات ہو گیا اور جب خلیفہ دھاڑا تو ملاح کی روح پرواز کرنے کے قریب ہو گئی۔

خلیفہ نے کہا: تیرا ناس ہو اور لعنت زدہ ہو! سچ سچ اس عورت کا قصہ بیان کر دے جسے تو نے آج موت کے گھاٹ اتارا ہے، ورنہ میں تیری گردن اڑا دوں گا۔

راوی کہتے ہیں: وہ تھوڑی دیر ٹھٹکا پھر گویا ہوا، اے امیر المؤمنین! آپ نے بجا فرمایا: میں آج صبح اپنی فلاں کشتی میں تھا کہ ایک عورت آئی، میں نے اس جیسی حسین عورت کو کبھی نہ دیکھا تھا، وہ قیمتی کپڑے زیب تن کئے ہوئے تھے اور زیورات وجواہرات سے آراستہ پیراستہ تھی، چنانچہ میں اس کے بارے میں لالچ میں آ گیا تو میں نے اسے جکڑ دیا، اس کا منہ باندھ کر اسے ڈبو دیا اور جو کچھ کپڑے زیورات اس کے پاس تھے سب ہتھیا لئے، مجھے یہ اندیشہ ہوا کہ اگر میں یہ ساز وسامان گھر لے کر پہنچوں گا تو لوگوں میں اس کی شہرت ہو جائے گی، چنانچہ میں نے ایک جاننے والے کے پاس اسے پہنچانے کا ارادہ کیا تھا کہ اتنے میں آپ کے خادموں نے مجھے پکڑ لیا۔

خلیفہ نے پوچھا: اسکے زیورات کہاں ہیں؟

اس نے جواب دیا: وہ کشتی کے وسطی تختوں کے نیچے ہیں، خلیفہ نے یہ سن کر زیورات لانے کا حکم دیا وہ حاضر کئے گئے جو بھاری مالیت کے تھے، خلیفہ نے ملاح کو اسی جگہ غرق کرنے کا حکم دیا، جہاں اس نے عورت کو ڈبو دیا تھا اور حکم دیا کہ لوگوں میں اعلان کرایا جائے کہ اسکے گھر والے آئیں اور اس کا مال وصول کر لیں۔

چنانچہ تین دن تک بغداد کے بازاروں اور گلی کوچوں میں مسلسل اعلان کرایا گیا

تو اس کے گھر والے تین دن بعد آئے اور عورت کا مال اور ساز وسامان ان کے حوالے کر دیا گیا اس میں کوئی چیز کم نہ تھی۔اس کے چلے جانے کے بعد معتضد کے خادموں نے معتضد سے پوچھا: اے امیر المؤمنین! آپ کو اس سارے واقعے کا کیسے علم ہوا؟

معتضد کہنے لگا: میں نے خواب میں ایک باریش بزرگ کو جو کہ سفید لباس میں پکارتے ہوئے دیکھا کہ اے احمد! اے احمد! جو سب سے پہلے ملاح دریا میں اتر رہا ہے، اسے پکڑ لے اور اس سے اس عورت کا قصہ پوچھ، جسے اس نے آج قتل کیا ہے اور اسے سزا دے، پھر وہی کچھ ہوا جو تم دیکھ چکے ہو۔(۱)

مظلوم کی بد دعا کے بارے میں چند انوکھے اشعار

علی الشرقی کہتے ہیں:

مدّ زعيمٌ للطبيب يدا   كانت على رغمي ملثومة

قال له ليس بها من أذى   فصاح لا ---- كفّي مألومة

ومرّ من حولهما شاعر   ردّدت الدّنيا ترانيمه

فقال ظنّي بمكان الأذى   قد سقطت دمعة مظلومه

''اس امیر نے کسی طبیب کو اپنا ہاتھ دکھایا، جو ہاتھ میرے ذلیل کرنے میں مصروف تھا تو طبیب نے کہا: اس میں کوئی علامتِ مرض نہیں، تو امیر چلا اٹھا کہ میری ہتھیلی میں درد ہو رہا ہے۔

(چنانچہ) ان دونوں کے پاس سے ایک شاعر کا گزر ہوا، جس کی شاعری کا دنیا بھر میں چرچا تھا، تو اس نے کہا: میرا خیال ہے کہ جہاں تکلیف ہو رہی ہے، وہاں مظلوم کا آنسو ٹپکا ہے۔(۲)

---

(۱) البداية والنهاية: ۱۱/ ۸۸، دعوة المظلوم: ۷ ۲۳-۸ ۲۳

(۲) ديوان علی الشوقی: ۳۵۶، تحقيق ابراہيم الوائلی، وزارة الثقافة والاعلام، ۱۹۸۶، دعوة المظلوم: ۷۱/ ۲

کمزور طاقتور سے اپنا حق کیسے لیتا ہے؟

موسی علیہ السلام نے اللہ عزوجل سے فرمایا، اے اللہ عزوجل! میں آپ کے عدل وانصاف کو دیکھنا چاہتا ہوں، تو اللہ عزوجل نے فرمایا: موسی! تم فلاں جگہ جاؤ، وہاں انہوں نے ایک چشمہ اور ایک درخت دیکھا، یہ درخت کے نیچے چھپ کر بیٹھ گئے، ایک گھوڑسوار آیا، اس نے چشمہ سے پانی پیا، وہ وہاں اپنی ایک ہزار دینار کی تھیلی بھول گیا، ایک بچہ آیا، وہ اس تھیلی کو لے لیا، پھر ایک اندھا شخص آیا، اس نے اس چشمہ سے وضو کیا، اس گھوڑسوار کو اپنے دینار کی تھیلی یاد آئی، وہ وہاں واپس آیا اور اندھے سے اس تھیلی کے متعلق دریافت کیا، اس نے کہا: میں نے تو اسے دیکھا نہیں، اس نے اس اندھے کو مار مار کر قتل کر دیا، موسی علیہ السلام کو بڑی حیرت ہوئی، تو اللہ عزوجل کی جانب سے موسی علیہ السلام کو وحی آئی کہ اس بچے نے یہ دینار اپنے استحقاق میں لئے ہیں، کیوں کہ اس گھوڑسوار نے بچے کے باپ سے ایک ہزار دینار لئے تھے اور اس اندھے شخص نے اس گھوڑسوار کے والد کو قتل کیا تھا، میں نے اس طرح ہر ایک کے حقوق صاحب حق تک پہنچا دیا۔(۱)

دھوکہ واپس آئے گا

ایک لالہ جی نے دیہاتی شخص سے کہہ رکھا تھا کہ ایک کیلو مکھن روزانہ مجھے لا کر دیا کرنا، وہ شخص مکھن دیتا اور لالہ جی کی دوکان سے اپنی ضروریات کا سامان خرید لیتا، ایک دن لالہ جی نے مکھن تولا تو صرف نوسو گرام تھا، تو لالہ جی نے سوچا: پتہ نہیں کتنے دنوں سے سو گرام چوری کرر ہا ہے، اس دیہاتی کے سامنے بہت ناراض ہوا، اس پر اس نے جواب دیا، لالہ جی ہم غریب لوگ ہیں، ہمارے پاس تولنے کے لئے بانٹ نہیں ہوا کرتا، آپ کے یہاں سے جو ایک کیلو چاول، تیل، آٹا خرید لتا ہوں، اسے ایک پلڑے میں رکھ کر دوسرے پلڑے میں مکھن تول لیتا ہوں۔

---

(۱) نزہۃ المجالس، الصفوری: ۵۱/۲ المطبعۃ الکاستلیۃ مصر، ۱۲۸۳ھ

یہ مثال بھی ہوسکتی ہے مگر ہمارے بازاروں کی سچی تصویر یہ ہے کہ ہر شخص لالہ جی کی طرح دوسرے کی خیانت پر ناراض ہے مگر وہ نہیں جانتا کہ یہ دھوکہ اسی کے عمل کا نتیجہ ہے ''کما تدین تدان'' (جیسا کروگے ویسا بھرگے)۔

وعدہ خلافی نہ کیجئے

عہد اور وعدہ کی پاسداری یہ مومن کا شیوہ ہے، یعنی مومن جو بھی عہد اور وعدہ کرتا ہے تو اس کا پورا پورا پاس ولحاظ کرتا ہے، اس کی خلاف ورزی نہیں کرتا، اللہ عزوجل نے قرآن کریم میں وعدہ کی پاسدادری اور لالحاظ مومن کی صفت بتلایا ہے، "**وَالَّذِيْنَ هُمْ لِاَمٰنٰتِهِمْ وَعَهْدِهِمْ رٰعُوْنَ**" (۱) یہ وہ لوگ ہیں جو اپنی امانتوں کا لحاظ کرتے ہیں اور اپنے عہد کا پاس کرتے ہیں۔

قرآن وحدیث میں متعدد مقامات پر ایفائے عہد کی اہمیت کو بیان کیا گیا ہے، ارشاد باری عزوجل ہے: **وَأَوْفُوْا بِالْعَهْدِ إِنَّ الْعَهْدَ كَانَ مَسْئُوْلًا** (۲) یعنی جو عہد کرو اس کو پورا کرو، کیوں کہ اس عہد اور وعدہ کے بارے میں روزِ آخرت میں سوال ہوگا (کہ تم نے فلاں سے عہد کیا تھا کیا تم نے اسے پورا کیا یا نہیں؟ اور ایک جگہ فرمایا: "**يٰاَيُّهَا الَّذِيْنَ آمَنُوْا أَوْفُوْا بِالْعُقُوْدِ**" (۳) اے ایمان والو! تم آپس میں کسی کے ساتھ عہد و پیمان باندھ لو تو اس کو پورا کرو، خود اللہ تعالیٰ نے اپنی اس صفت کا تذکرہ بار بار فرمایا ہے: "**وَلَنْ يُّخْلِفَ اللّٰهُ وَعْدَهٗ**" (۴) اللہ عزوجل وعدہ خلافی نہیں کرتے۔

وعدہ خلافی اور عہد شکنی یہ کافر کا شیوہ بتلایا گیا ہے، اور اسے منافقین کی صفات میں شمار کیا گیا ہے۔

---

(۱) المؤمنون:۸

(۲) بنو اسرائیل:۳۴

(۳) المائدۃ:۱

(۴) الحج:۶۱

نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے: "اَرْبَعٌ مَنْ کُنَّ فِیْهِ کَانَ مُنَافِقًا خَالِصًا" (۱) منافق کی چار علامتیں ہیں: جب بات کرے تو جھوٹ بولے، جب وعدہ کرے تو وعدہ کی خلاف ورزی کرے اور جب اس کے پاس امانت رکھوائی جائے تو اس میں خیانت کرے۔

اور ایک جگہ فرمایا: "اَلْعِدَةُ دَیْنٌ" (۲) وعدہ قرض ہے۔

اس کے لئے تباہی ہو جو وعدہ کرے پھر خلاف ورزی کرے، پھر اس کے لئے تباہی ہو جو وعدہ کرے پھر خلاف ورزی کرے، پھر اس کے لئے تباہی ہو جو وعدہ کرے پھر خلاف ورزی کرے، پھر فرمایا: "جس طرح قرض کی ادائیگی ضروری ہوتی ہے، وعدہ بھی مثل قرض ہے، جس کی ادائیگی اسی کے مثل اہتمام سے ہو"۔

منافق کی چار صفات میں بیان کیا گیا کہ "وإذا وعد أخلف" اور جب عہد کرے تو عہد شکنی کرے اور جب جھگڑے تو گالی گلوچ کرے۔ (۳)

علامہ حجر عسقلانی وعدہ وفائی کی شرعی حیثیت کو بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں: اللہ عزوجل کا ارشاد گرامی ہے: کَبُرَ مَقْتًا عِنْدَ اللّٰهِ أَنْ تَقُوْلُوْا مَا لَا تَفْعَلُوْنَ (۴) اللہ کے یہاں یہ بڑی ناراضگی کی چیز ہے کہ تم ایسی بات کہو جو نہ کرسکو۔

اسی طرح منافقین کی نشانیوں اور علامات والی حدیث سے وعدہ کی تکمیل کو واجب قرار دیتے ہیں، اس کو اس شدید وعید کے باوجود مکروہِ تنزیہی پر محمول کرنا کیسے درست ہوگا؟ پھر فرماتے ہیں، کیا ایسا نہیں کیا جا سکتا کہ وعدہ خلافی اور عہد شکنی کو حرام قرار دیا جائے، اور وعدہ وفائی کو واجب قرار دیں، یعنی وعدہ خلافی کرنے والے کو گناہ گار قرار

---

(۱) بخاری: باب علامة المنافق، حدیث: ۳۴

(۲) مجمع الزوائد: باب ما جاء فی العدة، حدیث: ۶۸۳۳، علامہ ہیثمی نے اس روایت کو ضعیف کہا ہے۔

(۳) بخاری: باب علامة المنافق: حدیث: ۳۴

(۴) الصف: ۳

دیں، اگرچہ وعدہ کی تکمیل واجب اور ضروری نہ ہو: **"یأثم بالإخلاف وإن کان لا یلزم وفاء ذلك"** (۱)

بعض روایتوں میں آتا ہے کہ نبی کریم ﷺ نے خود بھی عہد اور وعدہ کا پاس ولحاظ اس طرح کیا کہ ایک شخص نے آپ سے فلاں جگہ آنے کا وعدہ کیا اور وہ شخص بھول گیا پھر وہ تیسرے دن آیا تو آپ ﷺ وہیں تشریف فرما تھے، ''عبداللہ بن حمساء کہتے ہیں کہ میں نے نبی کریم ﷺ فلاں جگہ آنے کا وعدہ کیا، تیسرے دن وہاں آیا تو آپ ﷺ اسی جگہ موجود تھے فرمایا: **"یا بني قد شققت علی أنا ههنا منذ ثلاث یوم أنتظرك"** (۲) بیٹے تم نے مجھے تکلیف دی، میں تمہارا یہاں تین دن سے انتظار کر رہا ہوں۔

وعدہ وفائی کا سبق آپ ﷺ نے آپ ﷺ کے رفقاء کو بھی سکھایا اور اپنی عملی زندگی میں اسے برت کر دکھایا، چنانچہ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کی وفات کا وقت آیا تو فرمایا کہ قریش کے ایک شخص نے میری بیٹی سے نکاح کا پیغام دیا تھا، اور میں نے اس سے کچھ بات کہی تھی جو وعدہ سے ملتی جلتی تھی، ایک تہائی یعنی نفاق کی تین علامتوں میں سے ایک علامت کے ساتھ اللہ سے ملنا نہیں چاہتا، اس لئے میں تم لوگوں کو گواہ بناتا ہو کہ میں نے اس سے اپنی بیٹی کا نکاح کر دیا۔ (۳)

اس لئے جب بھی کوئی کسی سے وعدہ کرے تو وعدہ کرنے سے پہلے سوچ لے کہ یہ وعدہ مجھ سے پورا ہو سکے گا یا نہیں، اور اپنی بات کو نباہ سکوں گا یا نہیں؟ اگر وعدہ پورا کر سکتا ہو تو وعدہ کرے ورنہ معذرت کر دے، جھوٹا وعدہ کرنا حرام ہے، جب وعدہ کرے تو حتی الوسع پوری طرح انجام دینے کی کوشش کرے، بہت سے لوگ ٹالنے کے

---

(۱) فتح الباري: باب من أمر بإنجاز والوعد: ۲۹۰/۵

(۲) ابو داؤد: کتاب الأدب، باب فی العدة، حدیث: ۴۹۹۶

(۳) احیاء علوم الدین: ۱۳۲/۳

لئے یا دفع الوقتی کے خیال سے وعدہ کر لیتے ہیں، پھر اس کو پورا نہیں کرتے، اور نہ یہ سمجھتے ہیں کہ جھوٹا وعدہ سخت گناہ ہے اور وعدہ کرنے کے بعد خلاف ورزی بھی سخت گناہ ہے۔

ہاں البتہ کسی سے وعدہ کرے اور اس کی نیت وعدہ پورا کرنے کی ہے اور وہ اس وعدہ کو پورا نہ کر سکے تو اس کا وبال اس پر نہیں ہوگا: "إِذَا وَعَدَ الرَّجُلُ أَخَاهُ وَمِنْ نِيَّتِهِ أَنْ يَفِيَ فَلَمْ يَفِ وَلَمْ يجئْ للميعادِ فَلَا اِثْمَ عَلَيْهِ" (۱)

قناعت اختیار کیجئے

جن اخلاق کی وجہ سے انسان اللہ تعالیٰ کا محبوب اور لوگوں کی نگاہ میں بھی بہت بلند ہو جاتا ہے اور دل کی بے چینی اور کڑھن کے سخت عذاب سے بھی اس کو نجات مل جاتی ہے، ان میں سے ایک قناعت اور استغناء بھی ہے، اور زیادہ کی طلب اور حرص نہ کرنا، جس کا مطلب یہ ہے کہ بندہ کو جب کچھ ملے اس پر راضی اور مطمئن ہو جائے اور زیادہ کی حرص ولالچ نہ کرے، اللہ تعالیٰ اپنے جس بندے کو قناعت کی یہ دولت عطا فرمائیں، بلاشبہ اس کو بڑی دولت عطا ہوئی، اور بڑی نعمت سے نوازا گیا چنانچہ اس کے بارے میں رسول اللہ ﷺ کے چند ارشادات درج ذیل ہیں۔

حضرت عبد اللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: کامیاب اور بامراد ہوا وہ بندہ جس کو حقیقتِ اسلام نصیب ہوئی اور اس کو روزی بھی بقدرِ کفاف ملی اور اللہ تعالیٰ نے اُس کو اس قدر روزی پر قانع بھی بنایا "قَدْ أَفْلَحَ مَنْ أَسْلَم وَرُزِقَ كَفَافًا وَقَنَعَهُ اللهُ بِمَا آتَاهُ" (۲)

یہ قناعت اور دل کی طمانیت وہ کیمیا ہے جس سے فقیر کی زندگی بادشاہ کی زندگی سے زیادہ لذیذ اور پُر مسرّت ہو جاتی ہے۔ اگر آدمی کے پاس دولت کے ڈھیر ہوں اور زیادہ کے لئے طمع اور حرص ہو، اور وہ اس میں اضافہ ہی کی فکر اور کوشش میں لگا رہے

(۱) ابو داود: باب فی العدة، حدیث: ۴۹۹۵، امام ترمذی نے اس روایت کو ضعیف کہا ہے۔
(۲) مسلم: باب فی الکفات والقناعة: حدیث: ۱۰۵۴

اور "ھل من مزید" ہی کے پھیر میں پڑا رہے تو اسے کبھی قلبی سکون نصیب نہ ہوگا، اور وہ دل کا فقیر ہی رہے گا، برخلاف اس کے اگر آدمی کے پاس صرف جینے کا مختصر سامان ہو، مگر وہ اس پر مطمئن اور قانع ہو تو فقر وافلاس کے باوجود دل کا غنی رہے گا، اور اس کی زندگی بڑے اطمینان اور آسودگی کی زندگی ہوگی، اس حقیقت کو رسول اللہ ﷺ نے ایک دوسری حدیث میں ان الفاظ کے ساتھ بیان کیا ہے۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: دولت مندی مال واسباب سے حاصل نہیں ہوتی، بلکہ اصل دولت مندی دل کی بے نیازی ہے "لَيْسَ الْغِنَى عَنْ كَثْرَةِ الْعُرُوضِ وَلَكِنَّ الْغِنَى غِنَى النَّفْسِ" (۱)

اور اس سے بھی زیادہ وضاحت اور تفصیل کے ساتھ یہ حقیقت رسول اللہ ﷺ نے ایک دفعہ حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ کو مخاطب بنا کر اس طرح سمجھائی۔

حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ایک دن مجھ سے ارشاد فرمایا: ابوذر! کیا تم یہ سمجھتے ہو کہ مال زیادہ ہونے کا نام تونگری ہے؟ میں نے عرض کیا: ہاں حضور ﷺ (ایسا ہی سمجھا جاتا ہے) پھر آپ انے فرمایا: کیا تم یہ خیال کرتے ہو کہ مال کم ہونے کا نام فقیری اور محتاجی ہے؟ میں نے عرض کیا: ہاں حضور ﷺ! (ایسا ہی خیال کیا جاتا ہے) یہ بات آپ انے مجھ سے تین دفعہ ارشاد فرمائی، اس کے بعد ارشاد فرمایا: اصل دولتمندی دل کے اندر ہوتی ہے، اور اصل محتاجی اور فقیری بھی دل میں ہی ہوتی ہے "اَلْغِنَى فِي الْقَلْبِ، وَالْفَقْرُ فِي الْقَلْبِ" (۲)

حضرت حکیم بن حزام رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک دفعہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے کچھ مال طلب کیا، آپ ﷺ نے مجھے عطا فرمایا، میں نے پھر مانگا، آپ ﷺ نے عطا

---

(۱) بخاری: باب الغنی غنی النفس، حدیث: ۶۹۸۱

(۲) مجمع الزوائد: باب لیس الغنی عن کثرۃ العرض، حدیث: ۱۷۷۵۹، علامہ ہیثمی فرماتے ہیں کہ اس کو طبرانی نے روایت کیا ہے اور اس میں ایک وہ شخص ہے جس کو میں نہیں جانتا۔

فرمایا پھر آپ ﷺ نے مجھے نصیحت فرمائی، اور ارشاد فرمایا کہ: اے حکیم! مال سب کو بھلی لگنے والی اور لذیذ وشیریں چیز ہے، پس جو شخص اس کو بغیر حرص وطمع کے سیر چشمی اور نفس کی فیاضی کے ساتھ لے اس کے واسطے اس میں برکت دی جائے گی، اور جو شخص دل کے لالچ کے ساتھ لے گا اس کے واسطے اس میں برکت نہیں رہتی، اور اس کا حال جوع البقر کے اس مریض کا سا ہوگا جو کھائے اور پیٹ نہ بھرے اور اوپر والا ہاتھ نیچے والے ہاتھ سے بہتر ہے (یعنی دینے والے کا مقام اونچا ہے اور ہاتھ پھیلا کر لینا ایک گھٹیا بات ہے، لہٰذا جہاں تک ہوسکے اس سے بچنا چاہئے) حکیم بن حزام کہتے ہیں کہ: (حضور ﷺ کی نصیحت سن کر) میں نے عرض کیا: یارسول اللہ ﷺ! قسم ہے اس ذاتِ پاک کی جس نے آپ کو نبی برحق بنا کر بھیجا ہے اب آپ کے بعد مرتے دم تک میں کسی سے کچھ نہ بولوں گا "لَا أَرْزَأُ أَحَدًا بَعْدَكَ شَيْئًا حَتَّى أُفَارِقَ الدُّنْيَا" (۱)

اسی حدیث کی صحیح بخاری کی ایک روایت میں ہے کہ حکیم بن حزام نے حضور ﷺ کی خدمت میں جو عہد کیا تھا اس کو پھر ایسا نبھایا کہ حضور ﷺ کے بعد حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ اور حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے اپنے اپنے دورِ خلافت میں (جب کے سب ہی کو وظیفے اور عطیے دیئے جاتے تھے) ان کو بھی بلا کر بار بار کچھ وظیفہ یا عطیہ دینا چاہا لیکن یہ لینے پر آمادہ نہیں ہوئے اور فتح الباری میں حافظ ابن حجر نے مسند اسحاق بن راہویہ کے حوالہ سے نقل کیا ہے کہ شیخین کے بعد حضرت عثمان رضی اللہ عنہ اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے زمانۂ خلافت وامارت میں بھی انہوں نے کبھی کوئی وظیفہ یا عطیہ قبول نہیں کیا، یہاں تک کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے دورِ امارت میں ایک سوبیس سال کی عمر میں ۹۴ھ میں وفات پائی۔

فقیہ ابو اللیث ایک حکیم کا مقولہ نقل کرتے ہیں کہ ہم نے چار چیزیں تلاش کیں اور ان کی تلاش کا غلط راستہ اختیار کیا، ہم نے غنا کو مال میں تلاش کیا حالانکہ وہ مال میں نہیں تھا بلکہ قناعت میں تھا (ہم اس کو مال میں تلاش کرتے رہے وہ جب وہاں تھا ہی

---

(۱) بخاری: باب الاستعفاف عن المسالة، حدیث: ۱۴۰۳

نہیں تو کیسے ملتا؟) ہم نے راحت کو (جان ومال کی) کثرت میں تلاش کیا حالانکہ راحت ان کی کمی میں تھی، ہم نے اعزاز کو مخلوق میں تلاش کیا (کہ ان کی خوشی کے اسباب اختیار کریں تا کہ ان کے یہاں اعزاز زیادہ ہوگا) ہم نے اللہ کی نعمت کو کھانے اور پہننے میں تلاش کیا (اور یہ سمجھا کہ اللہ کے بڑے انعامات ہیں) حالانکہ اللہ تعالیٰ شانہ کا بڑا انعام اسلام کی دولت اور گناہوں کی ستاری ہے (جس کو یہ دو نعمتیں حاصل ہیں اس پر اللہ کا بڑاانعام ہے)۔

حضراتِ صحابہ کرام ﷺ کی یہ قناعت اور سادگی ہی تو تھی کہ وہ اچھے اچھے کپڑوں اور عالی شان تعمیروں اور بہترین سواریوں میں سوار ہونے کو اپنی عزت کا معیار نہیں سمجھتے تھے، بلکہ سادگی اور سادہ لوحی کو اپنانے اور خود سادگی کو اپنا کر اپنے اموال کو کارِ خیر میں خرچ کرتے۔

حرص نہ کیجئے!

آدمی جب قناعت پسند ہوتا ہے، اس کے اندر مال کمانے کی حد سے زیادہ حرص نہیں ہوتی تو وہ آدمی معمولی چیز پر قناعت کر جاتا ہے، کثرتِ شوق اور طولِ امل (امیدوں کے لمبا کرنے) سے انسان قناعت کی نعمت سے محروم ہو جاتا ہے اور طمع وحرص کی گندگی میں مبتلا ہو جاتا ہے، جس کی وجہ سے وہ دیگر برائیوں کے کرنے پر آمادہ ہو جاتا ہے۔

اس لئے نبی کریم ﷺ نے فرمایا: ”لو كان لابن آدم واديان من ذهب لابتغى ورائهما ثالثا، ولا يملأ جوف ابن آدم إلا التراب، ويتوب الله علي من تاب“(۱) اگر انسان کے لئے سونے کے دو جنگل ہوں تو وہ ان کے بعد تیسرے کی جستجو کرے گا، ابن آدم کا پیٹ صرف مٹی سے بھر سکتا ہے اور جو شخص اللہ سے توبہ کرتا ہے تو اللہ توبہ قبول فرماتا ہے۔

اور ایک حدیث میں نبی کریم ﷺ نے فرمایا: ”منهومان لا يشبعان،

---

(۱) بخاری: حدیث: ۶۴۳۶

منهوم العلم، ومنهوم المال"(۱) دو حریص شکم سیر نہیں ہوتے، ایک علم کا حریص، دوسرا مال کا حریص۔

اور ایک جگہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: "يهرم ابن آدم، ويشب معه اثنتان الأمل وحب المال" (۲) انسان بوڑھا ہوجاتا ہے اور اسکی یہ دو خصلتیں جوان رہتی ہیں، آرزو، اور مال کی محبت۔

ألا أيها الناس أجملوا فى الطلب فإنه ليس لعبد إلا ما كتب له، لن يذهب عبد من الدنيا حتى يأتيه ما كتب له من الدنيا وہی راغمة (۳)

خبردار! اے لوگو! خوش اسلوبی سے مانگو بندے کو اتنا ہی ملتا ہے جتنا اس کی تقدیر میں ہوتا ہے اور کوئی بندہ اس وقت تک دنیا سے نہیں جائے گا جب تک کہ اس کو جس قدر دنیا اس کی قسمت میں لکھی مل نہ جائے۔

اور ایک جگہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: "إن روح القدس نفث فی روعی أن نفسا لن تموت حتى تستكمل رزقها، فاتقوا الله، وأجملوا فى الطلب" (۴) جبرئیل نے یہ بات دل میں ڈالی ہے کہ کوئی ذی نفس اس وقت تک نہیں مرے گا جب تک اپنا رزق پورا پورا نہ حاصل کرے گا، اس لئے اللہ سے ڈرو اور خوش اسلوبی سے مانگو۔

سمیط بن عجلان کہتے ہیں: اے انسان! تیرا پیٹ بالشت در بالشت ہے (چھوٹا) اس کے باوجود یہ تیرے پورے جسم کو دوزخ میں ڈلوا دیتا ہے۔ "إنما بطنك يا بن آدم شبرہ فی شبر، فلم يدخلك النار" (۵)

---

(۱) رواہ الطبرانی

(۲) بخاری

(۳) مستدرک

(۴) المستدرک

(۵) إحياء علوم الدين، كتاب ذم المال والبخل: ۱۴۱/۶

بنوامیہ کے کسی حکمراں نے ابوحازم کولکھا کہ اگر آپ کوئی ضرورت رکھتے ہوں تو مجھے لکھ بھیج دیجئے، ابوحازم نے جواب دیا کہ میں نے اپنی تمام ضرورتیں اپنے آقا کے سامنے رکھ دی ہیں جو وہ مجھے عطا کرتا ہے لے لیتا ہوں، اور جو نہیں دیتا اس سے قناعت کرتا ہوں۔ "قد رفعت حوائجي إلى مولاي، فما أعطاي منها، قبلت، وما أمسك عنّي۔۔۔ قنعت" (۱)

ایک اعرابی نے اپنے بھائی کو حرص پر ملامت کی اور کہا: اے بھائی! تو طالب بھی ہے اور مطلوب بھی، جو تیرا طالب ہے اس سے تو نہ بچ سکے گا اور جس کا تو طالب ہے یعنی رزق کا وہ تجھے مل کر رہے گا، یوں سمجھ کہ تیرا طالب (موت) اگرچہ نظروں سے اوجھل ہے ؛لیکن سامنے موجود ہے، اور اب تو جس حال میں ہے اس میں ہرگز نہیں رہے گا تمہیں یہ غلط فہمی تو نہیں کہ حریص محروم نہیں رہتا اور زاہد کو رزق نہیں ملتا:

أراك يزيدك الإثراء حرصا — على الدنيا كأنك لا تموت

فهل لك غاية إن صرت يومًا — إليها قلت حسبي قد رضيت

میں دیکھتا ہوں کہ مالدار نے دنیا کے سلسلے میں تیری حرص بڑھادی ہے گویا اب تجھے مرنا ہی نہیں ہے، کیا تیرے حرص کی کوئی انتہا بھی ہے، اگر کسی دن تجھے دنیا مل جائے تو کیا یہ کہہ سکتا ہے کہ بس میں اس پر راضی ہوں۔ (۲)

کسی دانا نے کہا ہے: انسان بھی عجیب چیز ہے اگر یہ اعلان کردیا جائے کہ اب تو ہمیشہ دنیا میں رہے گا، اس وقت جتنی حرص اسے ہوگی اس سے زیادہ اب ہے، حالانکہ زندگی انتہائی مختصر اور عمر محدود ہے، فنا ہونا یقینی ہے۔

"من عجيب أمر الإنسان أنه لو نودي بدوام البقاء في أيام الدنيا، لم يكن في قوى خلقته من الحرص على

(۱) إحياء علوم الدين، كتاب ذم المال والبخل: ۶/ ۱۴۲

(۲) إحياء علوم الدين، كتاب ذم المال والبخل: ۶/ ۱۴۳

الجمع أكثر مما قد استعمله مع قصر مدة التمتع وتوقع الزوال"(۱)

عبدالواحد بن زیند کہتے ہیں کہ میں نے ایک راہی کے پاس سے گذرا میں نے پوچھا: تمہیں کھانا کہاں سے ملتا ہے؟ اس نے جواب دیا جس ذات پاک نے دانتوں کی چکی بنائی وہی اس میں دانے ڈالتا ہے۔ "الذی خلق الرحي ہو یأتیها بالطحین، وأشار بیده إلی رحی اضراسه" (۲)

عبداللہ بن سلام نے حضرت کعب بن احبار سے پوچھا کہ علماء کے دلوں سے علوم کس طرح نکل جاتے ہیں، جب کہ وہ انہیں راسخ کرنے میں سخت ترین جدوجہد کرتے ہیں، انہوں نے جواب دیا، طمع، نفس کی ہوس اور حاجتوں کی طلب سے علوم دلوں سے مٹ جاتے ہیں، فضیل نے عرض کیا جناب کعب احبار کے قول کی وضات فرمائیں، انہوں نے کہا: آدمی ایک چیز کی حرص کرتا ہے اور اسے پانے کے لئے اپنا دین ضائع کرتا ہے، اور نفس کی ہوس کا یہ عالم ہوتا ہے کہ جہاں کوئی چیز پر نظر پڑی یہ خواہش ہوئی کہ اس کا مالک بن جاؤں، کسی چیز کا نہ ملنا اس کے لئے سخت تکلیف کا باعث ہوتا ہے، اپنی خواہشات کی تکمیل کے لئے کبھی کسی کے دروازے پر دستک دیتا ہے، کبھی کسی کا در کھٹکھٹاتا ہے جو شخص اس کی حاجت روائی کر دیتا ہے گویا اس کی تکمیل اپنے ہاتھ میں لے لیتا ہے جہاں چاہے لے جائے جس طرح چاہے کام لے، وہ سر نیاز خم کرتا ہے، راہ میں ملتا ہے تو سلام کرتا ہے، بیمار پڑتا ہے تو عیادت کرتا ہے لیکن نہ اس کا سلام اللہ کے لئے ہوتا ہے اور نہ عبادت اللہ کے لئے ہوتی ہے اس سے تو بہتر یہ تھا کہ اس کی ضرورت ہی نہ پڑتی۔ (۳)

---

(۱) إحياء علوم الدين، كتاب ذم المال والبخل: ۶/ ۱۴۱

(۲) إحياء علوم الدين، كتاب ذم المال والبخل: ۶/ ۱۴۶

(۳) إحياء علوم الدين، كتاب ذم المال والبخل: ۶/ ۱۴۶

ایک بادشاہ ووزیر

ایک بادشاہ نے اپنے وزیر کو کسی کارنامے پر انعام دینا چاہا، اس نے پوچھا کہ کیا انعام چاہتے ہو؟ وزیر نے زمین مانگی، بادشاہ نے مقدار طے کرنے کا یہ پیمانہ طے کیا کہ صبح صبح بغیر ناشتہ کے آجانا، جتنی دور تک دوڑ لگاؤ گے اتنی زمین تمہارے لئے الاٹ کردی جائے گی، وہ وزیر پوری تیاری کے ساتھ سویرے آیا، دوپہر تک دوڑ لگاتا رہا شام تک چلتا رہا، پھر سورج کے غروب ہونے تک زمین پر لوٹتا رہا، اندھیرا ہوتے ہوتے اس کی زندگی کا سورج غروب ہوگیا، سرکاری عہدے داروں نے تجہیز وتکفین کی، ہاتھ جھٹکتے ہوئے دربار میں آئے، بادشاہ نے پوچھا: کتنی زمین اس شخص کے حوالے کرنا ہے؟ کتنا دوڑا ہے وہ؟ سرکاری عملے نے کہا: پتہ نہیں وہ اتنا کیوں دوڑ رہا تھا، اسے تو صرف چار گز چاہئے تھے (یعنی قبر کے)۔

پتہ نہیں یہ سچا واقعہ ہے یا قصہ کہانی؛ مگر اکثر ریئل اسٹیٹ کے کاروباریوں کی زندگی کی سچی تصویر تو ہے، اتنا اپنے آپ کو نہ ڈوبئے کہ چار گز ہماری نگاہوں سے اوجھل ہوجائیں۔

ایک حیرت انگیز واقعہ

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہ واقعہ بیان فرمایا کہ: تم سے پہلے (زمانہ کے) لوگوں میں سے ایک شخص نے ایک دوسرے شخص سے زمین کا ایک قطعہ خریدا اور اس کو اپنے تصرف میں لایا، اتفاق کی بات کہ جس شخص نے زمین خریدی تھی، اس نے اپنی اس خرید کردہ زمین میں ایک ایسا گھڑا پایا جس میں سونا بھرا ہوا تھا، اس نے زمین بیچنے والے سے کہا کہ: تم اپنا یہ سونا لے لو؛ کیونکہ میں نے تو صرف زمین خریدی تھی، یہ سونا میں نے نہیں خریدا تھا، بیچنے والے نے کہا کہ: میں نے تمہارے ہاتھ صرف زمین ہی نہیں بیچی تھی؛ بلکہ ہر وہ چیز بیچ دی تھی جو اس زمین میں ہے؛ اس لئے یہ سونا بھی تمہارا ہے اسے تم ہی رکھو؛ مگر خریدار اس پر تیار نہ ہوا؛ یہاں تک کہ

دونوں اپنا معاملہ ایک شخص حاکم وثالث کے پاس لے گئے، اس حاکم نے واقعہ کی تفصیل سن کر ان دونوں سے پوچھا کہ: تم دونوں کے ہاں اولاد کیا ہے؟ ان میں سے ایک نے تو کہا کہ: میرے ہاں لڑکا ہے اور دوسرے نے کہا کہ: میرے ہاں لڑکی ہے، حاکم نے یہ سن کر کہا کہ اس لڑکے کا نکاح لڑکی سے کر دو اور اس سونے کو ان دونوں پر خرچ کرو اور پھر جو کچھ بچے اسے اللہ تعالی کے راستے میں خرچ کر دو۔ "أنكحوا الغلام الجاريةَ وأنفِقُوا على أنفسِهما منه وتصدّقا" (۱)

یہ واقعہ حضرت داود علیہ السلام کے زمانہ کا ہے جیسا کہ بعض علما نے کہا ہے کہ ان دونوں نے جس شخص کو اپنا حاکم وثالث بنایا تھا وہ حضرت داوٗد علیہ السلام تھے چنانچہ حضرت داود علیہ السلام نے صدورِ فیصلہ میں کمالِ ذہانت وذکاوت کا ثبوت دیا اور ایسا معتدل ومعقول فیصلہ دیا کہ جو نبوت ہی کا خاصہ ہوسکتا ہے۔ (۲)

اپنا دینی وقار مجروح نہ کیجئے

علامہ علجونی رحمہ اللہ نے ''الفوائد الدراری'' میں طالبِ علمی کے زمانے میں امام بخاری کے ساتھ پیش آنے والا ایک واقعہ بیان کیا ہے کہ وہ لکھتے ہیں کہ ایک دفعہ امام بخاری بحری سفر کر رہے تھے، زادِ راہ کے طور پر ان کے پاس ایک ہزار دینار تھے، کشتی میں سوار ایک شخص نے آپ سے بڑی عقیدت ومحبت کا اظہار کیا، اس کا حسن سلوک دیکھ کر آپ بھی اس سے بڑی الفت سے پیش آئے حتی کہ وہ باتوں باتوں میں آپ اس سے یہ کہہ بیٹھے کہ میرے پاس ایک ہزار دینار ہیں، یہ سنتے ہی وہ آپ کے یہ ہزار دینار ہتھیانے کے حربے سوچنے لگا، بالآخر اس نے ایک بہت بڑا ڈرامہ رچایا ہوا یوں کہ ایک دن وہ شخص نیند سے بیدار ہوتے ہی رونے اور چیخنے چلانے لگا، اس نے اپنے کپڑے پھاڑ ڈالے، اپنے چہرے اور سر کو پیٹا اور ایک ہنگامہ کھڑا کر دیا، کشتی میں سوار دوسرے لوگوں

---

(۱) صحیح البخاری، باب حدیث الغار، حدیث: ۳۴۷۲

(۲) مرقاۃ المفاتیح، باب المنھی عنھا من البیوت: ۱۹۴۶/۵، دارالفکر، بیروت۔

نے اس کی یہ کیفیت دیکھی تو بڑے حیران ہوئے، اس سے رونے کا سبب پوچھا، مگر وہ مسلسل روئے جارہا تھا، لوگوں نے اصرار کیا تو نے اس نے بتایا کہ میری ایک تھیلی گم ہوگئی ہے، اس میں ایک ہزار دینار تھے۔

لوگوں نے کشتی میں سوار ایک ایک فرد کی تلاشی لی، اس دوران امام بخاریؒ نے چپکے سے اپنا بٹوہ دیناروں سمیت سمندر کی نذر کردیا، تلاشی لینے والوں نے امام بخاری کا سامان بھی ٹٹولا؛ لیکن وہ تھیلی نہ ملی، اس طرح کشتی میں سوار تمام لوگوں کی تلاشی لی گئی؛ مگر وہ ایک ہزار دینار نہیں ملے، لوگوں نے اس شخص کی سخت سرزنش کی کہ اس نے جھوٹ بول کر خواہ مخواہ تمام مسافروں کو پریشان کیا۔

جب کشتی کنارے جا لگی اور لوگ کشتی سے اتر کر اپنی منزل کو چل دیے تو مذکورہ شخص آپ کے پاس آیا، پوچھنے لگا کہ آپ نے ان ایک ہزار دیناروں کا کیا کیا؟ آپ نے فرمایا کہ: ''میں نے وہ سمندر میں پھینک دیئے، یہ جواب سن کر وہ بولا: آپ نے اتنی بڑی رقم کو ضائع کرنا کیسے گوارہ کیا؟ آپ نے فرمایا: تجھے کیا معلوم میری امانت ودیانت داری کو خوب جانتے ہیں، بھلا میں کیسے برداشت کرلیتا کہ ایک ہزار دینار کی خاطر اپنے آپ پر چوری کی تہمت لگواؤں، دیانت اور امانت داری کا جو بے بہا موتی مجھے زندگی میں میسر آیا تھا، کیا میں اسے چند ٹکوں کے عوض گنوا دیتا۔(۱)

جھوٹ اور مکر نہ کیجئے!

جھوٹ اور دھوکہ دہی یہ اعتماد کو ختم کردیتے ہیں، آدمی پر بھروسہ نہیں کیا جاتا، اس لئے اعتماد کو ٹھیس پہنچانے والا کوئی ایسا عمل خرید وفروخت میں نہ کرے، بیچی جانے والی چیز پوری وضاحت کے ساتھ اچھی طرح بتلائے۔

طبرانی نے معجم کبیر و معجم صغیر میں یہی واقعہ حضرت ابومسعود ﷜ سے روایت کیا

---

(۱) **الفوائد الدراری للعجلونی**، دیکھئے: سیرۃ البخاری، از مبارک پوری: ۶۰-۶۱، سیرت امام بخاری ؒ: ۲۶۸-۲۶۹، دارالسلام، ریسرچ سنٹر

ہےاوراس کے آخر میں ان الفاظ کا اضافہ ہے "وَالمکرُ والخدَاعُ فِی النّارِ" (۱)
اس طرح کی دغابازی اور دھوکہ دہی کا انجام دوزخ ہے۔

حضرت واثلہ بن اسقع رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے اللہ کے رسول اللہ ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا جس نے عیب دار چیز عیب ظاہر کئے بغیر فروخت کی وہ مسلسل اللہ کی ناراضگی میں رہے گا اور فرشتے اس پر لعنت کرتے رہیں گے "لم یزَلْ فِیْ مَقْتِ اللہ أَوْ لم تزَلْ الملآئِکَۃُ تلْعَنُہ" (۲)

فروخت کنندہ زمین وغیرہ کے ظاہری اور پوشیدہ عیوب ہوں تو عیوب کا چھپانا یہ ظلم، دھوکہ دہی اور حرام ہے، مثلا رجسٹری پیپرس میں گڑبڑ، یا کم قیمت والی زمین کو بڑھ چڑھ کر زیادہ قیمت والی بتانا، فروخت کنندہ چیز کی حد سے زیادہ مبالغہ کے ساتھ تعریف اس طرح کرنا کہ سامنے والا لینے پر مجبور ہوجائے یہ ساری چیزیں رزق میں اضافہ کا سبب نہیں بلکہ بے برکتی کی وجہ بنتی ہیں، ایک واقعہ بیان کیا جاتا ہے ایک شخص کے پاس ایک گائے تھی جس کا دودھ وہ دوہا کرتا اور اس میں پانی ملا کر بیچا کرتا ایک دفعہ سیلاب آیا جس میں اس کی گائے بہہ گئی تو اس کے لڑکے نے کہا: "تلك المتفرّقة التی صببنا فی اللبین اجتمعت دفعة واحدة، وأخذت البقرة" (۳)

ابن سیرین رحمہ اللہ نے بکری فروخت کی اور خرید نے والے سے فرمایا: میں اس میں

---

(۱) صحیح ابن حبان، باب الصحبة والمجالسة، حیدث: ۵۶۷، محقق شعیب ارنوؤط نے اس روایت کو حسن کہا ہے۔

(۲) ابن ماجه: باب من باع عیبا فلیبنه، حدیث: ۲۲۴۷، علامہ بوصیری مصباح الزجاجة: ۲/۱۷ میں فرماتے ہیں: یہ سند بقیة بن الولید کی وجہ سے ضعیف ہے اوران کوان کے شیخ نے ضعیف کہا ہے، میں کہتا ہوں: اس کو ابوبکر بن شیبہ نے طویل زیادتی کے ساتھ ذکر کیا ہے، جیسا کہ میں" زوائد المسانید العشرة میں ابو سباغ عن واثلة بن الاسقع کی روایت سے نقل کیا ہے۔

(۳) احیاء علوم الدین، کتاب آداب الکسب والمعاش: ۲/۷۷، جس پانی کو ہم نے دودھ میں ملایا وہ اکٹھا ہوکر دفعۃ گائے کو لے کر چلا گیا۔

موجود ہر عیب سے بری ہوں، یہ اپنے پیر سے چارہ کو الٹ پلٹ کرتی ہے "أنها تقلّب العلف برجلها" (۱)

دھوکہ اور جھوٹ میں یہ بھی داخل ہے کہ سامان کی حد سے زیادہ تعریف کی جائے؛ کیوں کہ سامان ان صفات اور خوبیوں کا حامل نہیں تو وہ جھوٹ اور دھوکہ ہے، اس لئے سامان کی اتنی ہی تعریف کرے جتنی خوبی اس میں موجود ہے، اور قسم کھانے سے پرہیز کرے، حدیث میں "وَيْلٌ لِلتَّاجِرِ مِنْ، بَلَى وَاللهِ، وَلَا وَاللهِ" (اس تاجر کے لئے ہلاکت اور بربادی ہے جو اللہ کی قسم، اللہ کی قسم کہے) اور ایک روایت میں ہے: تین اشخاص ایسے ہیں جن کی جانب اللہ نظر نہ کریں گے، ایک تکبر کرنے والا، دوسرا دے کر احسان جتلانے والا، تیسرا اپنے سامان کو قسم کے ذریعے بیچنے والا" "وَمُنَفِّقُ بِسِلْعَتِهِ بِيَمِينِهِ" بخاری کے الفاظ ہیں: "الحلفُ مُنَفِّقَةٌ لِلسِّلْعَةِ مُمحِقَةٌ لِلْبَرَكَةِ" (۲)

کسی کمی اور عیب کو نہ چھپاؤ

اگر فروخت کردہ چیز میں کسی قسم کا کوئی عیب ہو اگر وہ اس کو ظاہر کرتا ہے تو خریدار اس کو نہ خریدتا تو ایسے عیب کو چھپا کر بیچنا حرام ہے۔

حضرت عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا: مسلمان مسلمان کا بھائی ہے، کسی مسلمان کے لئے حلال نہیں کہ اپنے بھائی سے سامان کی کسی ایسی بات کو چھپائے کہ وہ جان لیتا تو نہ خریدتا چھوڑ دیتا۔

"المسْلِمُ أَخُوْ المسْلِمِ لَا يَحِلُّ لمسْلِمٍ أن يُغَيِّبَ ما بسِلْعَتِهِ عَنْ أَخِيْهِ إِنْ عَلِمَ بِهَا تَرَكَهَا" (۳)

(۱) احیاء علوم الدین، کتاب آداب الکسب والمعاش: ۲/۷۷

(۲) بخاری، باب السہولة والسماحة فی الشراء، حدیث: ۱۹۸۱

(۳) مسند احمد، حدیث عقبہ بن عامر، حدیث: ۱۷۴۵۰، محقق شعیب الارنوط فرماتے ہیں: یہ حدیث حسن ہے، اس کی سند ابن لہیعہ کی وجہ سے ضعیف ہے، اور اس کے توابع موجود ہیں اور اس سند کے باقی رجال ثقہ وصحیح کے رجال ہیں۔

عام طور پر بیچنے والا کوئی کمی یا نقص سامان میں ہوتا ہے جس سے اسے اندیشہ ہوتا ہے کہ اگر اس کو پتہ چل جائے گا تو نہ لے گا اور ہمارا سامان پڑا رہے گا تو اسے چھپا دیتا ہے ظاہر نہیں کرتا، گویا کہ دھوکہ دے رہا ہے، یہ حرام ہے، اسے عیب بتادو، ظاہر کردو، جاننے کے بعد خواہ کم دام میں سہی خریدے تو یہ جائز ہے، بتانے کے بعد دھوکے کا گناہ نہ ہوگا۔

اگر چاہو تو جس سے خریدو اس کو واپس لینے کا اختیار دیدو سنت ہے۔

حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ آپ ﷺ نے ایک دیہاتی شخص کو بیچنے کے بعد واپسی کا اختیار دیا تھا" أَنَّ النَّبِيَّ صلى الله عليه وسلم خَيَّرَ أَعْرَابِيًّا بَعْدَ الْبَيْعِ "(۱)

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایک دیہاتی شخص سے اونٹ خریدا تھا اس کو آپ نے یہ فرمادیا تھا کہ اگر تمہارا من چاہے کہ اونٹ واپس لے لو تو تم کو اختیار ہے واپس لینا میں واپس کردوگا یعنی یہ افسوس نہ کرنا کہ اچھا اونٹ ہاتھ سے نکل گیا۔

جب دونوں طرف سے بات طے اور مکمل ہوجائے تو پھر اختیار ختم ہوجاتا ہے، مگر بیچنے کے بعد کوئی شخص کسی وجہ سے واپس کرنا چاہے تو واپس لے لینا چاہئے، یہ کہنا بہتر نہیں کہ واپس نہیں لوں گا، اس کا بڑا ثواب ہے، اس میں رعایت ہے اور اللہ پاک اپنے بندوں کے ساتھ رعایت سے بہت خوش ہوتے ہیں۔

عیب ظاہر کر کے بیچنے میں برکت ہے

کسی نیک شخص نے اپنے نوکروں کو ہدایت دے رکھی تھی کہ وہ لوگوں کو سامان میں عیب ہو تو بتلادیں، اگر عیب ہوتا وہ بتلا دیتے، ایک دفعہ ایک یہودی عیب زدہ کپڑا لے کر چلا گیا، دکان والے صاحب اس وقت موجود نہ تھے، انہیں آنے پر پتہ چلا تو پوچھا کہ وہ کپڑا تو عیب دار تھا، کیا تم نے عیب کے متعلق اطلاع دی تھی؟ اس نوکر نے کہا: نہیں تو وہ

(۱) ترمذی، باب، حدیث: ۱۲۴۹، امام ترمذی فرماتے ہیں: یہ حدیث حسن غریب ہے۔

اس یہودی کی تلاش میں ایک قافلہ کے ساتھ چلے گئے اور انہوں نے قافلہ کو تین دن کے بعد پالیا، اس یہودی سے مل کر عیب زدہ کپڑے کی خریداری کے متعلق پوچھا اور اس سے کہا: یہ تمہارے درہم لے لو اور میرا کپڑا واپس کردو۔

یہودی نے کہا: تم یہ کپڑا واپس لینے کیوں آئے؟ تو اس آدمی نے کہا: اسلام اور رسول اللہ ﷺ کا یہ ارشاد کہ "مَنْ غشَّ فلَيْسَ مِنَّا" (جو دھوکہ دے ہم میں سے نہیں) اس کی خاطر میں یہاں چلا آیا)۔

یہودی نے کہا: میں نے جو دراہم دیئے تھے وہ کھوٹے اس کے بدلے تین ہزار صحیح درہم لے لو اور اس سے مزید یہ کہ میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور محمد ﷺ اللہ کے بندے اور اس کے رسول اللہ ﷺ ہیں۔

خرید وفروخت میں فسخ کا اختیار

خرید وفروخت کے معاملہ میں دونوں فریق (بیچنے والے اور خریدنے والے) یا دونوں میں سے کوئی ایک یہ شرط کرلے کہ ایک دن یا دو تین دن تک مجھے اختیار ہوگا کہ میں چاہوں تو اس معاملہ کو فسخ کردوں تو شرعاً جائز ہے، اور شرط کرنے والے فریق کو فسخ کردینے کا اختیار ہوگا، فقہ اور شریعت کی اصطلاح میں اس کو "خیارِ شرط" کہا جاتا ہے، اس کا حدیث میں صراحۃً ذکر ہے اور اس پر فقہاء کا اتفاق ہے، امام شافعی اور بعض دوسرے ائمہ کے نزدیک اس طرح کی شرط اور قرارداد کے بغیر بھی فریقین کو معاملہ فسخ کرنے کا اس وقت تک اختیار رہتا ہے جب تک وہ دونوں اسی جگہ رہیں جہاں سودا طے ہوا، لیکن اگر کوئی ایک بھی اس جگہ سے ہٹ جائے تو یہ اختیار ختم ہوجائے گا، اس کو فقہ کی زبان میں "خیارِ مجلس" کہا جاتا ہے۔

امام ابوحنیفہ اور دوسرے ائمہ اس "خیارِ مجلس" کے قائل نہیں ہیں، اس بارے میں ان کا مسلک یہ ہے کہ خرید وفروخت کی بات جب فریقین کی طرف سے بالکل طے ہوگئی اور سودا پکا ہوگیا اور لین دین بھی ہوگیا تو اگر پہلے سے کسی فریق نے بھی فسخ کے اختیار کی

شرط نہیں لگائی ہے تو اب کوئی فریق بھی یک طرفہ طور پر معاملہ فسخ نہیں کرسکتا، ہاں باہمی رضامندی سے معاملہ فسخ کیا جاسکتا ہے، جس کو شریعت کی اصطلاح میں ''اقالہ'' کہتے ہیں۔

حضرت عبداللہ بن عمر ﷛ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا بائع (بیچنے والا) اور مشتری (خریدنے والا اور بیچنے والا) ہر دو کو اختیار ہے جب تک کہ دونوں جدا نہ ہوئے ہو (بدنی اعتبار سے نہیں بلکہ معاملاتی اور قولی علاحدگی مراد ہے) مگر یہ کہ اختیار کی بیع ہو۔ "إِلَّا بَيْعَ الْخِيَارِ" (۱)

حضرت عمرو بن شعیب اپنے والد سے اور وہ ان کے دادا سے نقل کرتے ہیں کہ جدائی تک بیچنے اور خریدنے والے کو اختیار ہے البتہ اگر بیع میں خیار کی شرط لگائی ہو تو بعد میں بھی اختیار باقی رہتا ہے پھر ان میں سے کسی کے لیے بھی یہ جائز نہیں کہ دوسرے سے اس لیے جلدی مفارقت اختیار کرے کہ کہیں وہ بیع فسخ نہ کردے" أَنْ يُفَارِقَ صَاحِبَهُ خَشْيَةَ أَنْ يَسْتَقِيلَهُ" (۲)

خیارِ عیب کی اہمیت

خرید وفروخت کا معاملہ فسخ کرنے کے اختیار کی دو صورتوں کا ذکر ہو چکا، ایک ''خیار شرط'' دوسرے ''خیار مجلس'' ایک تیسری شکل یہ ہے کہ خریدی ہوئی چیز میں کوئی عیب معلوم ہو جائے جو پہلے معلوم نہیں تھا، اس صورت میں بھی خریدار کو معاملہ فسخ کرنے کا اختیار ہوگا، اس کی ایک مثال وہ ہے جو حضرت عائشہ ﷝ کی مندرجہ ذیل روایت ہے:

حضرت عائشہ ﷝ کی روایت ہے کہ ایک مرد نے غلام خریدا اسے کام میں لگایا

---

(۱) بخاری: باب إذا كان البايع بالخيار هل يجوز، حدیث: ۲۰۰۷

(۲) ترمذی: البيعين بالخيار مالم يتفرقا، حدیث: ۱۲۴۷، امام ترمذی نے اس روایت کو حسن کہا ہے۔

پھراس میں عیب دیکھا تو واپس کر دیا۔فروخت کنندہ نے عرض کیا اے اللہ کے رسول اس نے میرے غلام کو کام میں لگا کر فائدہ اٹھایا تو اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا نفع ضمان کے ساتھ مربوط ہے: "اَلخَرَاجُ بِالضَّمَانِ" (۱) یعنی نفع کا مستحق وہی ہے جو نقصان کا ضامن ہے۔

خیارِ رؤیت کے فوائد

اگر کوئی چیز بغیر دیکھے خریدے تو اس کو خیارِ رؤیت حاصل ہوگا اگر دیکھ کر چاہے تو خرید لے یا رد کر دے، اور یہ خیار رد کرنے سے رد نہ ہوگا، بلکہ دیکھنے کے بعد پسند اور پسند کی صوابدید پر موقوف ہوگا۔

☆ حضرت ابوہریرہ ؓ سے مروی ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا: جس نے کوئی سامان خریدا اور اسے دیکھا نہیں تھا تو اسے دیکھنے کے بعد اختیار رہے گا (پسند ہو تو رکھ لے ورنہ واپس کر دے) "مَنِ اشْتَرىٰ شَيْئًا لَمْ يَرَهُ فَهُوَ بِالخِيَارِ اِذَارَاٰهُ" (۲)

مطلب یہ ہے کہ خریدار نے جلدی میں یا کسی وجہ سے دیکھا نہیں پھر خریدنے کے بعد اس نے دیکھا کہ کمی ہے یا ایسی بات پائی جس سے وہ راضی نہیں تو اس کو واپس کرنے کا حق ہوگا، اور دکاندار کو چاہیئے کہ وہ واپس کر لے یہ نہیں کہے کہ بکنے کے بعد واپس نہیں ہوگا، شریعت نے واپسی کا حق دیا ہے، اس کے حق کو پامال اور ضائع نہ کرو، ہاں اگر وہ سامان پیک تھا، اور اوپر میں سامان کی نوعیت اور اس کی پوری تفصیل لکھی تھی اس نے پڑھ لیا پھر لیا تو دیکھنے کے حکم میں ہے، اس طرح بند سامان تھا اسے کھول دیا یا سیل کو توڑ دیا تو واپسی کا اختیار نہ ہوگا کہ اس میں بائع کا ضرر اور نقصان ہے، اسی طرح

---

(۱) ترمذی: فیمن یشتری العبد ویستغلہ، حدیث: ۱۲۸۵، امام ترمذی نے اس روایت کو حسن صحیح کہا ہے۔

(۲) دارقطنی، کتاب البیوع، حدیث: ۸، دارقطنی کہتے ہیں: یہ مرسل ہے اور ابوبکر بن ابی مریم یہ ضعیف ہیں۔

اگر سامان خراب کر دیا، کچھ کر دیا جس کی وجہ سے اس کی قیمت پر اثر پڑا تو بھی خریدار کو حق ہے کہ واپس نہ لے۔

پس اے تاجرو! کسی نے بغیر دیکھے سمجھے سامان خرید لیا اور سامان اسی طرح ہے، جیسا خریدا تھا تو واپس کرلو یہ نہ کہو کہ بکنے کے بعد واپس نہ ہوگا، مذہبِ اسلام میں ایسا نہیں ہے۔

مسلمانوں کا یہ طریقہ ہونا چاہئے کہ اگر انتظامی کوئی دشواری نہ تو ضرور دیکھنے کے بعد اختیار دے، عیب نکلنے پر واپس لے لیں، ایسا ہوسکتا ہے کہ پہلے کہہ دیا جائے کہ جو دیکھنا ہے اچھی طرح دیکھ لیجئے ، بعد میں میری کوئی ذمہ داری نہیں ہوگی، لیکن اخلاق واحسان کا تقاضہ یہ ہے کہ خیر خواہی کا جذبہ غالب رہے، انسانیت کا بھلا کرنے کا ارادہ ہو، پیسوں کی مقدار سے زیادہ برکت حاصل ہونی چاہئے ، سامان بیچنے سے زیادہ دل جیتنا ہمارا مقصود ہو۔

بھاؤ پر بھاؤ مت لگاؤ

ایک خریدار کی بات چیت چل رہی ہے، ابھی معاملہ لینے نہ لینے کا طے نہ ہوا ہو، تو دوسرے شخص کے لئے جائز نہیں کہ بیچ میں مداخلت کر کے بھاؤ لگائے ، رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: "لا يسوم المسلم على سوم أخيه" (۱) علامہ نووی فرماتے ہیں کہ بائع اور مشتری ایک قیمت پر متفق ہو چکے ہوں پھر کوئی آ کر کہے کہ میں اس مبیع کو خریدتا ہوں تو یہ حرام ہے۔

اس سے دوستیاں اور تعلقات خراب ہوتے ہیں، دشمنیاں پیدا ہوتی ہیں، اس سے بالخصوص احتیاط کرنا چاہئے۔

اقالہ کی فضیلت

کبھی ایسا ہوتا ہے کہ دو شخصوں کے درمیان کسی چیز کی بیع کا معاملہ ہوا اور فریقین

---

(۱) مسلم، حدیث: ۱۵۱۵

کی طرف سے بات بالکل ختم ہوگئی، لین دین ہو چکا، اس کے بعد کسی ایک نے اپنی مصلحت سے معاملہ فسخ کرنا چاہا، مثلاً خریدار نے جو چیز خریدی تھی، اس کو واپس کرنا چاہا، بیچنے والے نے اپنی چیز واپس لینی چاہئے تو اگرچہ قانون شریعت کی رو سے دوسرا فریق مجبور نہیں ہے کہ اس کے لئے راضی ہو، لیکن رسول اللہ ﷺ نے اخلاقی انداز میں اس کی اپیل کی ہے اور اس کو بہت بڑی نیکی قرار دیا ہے، شریعت کی زبان میں اس کو" اقالہ" کہتے ہیں:

☆ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا: جو کسی مسلمان کے بکے ہوئے سامان کو واپس کرلے کل قیامت کے دن اللہ پاک اس کے گناہوں کو معاف فرمائے گا " مَنْ أَقَالَ مُسْلِمًا أَقَالَهُ اللهُ عَثْرَتَهُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ" (۱)

☆ اور ایک روایت میں ہے کہ " مَنْ اَقَالَ نَادِمًا بَيْعَتَه أَقَالَ الله عَثْرَتَهُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ" (۲) جو شخص بیع پر نادم ہونے والے شخص سے کیا جانے والا معاہدہ ختم کرے گا تو اللہ تعالیٰ قیامت کے دن اس کی لغزشات سے درگذر کریں گے۔

☆ ابو شریح رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا: جو اپنے بھائی کی خریدی ہوئی چیز کو واپس کرے قیامت کے دن اللہ پاک اس کے گناہ کو واپس یعنی معاف کردیگا" "مَنْ أَقَالَ أَخَاهُ أَقَالَهُ اللهُ عَثْرَاتَهُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ" (۳) اس لئے اے تاجرو! اے دکاندارو! یہ نہ کہو خریدنے کے بعد واپس نہ ہوگا اور نہ لکھ کر دکان میں لگاؤ کہ یہ ہماری شریعت میں پسندیدہ بات نہیں۔

---

(۱) ابو داؤد: باب فضل الإقالة، حدیث: ۳۴۶۲، علامہ منذری فرماتے ہیں: اس کو ابوداود، ابن ماجہ، ابن حبان اور حاکم نے روایت کیا ہے اور حاکم نے اسے صحیحین کی شرط پر صحیح کہا ہے۔

(۲) کشف الخفاء، حدیث: ۲۳۸۳

(۳) المعجم الأوسط، أول الكتاب، حدیث: ۸۸۹، منذری نے ترغیب میں کہا ہے کہ اس کو طبرانی نے اوسط میں روایت کیا ہے اور اس کے رواۃ ثقہ ہیں اور علامہ ہیثمی نے مجمع الزوائد میں یہی کہا ہے۔

کاروبار اور بھی ہیں

انسانی ضروریات کی ایک طویل فہرست ہے، عالمی اور مقامی ایک وسیع میدان ہے، کاروبار کے نت نئے حیرت انگیز طریقے پیدا ہوتے جارہے ہیں، لیکن مسلم معاشرہ اور آج کل تجار سارے کاروبار اور میدان چھوڑ کر ریئل اسٹیٹ کے کاروبار میں ایسے گھستے جارہے ہیں کہ اپنوں اور غیروں میں بدمزگی پیدا ہورہی ہے، مسابقتی جذبہ نے جھوٹ، خیانت سے بھی نہیں بچنے دیا، روزی کے دروازے اور بھی ہیں، ان میں بھی قسمت آزمائی کی جاسکتی ہے، مہینوں کاہلی اور فراغت میں گذارنا مناسب نہیں، ہر کاروبار میں مسلم قوم کو حصہ لینا چاہئے، ملک ومعاشرہ کی تعمیر میں سارے شعبوں پر نظر رکھنی چاہئے، اس شخص کی طرح نہ کریں جو چہل قدمی (Walking) دوسرے کو پیچھے کرنے کے لئے اپنے گھر سے بھی آگے نکل گیا۔

❁❁❁❁❁❁

ایک مشفقانہ ہدایت

مکان باغ یا کاشت کی زمین جیسی غیر منقولہ چیزوں کی یہ خصوصیت ہے کہ نہ ان کو کوئی چرا سکتا ہے نہ ان پر اس طرح کے دوسرے حادثے آسکتے ہیں جو اموالِ منقولہ پر آتے ہیں دانش مندی کا تقاضا یہ ہے کہ بغیر کسی خاص ضرورت اور مصلحت کے ان چیزوں کو فروخت نہ کیا جائے اور اگر فروخت کیا جائے تو بہتر یہ ہوگا کہ اس قیمت سے کوئی غیر منقولہ جائیداد ہی خریدی جائے۔رسول اللہ ﷺ کو امت کے حال پر شفقت تھی اس کی بنا پر آپ ﷺ نے اس طرح کے مشورے بھی دیئے ہیں۔مندرجہ ذیل حدیث اسی قبیل سے ہے۔

"عن سعيد بن حُرَيب قال: سمعتُ رسولَ اللهِ صلي الله عليه وسلم يَقُوْلُ: مَنْ بَاعَ دَارًا أَوْ عَقَارا فَلَمْ يَجْعَلْ ثَمَنَهُ فِيْ مِثْلِهِ، كَانَ قَمِنًا اَنْ لَايُبَارَكَ فِيْهِ" (۱)

حضرت سعید بن حریث ؓ سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا آپ ﷺ فرماتے تھے کہ تم میں سے جو کوئی اپنا گھر یا جائداد بیچے تو سزاوار ہے کہ اس کے اس عمل میں برکت و فائدہ نہ ہو۔البتہ اگر وہ اس کی قیمت کو اسی طرح کی کسی جائیداد میں لگا دے تو پھر ٹھیک ہے۔

(۱) سنن ابن ماجة: باب من باع عقارا ولم يجعل ثمنه فی مثله، حدیث نمبر: ۲۴۹۰

تشریح ..... جیسا کہ اوپر تمہید میں عرض کیا گیا کہ حضور ﷺ کے اس ارشاد کی حیثیت ایک مشفقانہ ہدایت اورمشورہ کی ہے۔(یہ شرعی مسئلہ نہیں ہے)۔اللہ تعالی ہم امتیوں کوحضور ﷺ کے اس طرح کے مشفقانہ مشوروں، بلکہ اشاروں پر بھی چلنے کی توفیق عطافرمائے۔

❁❁❁❁❁❁

اسلام اور پختگی معاملہ

خرید وفروخت، مضاربت ومشارکت، قرض کا لین دین، ٹھیکیداری اور دلالی کے مسائل میں ہمیشہ الجھن اور پیچیدگی اس وقت پیدا ہوتی ہے، جب وہ معاملہ الجھاؤ ابہام اور غیر واضح ہوتا ہے، کبھی بھائی ہونے کا لحاظ یا دوستی پُرانے ہونے کی دہائی دے کر لکھت پڑھت نہیں کی جاتی ہے، کبھی جلد بازی میں کبھی رشتہ داری میں دستاویزی کاروائی نہیں کی جاتی، مال کی محبت کس میں نہیں، پھر مہینوں سالوں میں وہ کام اختتام کو نہیں پہنچتا جو ابتداءً تحریر کر لینے سے بآسانی حل ہوسکتا تھا، بار بار بیٹھکوں اور مقدمہ بازیوں سے آسان یہ ہے کہ پہلے ہی وضاحت کے ساتھ تحریر میں لالیا جائے، ہرگز تاخیر نہ کریں، نیت بدلنے کو کتنی دیر لگتی ہے، نفس وشیطان لگے ہوئے ہیں، کسی عُذر کو خاطر میں نہ لایا جائے، ہر ممکنہ منفی پہلو سے احتیاط و پرہیز کو لکھ لیا جائے۔

صفائی معاملہ کی ہی تو بات ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے سفر ہجرت کے موقعہ پر حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے دو اونٹنیاں پیش کیں تو آقا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: تولیہ بیچ دو (وَلّنِیْ) بغیر نفع کے دیجیئے مگر بلا قیمت نہیں لے سکتا، مسجد نبوی کی تعمیر کے لئے سہل وسہیل یتیم بچوں کی زمین بلا قیمت لینا انہوں نے گوارہ نہیں کیا۔

یہ قرآن کا اعجاز ہے کہ جس زمانے میں مکہ مکرمہ میں چند گیارہ کے قریب لکھنا جاننے والے لوگ تھے، قرآن اس زمانے میں اپنے معاملات کو ضبطِ تحریر میں لانے کا حکم دے رہا ہے۔

اتنا تو لکھ لیجئے کہ اگر کوئی جھگڑا ہوتا ہے تو دار العلوم دیوبند یا فلانے معتبر ادارہ یا فلانے مفتی صاحب کا فیصلہ ہمارے لئے آخری فیصلہ ہوگا، اس کے باوجود بھی تنازعہ کھڑا ہوتا ہے تو اللہ کے لئے ضد اور ہٹ دھرمی چھوڑیئے، معاف کردیجئے، انتقامی کاروائی میں اپنے مال واعمال، صحت وقوت کو ہرگز برباد نہ کیجئے، ورنہ فریقین کے جنازے اٹھ جاتے ہیں، تصفیہ نہیں ہوتا، نسلیں گذرجاتی ہیں نفرتیں ختم نہیں ہوتی، نادانوں کی عدالتوں میں خون تک صاف ہوجاتا ہے، مگر انصاف نہیں ملتا۔

زمین وجائیداد کے حوالہ سے آدمی کو چوکنا رہنا چاہئے، اس حوالے سے جو بھی دستاویز اور اس معاملہ کی پختگی پر دلالت کرنے والی قانونی امور ہوسکتے ہیں، ان کو اختیار کرنا اور قانون کے دائرہ میں رہ کر زمین کو خریدنا اور معاملہ کو پختہ کرنا ضروری ہے، تاکہ دھوکہ، فراڈ وغیرہ کا موقع نہ رہے، اور بعد میں زمین میں معاملہ کی عدم پختگی کی وجہ سے کمی کوتاہی نہ رہ جائے اور لوگوں کی جعل سازی اور دھوکہ دہی کے شکار نہ ہوجائیں، اسلئے اسلام نے معاملہ کے دونوں فریق کے لئے صفائی معاملہ پختگئ معاملہ کے لئے چند ایک امور کی نشاندہی کی ہے۔

دیکھا گیا ہے کہ ۶۰ رفیصد جھگڑے لکھت پڑھت نہ کرنے یا صاف اور واضح طور پر نہ کرنے کی وجہ سے ہوتے ہیں، تحریری دستاویز محبت کے ماحول میں تیار کرلینا آسان ہے بعد میں جھگڑے کے ماحول میں طویل مقدمہ بازیوں اور الجھنوں کے مقابلے میں۔

اسلام میں پختگی معاملات کی کئی ایک شکلیں ہیں:

۱۔تحریر وکتابت

اس سلسلے میں عظیم آیت وارد ہوئی، یہی اصولی آیت ہے جس کو آیت دَین کہا جاتا ہے، جس کا پیچھے ذکر گذر چکا۔

۲۔رہن

آیت دین اور قرض کے بعد دوسری آیت اسی حوالے سے ہے:

وَاِنْ كُنْتُمْ عَلٰى سَفَرٍ وَّلَمْ تَجِدُوْا كَاتِبًا فَرِهٰنٌ مَّقْبُوْضَةٌ ؕ فَاِنْ اَمِنَ بَعْضُكُمْ بَعْضًا فَلْيُؤَدِّ الَّذِى اؤْتُمِنَ اَمَانَتَهٗ وَلْيَتَّقِ اللّٰهَ رَبَّهٗ ؕ وَلَا تَكْتُمُوا الشَّهَادَةَ ؕ وَمَنْ يَّكْتُمْهَا فَاِنَّهٗ اٰثِمٌ قَلْبُهٗ ؕ وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ عَلِيْمٌ (۱)

اور اگر تم سفر پر ہوا اور تمہیں کوئی لکھنے والا نہ ملے تو (ادائیگی کی ضمانت کے طور پر) رہن قبضے میں رکھ لیے جائیں۔ ہاں اگر تم ایک دوسرے پر بھروسہ کرو تو جس پر بھروسہ کیا گیا ہے وہ اپنی امانت ٹھیک ٹھیک ادا کرے اور اللہ سے ڈرے جو اس کا پروردگار ہے۔ اور گواہی کو نہ چھپاؤ، اور جو گواہی کو چھپائے وہ گنہگار دل کا حامل ہے، اور جو عمل بھی تم کرتے ہو اللہ اس سے خوب واقف ہے۔

۳۔گواہی کے ذریعہ پختگی معاملہ

یہ بھی ایک قسم کے معاملہ کی پختگی کا ذریعہ ہے اس حوالہ سے ارشادگرامی ہے:

وَاسْتَشْهِدُوْا شَهِيْدَيْنِ مِنْ رِّجَالِكُمْ ۚ فَاِنْ لَّمْ يَكُوْنَا رَجُلَيْنِ فَرَجُلٌ وَّامْرَاَتٰنِ مِمَّنْ تَرْضَوْنَ مِنَ الشُّهَدَآءِ اَنْ تَضِلَّ اِحْدٰىهُمَا فَتُذَكِّرَ اِحْدٰىهُمَا الْاُخْرٰى ؕ وَلَا يَاْبَ الشُّهَدَآءُ اِذَا مَا دُعُوْا ؕ (۲)

اور اپنے میں سے دو مردوں کو گواہ بنالو، ہاں اگر دو مرد موجود نہ ہوں تو ایک مرد اور دو عورتیں ان گواہوں میں سے ہوجائیں جنہیں تم پسند کرتے ہو، تاکہ اگر ان دو عورتوں میں سے ایک بھول جائے تو دوسری اسے یاد دلادے۔ اور جب گواہوں کو (گواہی دینے کے لیے) بلایا جائے تو وہ انکار نہ کریں۔

---

(۱) سورۃالبقرۃ:۲۸۳ (۲) سورۃالبقرۃ:۲۸۲

تحریری گواہی کے ذریعے معاملے کی پختگی

۱۔ حضور اکرم ﷺ کا ارشاد گرامی ہے:

"ہٰذَا مَا اشْتَرٰی محمَّدٌ مِنَ العَدَّاءِ ابن خالد بن ربیع المسلمُ منَ المسلمِ، لَا دَاءَ، وَلَا خِبثۃَ، ولا غَائِلَۃَ" (۱)

یعنی آپ صلی ﷺ نے یہ تحریر لکھی: ''یہ محمد ابن خالد سے فروخت کی ہوئی چیز ہے جو مسلمان کی بیع مسلمان سے ہے، جس میں کوئی خرابی، کمی اور دھوکا نہیں ہے''۔

یہاں حضور اکرم ﷺ نے کتابت اور تحریر کے ذریعے معاہدہ کو پختہ کیا، حالانکہ نبی کریم ﷺ سے نقض عہد (عہد کا توڑنا) ممکن نہیں تھا، گرچہ یہ بیع غلام کے سلسلے میں تھی، یہی حکم زمین کا بھی ہوگا،

۲۔ خصوصا زمین کے معاملے میں تحریری پختگی کے حوالے سے یہ روایت منقول ہے: نعمان بن بشیر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: میں نے اپنے ماں سے مطالبہ کیا کہ وہ اپنے والد سے مجھے کچھ عطیہ دلوائیں، تو انہوں نے عطیہ دیا، تو میری ماں نے کہا: آپ جب تک نبی کریم ﷺ کو گواہ نہ بنائیں میں راضی نہ ہوں گی، انہوں نے میرے ہاتھ کو پکڑا، میں بچہ تھا، مجھے نبی کریم ﷺ کے پاس لے آئے، اور فرمایا اس کی ماں نے مجھ سے اس کے لئے کچھ عطیہ کا عہد لیا تھا، تو حضور اکرم ﷺ نے فرمایا: "أَلَكَ وَلَدٌ سِوَاہُ" (کیا تمہارے اس کے علاوہ بھی لڑکے ہیں) فرمایا: ہاں، تو آپ نے فرمایا "لَا تَشْهَدْنِیْ شَهَادَةَ جَوْرٍ" (مجھے ظلم پر گواہ نہ بناؤ'') (۲)

---

(۱) بخاری: کتاب البیوع، باب إذا بین البیعان ولم یکتما، ترمذی کتاب البیوع عن رسول اللہ، باب ما جاء فی کتابة الشروط، حدیث:۱۲۱۶

(۲) الاصابة:۶/۴۴۰، وسیر اعلام النبلاء:۳/۴۱۱

۳۔ حضرت تمیم داری سے مروی ہے فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: میرے سرزمین فلسطین میں روم کے کچھ پڑوسی تھے، ان کا ایک گاؤں تھا، جس کا نام ''حبری'' تھا، اور ایک گاؤں ''بیت عینون'' تھا، اللہ عزوجل نے ملک شام کو فتح کیا تو وہ دونوں گاؤں مجھے ہبہ کئے گئے، میں نے کہا: یہ دونوں تمہارے لئے ہیں، فرمایا: میرے لئے گواہی لکھ دیجئے، تو نبی کریم ﷺ نے لکھا:

''بِسمِ اللہِ الرحمٰنِ الرحیم، هٰذَا کتابٌ مِنْ محمَّدٍ رسولِ اللهِ لِتميم بن أوسٍ الدارميِّ، أنَّ لَهُ قَرْيَةَ حَبْرى وبيتَ عينون، قريتُهَا كُلُّهَا سَهْلُهَا وجبلُها، وماءُها وحرثُها، وأنباطُها وبقرُها، ولعقبه من بعده، لا يُحَاقُّهُ فيها أحدٌ، ولا يَلِجُه عليهم أحدٌ بظلمٍ، فمن ظلمَهُم أو أخذ من أحدٍ منهم شيئا، فعليه لعنةُ اللهِ والملائكةِ والنَّاسِ أجمعين'' (۱)

محمد رسول اللہ کی جانب سے تمیم بن اوس داری کے لئے یہ خط ہے کہ ان کے لئے ''حبری'' گاؤں اور ''عینون'' گھر ہوگا، اس کے گاؤں کے اونچ نیچ، پانی کھیتی، ان کی پیداوار اور گائے اور ان کے بعد ان کے اولاد کے لئے، اس میں ان کا کوئی شریک نہ ہوگا، اس میں کوئی ظلم کے ذریعے دخل اندازی نہیں کرے گا، جو شخص ظلم کرے یا کچھ لے، تو اس پر اللہ اور تمام فرشتوں کی لعنت ہے۔

۴۔ تحریری معاہدہ کی شکل حضرات صحابہ رضی اللہ عنہم سے بھی ثابت ہے، حضرت ابو بکر

---

(۱) ابن زنجوية فى الأموال، كتاب أحكام الأرضين وإقطاعها وإحيائها وحماها ومياها، باب: الاقطاع، حدیث نمبر:۱۰۱۶، وأبو عبيد فى الأموال، كتاب: أحكام الأرضيين وإقطاعها وإحيائها وحماها ومياهها، باب: الإقطاع، حدیث نمبر:۵۸۸

صدیق ﷺ سے روایت ہے کہ انہوں نے طلحہ ﷺ کو ایک زمین دی تھی اور ان کے لئے ایک تحریر لکھی تھی اور اس پر حضرت عمر ﷺ کو گواہ بنایا تھا، حضرت طلحہ ﷺ نے حضرت عمر ﷺ کے پاس وہ تحریر لائی اور فرمایا: "اختم علی هذا" اس پر مہر لگائیے تو حضرت عمر ﷺ نے فرمایا: میں اس پر مہر ثبت نہ کروں گا، یہ تمہارے لئے ہے دیگر لوگوں کے لئے نہیں، حضرت طلحہ ﷺ غصہ ہو کر چلے گئے، حضرت ابوبکر صدیق ﷺ کے پاس آئے اور فرمایا: اللہ کی قسم! مجھے یہ نہیں معلوم ہوتا کہ آپ خلیفہ ہیں یا حضرت عمر ﷺ ؟ فرمایا: نہیں بلکہ عمر؛ لیکن انہوں نے انکار کر دیا ہے: "قال: لا، بل عمر، لٰكِنَّهُ أَبَی" (۱)

۵۔ اسی طرح حضرت ابوبکر ﷺ نے اقرع بن حابس ﷺ اور زبرقان ﷺ کو ایک قطعہ ارضی دیا تھا اور ان کی لئے ایک تحریر لکھ دی تھی، حضرت عثمان ﷺ نے فرمایا: حضرت عمر ﷺ کو گواہ بنالو، اس لئے کہ تمہارے معاملے کے وہی ذمہ دار ہوں گے؛ کیوں کہ حضرت ابوبکر ﷺ کے بعد وہی خلیفہ ہوں گے، وہ دونوں حضرت عمر ﷺ کے پاس آئے "من كتبَ لكُما هذا الكتاب؟" یہ تحریر تم کو کس نے لکھ کر دی ہے؟ انہوں نے کہا: ابوبکر (ﷺ) نے، فرمایا: نہیں اللہ کی قسم کوئی کرامت اور شرافت نہیں، اللہ کی قسم وہ مسلمانوں کی شرافت کو بند کر دیں گے پھر پتھر باقی رہ جائیں گے، پھر یہ زمین تم دونوں کے لئے ہوگی، اس میں انہوں نے تھوک دیا اور اس کو مٹا دیا، وہ دونوں ابوبکر ﷺ کے پاس آئے اور دونوں نے کہا: "ما ندری أنتَ الخليفةَ أم عمر؟" ہمیں معلوم نہیں ہوتا کہ آپ خلیفہ ہیں یا عمر؟ پھر انہوں نے واقعہ کہہ سنایا تو فرمایا: "إنّا لا

---

(۱) مصنف ابن ابی شیبہ، کتاب السیر، باب ما قالوا فی الوالی، أله أن يقطع شيئا من الأرض؟ حدیث نمبر: ۳۳۰۷۰، وابن زنجوية فی الأموال، کتاب أحکام الأرضين وأقطاعها وإحيائها وحماها ومياها، باب الإقطاع، حدیث نمبر: ۱۰۲۲

نجیز إلاّ مَا أَجَازَهُ عمر" (۱) ''ہم کسی بھی چیز کی اجازت حضرت عمر ﷛ کی اجازت دینے کے ہی بعد دیتے ہیں''۔

۶۔ انہیں میں سے حضرت عمر ﷛ کا فعل بھی ہے انہوں نے معاہدہ کی پختگی کا سامان یوں کیا:

"ھذا الکتاب من عمر بن الخطاب فی ثَمْغ والمائة التی اعطانیھا رسول اللہ ﷺ من أرض خیبر إنی حبست أصلھا، وجعلت ثمرھا صدقة لذوی القربی والیتامی والمساکین وابن السبیل۔۔۔۔۔"

یہ عمر بن الخطاب کا خط ہے، ثمغ اور مائۃ کی خیبر کی سرزمین کے بارے میں جس کو نبی کریم ﷺ نے مجھے عطا کیا تھا، میں نے اس کے اصل کو روک کر رکھا ہے اور اس کے ثمرات اور منافع کو رشتہ داروں، یتیموں مسکینوں اور مسافروں کے لئے بطور صدقہ کے کردیا ہے۔

۷۔ حضرت عمر ﷛ کے پاس ایک شخص آکر کہنے لگا: امیر المؤمنین، ہمارے یہاں بصرہ میں زمین ہے، جو خراجی زمین نہیں اور نہ اس زمین سے کسی مسلمان کو نقصان ہے، اگر آپ چاہیں تو آپ اسے مجھے بطور جاگیر عطا کردیں، میں اپنے گھوڑے کے لئے اصطبل بنالوں گا، فرمایا: "فکتب عمر إلی أبی موسی: إن کان کما قال فاقطَعْھا إیاہ" (۲) ''حضرت عمر ﷛ نے ابوموسی اشعری ﷛ کو لکھ بھیجا، اگر یہ جیسا کہتا ہے بات ویسے ہی ہے تو تم اس کو بطور جاگیر کے یہ عطا کرنا''۔

---

(۱) مسند احمد، فضائل الصحابہ، فضائل عمر بن الخطاب ﷛، حدیث نمبر: ۳۸۳، کتاب الجامع لأخلاق الراوی، خطیب البغدادی، باب القول فی کتب الحدیث علی وجہ عمومہ، حدیث نمبر: ۱۶۸۴

(۲) کتاب الأموال، ابو عبید القاسم بن سلام، باب أحکام الأرضین فی إقطاعھا وإحیائھا وحماھا ومیاھھا، حدیث نمبر: ۷۰۱

ان آیات واحادیث سے یہ ثابت ہوا کہ زمین کے معاہدہ کی پختگی کا تصور اسلام میں موجود ہے، بلکہ خلافتِ راشدہ کے بعد اموی دور میں لوگوں نے اس زمین کے معاملہ کی پختگی کو ایک پیشہ کے طور پر اختیار کیا، بلکہ دور عباسی میں صرف زمین ہی نہیں بلکہ ہر معاملہ کی پختگی کا اہتمام کیا جاتا۔

ابن خلدون معاہدہ کی پختگی کے معاملے کے حوالہ سے کہتے ہیں:

"وحقيقة هذه الوظيفة القيام عند إذن القاضي بالشهادة بين الناس فيما لهم وعليهم، وتحملا عند الإشهاد وأداء عند التنازع، وكتبا في السجلات تحفظ به حقوق الناس وأملاكهم وديونهم وسائر معاملاتهم" (۱)

اس پیشہ کی حقیقت یہ ہے کہ اس میں قاضی لوگوں کے درمیان ان کے آپس کے حقوق اور جھگڑے کے وقت اس کی گواہی پیش کرنے، اور اس کو رجسٹروں میں لوگوں کے حقوق، املاک اور قرضہ جات اور تمام معاملات کو لکھنے کا حکم کرتا ہے۔

پختگی معاملہ کے عصری طریقے

۱۔ شخصی رجسٹر

جس میں تمام زمینوں کے مالکوں کے نام درج ہوتے ہیں، اور یہ مالکین زمین کی ترتیب پر یہ رجسٹر مرتب ہوتا ہے اور جس کی مجموعی زمین ہے اس کا بھی نام درج ہوتا ہے، جس میں صرف زمین والوں کے نام درج ہوتے ہیں، زمین کا موقع ومحل درج نہیں ہوتا، اس میں صرف پہلے اور دوسرے شخص جس کی ملک یہ زمین ہوتی ہے اس کا ذکر ہوتا ہے۔

۲۔ متعین رجسٹری

جس میں زمین یا فلیٹ کی خصوصی رجسٹری ہوتی ہے، یعنی خاص زمین کے لئے

---

(۱) التوثیق العقاری لجمعة الزریقی: ۸۳

خاص اوراق اور دستاویز ہوتے ہیں، ان تمام اوراق اور دستاویز سے رجسٹری تیار ہوتی ہے،جس کی وجہ سے آدمی کی شخصی ملکیت کا ثبوت ہوتا ہے۔

۳۔ یہ رجسٹری بھی ایک تیسرے درجے کی رجسٹری ہوتی ہے، جواوپر مذکورہ رجسٹری کے طریقے سے علاحدہ طریقہ ہوتا ہے،جس میں ملکیت کا کسی بھی طریقے سے ثبوت بتایا جاتا ہے،خواہ کسی کمیٹی کی جانب سے سرکاری یا شخصی دستاویزات دے کر ہو، یہ رجسٹری شخصی اور اختیاری ہوتی ہے۔(یعنی اسسمنٹ جس سے بلدیہ میں گورنمنٹ کے یہاں مکان کی فلاں شخص کے ملک ہونے کی توثیق ہوا کرتی ہے)۔

موجودہ دور میں جو رجسٹری اور دستاویز وغیرہ ہوتے ہیں یہ دراصل امرِ مستحب ہےجس میں مصالحِ مرسلہ کا اعتبار ہوتا ہے،حضرت عمر بن الخطاب ﷺ نے زمینوں کے سلسلے میں کچھ ایسے قوانین اور قواعد اور اس کے معاہدے اور معاملے کے پختگی کے اصول بنائے تھے جو دورِ رسالت میں نہیں تھے، زمینوں کے دواوین اور رجسٹروں کی ترتیب وغیرہ اس کے مصالح کے پیش نظر اور ضرر اور نقصان سے بچنے کے لئے اس طرح کی رجسٹری کرلینی چاہیے جس سے زمین کی قوت اور ملکیت کا پتہ چلتا ہے۔

❁❁❁❁❁❁

کچھ مفید تجربات

انتہائی محنت،خون پسینہ ایک کرنے کے بعد کسی انسان کے پاس اتنا سرمایہ جمع ہوتا ہے کہ وہ اپنی پونجی اور سرمایہ سے اپنی مرضی کا کوئی مکان یا پلاٹ خرید سکے۔

عام طور پر زمین یا مکان ایک مرتبہ خریدنے کا موقع ملتا ہے،تجربہ نہ ہونے کی وجہ سے بعض مرتبہ نقصان اٹھانا پڑتا ہے،اس سلسلہ میں کچھ مخلصانہ مشورے تحریر کیے جاتے ہیں:

فروخت کرنے والے اور خریدنے والے کے لئے مفید مشورے

۱) جو چیز خرید رہے ہیں،اس کے کاغذات ضرور دیکھ لیے جائیں،اگر مکان خرید رہے ہیں تو مکان کی تعمیر کا اجازت نامہ دیکھنا چاہیے،کاغذات میں رجسٹری والی زمین یا مکان کی اہمیت ہے،نوٹری کی کوئی اہمیت نہیں ہے:البتہ نوٹری کے ساتھ اسیسمنٹ (Assisment) اگر موجود ہے تو یہ زمین خریدی کے قابل ہے۔

۲) جو چیز خریدنے کا ارادہ ہے،اڑوس پڑوس فروخت کرنے والے کی غیر موجودگی میں معلومات کرنا چاہئے کہ حقیقت میں یہی مالک ہے یا کوئی اور۔

۳) مین روڈ کی کوئی چیز اگر خریدنے کا ارادہ ہے تو بلدیہ آفس سے ضرور معلوم کیا جائے کہ کہیں ماسٹر پلان میں تو یہ چیز نہیں آرہی ہے۔

۴) مشترکہ جائداد میں سے کچھ حصہ یا مکمل خرید رہے ہوں تو اس چیز کے جتنے قانونی وارث ہیں،ان سب کی دستخط ضرور لی جائے۔

۵) جائیداد اگر باپ فروخت کرنے والا ہے تو اس کی اولاد مذکر ومؤنث دونوں کے دستخط ضرور لیے جائیں۔

۶) زمین خریدنے میں صرف پٹہ زمین ترجیح کے قابل ہے، انعامی زمین یالاوارث زمین نہیں خریدنا چاہیے۔

۷) جوزمین یامکان خریدنے کاارادہ ہے، اس کالے آؤٹ گورنمنٹ سے منظور شدہ ہونا چاہیے۔

۸) ہرفروخت کرنے والا اپنی زمین کو اچھی اور بہترین بتاتا ہے، اس کی چٹ پٹی باتوں پر یابروکر (Broker) کی گفتگو سے مرعوب ہوئے بغیر پسند آئے تو خرید ناچاہیے، ورنہ یہ نہیں اور سہی، جائیدادیں ملنے والی ہیں، پر نگاہ ہونی چاہیے۔

۹) یک مشت رقم ہرگز نہ دی جائے، اڈوانس کے طور پر کچھ رقم دے کر شہر کے جو معروف اخبار ہوں، اس میں خریداری کی اطلاع بذریعہ اشتہار (عوام الناس) کودی جائے، نیز اڑوس پڑوس کے لوگوں کو خاص طور پر مطلع کیا جائے۔

۱۰) مکان یازمین کی خریداری میں دھوکہ دینے والے سے چوکنا رہنا چاہیے، بعض فروخت کرنے والے خریدنے والے سے کہتے ہیں کہ معاملہ جب تک پورا نہ ہوجائے، کسی کو اطلاع نہ دی جائے، ورنہ دوسرے لوگ معاملہ ہونے نہیں دیں گے، یااس طرح کی اور کچھ باتیں کرتے ہیں، فروخت کرنے والے کی بات پر ہرگز اعتماد نہ کیا جائے۔

۱۱) شہر سے باہر کی زمینوں میں مزید احتیاط کی ضرورت ہوتی ہے، برائے نام کچھ اڈوانس (Advance) رقم دے کر زمین پر کچھ کام کروانا چاہیے، مثلاً زمین کی صفائی، کڑی لگوانا یازمین کاسروے کروانا چاہیے، تاکہ کوئی غلط بات ہوتو بعد میں پچھتانے سے اپنے آپ کو بچایا جاسکے، نیز گاؤں میں سرپنچ یاپردھان یاسکر یٹری سے ملاقات کرکے خریدنے کے ارادہ کوظاہر کیا جائے۔

۱۲) کھلی زمین اگر خریدی ہے تو اپنے مالک ہونے کے ثبوت کے طور پر زمین سابقہ حالت میں نہ چھوڑی جائے؛ بلکہ اس میں کچھ نہ کچھ کام کروانا چاہئے۔

۱۳) زمین یا مکان کاروبار کے ارادے سے خریدی ہے تو رجسٹری مکمل کروانے کے بجائے A.G.P.A لینا زیادہ بہتر ہے اور رجسٹری میں پوزیشن کے ساتھ یا بغیر پوچھنے پر لوگ ناسمجھی میں کچھ سے کچھ کہہ دیتے ہیں، پوزیشن کے ساتھ کہنا چاہئے اور اگر کاروبار کے ارادہ سے نہیں خریدا ہے، تو سب سے بہتر اور محفوظ راستہ مکمل رجسٹری کا ہے، گورنمنٹ قیمت سے دس بارہ فیصد کا خرچ آئے گا، جو بظاہر بڑی رقم معلوم ہوگی، مگر بہت سارے مسائل سے نجات کا ذریعہ اور سبب ہوگی۔

۱۴) بروکر یا کمیشن ایجنٹ کے ذریعہ کوئی چیز اگر خریدے ہیں تو مارکٹ کے اعتبار سے وہ بروکر مکمل قیمت کا دو فیصد کمیشن کا حقدار ہوگا، وہ اس کو ضرور دینا چاہئے، محنت کرنے والے کو اس کی محنت کا اجر پورا پورا دے دینا چاہئے۔

۱۵) ہمارے ہندوستان کے قانون کے اعتبار سے دادا کی جائیداد میں پوتا سب سے زیادہ حق دار ہے، نیز پوتوں میں سب سے بڑا پوتا، اگر دادا کی جائیداد کی خریداری کا معاملہ ہو تو پوتروں کی دستخط بھی ضرور لی جائے۔

۱۶) کھلے پلاٹ پر ڈھال یا کوئی چیز پہلے سے موجود ہے تو خریداری کے وقت اس ڈھال یا اشیاء سے متعلق گفتگو بھی کر لی جائے؛ تاکہ بعد میں الجھن سے بچا جاسکے۔

۱۷) بعض لوگ اپنی زمین یا مکان کے کاغذات بنک وغیرہ میں بتا کر قرض حاصل کرتے ہیں، اس کی وضاحت بھی کر لینی چاہئے، اگر قرض لیا ہے، تو جتنا قرض ہے، اتنی رقم دے کر کوئی بنک سے قرض لیے ہوئے شخص کے ساتھ جا کر قرض چکا دے اور ثبوت کے طور پر پرچی اپنے پاس ضرور رکھ لیں۔

۱۸) مکان کی خریداری کا موقع ہوتو کرنٹ کا بل، نل کا بل، ٹیلی فون کا بل، مکان کے ٹیکس کا بقایا بیچنے والے سے ادا کرنے کے لئے کہا جائے، ٹال مٹول پر مکمل رقم میں سے کچھ رقم روک لی جائے، فروخت کرنے والے کی طرف سے ادائیگی پر رو کی ہوئی رقم ادا کردی جائے۔

۱۹) زمین یا مکان کے کاغذات اور اس نے جس سے خریدی ہے، وہ سارے کاغذات کسی وکیل یا زمینات کے ماہر کو دکھا لینا چاہئے، جس کو عرف عام میں لنک ڈاکومنٹ (Link Documents) کہا جاتا ہے، اس میں کوئی رعایت نہ کی جائے۔

۲۰) خریداری کے ساتھ ہی قبضہ بھی لے لینا چاہئے، ہرگز مہلت نہیں دینا چاہئے۔

(۲۱) زمین یا مکان خریدنے کے بعد اس کے ضروری کاغذات محفوظ مقام پر رکھ دینا چاہئے، ساتھ میں اس کے کچھ زیراکس (xerox) کاپی بھی لے لینا چاہئے، اصلی کاغذات (Original Documents) ہر جگہ لے کر نہیں جانا چاہئے اور ہر شخص کو نہیں دکھانا چاہئے، کوئی زیراکس مانگے تو لکھے ہوئے حصہ پر اس طرح کا نشان (×) ماردینا چاہئے۔

۲۲) معاملہ طے پا جائے تو ضرور لکھ لینا چاہئے، بعض مرتبہ لوگ کہتے ہیں کہ زبان کی اہمیت ہے، زبان دے دی گئی ہے، لکھنے کی کیا ضرورت ہے۔ اسلام نے معاملات کو لکھنے کا حکم فرمایا ہے: اس لیے زبان سے زیادہ مضبوط معاملہ داری لکھنے میں ہے، نیز تجربہ بتاتا ہے کہ زبان پر شائد ہی کوئی قائم رہے، لکھنے کی بڑی اہمیت ہے، خدانخواستہ کوئی اختلاف ہوجائے یا معاملہ کی تکمیل میں ٹال مٹول کرے، تو پولیس، پہلوان، کورٹ، قانون دان ہر کوئی معاملہ کی تحریر سے متعلق سوال کرتا ہے، اگر تحریر موجود ہے تو بہت کچھ کیا جاسکتا ہے اور اگر تحریر نہیں ہے تو بہت کچھ ہونے کے باوجود بھی کچھ نہیں کرسکتے۔

۲۳) بعض دھوکہ باز کسی چیز کی خریداری کے معاملہ پر کچھ رقم روپیوں کی شکل میں اور مابقیہ چیک کی شکل میں دے کر رجسٹری کا مطالبہ کرتے ہیں، اولاً تو جب تک چیک کے ذریعہ رقم حاصل نہ ہو جائے، رجسٹری نہیں کرنی چاہئے اور اگر بہت زیادہ اصرار ہو رہا ہے تو رجسٹری معلق (pending) ہو کہ اگر یہ چیک رقم مل جائے تو رجسٹری ورنہ رجسٹری کالعدم ہو جائے۔

۲۴) اپنی زمین کا کچھ حصہ فروخت کرنے کا ارادہ ہو تو خریدار کو لنک ڈاکومنٹ کا زیراکس دیا جائے: البتہ پوری زمین فروخت کر رہے ہوں تو اصلی رجسٹری کاغذات خریدار کے حوالہ کر دینا چاہئے۔

۲۵) اپنی زمین دو تین حصوں میں فروخت کی جا رہی ہو تو جو زیادہ زمین خرید رہا ہے، اس کو رجسٹری کے اصلی کاغذات حوالہ کرنا چاہئے اور اگر سب برابر برابر کے حصص خرید رہے ہیں تو جو سب سے پہلے خریداری کرے، اس کے حوالے کرنا چاہئے۔

۲۶) جائیدادی مہنگائی کی وجہ سے خرید و فروخت میں بہت زیادہ رقم کا لین دین ہوتا ہے، جو بھی رقم آئے خود سے یا خود کے بااعتماد شخص سے گنوالینا چاہئے، رقم دینے والے کی گنتی پر اعتماد نہ کیا جائے۔

۲۷) کوئی جائیداد خرید رہے ہیں تو اس کی رجسٹری اپنے نام پر کروانا چاہیے قانونی مسائل کے پیشِ نظر اگر اپنے نام رجسٹری نہیں کروا سکتا تو اپنی بیوی جس پر کسی قسم کا آئندہ دھوکہ دینے کا شبہ نہ ہو اس کے نام رجسٹری کروائی جائے یا اپنے بیٹوں کے نام رجسٹری کروائی جائے بیٹیاں اگر چہ بھروسہ اور اعتماد کے قابل ضرور ہوتی ہیں مگر کب کیا ہو جائے بیٹی جب تک وفادار رہتی ہے اس وقت تک اس سے زیادہ کوئی اور بھروسہ کے قابل نہیں ہوتی مگر جب یہ بے وفائی کرتی ہے تو اپنے عاشق، شوہر کے لئے باپ یا گھر والوں کے اعتماد کو ٹھیس پہنچا سکتی ہے؛ لہٰذا

مکمل اعتماد ہوتو بیٹی کے نام پر بھی رجسٹری کروائی جاسکتی ہے۔

پھر بھی احتیاط کا مشورہ یہ ہے کہ جس دن رجسٹری ہوئی بیٹے، بیٹی کے نام پر اسی دن ایک اسٹامپ پیپر ایک ((100 سو روپئے کا لے لینا چاہیے اور جس کے نام پر رجسٹری کروایا ہے اس کی ایک دستخط خریدے ہوئے اسٹامپ پیپر پر لے لی جائے تاکہ کل کوئی بری اور ناگہانی صورتِ حال پیش نہ آجائے مثلاً بیٹی بے وفائی کرکے اپنے عاشق، شوہر کے نام پر یہ زمین کرنے لگے باپ کو دھوکہ دیتے ہوئے زمین کو فروخت کرے تو اسی تاریخ کے اسٹامپ پیپر پر جس پر دستخط لے لی گئی یہ مضمون تحریر کیا جاسکتا ہے کہ یہ زمین لڑکی کے نام پر یا لڑکے کے نام پر مجبوری میں کی گئی تھی جس کا اعتراف کرتے ہوئے بیٹی/بیٹے نے دستخط کی ہے، خدانخواستہ بیٹے یا بیٹی کی طرف سے فروخت کرنے کی بات سامنے آجائے تو یہ کاغذ معاملہ کو ختم کرنے یا معاملہ کو روکنے میں بڑا معاون اور مددگار ثابت ہوگا۔

(۲۸) بعض مرتبہ اپنے ملازمین بیوی، بچوں کے مقابلہ میں زیادہ بھروسہ کے قابل ہوتے ہیں، ملازمین کے نام پر بھی جائیداد کی رجسٹری کی بات ممکن ہے؛ مگر اس جائیداد کی گیٹ یا دیوار پر جس کی رجسٹری بیوی، بچوں یا ملازمین کے نام پر ہو اپنا موبائیل نمبر ضرور لکھ دینا چاہئے، اور ملازمین بھروسہ کے قابل ہونے کے باوجود ملازم سے بھی سادے اسٹامپ پیپر پر اس ملازم کی ضرور دستخط لے لینا چاہئے، جس کے نام پر رجسٹری کروا رہے ہیں؛ تاکہ بعد میں کسی بھی طرح کے نقصان سے اپنے آپ کو محفوظ رکھا جاسکے، اور درمیان میں وقتاً فوقتاً اپنی جائیداد کے پاس خود جاتے رہنا چاہئے؛ تاکہ لوگوں کو یہ معلوم رہے کہ اسکے حقیقی مالک آپ ہیں۔

نوٹ: بیوی بچے اگرچہ اپنے مخلص اور خیر خواہ ہوتے ہیں؛ مگر ترقی یافتہ دور کی عطا اور بخشش ہے کہ اپنے بھی بعض مرتبہ نقصاندہ ہوجاتے ہیں، اخبارات اور محلہ کے

حالات کی خبروں سے ایسے واقعات ہم سب کے سامنے آتے رہتے ہیں، بیوی کسی پر فریفتہ ہوگئی حقیقی شوہر کو محروم کرتے ہوئے اس پر فریفتہ اور فدا ہوگئی اس کے نام جائیداد منتقل کروادیا، بیٹی باپ کے بغیر رہ نہیں سکتی تھی کسی لڑکے سے روابط اور تعلقات ہوگئے؛ یہی لڑکی جو باپ کی خیر خواہ تھی اپنے باپ کے حق میں بدخواہ اور نقصاندہ ہوگئی، ایسے واقعات روزانہ پیش آرہے ہیں، کل افسوس کرنے کے بجائے آج احتیاط کرلینا بہتر ہے۔(۱)

❁❁❁❁❁❁❁❁

---

(۱) خرید وفروخت اور معاملہ داری کے احکام، مفتی احمد عبد الحسیب تنویر قاسمی، مدیر ندائے صالحین، حیدرآباد

زمینات ومکانات کے مشترکہ مسائل

قبضے سے پہلے زمین کی خرید وفروخت

قبضے سے پہلے زمین کی خرید وفروخت سے متعلق فقہاء کا اختلاف ہے۔

۱) زمین پر قبضہ سے پہلے اس کی خرید وفروخت جائز نہیں، اسی کے قائل احناف میں سے محمد بن حسن، زفر ہیں، یہ جمہور شوافع، حنابلہ اور ابن حزم ؒ کی بھی ایک روایت ہے۔

۱۔ حضرت حکیم بن حزام ؓ سے مروی ہے کہ یا رسول اللہ! میں خرید و فروخت کرتا رہتا ہوں اس میں میرے لیے کیا حلال ہے اور کیا حرام؟ نبی ﷺ نے فرمایا جب کوئی چیز خریدا کرو تو اسے اس وقت تک آگے نہ بیچا کرو جب تک اس پر قبضہ نہ کرلو۔ "یا ابنَ اَخِیْ، إذا اشتریتَ بیعًا فلا تَبِعْهُ حتّٰی تقْبِضَهُ"(۱)

اس حدیث میں صراحت سے یہ بات بتائی گئی کہ غیر مقبوضہ شیء کی خرید وفروخت درست نہیں، یہ بات زمین وغیرہ سب کے سلسلے میں عام ہے۔

۲۔ عتاب بن اسید سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے ان کو مکہ کی جانب روانہ کیا اور ان سے فرمایا: "اَنْهِهِمْ عِن بیعِ مَا لَمْ یقْبِضُوا أو

---

(۱) مسند احمد، مسند حکیم بن حزام، حدیث نمبر: ۱۵۳۱۶، سنن الکبری للنسائی، کتاب البیوع، باب بیع الطعام قبل أن یستوفی، حدیث نمبر: ۶۱۵۲

ربح مالم یضمنوا" (۱) ان کو غیر مقبوضہ چیزوں کے بیچنے سے منع کرنا۔

(۲) قبضہ سے پہلے زمین کی خرید وفروخت جائز ہے، اس کے قائل احناف مالکیہ اور حنابلہ ہیں۔

خرید وفروخت میں خریدی ہوئی چیز پر قبضہ کی شرط اس لئے ہے کہ وہاں مبیع (فروخت کردہ) کے ہلاک ہونے کا اندیشہ ہوتا ہے، اور یہ زمین میں بہت کم ہوتا ہے، اگرچہ بعض زمین جو نہر کے کنارے یا کئی منزلوں پر مشتمل ہوتی ہیں، ان کے ہلاک ہونے کا اندیشہ ہوتا ہے؛ لیکن یہ شاذ و نادر ہے جس کا اعتبار نہیں کیا جا سکتا۔

راجح قول اس سلسلے میں یہ ہے کہ قبضہ سے پہلے زمین کی خرید وفروخت کے جواز کا ہے، یعنی زمین چونکہ اس کے ہلاک ہونے کا اندیشہ عموماً نہیں ہوتا؛ اس لئے اس سلسلے میں قول راجح یہی ہے کہ زمین کی خرید وفروخت احناف کے قول کے مطابق قبضہ سے پہلے بھی جائز ہے۔ با قاعدہ سامان ڈالنا، چہار دیواری قائم کرنا ضروری نہیں، معاملہ انجام پانے اور ایجاب وقبول کے بعد آگے بیچنا درست اور جائز ہے۔ (۲)

شیخ عبدالعزیز بن باز رحمہ اللہ کا فتویٰ بھی اسی کے مطابق ہے۔

رجسٹری کا حکم

ادارۃ المباحث الفقہیۃ جمیعۃ علماء ہند قبضہ کی حقیقت کے سلسلہ میں جو کانفرس قائم کی تھی اس میں رجسٹری کی حقیقت کو بیان کرتے ہوئے مختلف لوگوں کی آراء کو پیش کر کے رجسٹری کو قبضہ تصور کیا جائے نہ کیا جائے اس سلسلے میں مختلف آراء کو ذکر کیا ہے:

> ''مفتی محمد اللہ خلیلی دار العلوم دیو بند کہتے ہیں: ''صرف رجسٹری کو قبضہ قرار دینا مشکل ہے؛ کیوں کہ زمین کی رجسٹری بسا اوقات شرعا ملک بھی نہیں مانی جاتی جیسا کہ بہت سے لوگ ٹیکس یا دیگر مجبوریوں

---

(۱) معجم الطبرانی الاوسط، حدیث من اسمه المقدام، حدیث نمبر: ۹۰۰۷

(۲) انوار رحمت: ۳۶۳

کی وجہ سے زمین کی رجسٹری کسی اور کے نام کرادیتے ہیں، لہٰذا شرعی طور پر صرف زمین کی رجسٹری کو قبضہ نہیں مانا جائے گا، بلکہ اس کے ساتھ تخلیہ بھی ضروری ہوگا۔

"فالذی یظهر أنه لا ینبغی أن یعتبر التسجیل قبضا ناقلا للضمان فی الفقه الإسلامی إلا إذا صاحبته التخلیة بالمعنى الذی ذکرناه فیما سبق" (فقه البیوع: ۱/ ۴۰۵)

مفتی امانت علی قاسمی نے اولا شیخ محمد زرقاء کی رائے نقل کی ہے زمین کی رجسٹری مشتری کے نام ہوجانے سے قبضہ متحقق ہوجائے گا، اس کے بعد حضرت مفتی محمد تقی عثمانی صاحب دامت برکاتہم کے شیخ زرقاء پر دو اعتراض نقل کئے ہیں:

(۱) پہلا اعتراض یہ ہے کہ قبضہ کا مفہوم یہ ہے کہ مبیع بائع کے ضمان سے نکل کر مشتری کے ضمان میں داخل ہوجائے، رجسٹری کے بعد اگر بائع نے تخلیہ نہیں کیا اور مبیع ہلاک ہوگئی تو ایسی صورت میں ہلاکت کا ضامن کون ہوگا؟ ظاہر ہے کہ بائع ضامن نہیں ہوگا؟ مشتری بھی نہیں، اس کا مطلب یہ ہوا کہ رجسٹری کی بناء پر قبضہ کا مفہوم نہیں پایا جاتا۔

(۲) دوسرا اعتراض یہ ہے کہ بعض مرتبہ صورۃ خرید وفروخت ہوتی ہے، اگر اس صورت میں بیع کو ظاہر کرنے کے لئے غیر مالک کے نام رجسٹری کرائی جائے تو کیا اس سے قبضہ کا تحقق ہوگا؟ ظاہر ہے کہ جب بیع ہی نہیں ہوئی تو قبضہ کا تحقق کیسے ہوسکتا ہے۔

شیخ محمد زرقاء کی رائے پر دو اعتراض کرنے کے بعد مفتی محمد تقی عثمانی صاحب لکھتے ہیں: ''رجسٹری کو اس درجہ کا قبضہ تصور نہ کیا جائے جس

سے ملکیت کا ضمان منتقل ہوتا ہے''۔

اس کے بعد مفتی امانت صاحب نے اپنی رائے کا اظہار کرتے ہوئے لکھا ہے کہ ''رجسٹری بغیر تخلیہ کے قبضہ کے حکم میں ہے؛ لہٰذا رجسٹری کے بعد مشتری شرعاً وقانوناً اس زمین کو فروخت کرسکتا ہے؛ اس لئے کہ غیر منقولہ جائیداد کی بیع قبل القبض جائز ہے۔

مفتی اسعد الدین قاسمی صاحب نے بھی شیخ زرقاء کی رائے پر مفتی محمد تقی صاب کا اعتراض نقل کر کے لکھا ہے: ''موجودہ دور میں جب کہ رجسٹری میں بہت بدعنوانیاں ہورہی ہیں، اور ایک ہی زمین متعدد لوگوں کے نام رجسٹری ہوجاتی ہے، اور کرایہ یا دیگر شخص سے زمین کو خالی کرانا مشکل ہوجاتا ہے اور سالہا سال عدالتوں کے چکر کاٹنے پڑتے ہیں، اس لئے حضرت مفتی محمد تقی عثمانی صاحب کی رائے زیادہ واضح اور مضبوط معلوم ہوتی ہے، چنانچہ صرف رجسٹری کو تخلیہ اور دیگر قرائن قویہ کے بغیر قبضہ کے لئے کافی قرار نہیں دیا جاسکتا۔

مفتی نثار احمد صاحب نے بھی مذکور بالا تفصیل کو لکھ کر ''امداد الفتاوی'' کے حوالہ سے ثابت نہ ہونے کو ذکر کیا ہے، جب تک کہ مالک اس کو اپنی رضا سے مالک نہ بنائے اور قبضہ نہ کرائے'' (امداد المفتیین: ۲/۸۹۰)

لیکن انہوں نے آگے یہ بات بھی لکھ دی ہے کہ ''فقط رجسٹری کی بنیاد پر آگے فروخت کرنا درست نہ ہوگا'' یہ بات محل نظر ہے؛ کیوں کہ عقار کی بیع قبضہ پر منحصر نہیں ہے۔

مفتی محمد عثمان صاحب گورینی نے بھی محمد زرقاء اور مفتی محمد تقی عثمانی صاحب کی آراء کو نقل کرنے کے بعد لکھا ہے کہ ''راجح یہ ہے کہ صرف

رجسٹری قبضہ کے قائم مقام نہ ہوگی؛ بلکہ رجسٹری کے ساتھ تخلیہ شرط ہوگا''۔

مفتی محمد سلمان صاحب منصور پوری صاحب نے لکھا ہے: ''اشیاء غیر منقولہ میں اگر زمین پر بائع کا قبضہ تھا، پھر اس نے مشتری کے نام رجسٹری کرادی، تو یہ رجسٹری تخلیہ کے درجہ میں ہوکر قبضہ کے حکم میں ہوگی، لیکن اگر اس زمین پر بائع کے علاوہ کسی اور شخص کا عملاً قبضہ ہو تو محض رجسٹری کو قبضہ کے درجہ میں نہیں رکھا جائے گا، اس لئے کہ تخلیہ نہیں پایا گیا، لہٰذا ایسی صورت میں جب تک باقاعدہ داخل خارج نہ ہو، اس وقت تک قبضہ تسلیم نہیں کیا جائے گا''۔

حضرت مفتی محمد تقی عثمانی صاحب مدظلہ کا دوسرا اعتراض یہ ہے کہ فقہاء کی تصریحات کے مطابق کوئی چیز محض کسی کے نام پر کردینے سے اس کی ملکیت میں نہیں چلی جاتی، قبضہ میں جانا تو دور کی بات ہے، اس لئے کہ متعدد ممالک میں ٹیکس سے بچنے کے لئے، دشمن کے خوف یا کسی اور مصلحت سے زمین یا مکان کو بظاہر دوسرے ناموں پر لئے جانے کا رواج ہے؛ مگر اس کا مقصد واقعۃً اس کے حوالہ کرنا نہیں ہوتا، کتب فقہہ میں بیع تلجئہ یا اس قسم کے بعض عقود صوریہ کا تذکرہ ملتا ہے، وہاں فقہاء نے صراحت کی ہے کہ بیع تلجئہ مفید ملک نہیں ہے چہ جائے کہ اس کو مفید قبضہ قرار دیا جائے؟ قبضہ کا نمبر تو ملکیت کے بعد ہے (فقہ البیوع: ۱/ ۴۰۴)

بہر حال رجسٹری اپنے قانونی لوازم کے ساتھ مفیدِ ملک بھی ہے اور مفیدِ قبضہ بھی، اِلّا یہ کہ قوی دلیل سے ثابت ہوجائے کہ زمین کی رجسٹری حقیقی عقد کے طور پر نہیں ہوئی ہے؛ بلکہ مصلحت کے تحت محض

نمائشی طور پر کی گئی ہے، اس صورت میں بشرطِ ثبوت رجسٹری فرضی مانی جائے گی اور عقد باطل قرار پائے گا، جیسا کہ بیع تلجئہ میں ہوتا ہے۔(۱)

رجسٹری کے بغیر خرید کر بیچنا

خرید وفروخت ایجاب وقبول سے مکمل ہوجاتا ہے''عالمگیری میں ہے:

''وأما رکنه فنوعان أحدهما: الإیجاب والقبول، والثاني: التعاطي: وهو الأخذ والعطاء''(۲)

بہر حال بیع کے رکن تو دو قسم کے ہیں، ایک ایجاب وقبول، اور دوم: تعاطی یعنی لینا دینا۔

رجسٹری تو محض ثبوت کے لئے ہے؛ تاکہ کوئی فریق انکار نہ کرسکے، اس لئے فلیٹ خرید کر کاغذ اپنے نام بنوائے بغیر دوسرے سے فروخت کردینا اور اس کے نام رجسٹری کرادینا جائز ہے، البتہ مکان کی فروختگی پر سرکاری ٹیکس اگر معقول حد میں ہو اور ٹیکس کا استعمال ناجائز اخراجات یا دکھاوے یا سرکاری عملہ کی شاہ خرچی اور تعیش میں نہ ہو اور ٹیکس کی مقدار بھی مناسب ہو، اور مفاد عامہ کے لئے ضروری ہو تو اسے بچنے کی تدبیر مناسب نہیں ہے، اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

وَتَعَاوَنُوْا عَلَى الْبِرِّ وَالتَّقْوٰى وَلَا تَعَاوَنُوْا عَلَى الْاِثْمِ وَالْعُدْوَانِ (۳)

تم نیکی اور تقوی میں تعاون کرو اور گناہ اور زیادتی میں تعاون نہ کرو۔

اور بلاشبہ ملکی اخراجات کے لئے مناسب مقدار میں ٹیکس مقرر کرنا ایک جائز کام

(۱) قبضہ کی حقیقت اور انٹرنیٹ کے ذریعہ عقود کی بعض مروجہ صورتیں ۱۰-۱۱-۱۲، ناشر: ادارۃ المباحث الفقھیہ، جمعیۃ علماء ہند

(۲) هندیه، کتاب البیوع، الباب الأول: ۲/۳

(۳) المائدة:۲

ہے؛ لہٰذا اس سلسلہ میں حکومت کا تعاون کرنا چاہئے، البتہ ملک کے باشعور طبقہ کو چاہئے کہ وہ ملک کے ارباب حل وعقد پر اس بات کا دباؤ بنائیں کہ ٹیکس کا نظام اتنا آسان ہو کہ کوئی شہری اس سے بچنے کی تدبیر نہ کرے۔(۱)

☆فروخت کرنے کے بعد رجسٹری نہ کرانا

اگر کسی سے کوئی زمین خریدے اور خریدنے والا طے شدہ قیمت پوری ادا کردے، اور اس پر قبضہ بھی کرلے تو ایسی صورت میں یہ مذکورہ زمین خریدنے والے کی ہوجائے گی اور یہ ملکیت مشتری کے لئے اس کے قبضہ میں جائز طور پر منتقل ہوگئی، اب بیچنے والے کا اس سے کوئی تعلق نہ رہا، البتہ پکی رجسٹری کے وقت دستخط کے لئے بلانے پر وعدہ کے مطابق جاکر دستخط کردینا شرعی طور پر ان پر لازم ہے، الگ سے پیسہ مانگنا جائز نہیں ہے، اور اس طرح کا پیسہ لینا حرام کا پیسہ ہوگا۔

وإن ذكر البيع من غير شرط، ثم ذكر الشرط على وجه المواعدة جاز البيع، ويلزمه الوفاء بالوعد؛ لأن المواعدة قد تكون لازمة فتجعل لازمة لحاجة الناس (۲)

رجسٹری پر دستخط کے عوض کچھ لینے کا حکم

اگر کسی نے کسی کو زمین فروخت کیا، یہ خرید وفروخت صرف زبانی ہوئی، ایک وقت کے گذرنے کے بعد خریدار کی اولاد بائع کی اولاد سے رجسٹری پر دستخط کرنے کا مطالبہ کرتی ہے تو اس کے لئے ایمان داری اور دیانت داری کی بات یہ ہے کہ بلا کسی لالچ اور طمع کے رجسٹری پر دستخط کردیں، نیت صحیح کی وجہ سے عند اللہ آپ کو اس کا اجر ملے گا اور اس دستخط کی وجہ سے آپ کی بیماری اور غربت کی وجہ سے اگر وہ اپنی جانب سے بخوشی

---

(۱) مکانات کی خرید وفروخت سے متعلق نئے مسائل: ۱۵۹، فقہ اکیڈمی انڈیا

(۲) فتاوی قاضی خان، البیع، باب البیع الفاسد، فصل فی الشروط المفسدة، زکریا جدید: ۹۹/۲

بطورِ مدد کچھ دے دیں تو ان کی طرف سے ایک تبرع ہوگا۔

لا یجوز لأحد من المسلمین أخذ مال أحد بغیر سبب شرعی (۱)

مکان کے فائل کی فروختگی

بعض بڑے شہروں میں سَلَم علاقے ہوتے ہیں، جہاں بہت سے لوگ سرکاری اراضی پر جھونپڑیوں میں گزارا کرتے ہیں، معاشی اعتبار سے یہ خطِ افلاس سے نیچے رہنے والوں میں ہوتے ہیں، حکومت ان میں بسنے والوں کو بہتر زندگی گزارنے کا موقع فراہم کرنے کی کوشش کرتی ہے، جس کا طریقہ یہ ہوتا ہے کہ بلڈر ان حضرات سے معاہدہ کرتے ہیں کہ وہ انہیں اتنے اسکوائر فٹ کا مکان بنا کر دیں گے، پھر مختلف مراحل طے کرنے کے بعد حکومت اسے منظور کرتی ہے، اب بلڈر ان جھونپڑیوں کے مکینوں سے مکان خالی کروا کر اس جگہ بلڈنگیں تعمیر کرتا اور ان حضرات کو مکان الاٹ کرتا ہے، نیز حکومت کے قانون کے مطابق کچھ مکانات کو خود فروخت بھی کرتا ہے اور فائدہ بھی حاصل کرتا ہے۔ جب تک یہ مکان تیار نہیں ہوتا تب تک اس کی فائل صاحبِ مکان کے پاس ہوتی ہے، ان فائلوں کو لوگ فروخت کرتے ہیں، اس فروخت کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ جب بھی بلڈر مکان بنا کردے گا تو اس کا مالک خریدنے والا ہوگا، اور یہ سب جھونپڑی مکین اور خریدار کی آپسی مفاہمت سے ہوتا ہے، فقہ اکیڈمی انڈیا کا فیصلہ یہی ہے کہ جھونپڑی مکین کا بلڈر یا دوسرے سے مکان کی فائل کا عوض لینا جائز ہے بشرطیکہ قانون کے خلاف نہ ہو۔

اس کی وجہ یہ ہے کہ جھونپڑی والوں کی ملکیت زمین پر فلیٹ کے ملنے تک قائم ہے، البتہ فلیٹ ملنے کے بعد زمین سے ملکیت ختم ہوکر فلیٹ سے متعلق ہوجائے گی تو اس صورت میں جس وقت بھی فائل کی خرید وفروخت کی جائے اس کی پشت پر بہر حال مال

---

(۱) البحر الرائق: کتاب الحدود، فصل فی التعزیر، زکریا: ۵/ ۶۸، فتاوی قاسمیہ: ۱۹/ ۲۵۹، مکتبۂ اشرفیہ، دیوبند

ہوگا خواہ زمین کی شکل میں رہے یا فلیٹ کی شکل میں اور اسے معاہدہ پر منطبق کرنا راجح اس لئے ہے کہ اس میں جواز کی شکل استصناع کے مقابلہ زیادہ نکلتی ہے اور فقہی ضابطہ ہے کہ ایسی شکل کو اختیار کرنا مقدم ہے جس میں جواز کی زیادہ سے زیادہ شکلیں نکلتی ہوں، حاصل یہ ہے کہ یہ معاہدہ ہے اور انتہاء عقدِ معاوضہ ہے، اور متاخرین کے فتوی کے مطابق اس طرح کے معاہدات کا پورا کرنا ضروری ہے اور یہی تاویل اور تفسیر حاکم شہید علیہ الرحمہ نے عقدِ استصناع کے سلسلہ میں کی ہے کہ عقدِ استصناع ایک معاہدہ ہے اور عوضین پر ملکیت بطورِ تعاطی لین دین کے وقت ثابت ہوگی:

"الصحيح أن الاستصناع يجوز بيعا وقال الحاكم الشهيد: إنه وعد وليس ببيع وإنما ينعقد بيعا إذا أتى به مفروغا بالتعاطي"(۱)

اسی طرح جھونپڑی کے مکین کے لئے مکان بننے کے بعد مکان نمبر کی تعیین ہونے سے پہلے اس کو فروخت کرنا درست ہے، جبکہ یہ باعث نزاع نہ ہو، فقہ اکیڈمی کا یہی فیصلہ ہے، اگرچہ بیشتر حضرات کی رائے اس حوالہ سے یہ ہے کہ زیرِ بحث فلیٹ مستقبل میں ملنے والے مکان کی محض سند ہے جس کی تیاری بلڈر کے ذمہ ہے؛ لہٰذا یہ استصناع کا معاملہ ہے اور عقدِ استصناع کے اندر تیار کردہ سامان پر جب تک مکمل قبضہ نہ ہوجائے اس کی فروختگی ناجائز ہے؛ کیوں کہ اگر بلڈر نے کام شروع نہیں کیا تو یہ معدوم شیء کی بیع ہوگی جو شرعاً ناجائز ہے، اور بلڈر نے کام شروع کردیا ہے تو جب تک فلیٹ پر مکمل قبضہ نہ ہوجائے اس سے پہلے اس کی فروختگی غیر مملوکہ شئ کی بیع ہے جو شرعاً ممنوع ہے، اس فائل کی خرید وفروخت کو کسی طرح ''حقوق مجردہ'' کی بیع کے قبیل سے نہیں قرار دیا جاسکتا ہے، نہ ہی اسے حقوقِ مجردہ سے معاوضہ لے کر دست برداری پر محمول کیا جاسکتا ہے، کیوں کہ یہ فائل محض مستقبل میں ملنے والے مکان کی سند کی نمائندگی کرتی ہے یہ فی الحال کسی مال کی

---

(۱) تبیین الحقائق: ۸۲/۴/۷

نمائندگی نہیں کرتی ہے، اسی طرح فائل کو بلڈر کے ذمہ دین قرار دے کر دین کے احکام جاری کرنا بھی صحیح نہیں ہے، کیونکہ ''استصناع'' میں کوئی دین نہیں ہوتا، علامہ کاسانی رقمطراز ہیں: "لا دین فی الاستصناع" (۱) ''استصناع میں کوئی دین نہیں ہوتا ہے''۔

اگر بلڈر اور جھونپڑی کے مکینوں کے درمیان ہونے والے معاملہ کو اگر معاہدہ پر محمول کیا جائے تو اس کی خرید وفروخت کے جواز میں کوئی شبہ نہیں، یہ خرید وفروخت یا تو زمین کی خرید وفروخت بنے گی یا فلیٹ کی جب کہ فلیٹ پر قبضہ پایا گیا ہو، البتہ استصناع پر محمول کرنے کی صورت میں بلڈر کے کام شروع کرنے سے پہلے فائل خریدنا گویا زمین کا خریدنا ہے جس میں شرعاً کوئی حرج نہیں، لیکن بلڈر کے کام شروع کردینے کے بعد زمین پر بلڈر کی ملکیت ثابت ہوجاتی ہے اور جھونپڑی مکینوں کا استحقاق بلڈر کے ذمہ سے متعلق ہوتا جاتا ہے؛ لیکن اگر مستحقین یعنی جھونپڑی مکین بلڈر سے معاوضہ لے کر بلڈر کا خود فائل خرید لینا اور کسی دوسرے سے فروخت کردینا جائز ہے؛ کیوں کہ درحقیقت فائل کا خریدنا نہیں بلکہ اس کی پشت پر موجود زمین کو خرید کر فروخت کرنا ہے، یا صلح سے فلیٹ کے مستحق کو معاوضہ دے کر الگ کرنے کے بعد اس کے فلیٹ کو دوسرے سے بطریق استصناع بیچ دینا ہے؛ لہٰذا اس میں شرعاً کوئی حرج نہیں اسی کو علامہ شامی کہتے ہیں:

"وجاز التصرف فی الثمن (الثمن) ہو ما یثبت فی الذمة دینا عند المقابلة أو غیرہا لو عینا أی مشار إلیه، ولو دینا فالتصرف فیه تملیک ممن علیه الدین ولو بعوض، ولا یجوز من غیرہ۔۔۔ سوي صرف وسلم" (۲)

اور فلیٹ چونکہ صانع (بنانے والے) کے ذمہ متعلق ہوتا ہے؛ اس لئے صانع خواہ اپنا تیار کرا کے دے یا کسی اور سے تیار کروا کر دے درست ہے، اور جب یہ ذمہ

---

(۱) بدائع الصنائع لکاسانی: ۳/۵
(۲) شامی ملخصا: ۳۷۵/۷

سے متعلق ہوا تو اس پر دین کے احکام جاری ہوں گے اور مدیون سے اس کو فروخت کردینا بھی جائز ہوگا ۔

رشوت لے کر فائلیں بنانا

بلڈر کا سرکاری افسران کو رشوت دے کر فائلیں بنوانا اور ان کی خرید وفروخت کرنا رشوت ، کذب ، خداع اور دھوکہ پر مشتمل ہونے کی وجہ سے ناجائز ہے ، اور علم ہوتے ہوئے اس معاملہ میں شرکت بھی امورمحرمہ میں اعانت کی وجہ سے ناجائز ہے،لیکن چونکہ فائلوں کا فروخت کرنا حقیقت میں فائل خریدنے والوں سے استصناع کا معاملہ کرنا ہے یعنی فائل خریدنے والے مستصنع اور بلڈر صانع اور بلڈر پر شی مصنوع کو فراہم کرنا لازم ہوتا ہے خواہ متعینہ جگہ پر فلیٹ بنا کر فراہم کرے یا اسی کے قرب وجوار میں معاہدہ کے مطابق فلیٹ فراہم کرے تو بھی بری الذمہ ہوجائے گا،تو حاصل یہ نکلا کہ یہ معاملہ استصناع کا ہے؛ لہٰذا اگر بلڈر مکان فراہم کردے تو خریدنے والا مکان کا مالک ہوجائے اور بلڈر رقم کا مالک ہوجائے گا،لیکن معاملہ کی ابتداء رشوت کذب وخداع سے کی گئی ہے،اس لئے یہ فعل ناجائز ہوگا؛لیکن اس سے حاصل ہونے والی آمدنی جائز ہوگی، کیونکہ خُبث (گندگی وخرابی) ذریعہ اور سبب میں ہے ذات میں نہیں ہے، بشرطیکہ بلڈر نے اپنی مملوکہ زمین پر فلیٹ تعمیر کیا ہو۔

اسی کو علامہ شامی نے یوں فرمایا ہے:

" والمبيع ہو المعين لا عمله خلافا للبردعي فإن جاء الصانع بمصنوع غيره او بمصنوعه قبل العقد فأخذه صح "(۱)

اگر بلڈر رشوت وغیرہ دے کر فرضی جھونپڑی کی فائلیں بنوا کر سرکاری زمین پر بلڈنگ بنا کر فروخت کرے تو بغیر قانونی ضوابط کے سرکاری زمین پر بلڈنگ بنانا یہ

---

(۱) شامی: ۷/۴۷۶

غصب ہے جس کی شرعاً اجازت نہیں اور خریدنے والے کو اگر اس کا علم ہو تو اس کے لئے خریدنا بھی جائز نہیں، لیکن اگر اس بلڈنگ کو بعد میں تمام قانونی مراعات حاصل ہو جائیں، اور حکومت قانون میں اس بلڈنگ کو منظور شدہ تسلیم کرے اور اس کو استحکام حاصل ہو جائے تو حکومت کی منظوری اور اس کی طرف سے سہولیات فراہم کر دینے کے بعد دلالۃً اجازت مان کر ملکیت ثابت مانی جائے گی وراس کی خرید وفروخت اس کے بعد جائز ہوگی، کیوں جن جگہوں میں حقیقت کا پتہ لگانا ممکن نہ ہو وہاں پر علامات وقرائن پر حکم کا مدار ہوتا ہے اور جب قانونی مراعات بلڈنگ کو حاصل ہو جائیں تو یہ اس کی اجازت کا قرینہ بننے کی صلاحیت رکھتا ہے۔

مصالحِ عامہ سے متعلق قوانین کی خلاف ورزی درست نہیں؛ لیکن اگر یہ قوانین کسی کی ملکیت سے متعلق ہوں تو مالک کے مالکانہ اختیار سلب نہیں ہوں گے، اس لئے حکومت کی طرف سے اسکیم کے تحت کم قیمت پر مکان فراہم کرنا اور پھر متعینہ مدت تک اس کی خرید وفروخت پر پابندی لگانا چونکہ مصلحت اور ملکی مفاد کے موافق ہے اس لئے اس قانون کی پابندی لازم ہے:

"کل من یسکن دولة فإنه یلتزم قولا وعملا بأن یتبع قوانینها وحینئذ یتبع علیه أحکامها وجوبا"(۱)

اسی لئے اس حوالہ سے فقہ اکیڈمی انڈیا کا فیصلہ ہے:

''بلڈر کے لئے فرضی جھونپڑیوں کی فائل فروخت کرنا ناجائز ہے، اور جانتے بوجھتے ان سے خریدنا بھی ناجائز ہے، اسی طرح حکومت کی طرف سے بطورِ تعاون کم قیمت میں فروخت کردہ مکانات کی خرید وفروخت بھی ناجائز ہے، مالک کو حکومت کے قانون کی پاسداری کرنی چاہئے، البتہ اگر بیچ ہی دے تو بیع نافذ رہے گی، اسی

---

(۱) قضایا فقهیه معاصرة:۱۶۶

طرح شرائط پوری نہ ہونے کی صورت میں فرضی کاغذات اورسرکاری افسران کورشوت دے کرمکان خرید نے کاعمل درست نہیں ہے‘‘(۱)

عربون اور ہامش الجدیہ (بیعانہ اورڈپازٹ)

یہ بیع عربون ہی ہے کہ (عقد بیع میں) مشتری اپنے لئے مدتِ متعینہ کا خیار مشروط کرے اور بائع کو کچھ رقم جیسے بیعانہ (عربون/Down payment) کہتے ہیں اس شرط پر ادا کرے کہ اگر وہ بیع نافذ نہ کردے تو بیعانہ ثمن میں شمار نہیں کیا جائے گا، جمہور فقہاء کے نزدیک اس شرط کے ساتھ بیع جائز نہیں، لہٰذا بائع کے لئے جائز نہیں کہ عقد فسخ ہونے کی صورت میں بیعانہ اپنے پاس رہنے دے؛ بلکہ مشتری کو واپس کرنا ضروری ہے، سوائے یہ کہ حاکم کا حکم ہو یا قانوناً بیعانہ واپس نہ کرنا جائز قرار دیا جائے کیوں کہ یہ مسئلہ مجتہد فیہ ہے اور امام احمد نے یہ (بیعانہ واپس نہ دینا) جائز قرار دیا ہے۔(۲)

بیع عربون میں بیعانہ کی واپسی کے حوالہ سے مفتی شبیر صاحب نے ایک مستقبل باب، باب العربون کے نام سے قائم کر کے بیع عربون (بیعانہ کے طور پر رقم کو بطورِ امانت دینے) کو جائز قرار دیا ہے، اگر خرید وفروخت ہوتی ہے اس کو اصل قیمت سے منہا کرلیا جائے گا، ورنہ مشتری کے نہ لینے کی صورت نہ بائع کو اس کو سوخت کرنے کا حق ہوگا، یا بائع کی عدم رضا کی صورت میں مشتری کو اس رقم بیعانہ کو ڈبل لینے کا حق ہوگا: ”لا يجوز لأحد من المسلمين أخذ مال أحد بغير سبب شرعي“ (۳) ابن ماجہ کی روایت ہے:

---

(۱) مکانات کی خرید وفروخت کے متعلق مسائل:۱۱۱

(۲) اسلام کا قانون خرید وفروخت:۹۱

(۳) شامی، کتاب الحدود، مطلب في التعزيز بأخذ المال، زكريا:۶/۱۰۶

"أَنَّ النَّبِيَّ صلى الله عليه وسلم نَهَى عَنْ بَيْعِ العِرْبَانِ ،
قال أبو عبد الله: العِرْبَانُ: اَن يشْتَرِيَ الرَّجُلُ الدَّابَةَ بِمائةِ
دينارٍ، فيُعطِيهِ دينارَيْنِ عَرْبُونًا، فيقولُ: إِنْ لم أَشْتَرِ الدَّابَةَ
فالدِّيْنَارانِ لَكَ" (۱)

نبی کریم ﷺ نے بیع عربان سے منع فرمایا ہے، ابوعبداللہ نے فرمایا عربون کہتے ہیں: آدمی جانور کو سو دینار میں فروخت کرے، وہ اس کو عربون کے طور پر دو دینار دے، تو وہ کہے: اگر میں جانور کو نہ خریدوں تو یہ دونوں دینار تمہارے لئے۔ (۲)

مولانا خلیل احمد سہارنپوری زر بیعانہ کے حوالہ سے **بذل المجہود** میں فرماتے ہیں:

"ويرد العربان إذا ترك العقد على كل حال بالاتفاق" (۳)

اگر عقد کو ختم کیا جائے تو ہر حال میں زر بیعانہ کو واپس کیا جائے گا۔

یہ زر بیعانہ کے نام پر یہ رقم صرف بات کو معتبر اور پختہ بنانے کے لئے ہوتی ہے، اس لئے وقتِ معینہ پر اگر بیع کی رقم ادا نہ کرے تو صرف بائع کو عقد ختم کرنے کا حق ہوگا، مگر عقد ختم کرنے کے بعد دئے ہوئے بیعانہ کو ضبط کرنے کا اختیار نہ ہوگا۔

إذ الحاجة مست إلى الانفساخ عند عدم النقد تحرزا
عن المماطلة في الفسخ (۴)

اگر زر بیعانہ کی ادائیگی کے بعد بقیہ رقم کی عدمِ ادائیگی کی صورت میں ٹال مٹول سے بچنے کے لئے بائع کو ضرورت پڑنے پر عقد کو فسخ کرنے کا اختیار ہے۔

---

(۱) ابن ماجه، ابواب التجارات، باب بيع العربون، حدیث نمبر: ۲۱۹۳
(۲) فتاوی قاسمیہ: ۳۷۸/۱۹، كتاب البيوع، باب العربون
(۳) بذل المجهود: ۲۲۱/۱۱، دار البشائر الاسلامیه بیروت
(۴) هداية، كتاب البيوع، باب خيار الشرط، اشرفی دیوبند: ۳۰/۳

اس مسئلہ کی روشنی میں اچھی طرح سمجھا جاسکتا ہے کہ آج کل عام رواج ہے کہ معاملہ مکمل نہ ہونے پر پیشگی دی جانے والی قیمت، ڈپازٹ اور اڈوانس رقم کو واپس نہیں کیا جاتا، یہ رقم بیچنے والے کے لئے حلال نہیں۔ یہی بات فتاوی رشید شامل در تالیفاتِ رشیدیہ: ۴۰۵ میں موجود ہے، جس میں ہے ''بیع نامہ دینا اس طرح کہ اگر بیع تو من جملہ ثمن میں ہوئے گا ورنہ ضبط ہوجائے ناجائز ہے۔۔۔۔مگر جو یہ ٹھہر جائے کہ درصورتِ عدم بیع کے بیعانہ واپس ہوجاوے گا درست ہے، اسی طرح اسلام اور جدید معاشی مسائل میں ہے:

امام مالک اور امام ابوحنیفہ اور امام شافعی رحمہم اللہ تینوں بزرگوں کے نزدیک یہ شرط لگانا جائز نہیں کہ اگر بیع تام نہ ہوئی تو بائع یہ پیسے ضبط کرے گا کی وہ یہ پیسے بغیر کسی عوض کے بائع کے پاس چلے گئے، امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ کے مذہب میں بیع العربون جائز ہے؛ لہٰذا وہ کہتے ہیں کہ بائع جو پیسے ضبط کر رہا ہے اس کا یہ پیسہ ضبط کرنا درست ہے۔(۱)

پھر آگے مولانا تقی عثمانی صاحب مدظلہ نے بیع عربون کو جائز قرار دیتے ہوئے فرماتے ہیں:

''بہر حال مسئلہ مُجتہد فیہ ہے؛ اس لئے عربون کو بالکلیہ باطل نہیں کہہ سکتے اور بسا اوقات اس قسم کے معاملہ کی ضرورت پیش آجاتی ہے؛ بالخصوص ہمارے زمانے میں جہاں ایک ملک سے دوسرے ملک بین الاقوامی تجارت ہوتی ہے، وہاں یدا بید معاملہ نہیں ہوتا اور نہ ہوسکتا ہے اور اگر کوئی شخص دوسرے سے معاملہ کرلے کہ میں تم سے سامان منگوا رہا ہوں بائع نے اس کے لئے سامان اکٹھا کیا، سب کچھ کیا، لاکھوں روپئے خرچ کئے بعد میں وہ مکر جائے کہ میں بیع نہیں

---

(۱) اسلام اور جدید معاشی مسائل: ۱۵۹/۴، مزید تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو: فتاوی محمودیہ: ۲۰۱/۲۴، مکتبۂ محمودیہ، فتاوی حقانیہ: ۹۹/۶، غرر کی صورتیں: ۱۳۰-۱۵۸

کرتا تو اس صورت میں بائع کا بڑا سخت نقصان ہوتا ہے، ایسی صورت میں بائع اگر عربون کی شرط لگالے؛ تاکہ مشتری پابند ہوجائے تو اس کی بھی گنجائش ہوتی ہے کہ اس صورت میں امام احمد بن حنبلؒ کے قول پر عمل کیا جائے، باقی جہاں ضرورت نہ ہو ویسے ہی لوگوں نے پیسے کمانے کا ذریعہ بنالیا تو وہ جائز نہیں"۔(۱)

اور اپنے والد صاحب حضرت مفتی شفیع صاحب رحمہ اللہ سے نقل فرمایا کہ

"حضرت مولانا اشرف علی تھانوی صاحب رحمہ اللہ نے معاملات میں بوقتِ ضرورت یا ابتلائے عام دوسرے مذہب پر فتوی دینے کی اجازت حضرت گنگوہی رحمہ اللہ سے لی تھی۔(۲)

اور انھوں نے سنن ابن ماجہ کی روایت کو ضعیف کہا ہے، صاحبِ فتاوی زکریا نے اس سلسلے میں تفصیلی گفتگو کی ہے۔(۳)

ہامش الجدیۃ (ڈپازٹ/Earnest money) وہ رقم ہے جو مشتری بائع کو کسی چیز کی خریداری کے وعدے کے وقت میں حقیقی بیع کرنے سے پہلے ادا کرتا ہے، تاکہ وعدہ خرید کے متعلق اپنی سنجیدگی کو ثابت کرسکے، اس رقم کا حکم عربون یعنی بیعانہ کی طرح نہیں؛ بلکہ یہ بائع کے پاس مشتری کی امانت ہوگی، اور کسی سبب سے بیع منعقد نہ ہوئی تو مالک کو واپس کرنا ضروری ہے۔(۴)

اس مسئلہ کی روشنی میں اچھی طرح سمجھا جاسکتا ہے کہ آج کل عام رواج یہ ہے کہ معاملہ مکمل نہ ہونے پر پیشگی دی جانے والی قیمت، ڈپازٹ اور اڈوانس رقم کو واپس نہیں کیا جاتا، یہ رقم بیچنے والے کے لئے حلال نہیں۔

---

(۱) اسلام اور جدید معاشی مسائل: ۴/۱۶۱، ادارہ اسلامیات

(۲) غیر سودی بینکاری، از مفتی تقی عثمانی: ۲۸۸

(۳) فتاوی دار العلوم زکریا: ۵/۱۸۴-۱۸۷، جائز وناجائز خرید وفروخت کے احکام

(۴) اسلام کا قانون خرید وفروخت: ۹۱

بیع بالوفاء

بیع بالوفاء کی بنیادی شکل یہ ہے کہ ایک آدمی ضرورتمند ہوتا ہے، غیر سودی قرض ملتا نہیں اور سودی قرض لینا نہیں چاہتا، تو وہ اپنے کسی سامان (زمین وجائیداد وغیرہ) سودا یوں کرتا ہے کہ تم اتنی قیمت میں اس کو لے لو، اور اتنی مدت کے بعد یا جب بھی میں اس قیمت کو واپس کرنے کے حال میں ہوں تو یہ سامان تم مجھ کو اسی قیمت پر دیدینا کسی دوسرے کو مت بیچنا۔

قول اول: بہت سے حضرات نے اس بیع کو مطلقا رہن کے حکم میں رکھا ہے، اور مشتری کے لئے مبیع (مرہون) سے انتفاع کو ناجائز قرار دیا ہے۔ ان حضرات کا کہنا یہ ہے کہ عقود میں الفاظ کا اعتبار نہیں ہوتا؛ بلکہ مقاصد کا اعتبار ہوتا ہے۔

اگر چہ اس سلسلہ میں بعض فقہاء کی رائے جائز ہونے کی ہے مگر جمہور اکابر امام ظہیر الدین، سید امام ابوشجاع اور امام علی سغدی اور امام ابوالحسن ماتریدی وغیرہ شامل ہیں انہوں نے اس کو عقد رہن کے معنی کی وجہ سے ناجائز قرار دیا ہے، موجودہ دور میں بالخصوص مفتی محمد تقی عثانی صاحب دامت برکاتہم نے ناجائز ہونے کی رائے کو ترجیح دی ہے، سود لینے کے خوبصورت جائز دروازے کے کھل جانے کا اندیشہ ہے، جب کہ جوہری معاملہ ربو ہی ہے۔(۱) مولانا خالد سیف اللہ رحمانی مدظلہ کی بھی یہی رائے ہے(۲)

مفتی سلمان منصور پوری صاحب مدظلہ نے بھی اس کے عدم جواز کو ہی راجح قرار دیا ہے اور مفتی اعظم دارالعلوم دیوبند حضرت مولانا مفتی عزیز الرحمن صاحب عثانی نور اللہ مرقدہ صاحب فتاوی دارالعلوم کی بھی یہی رائے نقل کی ہے کہ

> ''اگر رہن ہے تو ظاہر ہے کہ بائع راہن ہوگا اور مشتری مرتہن اور مرتہن کو شئ مرہونہ سے نفع حاصل کرنا سود ہے، اور اگر بیع ہے جیسا کہ

---

(۱) تبیین الحقائق، بحوالہ فتاوی عثمانی، کتاب البیوع: ۸۰۱/۳

(۲) کتاب الفتاوی، معاشی وتجارتی مسائل: ۱۰۳/۱۰

ظاہر ہے تو اس بیع میں یہ شرط لگائی گئی ہے کہ کچھ مدت کے اندر بائع ثمن کو واپس کردے تو مشتری مبیع کو واپس کردے اور شرط کے ساتھ بیع باطل ہوجاتی ہے، بہر حال عقد مذکور شرعاً صحیح نہیں، اور اس کے مشتبہ ہونے میں تو کچھ شبہ ہی نہیں ہوسکتا، لہٰذا ترک کرنا اس کا لازم ہے، کیوں کہ مشتبہات سے بچنا مامور بہ اور موجبِ حفاظتِ دین ہے"۔(۱)

درمختار اور شامی میں ہے:

قیل ہو رہن فتضمن زوائده (درمختار) وقال الشامی: وفی حاشیة الفصولین عن جواہر الفتاوی: ہوأ ن یقول: بعت منك علی أن تبیعه منی متی جئت بالثمن، فهذا البیع باطل، وہو رہن، وحکمه حکم الرہن وہو الصحیح۔ قال فی الخیریة: والذی علیه الأکثر أنه رہن، لا یفترق عن الرہن فی حکم من الأحکام۔(۲)

مذکورہ بالا عبارت سے واضح ہوا کہ ان علما وفقہاء کے نزدیک مقصدِ عقد کا اعتبار کرتے ہوئے بیع الوفا پر رہن کے تمام احکامات جاری ہوتے ہیں اور یہ معاملہ ظاہراً بیع اور باطناً رہن کا ہے، اور اصولی اعتبار سے اس معاملہ میں عدمِ جواز کا پہلو غالب ہے۔ چناں چہ فقیہ النفس حضرت مولانا خلیل احمد صاحب سہارن پوری نور اللہ مرقدہ وغیرہم کی رائے یہی ہے۔ حضرت سہارنپوری کی تحریر کے الفاظ درج ذیل ہیں: بیع الوفا مروجہ

---

(۱) فتاوی دار العلوم: ۱۴/ ۳۲۶

(۲) الدر المختار مع الشامی، کتاب البیوع، باب الصرف، مطلب فی بیع الوفاء: ۷/ ۵۴۵-۵۴۶، زکریا، ۷/ ۴۲۴-۴۲۵، دار حیا التراث العربی بیروت، الفتاوی الہندیة، ۳/۲۰۹، خانیة علی الہندیة: ۲/ ۱۶۴-۱۶۵

اگر چہ مختلف فیہ ہے؛ لیکن بروئے قواعد شرعیہ عدم جواز سے خالی نہیں۔(۱)

قولِ ثانی: بیع الوفا کے بارے میں دوسرا قول یہ ہے کہ اس میں بعض پہلوں کے اعتبار سے اگر چہ فساد پایا جاتا ہے؛ لیکن انجامِ کار یہ ایک جائز عقد بن جاتا ہے، جس کے ذریعہ مشتری کے لئے مبیع پر قبضہ کے بعد اس سے انتفاع حلال قرار دیا جاتا ہے، فاسد کو بھی اس عقد میں گوارا کر لیا گیا ہے۔

اسی کو خانقاہ تھانہ بھون کے مفتی مولانا ظفر احمد تھانوی امداد الاحکام میں فرماتے ہیں، بیع بالوفاء کی ایک صورت یہ ہے کہ ایجاب وقبول خرید وفروخت کا ہو اور ایجاب وقبول میں کوئی شرط واپسی وغیرہ کی نہ ہو؛ بلکہ ایجاب وقبول کے بعد واپسی کی شرط رکھی جائے تو یہ بالاتفاق جائز ہے "**لخلو العقد عن الشرط**" اور جب زبانی ایجاب وقبول کے بعد اس کے بعد فوراً بیع نامہ میں شرط لکھنے سے حرمت نہ آئیگی "**لأن الأصل فی العقود والكتابة وثيقة**" (۲) اس فتوی پر حضرت تھانوی رحمہ اللہ کے دستخط بھی ہیں۔

دوسری صورت یہ ہے کہ ایجاب وقبول میں ہی واپسی کی شرط لگائی جائے اس کو کافی مشائخ حضرات نے جائز قرار دیا ہے اور بعض حضرات ناجائز کہتے ہیں، لہٰذا اس صورت سے بچنا ہی مناسب ہے۔(۳)

فتاوی سراجیہ میں ہے:

بيع المعاملةوبيع الوفاء واحد وإنه بيع فاسد؛ لأنه بيع بشرط لا يقتضيه العقد، وأنه يفيد الملك عند اتصال القبض به كسائر البيوع الفاسدة، مذكورة فی فتاوى

---

(۱) فتاوی خلیلیہ: ۱/ ۲۹۵۔

(۲) امداد الاحکام: ۳/ ۴۳۵

(۳) فتاوی دار العلوم زکریا، بیع کی مختلف قسموں کا بیان: ۴/ ۲۹۴

أبی بکر بن الفضل۔(۱)

قولِ ثالث: لوگوں کے عرف وتعامل اور ضرورت کوملحوظ رکھتے ہوئے، بعض حضراتِ فقہانے اس عقد کودائرہ جواز میں لانے کے لئے یہ حیلہ پیش فرمایاہے کہ اولا بیع کومطلق عن الشرط رکھا جائے، اور پھرمجلس عقد کے بعد آپس میں یہ طے کرلیا جائے کہ جب ثمن کی واپسی ہوگی تواس بیع کا اقالہ کرلیا جائے گا، گویا بیع الگ ہواور وعدہ الگ، دونوں آپس میں مشروط نہ ہوں۔ متاخرین میں اس کے جواز کے قائلین میں مشائخِ سمرقند اور مشائخِ بلخ اور مشائخِ بخاری اور امام نجم الدین نسفی اور صاحب نہایہ وغیرہ رہے ہیں، انہوں نے اسی کواولی اور انسب کہاہے، ہمارے اکابرمیں ناظم مظاہرالعلوم حضرت مولانا عبداللطیف صاحب نے ایک طویل فتوی میں اسی قول پرفتوی دیاہے جو(فتاوی خلیلیہ:۱/ ۲۹۵) میں درج ہے۔

حضرت تھانوی نے اصولا عدمِ جواز کوثابت کیاہے، اور بوقتِ ضرورت جواز پر عمل کی اجازت دی ہے(۲) اور محدثِ سہارنپور علامہ خلیل احمد صاحب نے جائز قرار دیتے ہوئے تحریر فرمایاہے کہ دستاویز لکھتے وقت بیع کومطلق عن الشرط رکھا جائے، اور بیع مع الشرط کی قید نہ لگائی جائے، تاکہ فقہائے متاخرین کے دونوں فریق کے قول پرعمل ثابت ہوجائے، عصرِ حاضر کے علماوفقہامیں قاضی مجاہدالاسلام صاحب قاسمی رحمہ اللہ اور مفتی شبیر احمد صاحب قاسمی دامت برکاتہم وغیرہ نے اس کے جائز قرار دینے کو اولی اور مناسب سمجھاہے۔(۳)

اس عقد کوبیع الوفاء، بیع الامانہ اوربیع الرہن، بیع الاطاعۃ، بیع المعاملۃ، البیع الجائز،

---

(۱) الفتاوی السراجیة:۴۲۲، اتحاد دیوبند

(۱) تفصیل کے لئے دیکھئے: امدادالفتاوی:۳/ ۱۰۷

(۲) تفصیل کے لئے دیکھئے: فتاوی قاسمیہ:۲۵، کتاب البیوع، باب بیع الوفاء، یہ تینوں اقوال کتاب النوازل سے مذکورہیں، کتاب النوازل، ۲۱۱، ۲۱۷، فتاوی قاسمیہ:۲۵، باب بیع الوفاء میں بالتفصیل مذکورہیں۔

وغیرہ کہا جاتا ہے، صاحبِ ہدایہ نے اس کو بیع الجائز فرمایا ہے:

ما فی البحر الرائق: وصورته: أن يقول البائع للمشتری بعت منک هذا العين بدين لك على أنّی متى قضيت الدين فهو لی أو يقول البائع بعتك هذا بكذا على أنّی متى دفعت لك الثمن تدفع العين لی۔ (۱)

ما فی رد المحتار على الدر المختار: والقول السادس فی بيع الوفاء: أنه صحيح لحاجة الناس فرارا من الربا، وقالوا: ما ضاق على الناس أمر إلا اتسع حكمه در مختار (۲)

فتاوی سراجیہ میں ہے

وعن الشيخ القاضی الإمام الاسبيجابی أنه قال: أنه بيع جائز، ويوفی بالوعد، قال بعض مشائخنا: من أراد أن يرتهن شيئا ويباح له الغلة، فالوجه أن يشتری المحدود شراء باتا، ثم يقول المشتری للبائع: بعد التفرق عن مجلس العقد أن يقيل هذا البيع إليه جميع ما أدى من الثمن (۳)

بیع استغلال

یہ ہے کہ بائع ''بیع بالوفاء'' کرے، پھر مشتری وہی چیز کرایہ پر لے، اس کا حکم یہ ہے کہ اگر بیع کا اعادہ یا کرایہ پر لینا بیع میں مشروط تھا تو یہ جائز نہیں۔

---

(۱) كتاب البيع، باب خيار الشرط، تبيين الحقائق: كتاب الكراه، ردالمحتار، مطلب فی بيع الوفا

(۲) رد المحتار على الدر، كتاب البيوع، باب الصرف، مطلب: قاضيخان من أهل التصحيح والترجيح، ما فی الأشباه والنظائر: بقاعدفقهی: الأمر إذا ضاق اتسع وإذا اتسع ضاق۔

(۳) الفتاوی السراجية: ۴۲۲

اگر بیع میں وفا کی شرط نہ تھی؛ بلکہ مشتری نے عقدِ بیع سے الگ وفا کا وعدہ کیا تھا، نیز اجارہ کی شرط بھی بیع میں نہ تھی؛ بلکہ شرطِ سابق کے بغیر مبیع کرایہ پر لے رہا ہو تو یہ جائز ہے، بشرطیکہ مشتری اولاً مبیع پر قبضہ کرلے، پھر بائع کو اجرت پر دے۔

☆ **البیع الإجاری** (hire purchase) جس کی حقیقت یہ ہے کہ مالک اپنی چیز دوسرے شخص کو اس شرط کے ساتھ دے کہ مستأجر جب اجرت کی تمام قسطوں کو متعین مدت میں ادا کردے تو وہ مزید ثمن ادا کئے بغیر اس چیز کا مالک بننے کا حقدار ہوگا، یہ صورت شرعاً جائز نہیں، کیوں کہ یہ بیع اور اجارہ کے مابین متردد ہے۔

☆ **الإجارة التمويلية:** (Financing lease) شرعاً ممنوع اور حرام ہے، اس میں مؤجر شخص اجرت پر دی ہوئی چیز کا ضامن نہیں ہوتا، نہ ہی اس بنیادی حفاظت کا ضامن ہوتا ہے جس کے بغیر حصول منفعت ممکن نہیں یا جس میں مستأجر کی زیادتی کے بغیر چیز ہلاک ہونے کے باوجود اجرت کا مطالبہ جاری رہتا ہے۔

☆ تملیک پر منتج ہونے والا اجارہ، (**الاجارة المنتهية بالتمليك**) یہ ہے مؤجر اپنی چیز اجرت پر دیتے وقت خلافِ تقاضائے عقد شرط نہ لگائے، اس کے بعد مؤجر یہ وعدہ کرے کہ اگر مستأجر پوری اجرت اس کے اوقات پر ادا کرتا رہا تو اس کو یہ چیز باہمی رضامندی سے کسی ثمن کے عوض فروخت کردی جائے گی، ایسا اجارہ ذیل کی شرطوں کے ساتھ جائز ہے۔

ا) دونوں (اجارہ اور بیع) الگ الگ عقد ہو، جن کا وقت ایک دوسرے سے علاحدہ اور مستقل ہو، اس طور پر کہ عقد اجارہ کے ختم ہونے کے بعد عقد بیع کیا جائے یا تملیک کا وعدہ ہی اجارہ کی مدت کے اختتام پر کیا جائے، احکام میں خیار اور وعدہ مساوی ہیں۔

ب) عقدِ اجارہ بالفعل مقصود ومراد ہو، بیع کے لئے آڑ اور بہانے کے طور پر نہ ہو۔

ج) اجرت پر دی ہوئی چیز مالک کی ضمانت میں ہو، مستأجر کے ضمان میں نہ ہو، چنانچہ مستأجر کی تعدی یا زیادتی کے بغیر چیز کو لاحق ہونے والا نقصان مؤجر ہی برداشت کرے گا، اور اجرت پر دی ہوئی چیز کی منفعت کے فوت ہونے کی صورت میں مستأجر پر کچھ لازم نہیں ہوگا۔

د) اگر یہ عقد اجرت پر دی ہوئی چیز کی حفاظت کے بیمہ پر مشتمل ہو تو وہ اسلامی تعاونی بیمہ ہونا چاہئے، تجارتی بیمہ نہ ہو، بیمہ کے مصارف مؤجر ہی برداشت کرے گا، مستأجر نہیں۔

ہ) تملیک پر منتہی ہونے والے ایسے عقدِ اجارہ پر پوری مدت اجارہ کے درمیان اجارہ کے احکام لاگو ہوں گے اور پھر عین کی تملیک کے وقت بیع کے احکام لاگو ہوں گے۔

و) اجارہ کی مدت کے دوران چیز کے غیر استعمال مصارف مؤجر پر ہوں گے، مستأجر پر نہیں۔(۱)

قبضہ کردہ زمین کی خرید وفروخت

شہر کی ضرورتوں سے وابستہ اراضی یا وہ اراضی (جن کو حکومت نے کسی ضرورت کے لیے متعین کر رکھا ہے) پر قبضہ غصب ہے اور غاصبین سے ایسی اراضی کی خرید وفروخت جائز نہیں ہے، لیکن وہ اراضی جو شہروں کی ضرورتوں سے فاضل ہیں، یا حکومت نے اس کو کسی ضرورت کے لیے خاص نہیں کیا ہے ان کی خرید وفروخت کی گنجائش ہے، بشرطیکہ قانونی تقاضوں کی تکمیل کر لی جائے۔

لیکن ایسی زمینوں پر کسی طرح کا تصرف اور خرید وفروخت حرام اور ناجائز ہے اور خریدی ہوئی زمین کو دوسرے کے ہاتھ فروخت بھی حرام اور ناجائز ہے، اس لئے کہ

(۱) اسلامی قانونِ خرید وفروخت ۳۹، ۴۰، حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی، مطبوعہ جامعۃ العلوم القرآن جمبوسر

ایسی زمینیں سرکاری اراضی ہوتی ہیں جو مال عام ہیں، جن پر کسی فرد کی ملکیت نہیں ہوتی؛ بلکہ وہ ساری قوم کی ملکیت ہوتی ہے اور جس کے تصرف کا حق مصلحت وضرورت کے مطابق حاکم وقت کو ہوتا ہے؛ لہٰذا مال عام پر ہر طرح کی دست درازی باطل طریقہ سے مال کو برتنے میں داخل ہیں جو شریعت میں ممنوع ہیں، اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: "يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَأْكُلُوا أَمْوَالَكُمْ بَيْنَكُمْ بِالْبَاطِلِ" (۱) تفسیر روح المعانی میں ہے: "الباطل، الحرام كالسرقة والغصب وكل مالم يأذن بأخذه الشرع" (۲)

اگر پلاٹس خریدنے والوں کو اس بات کا علم نہ ہو کہ آیا یہ سرکاری مقبوضہ ہیں یا غیر قانونی طور پر کالونی پاس کرائی گئی ہے تو وہ گناہ گار نہیں ہوں گے، البتہ معلوم ہونے کے بعد اصل مالک سے مصالحت واجب ہوگی، خواہ یہ مصالحت شیءِ مغصوب کو واپس لوٹانے کے ذریعہ ہو یا اس کے عوض اور معاوضہ کی ادائیگی کے ذریعہ۔

"لو باع السارق المسروق من إنسان أو ملك منه بوجه من الوجوه فإن كان قائما فلصاحبه أن يأخذه لأنه عين ملكه وللمأخوذ منه أن يرجع على السارق" (۳)

بعض لوگوں کا کہنا ہے کہ اگر مغصوبہ اراضی پر سرکاری منظوری مل گئی، اگرچہ رشوت وغیرہ کے ذریعہ ہی ہو تو وہ اس کا مالک ہوجائے گا اور اس کا دوسروں کے ہاتھ فروخت کرنا اور دوسروں کا اس سے خریدنا بھی جائز ہوگا۔

الغاصب إذا باع المغصوب من رجل ثم باعه المشترى من الآخر حتى تداولته الأيدى ثم إن المالك أجاز عقدا من العقود جاز ذلك العقد" (۴)

---

(۱) سورۃ نساء:۲۹

(۲) روح المعانی:۲/۱۰۵

(۳) بدائع الصنائع:۷/۸۵

(۴) الفتاوی الهندية:۳/۱۱۱

البتہ اگر مغصوبہ زمین کی مرمت کردی گئی یا وہ بنجر زمین تھی اس کو آباد کردیا گیا یا اس پر تعمیر کردی گئی جس کو فقہاء کی اصطلاح میں ''تغیر فاحش'' کہتے ہیں اور اس کی تعمیر کی لاگت زمین کی قیمت سے زیادہ ہے، یا برابر ہے یا کم ہے، لیکن حکومت یا مالک اراضی کچھ قیمت لے کر راضی ہوجاتا ہے تو غاصب پر عین شیء کا لوٹانا واجب نہیں ہے بلکہ ان پر ضمان یا قیمت ادا کرنا واجب ہے۔

"إذا كان المغصوب أرضا و كان الغاصب أنشأ عليها بناء او غرس فيها أشجارا يؤمر الغاصب بقلعها وإن كان القلع مضرا بالأرض فللمغصوب منه أن يعطى قيمته مستحق القلع ويضبط الأرض؛ ولكن لو كانت قيمة الأشجار أزيد من قيمة الأرض، و كان قد أنشأأو غرس بزعم شرعی كان حينئذ لصاحب البناء أو الأشجار أن يعطى قيمة الأرض ويتملكها" (١)

وقف کی زمین خریدنا

غیر مجاز طور پر اوقاف کی زمین کو فروخت کرنا ناجائز اور سخت گناہ ہے اور ایسے غاصبین سے اس کا خرید کرنا بھی درست نہیں ہے۔

اس لئے کہ وقف مکمل ہونے کے بعد وہ انسان کی ملکیت سے نکل کر اللہ تعالیٰ کی ملکیت میں داخل ہوجاتا ہے، اس لئے اوقاف کی مغصوبہ اراضی کو خریدنا حرام ہے، اور ایسی بیع بیع باطل ہے۔

چنانچہ درالمختار میں ہے:

" فإذا تم ولزم لا يملك ولا يملك ولا يعار ولا يرهن ـــــ قوله (لا يملك) أي لا يكون مملوكا لصاحبه ولا

---

(١) شرح المجلة:۲/ ۵۷۳

یملك أی لا یقبل التملیك بغیره بالبیع ونحوه لاستحالة تملیك الخارج عن ملکه ولا یعار ولا یرہن لاقتضائها الملك" (۱)

وقف کا اصلی حکم یہ ہے کہ اس کی خرید وفروخت نہ ہو اور اس میں وقف کی مصلحت کے مطابق تصرف کرنے کا حق صرف متولی کو ہے جیسا کہ حضرت عمر ؓ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: "تصدق بأصله، لا یباع ولا یوهب ولا یورث ولكن ینفق ثمره" (۲)

البتہ ایسے اوقاف جن پر قبضہ کر لینے کا غالب گمان ہو یا قابلِ انتفاع نہ ہو یا دور افتادہ ہو تو متولی وقف کے لئے درست ہے کہ اراضی موقوفہ کو فروخت کر کے اس کی رقم دوسرے اوقاف میں لگائی جائے جو منشاء واقف کے مطابق ہو ایسا کرنا درست ہے۔

"سئل الحلوانی عن أوقاف إذا تعطلت وتعذر استغلالها هل للمتولی بیعها ویشتری مكانها أخری، قال: نعم" (۳)

عام حالتوں میں وقف کی چیز کو بیچ کر اس سے دوسری چیز خریدنا یا دوسری شئ سے وقف کردہ شئ کا تبادلہ کرنا درست نہیں ہے، بلکہ اوقاف کا تبادلہ صرف مخصوص صورتوں میں جائز ہے، اور ان صورتوں میں بھی شرط یہ ہے کہ دوسرے مقامات پر اسی نوع کے متبادل اوقاف قائم کئے جائیں جیسا کہ علامہ شامی فرماتے ہیں:

"لا یستبدل العامر إلا فی أربع: الأول: لو شرطه

---

(۱) الدر المختار مع رد المحتار: ۴۲۱/۶

(۲) صحیح البخاری، حدیث نمبر: ۲۷۶۴

(۳) البحر الرائق: ۳۴۵/۵

الواقف، الثانية: إذا غصبه غاصب أو أجرى عليه الماء حتى صار بحرا، فيضمن القيمة، ويشترى المتولى بها أرضا بدلا، الثالثة: أن يجحده الغاصب ولا بينة أي: وأراد دفع القيمة، فللمتولى أخذها ليشترى بها بدلا، الرابعة: أن يرغب إنسان فيه ببدل أكثر غلة وأحسن صُقعًا، فيجوز على قول أبي يوسف، وعليه الفتوى، كما في فتاوى قارى الهداية"

آباد زمین کا تبادلہ کرنا صرف چار ہی صورتوں میں جائز ہے:

۱- پہلی صورت یہ ہے کہ واقف نے اس کی شرط لگا دی ہو۔

۲- دوسری صورت یہ ہے کہ غاصب نے وقف کی زمین غصب کر لی ہو اور اس پر اس طرح پانی بہا دیا ہو کہ وہ تالاب بن جائے، تو اب غاصب قیمت کا ضامن ہوگا اور متولی اس قیمت سے دوسری زمین خرید لے گا۔

۳- تیسری صورت: یہ ہے کہ غاصب اس زمین کے غصب سے انکار کرتا ہو اور گواہان موجود نہ ہوں اور غاصب قیمت دینے کو تیار ہو جائے تو متولی اس زمین کے بدلے قیمت لے سکتا ہے، تاکہ اس کے ذریعے دوسری زمین خرید کر متبادل وقف قائم کر سکے۔

۴- چوتھی صورت یہ ہے کہ اس وقف کو کوئی شخص ایسا بدل دے کر لینا چاہتا ہو جو پیداوار اور محلِ وقوع کے اعتبار سے زیادہ بہتر ہو تو امام ابو یوسفؒ کے قول پر اس صورت میں تبادلہ کرنا جائز ہے، اور اسی پر فتوی ہے جیسا کہ قاری الہدایہ کے فتاوی میں ہے۔

تو جب اوقاف کا تبادلہ شرطوں کے ساتھ مشروط ہے تو پھر اوقاف کی مغصوبہ زمینوں کو اپنی ذات کے لئے خرید کرنا غاصبین کی حوصلہ افزائی کیوں کر جائز ہوگی۔

موروثی زمین تقسیم سے پہلے

مورث کے انتقال کے بعد فوراً ہی ورثہ کے درمیان ترکہ کی تقسیم ہونی چاہئے لیکن اگر ترکہ کی تقسیم نہیں ہوسکی اور کسی وارث نے مشترک اراضی کو فروخت کردیا تو یہ فروختگی صرف اس فروخت شدہ جائیداد میں اس کے حصہ کے بقدر محدود رہے گی اور اس کے حصہ سے زائد میں دیگر ورثہ کی اجازت کے بغیر درست نہیں ہوگی۔

اس سلسلہ میں کہ اگر زمین فروخت ہو رہی ہو اور تمام شرکاء زمین کی رضامندی شامل نہیں ہے اور بیٹے اور پوتے نے دوسرے شرکاء کی زمین الگ بھی نہیں کی ہے تو ایسی موروثی زمین کا خریدنا مکروہ ہوگا۔

مشترکہ جائیداد میں تمام شرکاء کی اجازت سے ہی تصرف کیا جاسکتا ہے علاء الدین سمرقندی لکھتے ہیں:

"شركة الأملاك على ضربين أحدهما: ما كان يفعلهما مثل أن يشتريا أو يوهب لهما أو يوصى لهما فيقبلا، والآخر بغير فعلهما وهو أن يرثا، والحكم في الفصلين واحد، وهو أن الملك مشترك بينهما، كل واحد منهما في نصيب شريكه كالأجنبي، لا يجوز له التصرف فيه إلا بإذنه" (۱)

اس تعلق سے بعض لوگوں کا کہنا یہ ہے کہ ایسی موروثی زمینوں کے خریدنے کی صورت میں بیع موقوف ہوگی، اس کی شرط نفاذ نہیں پائی جارہی ہے، اجازت کے بعد اس کے اپنے حصہ کی بیع درست ہوجائے گی۔

وہبہ زحیلی الفقہ الاسلامی وادلتہ میں فرماتے ہیں:

"إن كان في المبيع حق لغير البائع كان العقد موقوفا غير نافذ" (۲)

---

(۱) تحفة الفقهاء: ۵/۳، طبع بیروت (۲) الفقه الاسلامی وأدلته: ۳۷۲/۴

بعض علماء کہتے ہیں کہ اگر اس بات کا علم نہ ہو کہ یہ مشترکہ موروثی زمین ہے، صرف بائع کا حصہ نہیں ہے تو ایسی صورت میں اس کے لئے خریدنا جائز ہے؛ لیکن اگر معلوم ہوجانے کے بعد خریدتا ہے تو تعاون علی المعصیت کی وجہ سے جائز نہ ہوگا۔

"فإن اشترى وقيل: وهو لا يعلم أنه لغيره أو أخبره أنه له، رجوت أنه في سعة من شراه وقبوله، والتنزه أفضل"(۱)

البتہ بعض لوگ کہتے ہیں کہ وارثین کے لئے اپنے حصہ کے بقدر اراضی فروخت کرنا اور دوسروں کے لئے ان کا خریدنا جائز ہوگا۔

ہندوستان کی تمام موروثی زمینوں کا خواہ وہ زمینداری والی ہوں یا بھوم دھری یا سیر دھری کی ہوں، سب کا حکم یہ ہے کہ اگر اس میں سے اولادِ مؤنث کا حصہ دیا جانا معلوم نہ ہو اور اولادِ مؤنث اور انکے ورثاء کی طرف سے کسی قسم کے مطالبہ کا بھی علم نہ ہو تو ظاہر حال کے مطابق قابض ومتصرف کو مالک مختارِ مجاز مان کر اس کا خریدنا جائز ہے، لیکن اگر خریدنے کے بعد اولادِ مؤنث میں کوئی مطالبہ پیش کرے اور خریدنے کا مطالبہ صحیح ودرست طریقہ سے ثابت بھی ہوجائے تو اس کے حصہ کے مطابق بیع کالعدم مانی جائے گی، اس کے حصہ کی زمین دے کر یا اس کا معاوضہ دے کر اس کو راضی کرنا لازم اور واجب ہوگا؛ کیوں کہ جب ان کا استحقاق ثابت ہوگا تو پھر استحقاق کا حکم بھی عائد ہوگا۔

اور اگر موروثی زمین میں اولادِ مؤنث کی طرف سے مطالبہ ہو اور مطالبہ کا علم بھی ہو تو اس کو راضی کئے بغیر اس کے حصہ کی زمین خریدنا شرعاً غصب ہونے کی وجہ سے ناجائز اور حرام ہے، اس صورت میں اگر زمین خریدی گئی تو چونکہ ان کا حق باقی اور معلوم ہے؛ اس لئے جس طرح بھی ممکن ہو ان کا حق ادا کرنا لازم ہوگا۔

حرام مال سے خریدی ہوئی زمین

حرام مال سے جو زمین وجائیداد خریدی گئی ہے، حقیقت حال سے واقف

(۱) المبسوط للسرخسی: ۱۲۲/۳

حضرات کے لئے اس کا خریدنا جائز نہیں ہے، ہاں! لاعلمی کی صورت میں خریدار کی ملکیت ثابت ہوجائیگی

اس حوالہ سے مسئلہ یہی ہے کہ حرام آمدنی سے خریدی ہوئی زمین کا دوسروں کے لئے معلوم ہونے کے باوجود خریدنا ناجائز ہے۔

چنانچہ فتاوی شامی میں ہے:

"الحرمة ينتقل حرمته وإن تداولته الأيدى وتبدلت الأملاك" (۱)

اس لئے اس حوالہ سے یہ بات ملحوظ رہے کہ اگر حرام مال سے حاصل ہونے والی جائیداد بھی حرام ہے، اصل مالک کو لوٹانا اگر ممکن ہو تو لوٹایا جائے گا، ورنہ صدقہ کردیا جائے گا، جب ایسی جائیداد کا وہ شخص مالک ہی نہیں نیز خریدار کو معلوم بھی ہے تو اس کے لئے خریدنا کیسے جائز ہوگا؟

اس سلسلہ میں بعض حضرات نے مال حرام اور مال حلال سے خلط ملط ہو یا نہ ہو اس میں فرق بیان کیا ہے۔

مال حرام سے خریدی ہوئی زمین کا حکم یہ ہے کہ اگر مالِ حرام وحلال سے مخلوط نہ ہو؛ بلکہ مکمل حرام ہو غصب، رشوت وغیرہ کے ذریعہ حاصل کیا گیا اور اس سے کوئی زمین وغیرہ خریدی جائے تو اگر مال حرام کا عوض ادا کردیا جائے یعنی اگر مالک معلوم ہو تو ان کو واپس لوٹا دیا گیا ہو ورنہ صدقہ کردیا گیا ہو تو اس کے بعد اس کا خریدنا اور بیچنا دونوں جائز ہے، اور اس کا نفع حلال ہے، کیوں کہ مال حرام کا حکم شرعی انجام دینے کے بعد اس سے خریدا ہوا مال حلال ہوجائے گا، اور اس مال میں کوئی خبث باقی نہ رہے گا، جیسا کہ مالِ مغصوب عوض ادا کرنے کے بعد حلال ہوجاتا ہے، اور اس کی خرید وفروخت جائز ہوجاتی ہے:

---

(۱) فتاوی شامی: ۳۰۱/۷

"مات و كسبه حرام فالميراث حلال، ثم رمز، وقال: لا نأخذ بهذه الرواية، وهو حرام مطلقا على الورثة فتنبه" الخ، ومفاد الحرمة وإن لم يعلم أربابه"(۱)

" ما يأخذه من المال ظلما ، ويخلطه بماله وبمال مظلوم آخر يصير ملكا له ينقطع حق الأول فلا يكون أخذه عندنا حراما محضا، نعم لا يباح الانتفاع به قبل أداء البدل في الصحيح من المذهب"(۲)

منظور شدہ پلان کی خلاف ورزی

۵- الف: کالونی بسانے کی خاطر جو لے آوٹ منظور کرایا جاتا ہے، اس کی خلاف ورزی درست نہیں ہے، لیکن اس کی وجہ سے وہ زمین کالونی بسانے والے کی ملکیت سے خارج نہیں ہوتی ہے اس لئے منظور شدہ نقشہ کے مطابق بھی بیچنے کی گنجائش ہے، بشرطیکہ اس میں ضروری عوامی مفادات متاثر نہ ہوتے ہوں۔

حکومت سے پاس کرائے گئے نقشہ کو تبدیل کر کے عامی مفاد کے لئے مختص اراضی کو فروخت کرنا ناجائز ہے، اس لئے کہ حکومت کے قانون کے مطابق جو نقشہ پاس ہوتا ہے اس کی حیثیت حکومت سے وعدہ اور معاہدہ کی ہے، پلاٹر حکومت سے یہ وعدہ کرتا ہے کہ ہم خریداروں کو اس نقشہ کے مطابق پلاٹ فراہم کریں گے اور خریداروں سے یہ معاہدہ کرتا ہے کہ اس نقشہ کے مطابق پلاٹ فراہم کیا جائے گا اور حکومت کا نقشہ سازی کے بعد پلاٹنگ کی اجازت دینا اور پلاٹنگ کو نقشہ کے ساتھ منظور کرانا عوامی مصالح اور فائدے کے لئے ہوتا ہے، اس لئے اس کی پابندی پلاٹر کے اوپر واجب ہوتی ہے، اور اس کی خلاف ورزی شرعاً جائز نہیں ہے، اللہ تعالیٰ کا ارشادِ گرامی ہے:

---

(۱) فتاوی شامی، فصل في البيع

(۲) فتاوی شامی، باب زكاة الغنم: ۳/ ۳۲۰

أَوْفُوْا بِالْعَهْدِ إِنَّ الْعَهْدَ كَانَ مَسْئُوْلًا (۱)

حکومت سے منظور شدہ نقشہ کی خلاف ورزی حکومت، انتظامیہ اور عوام کے ساتھ صریح دھوکہ ہے، جس کی اسلام میں کوئی گنجائش نہیں، بلکہ اخلاقی لحاظ سے قبیح جرم ہے۔ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: "مَنْ غَشَّنَا فَلَيْسَ مِنَّا" (۲)

اسی طرح راستہ کا معاملہ بھی ہے، راستہ تنگ کر دینا یا راستہ نہ دینا درست نہیں ہے، عرف کے مطابق جتنا حق ہے، یہ کالونی کے حقوق میں سے ہے، اس لئے اس حق کو ضائع نہیں کرسکتا، حدیث میں "قَضَى النَّبِيُّ صلى الله عليه وسلم إِذَا تَشَاجَرُوْا فِى الطريقِ بِسَبْعَةِ أَذْرُع" (۳)

اور ظاہر ہے کہ سڑکوں کی چوڑائی کا رقبہ طے کرنا، کھیل کے میدان کے لئے جگہ رکھوانا، مسجد کی جگہ مقرر کرانا اور سوئمنگ پول کی جگہ چھوڑنا عام لوگوں کی صحت کی حفاظت اور ان کو ضرر سے بچانے کے نقطۂ نظر سے ہے، سو یہ خیر اور بھلائی کا کام ہے؛ لہٰذا اس سلسلہ میں حکومت کا تعاون واجب ہے، نیز اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

يَا أَيُّهَا الَّذِيْنَ آمَنُوْا أَطِيْعُوا اللهَ وَأَطِيْعُوا الرَّسُوْلَ وَأُوْلِى الْأَمْرِ مِنكُمْ (۴)

اور ذمہ دارانِ کار میں اہلِ علم اور حکمراں دونوں شامل ہیں، اگرچہ امام طبری رحمہ اللہ نے اس بات کو ترجیح دی ہے کہ سربراہان کار سے مراد حکمراں ہیں۔ (۵)

---

(۱) سورہ اسراء: ۳۴

(۲) ترمذی، ابواب البیوع عن رسول اللہ، باب ما جاء فی کراهية الغش فی البیوع، حدیث: ۱۳۱۵

(۳) صحیح البخاری، کتاب المظالم، باب إذا اختلفوا فی الطریق المیتاء، وھی الرحبة، حدیث: ۲۴۷۳

(۴) سورۃ النساء: ۵۹

(۵) جامع البیان فی تأویل القرآن: ۸/۵۰۲

چونکہ کھیل کے میدان، سڑکوں اور دیگر چیزوں کا عوض کالونی کے پلاٹ کی قیمت میں طے ہوتا ہے اس کے بعد پھر کالونی بنانے والے کے لئے دوبارہ اس کی قیمت حاصل کرنا کیوں کر جائز ہوگا۔

راستہ عوام الناس کے لئے وقف ہوتا ہے، کسی کے لئے راستے پر قبضہ کرنا جائز نہیں ہے، راستہ وسیع ہو اور اس پر قبضہ کی وجہ سے راہگیروں کو ضرر نہ ہو تب بھی راستے پر قبضہ کرنا جائز نہیں ہے موسوعہ فقہیہ میں ہے:

"وإن زاد على سبعة أذرع أو عن قدر الحاجة لم يغير؛ لأن الطريق والأفنية كالأحباس للمسلمين فلا يجوز لأحد أن يستولى على شيء منها أو يقتطع من طريق المسلمين شيئا وإن كان الطريق واسعا، ولا يتضرر المارة بالجزء المقتطع منه، لما روى عن الحكم بن حارث السلمى أن النبى قال: مَنْ أَخَذَ مِنْ طَرِيْقِ الْمُسْلِمِيْنَ شِبْراً طَوَّقَهُ يومَ الْقِيَامَةِ مِنْ سَبْعِ أَرْضِيْنَ"(۱)

اس سلسلے میں یہ بات ملحوظ رہے کہ

اگر زمین حکومت کی ہے، حکومت نے کسی کے نام الاٹ کیا ہے؛ تاکہ وہ کالونی بنائے، حکومت نے راستہ کی چوڑائی متعین کردی ہے، مسجد کی جگہ فکس کردی ہے، اسی طرح دوسرے عوامی مفاد کے لئے پارک وگراؤنڈ کی تحدید کردی ہے تو ایسی صورت میں کالونی بنانے والے کو عوامی مفادات سے وابستہ یا مسجد و مدرسہ کے لئے مختص زمین کی ملکیت حاصل ہی نہیں ہوئی، اس لئے اس کے لئے یہ جائز نہیں کہ سابقہ پروگرام میں رد وبدل کرنے اور نہ دوسروں کے لئے جائز ہے کہ جانتے بوجھتے ہوئے اس کو خریدے،

---

(۱) المعجم الصغير للطبراني: وممن سمعت منه من النساء، حديث: ۱۱۹۷، موسوعة فقهية: ۳۴۷/۲۴

کیوں کہ کالونی بنانے والا اس کا مالک نہیں تو اس کو بیچنے کا حق بھی نہیں رکھتا۔

اگر زمین حکومت کی ہے، اور حکومت نے کسی کے نام الاٹ کیا ہے تب تو وہ حکم ہے جو اوپر بیان ہوا، لیکن اگر زمین کالونی بنانے والی کی ہے، اور حکومت سے صرف کالونی بنانے کی اجازت لی ہے تو چونکہ وہ پوری زمین کا مالک ہے، اس لئے وہ عوامی مفاد کی زمینوں میں ردوبدل کرسکتا ہے اور اس کو بیچ بھی سکتا ہے لکھتے ہیں:

''لیکن زمین کالونی بنانیوالے کی ہے،، گورنمنٹ سے صرف کالونی کا پرمٹ لیا ہے حکومت نے پرمٹ کے لئے عوامی مفادات سے وابستہ قطعات کو چھوڑنے کی شرط لگائی ہے، بظاہر کالونی بنانے والے کو منظور بھی ہے، مگر دل سے شاید راضی نہیں ہے، ان اراضی کو مسلمانوں کے لئے وقف کردے؛ لیکن وہ شخص ایسا نہیں کرتا ہے تو بدستور اس کی ملکیت ہے اور وہ اس کو بیچ سکتا ہے، دوسرے لوگوں نے خرید لیا ہے تو خریدنا جائز بھی ہے، صرف اتنا ہوا کہ حکومت کے جائز قانون کی خلاف وزری کی جس کا وبال اس کو پہنچ سکتا ہے۔

اسی طرح انہوں نے اس فرق کو بھی واضح کیا ہے کہ راستہ چونکہ بنیادی ضروریات میں سے ہے، اس لئے اس کے لئے کم ازکم سات ہاتھ چھوڑنا لازم ہے، پلے گراؤنڈ (Play ground) اور سوئمنگ پول (Swimmingpul) آج کی ضروریات میں شامل ہیں، مگر بنیادی ضروریات سے نہیں ہیں، اس لئے اگر ان کی بیع کرتا ہے تو بیع نافذ ہوگی اور خریدنے والے کے لئے خریدنا بھی جائز ہوگا۔

اگر حکومت کی تجویز کردہ پلے گراؤنڈ، راستے ودیگر عوامی مفاد کی اراضی ضرورت سے زائد ہوں اور اس قدر ہوں کہ ان سے کم میں بھی ضرورت کی تکمیل ہوسکتی ہو، باشندگان کا کوئی جسمانی اور امکانی نقصان نہ ہو تو مالک زمین کو زائد حصے بیچنے کا حق ہے، کیوں کہ اس سلسلہ میں جو بنیادی چیز مدِنظر ہے وہ اہلِ کالونی کا اپنی ضروریات میں دقت محسوس نہ کرنا ہے۔

منصوبہ میں مسجد کا حکم

کالونی بنانے والے نیا گھر مسجد کے لئے زمین وقف کردی تو اس کے لئے اس کو فروخت کرنا صحیح نہ ہوگا، اور اگر نہیں کیا ہے، بلکہ مسجد بنانے کا وعدہ کیا ہے تو اس کو فروخت کرسکتا ہے، البتہ وعدہ خلافی کا گناہ ہوگا۔

پلاٹ کی پلاننگ میں کسی جگہ کا مسجد کے لئے متعین کرنا یہ مسجدِ شرعی ہونے کے لئے کافی نہیں ہے، نقشہ میں مسجد کا پلاٹ دکھانے اور پلاٹ میں کسی جگہ کا مسجد کے لئے متعین کرنا یہ مسجدِ شرعی ہونے کے لئے کافی نہیں ہے، نقشہ میں مسجد کا پلاٹ دکھانے اور متعین کردینے سے وہ جگہ نہ تو وقف ہوگی، نہ مسجدِ شرعی بنے گی، کیوں کہ وقف کے لئے ضروری ہے کہ باقاعدہ کسی چیز کو وقف کیا جائے اور یہ کہا جائے کہ یہ چیز وقف ہے، اسی طرح وقف کرنے والا اس میں نماز کی اجازت دے دے۔

فقہاء نے کسی جگہ کے مسجد ہونے کے لئے تین شرطیں ذکر کی ہیں:

۱۔　افراز، یعنی مکمل طور پر علاحدہ کردے۔

۲۔　اذنِ صلاۃ، یعنی نماز پڑھنے کی مکمل اجازت ہو۔

۳۔　تابید، یہ وقف ہمیشہ کے لئے ہو۔

لہٰذا جس جگہ پر نماز پڑھنے کی اجازت نہ دی گئی ہو، اور وہ جگہ قوم ومتولی کے حوالہ نہ کی گئی ہو، صرف مجوزہ نقشہ اور ارادہ میں کسی جگہ پر مسجد بنانا ہو تو اس نقشہ اور ارادہ وہ جگہ شرعاً مسجد نہیں بنے گی۔

"ولو بنى مسجدا وسلمه إلى المتولي لا يصير مسجدا بالتسليم إلى المتولي وهو قول البعض، واختاره شمس الائمة السرخسي، وقال بعضهم: يصير مسجدا كسائر الاوقاف.... فأفاد بالاقتصار على الشروط الثلاثة (الإفراز وإذن لصلاة والتأبيد) أنه لا يحتاج في

جعله مسجدا إلى قوله وقفته ونحوه؛ لأن العرف جار بالإذن فى الصلاة على وجه العموم، والتخلية بكونه وقفا على هذه الجهة فكان كالتعبير به“ (۱)

۶۔ مسجد مسلمانوں کی اہم ترین دینی ضرورت ہے، اس لئے کالونی بننے سے پہلے اگر کالونی بنانے والا پلے گراؤنڈ وغیرہ جیسے مفاد عامہ کی زمین کو مسجد کے لئے تبدیل کردیتا ہے، نیز مسجد کے لئے مطلوبہ شرائط بھی پائی جائی ہیں تو اس پر مسجد بنانا درست ہوگا اور وہ مسجدِ شرعی تصور کی جائے گی البتہ کالونی بن جانے کے بعد مفادِ عامہ کے قطعات سے تمام باشندگان کا حق متعلق ہوجاتا ہے اس لئے باہمی رضامندی سے ہی مسجد بنائی جاسکتی ہے۔

اس سلسلہ میں فقہ اکیڈمی کا یہی فیصلہ ہے کہ جو اجتماعی مصالح اور مفادِ عامہ کے تحفظ اور ضررِ عام کے ازالہ کی خاطر حکومت وضع کردہ اس طرح کے قانون کی پابندی لازم ہے، اس کی خلاف وزری ناجائز اور گناہ ہے۔

فتاوی ہندیہ میں ہے:

”مسجد بنى على سور المدينة قالوا: لا يصلى فيه لأن السور حق العامة“ (۲)

بسی ہوئی بستی میں جہاں پارک وغیرہ اور دیگر مفادِ عامہ کی چیزیں ہیں تو وہاں کی زمین کو لے کر مسجد نہ بنایا جائے؛ البتہ آبادی سے پہلے اس پلان میں تبدیلی کی جاسکتی ہے۔

۷۔ کالونی بسانے میں مسلمانوں کو چاہئے کہ قانونی طریقہ اختیار کریں لیکن دشواریوں کے پیش نظر کالونیاں بسالی جائیں تو اس کی گنجائش ہے البتہ قانونی

---

(۱) البحر الرائق: ۲۴۹/۵

(۲) فتاوی هندیه: ۹۳/۵

منظوری حاصل کرنے کی کوشش جاری رکھیں۔

بہتر تو یہی ہے کہ قانونی تقاضوں کی تکمیل اور مکمل ضابطوں کی پاسداری کے بعد ہی کالونیاں بنانا اور پلاٹس فروخت کرنا مناسب ہے۔

قانونی تقاضوں کی تکمیل کے بغیر جو کالونیاں بنائی جاتی ہیں، اور جو پلاٹس فروخت کئے جاتے ہیں اور جن پر بعد میں تعمیر ہوتی ہے، ان میں ڈرینج لائن وغیرہ کا مناسب انتظام نہیں ہوتا ہے، جس سے ماحولیاتی آلودگی بھی پیدا ہوتی ہے، اور کالونی میں رہائش پذیر افراد کی صحت بھی مختلف دواؤں اور امراض کی زد میں رہتی ہے۔

قانون کی خلاف ورزی درست نہیں، ہمیں معروف کے ہر کام میں اولوالامر کی اطاعت کرنے کا حکم دیا گیا ہے، خلاف قانون کالونی درست نہیں۔

حکومت کے جو قوانین نظم وانتظام سے متعلق ہوں حتی الامکان اس کی پابندی کرنی ضروری ہوتی ہے، تاہم اگر ان کو نظر انداز کر کے زمین کے مالکین پلاٹ فروخت کردیں اور لوگ اپنی سہولت کے مطابق خرید کر آباد ہوجائیں تو شرعاً اس میں کوئی حرج نہیں ہے، اس طرح سے فروخت کرنا اور خریدنا دونوں جائز ہے البتہ اگر عزت وآبرو کا خطرہ ہو تو احتراز ضروری ہے "**لا يمنع الشخص من تصرفه في ملكه إلا إذا كان الضرر بجاره ضررا بينا**" (۱) البتہ اگر قانونی تقاضوں کی تکمیل کے بغیر کالونیاں بنالی جائیں اور بعد میں منظوری لے لی جائے جس میں اخراجات کم ہوتے ہیں تو کوئی قباحت نہیں ہوتی ہے۔

نمبر پر پلاٹ بیچنا

کالونی بسانے کے لئے نقشہ میں دکھائے گئے پلاٹ نمبر کی تعیین سے مبیع متعین ہو جاتی ہے اور خرید وفروخت کا یہ عمل درست ہے اور کالونی بسانے والے کے لئے اس میں کسی طرح کا تغیر وتبدل جائز نہیں ہے۔ اور اگر زمین کے بیچے گئے حصہ پر بیچنے والا خریدار

---

(۱) شامی: ۸/ ۱۵۲

کی اجازت سے کاشت بھی کرتا رہتا ہے تب بھی خریدار اس کا مالک رہے گا۔

زمین فروخت کرتے وقت پلاٹس کی لمبائی اور اس کے راستے وغیرہ متعین کردینے سے اس طرح کی تعیین ہوجاتی ہے جو رافعِ نزاع ہے؛ لہٰذا اس صورت میں جو جہالت ہوتی ہے وہ جہالتِ یسیرہ ہے جس کا دور کرنا ان کے اپنے اختیار میں ہے، اس کی تعیین میں عموماً پلاٹ میں یکسانیت کی وجہ سے اختلاف بھی نہیں ہوتا؛ لہٰذا اس طرح کا معاملہ کرنا جائز ہے۔

اس لئے کہ جب نقشہ میں اشارہ موجود ہے تو وہ مبیع متعین ہوگئی، صاحبِ ہدایہ فرماتے ہیں:

"والأعواض المشار إليه لا يحتاج إلى معرفة مقدارها في جواز البيع؛ لأن بالإشارة كفاية في التعريف، وجهالة الوصف فيه لا تفضي إلى المنازعة" (۱)

صاحبِ ہدایہ نے بیع کی مذکورہ صورت کو حضرات صاحبین کے حوالے سے جائز قرار دیا ہے:

"ومن اشترى عشرة أذرع من مائة ذراع من دار أو حمام فالبيع فاسد عند أبي حنيفة رحمه الله، وقالا: هو جائز وإن اشترى عشرة أسهم من مائة سهم جاز في قولهم جميعا" (۲)

اگر کالونی بسانے والا صرف پلاٹ نمبر کی تعیین سے زمین فروخت کرے اور زمین کے محلِ وقوع کے بارے میں کوئی وضاحت نہ کرے یا زمین پر پلاٹس بناتے وقت اپنے متعینہ نقشہ کی خلاف ورزی کرے تو اس صورت میں بائع وخریدار کے درمیان بعد میں تنازعہ پیدا ہوسکتا ہے، کیونکہ ایک بڑے رقبہ کی زمین کے مختلف حدودِ اربعہ رکھنے

---

(۱) هدايه: ۲۰/۳

(۲) حوالہ سابق

والے قطعہ زمین کی نوعیت وافادیت مختلف ہوتی ہے، خریدار نقشہ میں دیئے گئے حدودِ اربعہ کے مطابق جس قطعہ زمین کو پسند کرتا ہے اور اسی کے حصول پر راضی ہوتا ہے اگر بعد میں اسے نقشہ کے مطابق حدودِ اربعہ کا حامل قطعہ زمین حاصل نہ ہو تو اس کے اور کالونی بسانے والے کے درمیان تنازعہ وجھگڑا ہوسکتا ہے لہٰذا خرید وفروخت کا یہ عمل درست نہ ہوگا، چنانچہ صاحب ہدایہ نے لکھا ہے:

"ومن اشترى عشرة أذرع من مائة ذراع من دار أو حمام فالبيع فاسد عند أبي حنيفة وقالا: هو جائز وإن اشترى عشرة أسهم من مائة سهم جاز في قولهم جميعا، لهما أن عشرة أذرع من مائة ذراع عشر الدار فأشبه عشرة أسهم، وله أن الذراع اسم لما يذرع به، واستعير لما يحله الذراع وهو المعين، دون المشاع، وذلك غير معلوم بخلاف السهم" (۱)

اس طرح بعد میں بائع (فروخت کرنے والا) مشتری (خریدنے والے) کی اجازت سے اس میں کاشت کاری کرسکتا ہے۔

ہاں البتہ اگر خریداری کے وقت بیچنے والے نے یہ شرط لگائی ہو کہ وہ زمین میں کاشت کرتا رہے گا تو بیع فاسد ہوجائے گی؛ کیوں کہ شرط تقاضہ بیع کے خلاف ہے:

"ولا بيع بشرط لا يقتضيه العقد ولا يلائمه، وفيه نفع لأحدهما، أو فيه نفع للمبيع هو من أهل الاستحقاق ولم يجز العرف به، ولم يرد الشرع بجوازه" (۲)

مجھ سے ہی بیچنا

پلاٹس کے مالک کا معاملہ کو اس طرح مشروط کرنا کہ جب خریدنا بیچنا چاہے تو

---

(۱) هدايه على فتح القدير: ۶/ ۲۵۴

(۲) تنوير الابصار مع الدر المختار: ۵/ ۸۴

بیچنے والے سے ہی فروخت کرسکتا ہے، جائز نہیں ہے البتہ بغیر کسی پیشگی شرط کے معاملہ کے دونوں فریق اپنی رضاورغبت سے اپنی سہولت کے لیے اس طرح کا وعدہ کرلیں تواس میں کوئی حرج نہیں ہے۔

مشترک چیز خریدنے کی صورت میں تمام فقہاء اس بات پر اتفاق ہے کہ مشترک چیز کوشریک یااجنبی کے ہاتھ فروخت کرنا جائز ہے: ”جائز بيع المشاع وإيداعه“ (۱)

البتہ دلال کا یہ شرط لگانا کہ اسے وہی بیچے گا، باطل شرط ہے، کیوں کہ وہ اس کے ذریعہ سے نفع کمانا چاہتا ہے، اورفروخت کرنے والے کومارکیٹ سے کم قیمت دینا چاہتا ہے۔ صاحبِ پلاٹ کواس طرح مجبور کرنا کہ وہ جب فروخت کرے تو مالک اول ہی کو دے یہ دونوں ہی شرطیں شرعاناجائز ہیں۔

جب کالونی بنانے والے نے خریدار کو پلاٹ بیچ دیااور پیسہ بھی اداکردیاتوشرعی اعتبار سے بیع وشراء کامعاملہ مکمل ہوگیا، یہ پلاٹ کالونی بنانے والے کی ملکیت سے نکل کر خریدار کی ملکیت میں آگئی اوروہ مالک ہوگیا۔

وحكمه ثبوت الملك أي في البدلين لكل منهما في بدل (۲)

البتہ کالونی بنانے والے کا یہ شرط لگانا کہ جب خریدار اپنا پلاٹ فروخت کرے تو صرف اسی کوفروخت کرے، یہ شرط درست نہیں ہے، بلکہ مالک پلاٹس کواختیار ہے کہ وہ جس کو چاہے دے دے۔

ولو بشرط لا تقتضيه العقد وفيه نفع لأحد المتعاقدين أولمبيع يستحق فهو فاسد (۳)

---

(۱) ردالمحتار: ۳۸۴/۸

(۲) ردالمحتار: ۱۶/۷

(۳) مجمع الأنهر: ۹۰/۳

جبکہ صلب عقد میں ہو کہ خریدار کالونی بنانے والے سے ہی بیع کرسکتا ہے، یہ حقیقت میں بائع کے آزادانہ تصرف پر پابندی عائد کرنا ہے جو کہ بیع وشراء کے اصول کے خلاف ہے، اس لئے پلاٹنگ کرنے والے کا اس شرط کے ساتھ بیچنا ہی صحیح نہیں ہوا تو خریدار کی ملکیت میں بھی داخل نہیں ہوگا جیسا کہ اس کے طرزِ عمل سے یہی ظاہر ہو رہا ہے کہ صلب عقد میں شرط ہے۔

قسط وقت پر ادا نہ کریں!

قسطوں پر زمین کی خریداری کی یہ شکل کہ ''اگر متعینہ مدت تک قیمت ادا نہیں کی گئی تو معاملہ کینسل (Cancel) ہو جائے گا'' اگر اس کی وضاحت معاملہ کے وقت ہی کردی جائے تو اس طرح کا معاملہ کرنا جائز ہے اور مقررہ وقت پر پوری قسطیں ادا نہ کرنے کی صورت میں اس کو صرف اپنی جمع کردہ قسطوں کی واپسی کا حق ہوگا۔

اگر زمین یا پلاٹ کے فروخت کے وقت یہ شرط لگائی جائے کہ اگر خریدار نے مقررہ مدت تک کل رقم یا مقررہ قسط ادا نہیں کی تو یہ معاملہ ختم ہو جائے گا تو یہ صورت ''خیارِ نقد'' کی ہے اور خرید وفروخت میں یہ شرط لگانا جائز ہے اور یہ شرط اپنے وقت میں مؤثر بھی ہوگی، یعنی مقررہ مدت میں کل رقم یا طے شدہ قسط ادا نہیں کی ہو تو بائع یک طرفہ طور پر بیع کو ختم کر کے خریدار سے مبیع واپس لے سکتا ہے اور ثمن کا جتنا حصہ اس نے وصول کیا ہے وہ خریدار کو واپس لوٹا دے۔

إذا تبايعا على أن يؤدي المشتري الثمن في وقت كذا، وإن لم يؤد فلا بيع بينهما صح البيع وهذا يقال له خيار النقد" (۱)

---

(۱) درر الحکام: ۱/۳۰۹، یہ سارے مسائل ''مکانات سے متعلق جدید مسائل'' انڈیا فقہ اکیڈمی کے مجلہ سے مستفاد وماخوذ ہیں۔

زمینات کے احکام

☆سرکاری افتادہ زمین کی خرید وفروخت

ہندوستان کی جائیداد، ان کی نوعیت اوران کی حیثیت سے متعلق کافی غور وخوض کرنے کے بعد یہ بات سامنے آتی ہے کہ ہندوستان کی جائیداد جن پر مالکان کے علاوہ دوسرں کا قبضہ ہے، وہ کل تین قسموں پر ہیں:

۱) صحرائی جائیداد: ۱۹۴۷ء سے پہلے انگریزی حکومت نے یہ قانون بنایا تھا کہ جس جائیداد پر کسی کسان نے ۱۲/سال تک تسلسل کے ساتھ کھیتی کی ہو کسان اس زمین کا مالک ہوجائے گا، مگر یہ قانون لازمی اور جبری نہیں تھا؛ بلکہ اختیاری تھا، اس بارے میں اس زمانہ کے علماء نے یہ فتوی صادر کیا تھا کہ چونکہ زمین پر حکومت کے استیلاء اور تغلب کے ذریعہ سے قبضہ نہیں ہوتا ہے، بلکہ کسان کو مالک بننے کا ایک اختیاری قانون ہے، اور کسان اگر مالک کو واپس کردے اور مالک اپنی ملکیت میں رکھے تو کسان تو کسان مالک بھی قانونی طور پر کوئی داروگیر نہیں ہے، اس لئے سرکاری قانون کے باوجود شرعاً کسان ان زمینوں کے مالک نہیں ہوں گے، ان کو دوسروں کے ہاتھ فروخت کرنے کا حق نہیں ہے، جیسا کہ ''امداد الفتاوی'' وغیرہ میں اس کی صراحت موجود ہے۔

۲) پھر ۱۹۴۷ء سے دوسرا دور آیا جس میں انگریزی حکومت کے خاتمہ کے بعد کانگریس کا راج آیا اور کانگریس راج آنے کے بعد صرف تین سال نہیں گذر

پائے تھے کہ ۱۹۵۰ء میں کانگریس نے خاتمہ زمینداری کا اعلان کیا، جس میں حکومت ہند نے زمینوں پر استیلاء اور تغلب حاصل کرلیا اور ساری زمینیں زمینداروں سے لے کر کسانوں کو دے دیں، کسی کو معمولی کوڑیوں کا معاوضہ بھی دیا، اور کسی کو نہیں دیا، گویا حکومت نے جبریہ طور پر زمینداروں کی زمینوں پر استیلاء حاصل کر کے کسانوں کو مالک بنادیا، اس بارے میں علماء کا فتوی یہ جاری ہوا کہ سرکار کے استیلاء اور تغلب کے ذریعہ سے کسانوں کو جائیدادیں ملی ہیں، اس سے کسان ان زمینوں کے مالک بن چکے ہیں۔(۱)

۳) وہ زمینیں جن کے بارے میں مالکوں کی طرف سے کوئی روک تھام نہیں ہے یا ایسی افتادہ زمین جن کے مالکوں کا اتا پتا نہیں ہے، یا سرکاری افتادہ زمین ہے، یا کسی شہر اور آبادی کے متصل بہتے دریا نے کاٹ کر کر کے ایک طرف کی زمین کو دوسری طرف پہنچادیا ہے، تو ایسی زمینوں پر غریب لوگوں کا قبضہ چلا جاتا ہے اور چھوٹے چھوٹے مکانات کا سلسلہ شروع ہوجاتا ہے اور غریبوں کے اس طرح کے قبضہ پر مالکوں کی طرف سے کوئی روک ٹوک ہوتی ہے اور نہ سرکار کی طرف سے کوئی پابندی ہوتی ہے اور آہستہ آہستہ ایسی جگہ آباد ہو کر شہر کی طرح گلی کوچوں کی شکل اختیار کرلیتی ہے، نیز ایسا بھی ہوتا ہے کہ چالاک قسم کے لوگ اس طرح کی زمینوں پر پہلے اپنا قبضہ جمالیتے ہیں، اس کے بعد جو غریب لوگ بسنے والے ہوتے ہیں، ان کے ہاتھوں میں معمولی پیسوں میں فروخت کردیتے ہیں، اور فروختگی کا کوئی ذیلی کاغذ بھی بنالیتے ہیں، پھر اس میں سرکاری طور پر میونسپلٹی کی سڑکیں بن جاتی ہیں اور بجلی پانی کا انتظام بھی سرکار کی طرف سے ہوجاتا ہے، پھر اس کے بعد وہاں کے بسنے والوں کے لئے ذیلی کاغذات تیار ہوجاتے ہیں اور مسلم آبادی ہو تو اس میں مسجدیں بھی بن جاتی ہیں، اور مسجد رجسٹریشن بھی

(۱) مستفاد: فتاوی محمودیہ ڈابھیل: ۱۷/۱۷۸=۱۸۰ امیرٹھ ۲۵/۲۵۱=۳۵۴

ہوجاتا ہے، جیسا کہ ہمارے مرادآباد میں جامع مسجد سے متصل دریا کے کنارے پر لاکھوں کی آبادی اسی طرح بسی ہوئی ہے، اوراس میں متعدد مسجدیں بھی بن گئی ہیں، اوراس طرح کی نوعیت کی آبادیاں بکثرت ہیں اور ایسی آبادیوں کو اکھاڑ کر ختم کرنا نہ مالکوں کے بس کی بات ہے اور نہ ہی حکومت ان کے بارے میں خاص توجہ دیتی ہے، اب اس طرح کی آبادیوں پر سرکار کا تغلب دوطرح کا ہوتا ہے:

(۱) اگر سرکاری افتادہ زمین ہے جن پر ان غریبوں نے قبضہ کر رکھا ہے اورسرکار کو وہاں اپنا کوئی ترقیاتی پروگرام چلانا ہوتو ان پر تغلب حاصل کرکے وہاں کے بسنے والوں کو بے گھر کر کے اپنے قبضہ میں لے کر سرکار اپنا کام کرتی ہے۔

(۲) بعض سرکاری افتادہ زمین جن پر غریبوں کا قبضہ ہے ان زمینوں کا کوئی مالک نہیں ہیں، جن کی طرف سے اب تک کوئی روک تھام نہیں ہوئی اورسرکار نے روڈ بنادیا ہے، بجلی پانی کا انتظام کردیا ہے اور وہاں کے بسنے والوں کو سرکاری طور پر تسلیم کرلیا ہے اور وہاں کی مردم شماری کر کے سرکاری طور پر وہاں کے لوگوں سے الیکشن کے زمانے میں ووٹ بھی لیا جاتا ہے تو گویا اگر سرکاری زمین ہے تو سرکار نے ان غریبوں کو عملاً ان زمینوں کا مالک بنادیا ہے، اور اگر ان زمینوں کا کوئی مالک رہا ہو تو سرکار نے اس عمل کے ذریعہ سے مالکوں کی زمین پر تغلب حاصل کرلیا ہے اورتغلب حاصل کر کے وہاں کے بسنے والوں کو ان زمینوں کا مالک بنادیا ہے، تو ایسی صورت میں خاتمہ زمینداری کے بعد کسانوں کو جس درجہ کی ملکیت حاصل ہوگئی ہے، اسی درجہ کی ان جگہوں پر بسنے والوں کو بھی اپنے قبضہ کی زمینوں پر ملکیت حاصل ہوچکی ہے، اور ان آبادیوں میں

جو مسجدیں بن چکی ہیں، ان مسجدوں کو شرعی حیثیت حاصل ہوجائے گی، احقر (مفتی شبیر صاحب دامت برکاتہم) نے یہ تحریر اپنی سمجھ کے اعتبار سے لکھی ہے، اس لئے دوسرے علماء سے بھی اس سلسلہ میں رابطہ قائم کرنا مناسب ہوگا، اور احقر نے جن جزئیات کے پیش نظر مذکورہ حکم لکھا ہے ان میں چند جزئیات حسب ذیل ہیں:

إن الاستيلاء عبارة عن الاقتدار على محل مطلقا، قلت: هو مباح لقوله تعالى (خلق لكم ما في الأرض جميعا"(۱)

قال أبو حنيفة ومالك رحمهما الله: الكفر إذا استولت على اموال المسلمين ملكوها (۲)

ولو استولى أهل الحرب على أموالنا وأحرزوها بدارهم ملكوها عندنا" (۳)

أما المال غير المعصوم، فإنه يجوز الاستيلاء عليه، وإن كان مملوكا" (۴)

وإن غلبوا على أموالنا وأحرزوها بدارهم ملكوها (۵)

ادھار خریدی ہوئی زمین میں مالک کی اجازت سے کھیتی

کسی کے پاس ایک زمین ہے، اس زمین کو اس نے دوسرے شخص سے تین لاکھ کے عوض خرید لیا، لیکن اس نے فروخت کرنے والے کو تین لاکھ کے بجائے ڈھائی لاکھ روپیہ پیمنٹ میں دے دیا اور پچاس ہزار روپیئے روک لئے اور فروخت کرنے

---

(۱) البناية، باب استيلاء الكفار اشرفيه: ۷/۱۸۸، نعیمیہ: ۹/۲۴۴

(۲) تفسير مظهری: زکریا: ۹/۲۴۰، مکتبۃ الرشیدیۃ، پاکستان

(۳) هنديه: الباب الخامس في استيلاء الكفار، زكريا جديد: ۲/۲۴۱، قديم: ۲/۲۲۵

(۴) الموسوعة الفقهية الكويتية: ۴/۱۵۸

(۵) شامی زکریا: ۶/۲۲۷، کراچی: ۱۶۰، فتاوی قاسمیہ: ۱۹/۲۸۸ لال باغ شاہی مرآدباد

والے نے ایک بیگہ زمین میں سے آدھا بیگہ خریدار کے نام کرادی، اور آدھا بیگہ رہنے دی، حالانکہ خریدار نے اس نصف کے لئے بھی رقم دے دی ہے، جب تین لاکھ روپیئے میں پوری زمین خرید لی ہے اور آدھے کی رجسٹری کردی اور باقی آدھے بیگہ کی رجسٹری کو پچاس ہزار کی ادائیگی کی وجہ سے موقوف رکھا گیا ہے، لیکن اس کا بھی قبضہ دے کر استعمال کی اجازت دے دی گئی ہے تو خریدار کے لئے پوری زمین کو استعمال کرنا اس سے فائدہ اٹھانا بلاشبہ جائز اور درست ہے۔

فإن كان مؤجلا فلا يثبت حق الحبس لأنه سقط بالتأجيل (۱)

وإن كان الثمن مؤجلا لم يكن له حق الحبس (۲)

والدہ کا حالتِ صحت میں اپنی جائیداد بیچنا

اگر کسی کے والدہ کا گھر ہے بحالتِ صحت وہوش وحواس میں اس گھر کو بیچتی ہیں، وہ اپنی اولاد میں سے کسی کو کچھ نہیں دینا چاہتیں تو وہ اس کی رقم کو اپنی مرضی سے کہیں بھی خرچ کردیتی ہیں تو شرعا آپ کی والدہ کو اختیار ہے:" المالك هو المتصرف في الأعيان المملوكة كيف شاء" (۳)

قسطوار فروخت کرنے والی کمپنی کا ممبر بننا

پہلی صورت: کمپنی جو جو زمینوں کی خرید وفروخت کرتی ہے اور وہ لوگوں کو اپنا ممبر بنا کر ایک متعین رقم قسطوار وصول کرتی ہے، پورا ہو جانے کے بعد اس کو وہ زمین موعود دی جاتی ہے، اگر وہ نہ لینا چاہے تو اس کی قیمت لگا کر رقم دی جاتی ہے ظنِ غالب نفع کا ہوتا ہے۔

---

(۱) الفقه على المذاهب الأربعة وأدلته، القسم العقود حق حبس لمبيع أو احتباسه، ہدی انٹرنیشنل دیوبند: ۱۷۸/۴

(۲) تاتارخانیه، زکریا، دیوبند: ۲۴۲/۸، رقم: ۱۱۷۷۷

(۳) بیضاوی رشیدیه دهلی: ۷/۱، فتاوی قاسمیہ: ۱۹، ۳۰۷

دوسری اسکیم کمپنی کی یہ ہوتی ہے کہ جوممبران کمپنی کے لئے ایجنٹ کا کام کرتے ہیں، ان کو کمیشن دیتی ہے اور ایجنٹ نے جن لوگوں کو ایجنٹ بنایا ہے، ان کی ممبر سازی پر بھی اول کو کمیشن دیتی ہے، جو سب متعین ہوتا ہے، اسی طرح سلسلہ وار سلسلہ الی غیر النہایہ چلتا رہتا ہے، جسے ''نیٹ ورک مارکیٹنگ'' کہا جاتا ہے۔

پہلی صورت کا جواب یہ ہے کمپنی کا لوگوں کا اپنا ممبر بنا کر متعینہ زمین قسطوں پر فروخت کرنا اور تمام اقساط کی ادائے گی کے بعد زمین موعود خریدار کے حوالہ کرنا اس حد تک معاملہ از روئے شرع جائز ہے:

"البیع مع تاجیل الثمن وتقسیطه صحیح" (۱)

ولو لم یکن الأجل مشروطا فی العقد، ولکنه منجم معتاد قیل: لابد من بیانه، لأن المعروف کالمشروط" (۲)

لیکن معاملہ کی دوسری صورت کہ قسطوں کی ادائیگی کے بعد اگر خریدار کسی وجہ سے زمین نہ لینا چاہے تو اسے زمین کی قیمت لگا کر رقم دی جاتی ہے، چنانچہ اگر معاملہ اور ایجاب وقبول کے وقت کاغذی کاروائی کرتے ہوئے اس بات کی صراحت کی جاتی ہے کہ اگر قسطوں کی ادائیگی کے بعد تم کو زمین نہ لینا ہو تو تمہیں اس کی موجودہ قیمت واپس مل جائے گی اور اس شرط کے ساتھ معاملہ طے ہوتا ہے تو اس طرح معاملہ کرنا شرعا جائز نہیں ہے؛ لیکن اگر اس کا مطلب یہ ہے کہ ایجاب وقبول کے وقت اس کی صراحت نہ ہو؛ بلکہ مطلق معاملہ کیا جائے، پھر بعد میں خریدار کسی وجہ سے زمین نہ لینا چاہئے تو اس کی ضرورت ومجبوری کا خیال کرتے ہوئے قسطوار جتنی رقم ادا کی جاچکی ہے، اتنی رقم خریدار کو واپس کردیں، اور زمین اپنی ملکیت میں رکھیں، تو یہ معاملہ اقالہ میں داخل ہو کر درست بن جائے گا، اور اگر اداشدہ قسطوں کا لحاظ نہ کرتے ہوئے موجودہ قیمت کا اعتبار کر کے وہ زمین خریدار

(۱) شرح المجلة رستم باز، اتحاد دیوبند: ۱/ ۱۲۵، رقم المادة: ۲۴۵

(۲) هدایه، کتاب البیوع، باب المرابحة والتولیة، قدیم: ۳/ ۵۸، جدید اشرفی دیوبند: ۳/ ۹۴

سے خرید لی جائے تو یہ بھی جائز ہے، اس لئے کہ یہ ازسرنو خرید وفروخت کا معاملہ ہے:

أخرج الطبرانی حدیثا طویلا طرفه ہذا: حدثنی عمرو بن شعیب عن ابیه عن جده، أَنَّ النَّبِیَّ صلی الله علیه وسلم نَهَی عَنْ بَیْعٍ وَشرطٍ (۱)

الإقالة جائزة فی البیع بمثل الثمن، فإن شرط أکثر منه أو أقل فالشرط باطل، ویرد مثل الثمن الأول" (۲)

"زاد فی الموسوعة الفقهیة: سواء کانت الإقالة قبل القبض أو بعده، وسواء کان المبیع منقولا أو غیر منقول" (۳)

۲) ممبر سازی کی اجرت میں تفصیل یہ ہے کہ جو ایجنٹ براہ راست لوگوں کو کمپنی کا ممبر بناتا ہے، اس کے عوض میں جو متعین اجرت اسے ملتی ہے، یہ کمپنی سے جوڑنے کے عمل کی اجرت ہے، جو جائز ہے؛ لیکن ایجنٹ نے جن لوگوں کو ممبر بنایا ہے ان کے ذریعہ ممبر سازی پر اول ایجنٹ کو کمیشن دینا جائز نہیں، اس لئے کہ ان لوگوں نے جو محنت کی ہے، اس میں پہلے ایجنٹ کی محنت شامل نہیں، اس لئے شریعت اس صورت میں اول کو بلا محنت لینے کی اجازت نہیں دیتی، بلکہ یہ محنت کنندگان کا حق ہے۔

قال رسول الله صلی الله علیه وسلم: لا یَحِلُّ لِمسْلِمٍ أَنْ یَأْخُذَ مَالَ أَخِیهِ بِغَیْرِ حَقٍّ" (۴)

---

(۱) المعجم الاوسط: من اسمه عبدالله، حدیث: ۴۳۶۱، علامہ ہیثمی فرماتے ہیں: علامہ ابن حجر نے بلوغ المرام میں اس روایت کو غریب کہا ہے۔

(۲) ہدایہ اشرفی: ۶۹/۳

(۳) الموسوعة الفقهیة: ۳۲۷/۵

(۴) مجمع الزوائد، باب الغصب وحرمة مال المسلم، حدیث: ۶۸۵۹، علامہ ہیثمی نے اس روایت کے رجال کو صحیح کہا ہے۔

سئل محمد بن سلمه عن أجرة السمسار، فقال: أرجو أنه لا بأس به (۱)

لا يجوز لأحد أن يأخذ مال أحد بلا سبب شرعي (۲)

نیٹ ورک مارکٹنگ شرعی نقطہ نظر (مطبوعہ انڈیا فقہ اکیڈمی) الشبكة التسويقية، فقيه البيوع وغیرہ میں اس کی تفصیلات دیکھی جاسکتی ہیں، مختصر یہ ہے کہ فقہ اکیڈمیوں، عالمی سطح کے دار الافتاء اور ماہرینِ معیشت نے اس چینل مارکیٹنگ یا ملٹی لیول مارکیٹنگ کو مطلقا حرام قرار دیا ہے، کسی بھی ملک کی اقتصادیات کو کھوکھلا کرنے بآسانی دولت سمیٹ لینے کا یہ انداز مختلف انداز میں الگ الگ جگہوں پر آتے رہتا ہے۔

مالکِ زمین کا بلڈر سے فلیٹس خریدنا

آج کل ملک کے بڑے بڑے شہروں میں بلڈنگ ڈیولپمنٹ کام اس طرح ہوتا ہے کہ ایک شخص کی زمین ہوتی ہے، دوسرا شخص (بلڈر) اس پر بلڈنگ بناتا ہے، دونوں کے درمیان یہ معاملہ طے پاتا ہے کہ تعمیر کے بعد مثلاً (۱۰۰) فلیٹس ہیں تو ان میں سے چالیس (۴۰) فلیٹس مالکِ زمین کے اور ساٹھ (۶۰) فلیٹس بلڈر یعنی بلڈنگ بنانے والے کے ہونگے اور بعد از تقسیم دونوں اپنے فلیٹس فروخت کرنے یا کرایہ پر دینے کے مجاز ہوں گے، شرعا یہ صورت جائز ہے؛ کیوں کہ مالک زمین نے فلیٹس کے بدلہ زمین دی اور بلڈر نے زمین کے بدلہ فلیٹس دیئے اور جس طرح روپیہ سے کوئی چیز خریدی جاسکتی ہے، ایسے ہی سامان کے بدلہ بھی خرید وفروخت ہوسکتی ہے، فقہ کی اصطلاح میں اسے ''بیعِ مقایضہ'' کہتے ہیں:

---

(۱) شامی، كتاب الإجارة، مطلب في أجرة الدلال، زكريا: ۹/۸۷، کراچی: ۶/۶۳

(۲) شامی، كتاب الحدود، مطلب في التعزير بأخذ المال، زكريا: ۶/۱۰۶

ما فی" القواعد الفقهيه لأحكام المبيع فى الشريعة الإسلامية"أنواع البيع باعتبار البدلين يرجع إلى أربعة أقسام: أولا بيع المقايضة: وهو بيع العين بالعين، والسلعة بالسلعة، وصورة هذا البيع أن يعطى الفلاح التاجر قمحا ويأخذ بدلا منه خضارا أو فاكهة أو أرزا أو سكرا اونحوها"(۱)

زمین اور قیمت نامعلوم

ایک کمپنی فورسیٹ جس کا نام "بی اے سی ایل لمیٹیڈ" جو کہ بنجر وغیر آباد زمین قابلِ کاشت بناتی ہے، وہ اپنے خریدار سے قسطوں میں اور کبھی یکمشت رقم وصول کرتی ہے، اور مدت متعین کرتی ہے، مثلا پانچ سال، چھ سال، دس سال، بیس سال وغیرہ جمع کنندہ نے قسط میں ۱۰۰۰ روپیئے دے دیئے، اور مدت مثلا ساڑھے پانچ سال ہے تو مذکورہ مدت میں رقم جمع ۶۶۰۰۰ ہوجاتی ہے تو نصف سال گزرنے پر کمپنی پورے ہندوستان میں کسی بھی جگہ ایک ہزار گز کا پلاٹ خریدار کے نام بہ صورت اقرار نامہ کردیتی ہے اور جب مکمل رقم جمع ہوجاتی ہے، اگر مالک پلاٹ کو رکھنا چاہتا ہے تو موجودہ قیمت لگا کر رکھ سکتا ہے اور باقی قسطوں میں ہی ادا کرسکتا ہے، اور اگر پلاٹ نہیں رکھنا چاہتا تو خریدار کو ۹۰۹۰۰ روپے جو کہ پہلے سے متعین تھے مل جاتے ہیں کمپنی اس کام کے لئے اپنے ایجنٹ کو ۱۵٪ فیصد دیتی ہے، اس کا حکم یہ ہے کہ

۱) کمپنی غیر متعین طور پر ہندوستان میں کسی بھی جگہ زمین کی خریداری پر خریدار سے رقم قسطوار وصول کرتی ہے۔

۲) تمام قسطیں جمع ہونے کے بعد خریدار کے نام کردہ زمین کی موجودہ قیمت لگا کر مابقیہ رقم خریدار سے وصول کی جاتی ہے، اگر وہ زمین لینا چاہے۔

---

(۱) القواعد الفقهية للأحكام المبيع فى الشريعة: ۴۸، المسائل المهمة: ۲/ ۱۶۷، كتاب البيوع

۳) ورنہ اسے ۹۰۹۰۰ روپیئے ملیں گے، جب کہ اس نے صرف ۶۶۰۰۰ روپیئے جمع کیا ہے۔تینوں چیزیں شرعاناجائز ہیں، اول ودوم تواس لئے کہ بیع کے صحت کے لئے شرعامبیع (زمین) وثمن (قیمت) کا متعین اور معلوم ہوناضروری ہے: منها (من شرائط صحة العقد) ۔۔۔۔۔ معلومية المبيع ومعلومية الثمن بمايرفع المنازعة" (۱)

اورصورت مذکورہ میں دونوں مجہول ہیں اور تیسری چیز توصریح سود ہے؛ اس لئے کہ خریدار نے جمع کیا صرف ۶۶۰۰۰ روپے اور اسے ۹۰۹۰۰ مل رہے ہیں۔ الغرض کمپنی کا یہ معاملہ صحتِ عقد کے لئے مطلوبہ شرائط نہ پائے جانے کی وجہ سے ناجائز اور باطل ہے؛ اس لئے اس کمپنی میں شرکت کرنا یا اس کا ایجنٹ بننا شرعاجائز نہیں۔ (۲)

کثرت سے پیش آنے والی چند صورتیں

(۱) مالکِ زمین خریدار کے ہاتھ پوری زمین بیچنے کا معاملہ کرلیتا ہے، قیمت کا کچھ حصہ نقد بطورِ اسار یعنی بیعانہ لیتا ہے، اور بقیہ قیمت کی ادائیگی کے لیے دونوں کی رضامندی سے ایک مدت طے ہوتی ہے، جسے اسٹامپ پیپر کے ذریعہ مؤکد کیا جاتا ہے، تاکہ بقیہ قیمت کی ادائیگی میں خریدار کو سہولت ہو، اس لیے مالکِ زمین خریدار کو زمین پر قبضہ دے کر آگے تیسرے فریق کو فروخت کرنے کی اجازت دیتا ہے، خریدار اپنے پاس آنے والے گاہکوں کو مالکِ زمین کی طرف سے رجسٹری کرکے نہیں دیتا، بلکہ محض مالکِ زمین کی طرف سے اسٹامپ پیپر بنادیتا ہے، ان اسٹامپ پیپروں کی حیثیت بھی محض معاہدہ بیع کی ہوتی ہے، جو خریدارِ اول مالکِ زمین کی طرف سے گاہک کے ساتھ کرتا ہے، اب اگر خریدارِ اول مقررہ مدت کے اندر اندر پوری رقم مالکِ زمین کوادانہ کرسکے، تو خوداس کا اپنا معاہدہ-جواس نے مالکِ زمین سے کیا تھا، وہ فسخ ہوجاتا ہے، اوراس نے

---

(۱) ردالمحتار علی الدر المختار: ۱۵/۷

(۲) چنداہم عصری مسائل: ۲/ ۲۳۴، مفتی زین الاسلام قاسمی الہ آبادی، مکتبہ دارالعلوم دیوبند

اسار یعنی بیعانہ کی جو رقم دی تھی وہ بھی ڈوب جاتی ہے، نیز اس نے اپنے پاس آنے والے گاہکوں کو جو اسٹامپ پیپر مالکِ زمین کی اجازت سے بنادیئے تھے، وہ بھی فسخ ہوجاتے ہیں، اس لیے زمینوں کے لین دین کی یہ صورت - حقیقی بیع نہیں، بلکہ معاہدہ بیع ہے۔

ما فی الموسوعة الفقهية : وفی الاصطلاحی الفقهي: أن يشتري السلع، ويدفع إلى البائع درهما أو أكثر، على أنه إن أخذ السلع، احتسب به من الثمن، وإن لم يأخذها فهو للبائع۔ (۱)

ہاں! اگر مالکِ زمین خریدارِ اول سے قطعی بیع کرلے، اور اس سے قیمت کا ایک حصہ نقد وصول کرلے، اور بقیہ قیمت کی ادائیگی کے لیے متعاقدین باہم رضامندی سے ایک مدت طے کرلیں، اور مدت کے پورا ہونے پر خریدار پوری قیمت ادا نہ کرسکنے کی صورت میں بائع یعنی فروخت کنندہ اپنے لیے فسخِ بیع کا اختیار رکھے، تو اسے بیع بخیار النقد کہا جاتا ہے۔

اما فی الموسوعة الفقهية: وخيار النقد اصطلاحا هو: حق يشترطه العاقد للتمكن من الفسخ لعدم النقد وله صورتان:

۱ - التعاقد واشتراط أن المشترى إذا لم ينقد الثمن إلى مدة معلومة فلا عقد بينهما۔ ومستعمِل الخيار فی هذه الصور هو المشترى، وإن كانت فائدته الكبرى للبائع، وقد وصفوا هذه الصورة أنها بمنزل اشتراط (خيار الشرط) للمشترى۔

۲۔ التعاقد ثم قيام المشترى بالنقد مع الاتفاق على أن

---

(۱) الموسوعة الفقهیہ:۹/ ۹۳، بیع العربون

البائع إذا رد العوض فی مدة معلومة فلا عقد بینهما، ومستعمِل الخیار هنا هو البائع، وهو وحده المنتفع بالخیار، وهذه الحالة الثانیة ذات شبه تام ببیع الوفاء مما جعل بعضهم یدخل بیع الوفاء فی خیار النقد، وهو قول البائع للمشتری: بعتك هذه الدار بکذا بشرط أنی متی رددت إلیك الثمن فی موعد کذا تردإلی المبیع، وهذه الصور بمنزلة اشتراط (خیار الشرط) للبائع.... أثبت هذا الخیار المالکیة والحنابلة والحنفیة۔ (۱)

مگر اس صورت میں بھی جب تک خریدار مقررہ مدت پر پوری قیمت ادا نہیں کرے گا، مبیع یعنی زمین اصل مالک ہی کی ملک میں رہے گی، خریدار اس کا مالک نہیں ہوگا، معلوم ہوا -معاہدہ بیع- کی صورت ہو یا -بیع بخیار النقد- دونوں صورتوں میں جب تک معاملہ غیر یقینی صورتِ حال سے نہیں نکلے گا، اس وقت تک خریدار زمین کا مالک نہیں بنے گا۔

ما فی الموسوعة الفقهیة: حکم الخیار أنه یمنع ثبوت حکم العقد فلا یترتب علیه الحکم المعتاد للحال فی حق من له الخیار، وذلك موضع اتفاق بین أبی حنیفة وصاحبیه، وهو عند أبی حنیفة فی حق العاقد الآخر أیضا، وقال صاحباه: الحکم نافذ فی حق من لا خیار له، لأنه لا مانع بالنسبة له۔ وسیترتب علی ذلك انتقال الملك عنه (۲)

---

(۱) الموسوعة الفقیه: ۲۰/۱۸۱-۱۸۲

(۲) الموسوعة الفقهیة: ۲۰/ ۹۴

اور نہ ہی اس کے لیے اس زمین کا آگے فروخت کرنا جائز ہوگا، کیوں کہ آپ ﷺ کا ارشاد ہے: **لا تبع ما ليس عندك**۔ جو چیز اپنی ملک میں نہیں اسے فروخت نہ کر۔

فی جامع الترمذی: عن عمرو بن شعیب قال: حدثنی أبی عن أبیه حتی ذکر عبد الله بن عمرو أنّ رسول الله ﷺ قال:۔۔۔ولا تبعْ مالَیْسَ عِنْدَکَ۔ (۱)

اب رہی یہ بات کہ خود مالکِ زمین خریدار کو اپنی اس زمین کے پلاٹ بنا بنا کر آگے فروخت کرنے کی اجازت دیتا ہے، تاکہ خریدار کو پیمنٹ کی ادائیگی میں سہولت ہو، تو خریدار اول اس زمین کو آگے کس حیثیت سے فروخت کررہا ہے؟ مالک بن کر؟ دلال بن کر؟ یا وکیل بن کر؟ ظاہر ہے جب وہ خود، فی الحال اس زمین کا مالک نہیں، اور مالکِ زمین کے ساتھ اس کا اپنا معاہدہ غیر یقینی صورتِ حال سے دوچار ہے-(کہ ہوسکتا ہے وہ پورا ہوجائے، اور یہ بھی امکان ہے کہ وقت پر قیمت ادا نہیں کرسکا، تو فسخ ہوجائے) تو اس کا اس زمین کو پلاٹ بنا بنا کر آگے فروخت کرنا مالکانہ حقوق کے ساتھ کسی بھی طرح نہیں ہے، اس کی حیثیت یا تو دلال کی ہوگی۔

مافی معجم لغة الفقهاء: السِمسار: الوسیط بین البائع والمشتری۔ الدلال(Broker)۔ (ص: ۲۵۰)

یا وکیل کی۔ مافی معجم لغة الفقهاء: الوکیل: من فوض إلیه التصرف، أو من أقیم مقام النفس فی التصرف۔ (Agent)(ص:۴۰۹)

اور دلال یا وکیل -اپنی اجرتِ متعینہ کے حق دار ہوتے ہیں، نہ کہ پورے منافع کے۔

---

(۱) الترمذی: أبواب البیوع عن رسول الله، باب کراهة بیع ما لیس عندك، حدیث: ۱۲۳۴۔

ما فی رد المحتار: وقال فی التاتارخانية: وفی الدلال والسمسار يجب اجر المثل وما تواضعوا عليهما أن فی كل عشر دنانير كذا فذاك حرام، وفی الحاوی: سئل محمد بن أسلم عن اجر السمسار فقال: أرجو أنه لا بأس به، وإن كان فی الأصل فاسدا لكثرة التعامل، وكثير من هذا غير جائز، فجوزوه لحاجة الناس إليه (۱)

اگر وقت پر مالک کو قیمت ادا کردی جائے، اور معاملہ حتمی اور قطعی شکل اختیار کرلے، تو اس معاملہ کے حتمی وقطعی شکل اختیار کرنے سے پہلے جو عقود کیے (یعنی خریدار نے بائع کی مرضی سے آگے گاہکوں کو اصل مالکِ زمین کی طرف سے جو اسٹامپ پیپر بنا کر دیئے)، وہ عقود اصل مالک کے ساتھ پایہ تکمیل کو پہنچ جائیں گے اور ان کی پوری قیمت کا حق دار اصل مالکِ زمین ہوگا، نہ کہ خریدار اول (بلڈر)۔

اب رہی یہ بات کہ خریدار اول (بلڈر) نے چوں کہ مالکِ زمین سے پوری زمین کا معاملہ کیا تھا، اور درمیان میں اس نے، اسی کی اجازت سے، آگے بہت سے گاہکوں کو اسٹامپ پیپر بنا کر دیئے تھے، اور وقت پر مالک کو پوری قیمت ادا کردینے کی صورت میں، جہاں وہ تمام معاہدے اصل مالک کے ساتھ قطعیت اختیار کرلیں گے، وہیں خود اس کا اپنا معاہدہ بھی پایہ تکمیل کو پہنچ جائے گا، یعنی اس کا یہ معاملہ اصل مالکِ زمین کے ساتھ قطعی شکل اختیار کرلے گا، مگر چوں کہ اصل مالک کے پاس اتنی زمین باقی نہیں رہے گی، جتنی زمین کا معاملہ اس بلڈر کے ساتھ ہوا تھا، کیوں کہ بلڈر نے بائع کی مرضی سے آگے گاہکوں کو جو اسٹامپ پیپر بنا کر دیئے تھے، وہ اصل مالک کے ساتھ پایہ تکمیل کو پہنچ گئے، لہٰذا اب بلڈر جس کے ساتھ پوری زمین کا معاملہ ہوا تھا، صرف مابقیہ زمین کو اس کے حصہ قیمت کے عوض لے گا۔

---

(۱) رد المحتار: ۹/ ۸۷، فتاویٰ محمودیہ: ۱۶/ ۶۱۷

اسی اصل مالک کے ساتھ بلڈر کے معاملہ کے یقینی ہوجانے (یعنی مقررہ مدت پر پوری قیمت ادا کردینے) کے بعد، چوں کہ بلڈر معاہدہ کے مطابق اس زمین کا مالک ہوجائے گا، اور مالک کی طرف سے آگے اس زمین کو بیچنے کی اجازت بھی ہے، کوئی مانع موجود نہیں، تو رفعِ موانع قبضے کے لیے کافی ہوگا، اور بار بار رجسٹری میں آنے والے خرچ سے بچنے کے لیے بلڈر اپنے نام رجسٹری نہ کراتے ہوئے، اصل مالک کے نام سے ڈائریکٹ گاہکوں کے نام رجسٹری کرادیتا ہے، تو اس کا یہ عمل جائز ودرست ہوگا، ورنہ نہیں۔

ولا يشترط القبض بالبراجم، لأن معنى القبض هو التمكين والتخلي وارتفاع الموانع عرفا وعادة حقيقة (۱)

غیر متعین زمین کی خرید وفروخت

ایک کمپنی جس کا نام ''پیس گرین فوریسٹ لمٹیڈ (P.G.F) ہے، اپنے گراہک سے زمین فروخت کرنے کا معاہدہ کرتی ہے، اور اس کے بعد گراہک سے قسطوار پانچ سال چھ سال سات سال یا نو سال تک یا جتنا وقت بھی معاہدہ میں طے ہوتا ہے، اس وقت تک روپیئے وصول کرتی ہے، مثال کے طور پر کمپنی اپنے کسی گاہک سے معاہدہ کرتی ہے کہ پچاس گز زمین خریدنے کے لئے گاہک چھ سال تک ماہوار قسط کے ذریعہ ہر مہینہ کے کمپنی کے پاس دوسو روپیئے جمع کرے گا، چھ سال مکمل ہونے پر کل جمع رقم ۱۴۴۰۰، روپیئے جمع کرنے کے بعد اگر زمین لینے کا خواہش مند نہیں ہے، تو کمپنی واپس اس زمین کو ۲۰۴۰۰/روپیئے میں خریدنے کے لئے تیار رہے گی؛ لہٰذا محترم اس مسئلہ میں فرمائیں کہ اس صورت میں گاہک کو جو ۴۰۰۰/روپیئے کا فائدہ ہو رہا ہے، وہ جائز اور حلال ہے یا ناجائز اور حرام ہے؟ کمپنی نے اپنا کاروبار چلانے کے لئے الگ الگ عہدوں پر آدمی فائز کر رکھے ہیں جو گاہکوں سے رقم وصول کرنے کے بعد کمپنی کے خزانہ میں جمع

(۱) بدائع الصنائع :۶/ ۵۷۱، کتاب البیوع، فصل فیما یرجع لی المعقود علیه

کرتے ہیں، اوران کی وصول کی گئی رقم میں سے کمپنی ان کے عہدوں کے حساب سے ان کو کمیشن دیتی ہے، کمپنی میں کام کرنے کے بعد آمدنی کا واحد ذریعہ یہی ہے، لہٰذا حضرت اس مسئلہ میں بھی فرمائیں کہ ایسی کمپنی میں کام کرنا اوراس سے حاصل شدہ آمدنی کو استعمال کرنا حلال ہے یا حرام؟۔

واضح رہے کہ کمپنی کے لاکھوں گاہک ہیں، جن سے رقم وصول کر کے کمپنی بڑے پیمانے پر اپنا کاروبار چلاتی ہے، کمپنی زمین پر پیڑ لگاتی ہے، اور لکڑی کا کاروبار کرتی ہے، کاشتکاری کرتی ہے، کھیتی کے لئے بیج تیار کرتی ہے، کھاد بناتی ہے اور کئی مختلف کاروبار کرتی ہے، اور جو آمدنی ہوتی ہے اس میں سے ہی اپنے گاہکوں کو اور کام کرنے والوں کو فائدہ پہنچاتی ہے، ان تمام صورتوں میں ایسی کمپنی سے وابستہ ہوکر نفع حاصل کرنا کیسا ہے؟ اور یہ بات کمپنی نے معاہدہ کے وقت واضح کردی تھی کہ زمین پر قبضہ اسی وقت دیا جائے گا جب کہ کمپنی کو طے شدہ رقم پوری ادا کردی جائے گی۔

ان تمام صورتوں کا جواب یہ ہے کہ کمپنی کا قانون اگرچہ ہندی اور انگلش دونوں میں شائع شدہ ہے اور قانونچہ سے یہ بات واضح ہوچکی ہے کہ اس میں کئی خرابیاں ہیں:

اگر سال میں ایک دو قسط کسی وجہ سے ادا نہ کر سکے تو ۱۵ ارفیصد سود کے ساتھ اس کو پورا کرنا لازم ہوگا، تو اس سے معلوم ہوا کہ اس میں سودی شرط موجود ہے، اور اگر اس میں درمیان میں قسطیں پوری ہونے سے پہلے پہلے کسی ممبر کا انتقال ہوجائے گا تو اس کے پسماندہ کو ۱۵۰ ارفیصد کے حساب سے معاوضہ دیا جائے گا تو یہ شکل جیون بیمہ کی ہوئی، اس میں سود کے ساتھ ''شبیہۃ القمار'' بھی ہے، اس طرح کی باطل اور فاسد شرائط کی بنا پر قسطوں پر زمین خریدنا جائز نہیں ہے، اور سوال نامہ میں ان باطل اور فاسد شرائط کا ذکر موجود نہیں ہے، اس لئے ناقص اور غیر واضح ہے، اور سوال میں ان باطل شرائط کا ذکر بھی آنا چاہئے تھا؛ لہٰذا ان شرائط کی بنا پر مذکورہ کمپنی سے قسطوں پر زمین خریدنا جائز نہیں ہے۔

قال اللہ تعالی: وَأَحَلَّ اللهُ الْبَيْعَ وَحَرَّمَ الرِّبَا (۱)
يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِنَّمَا الْخَمْرُ وَالْمَيْسِرُ وَالْأَنْصَابُ وَالْأَزْلَامُ رِجْسٌ مِّنْ عَمَلِ الشَّيْطَانِ فَاجْتَنِبُوهُ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُونَ (۲)
عن جابر رضی اللہ عنہ قال: لَعَنَ رسولُ اللهِ آكِلَ الرِّبَا ومُؤْكِلَهُ وكاتِبَه، وقال هُمْ سواءٌ" (۳)

کرایہ پر دی گئی زمین کی بیع کرنا

کرائے پر دی ہوئی زمین کو فروخت نہیں کیا جاسکتا، اس میں دوسرے کا ضرر اور نقصان ہے، اور بیع موقوف رہے گی اور جو چیز قبضہ میں نہ آئے اس کا نفع لینا جائز نہیں تو اس نفع کا عوض بھی درست نہیں اور مشتری پر ادائے ثمن بھی واجب نہیں، مدتِ اجارہ مکمل ہوجانے کے بعد بیع نافذ ہوگی، مشتری کو قبضہ کا حق حاصل ہوگا اور بائع پر تسلیمِ مبیع اور مشتری پر تسلیمِ ثمن واجب ہوگا۔ (۴)

دوسرے کے نام پر گھر خریدنا

کسی مصلحت کی بنا پر مثلاً بیوی کی دلجوئی یا کسی قانون سے حفاظت کے لئے شوہر کا اپنے پیسے سے بیوی کے نام سے جائیداد خریدنے سے شرعی طور پر بیوی جائیداد کی مالک نہیں ہوتی؛ بلکہ مالک شوہر ہی ہوا کرتا ہے اور اسی طرح کی خرید وفروخت کو ''بیع تلجئہ'' کہا جاتا ہے، اگر شوہر کی اجازت کے بغیر بیوی کسی لڑکے کے نام اس جائیداد کا حصہ دینا چاہتی ہے وہ اس کی حقدار نہیں ہوگی؛ بلکہ اس کے شوہر کو یہ حق ہوگا کہ وہ بیع نامہ اور رجسٹری کو جو بیوی کے نام پر کرایا ہے ختم کرکے اپنی ملکیت میں واپس لے۔

---

(۱) البقرۃ:۲۷۵

(۲) المائدہ:۹۰

(۳) مسلم شریف، کتاب المساقاۃ المزارعۃ، باب الربا، حدیث نمبر: ۱۵۸۵، فتاوی قاسمیہ: ۱۹/ ۴۵۲۔

(۴) امدادالفتاوی: ۳/ ۴۳، جامع الفتاوی: ۶/ ۲۷۲، مہربان علی بڑوتوی

وبيع التلجئه: وهو أن يظهر عقدا وهما لا يريد أنه يلجأ إليه لخوف عدو، وهو ليس ببيع فى الحقيقة، بل كالهزل (۱)

بڑی سڑک اور گلی کوچوں کا فرق اور بیع کا حکم

عموماً ایسا ہوتا ہے کہ بڑی زمین یا باغ کو کوئی شخص آباد کرنے کے لئے خریدتا ہے اور پھر اس میں مختلف وسیع سڑکیں اور کوچے قائم کرتا ہے، جن پر گاڑیاں وغیرہ چل سکیں اور پوری بڑی قطعہ ارض یا باغ کو مختلف خریداروں کے ہاتھ پلاٹنگ کر کے بیچا جاتا ہے، سڑکوں اور کوچوں کو شارعِ عام قرار دے کر میونسپلٹی کے قبضہ میں دے دیا جاتا ہے جس میں وہ ساکنانِ محلہ کے لئے نالیاں، پانی کا نل، بجلی، پختہ سڑکیں بنوادیتے ہیں، اس صورت میں صاحبِ جائیداد، کرایہ دار اور میونسپلٹی کے خلاف محلہ کی شارع عام کے خلاف کسی ایسی قسم کی پابندی عائد نہیں کرسکتا ہے جس سے گاڑیاں وغیرہ اور لوگوں کے گزرنے میں مشکل ہو۔

یہاں پر اصل یہ ہے کہ گلی کوچے دو قسم کے ہوتے ہیں اور دونوں کے احکامات مختلف ہیں، جو اہل محلہ کی مخصوص ملک ہے، شارع عام نہیں، اس کو فقہاء ''سکنہ خاصہ'' سے تعبیر کرتے ہیں، مگر اکثر اس قسم کے کوچے غیر نافذ ہوتے ہیں، دوسرے وہ جو شارع عام خواہ ابتداء آبادی سے ہی حکومت نے ان کو شارعِ عام قرار دیا ہو یا کسی شخص کی ملک تھا مگر اس نے رفاہِ عام کے لئے وقف کر دیا اور شارعِ عام بنا دیا۔

قسمِ اول کا حکم یہ ہے کہ کوچے کے تمام شرکاء کی اجازت سے اس میں ہر قسم کا تصرف جائز ہے، خواہ اس تصرف سے گزرنے والوں کو تنگی ہو یا نہ ہو اور شرکاء کی اجازت کے بغیر اس میں کسی قسم کا تصرف جائز نہیں، اگر چہ اس میں گزرنے والوں کو تنگی ہو یا نہ ہو اور شرکاء کی اجازت کے بغیر اس میں کسی قسم کا تصرف جائز نہیں؛ اگر چہ اس میں گزرنے

---

(۱) الدر المختار مع الرد، كتاب البيوع، باب المصرف، مطلب فى بيع التلجئة، زكريا: ۵۴۲/۷

اور رہنے والوں کا کوئی ضرر بھی نہ ہواور اس معاملہ میں عام آدمی اور شریک سب برابر ہیں، اس لئے کوئی شریک بھی بغیر دوسرے شرکاء کی اجازت کے اس میں کوئی تصرف نہیں کرسکتا۔

اور قسمِ دوم کا حکم یہ ہے کہ اس میں تصرف کرنے کے لئے قاضی یا حاکم کی اجازت ضروری ہے اور حاکم کو بھی اجازت دینے کا حق اس وقت ہے جب کہ وہ دیکھ لے کہ اس میں عام لوگوں کا نقصان نہیں۔

خلاصہ یہ کہ شارعِ عام بنانے سے شرکاء کی غرض وقفِ عام کرنا تھا یا محض گزرنے کی اجازت دیتے ہوئے اپنی ملک میں رکھنا پہلی صورت میں اب اس کو بند کرنے یا کسی قسم کی پابندی جو گزرگاہِ عام کے لئے مضر ہو عائد کرنے کا کوئی حق نہیں رہا، اگرچہ شرکاء اس پر متفق ہوں اور دوسری صورت میں اگر تمام شرکاء متفق ہوکر کرنا چاہیں تو جائز ہے، اگرچہ گزرنے والوں کو تکلیف ہو اور کرایہ داران کا بھی یہی حکم ہے اور جس صورت میں کہ یہ جگہ مملوک ہو اور سکہ خاص (خاص گلی) ثابت ہو تو کرایہ داران اگر سب مالکان کے خلاف کوئی چارہ جوئی کریں تو یہ جائز نہیں؛ البتہ ان کو یہ حق ہوگا کہ وہ اپنے عقدِ کرایہ کو فسخ کردیں۔(۱)

ٹوکن دے کر زمین کی خرید وفروخت(۲)

آج کل زمینوں کی خرید وفروخت بڑے پیمانے پر اس طرح جاری ہے کہ خریدار مالکِ زمین سے زمین کا سودا کرلیتا ہے، اور بیعانہ کے طور پر اسے کچھ رقم دے دیتا ہے، جسے مارکیٹنگ کی زبان میں ''ٹوکن'' سے تعبیر کرتے ہیں، پھر پوری قیمت کی ادائیگی اور خریدی رجسٹری کے لئے ایک مدت متعین ہوتی ہے، مدت کے پوری ہونے

---

(۱) امداد المفتیین: ۳۹/۴۰

(۲) یہ ایک رسالہ کا خلاصہ ہے جو مفتی محمد جعفر ملی صاحب دامت برکاتہم، جامعۃ اشاعۃ العلوم اکل کوا نے مختلف اکابر علماء کے فتاوی اور تحریروں کو جمع کیا۔

پر خریدار پوری رقم دے کر مالکِ زمین سے اپنے نام زمین کی خریدی رجسٹری کرواتا ہے؛ مگراس مدت کے درمیان خریدار، اس زمین کی خریدی رجسٹری اپنے نام پر ہونے سے پہلے ہی اسے کسی تھرڈ پارٹی کے ہاتھوں منافع کے ساتھ فروخت کرتا ہے اور اس سے حاصل کردہ رقم سے مالک زمین کا پورا پیمنٹ ادا کردینے کے بعد جو رقم بچتی ہے، اسے منافع کے طور پر رکھ لیتا ہے، یعنی ابھی زمین اس کی ملک میں آئی بھی نہیں کہ اس سے پہلے ہی وہ اسے کسی اور کے ہاتھ فروخت کردیتا ہے، شریعت اس طرح کی بیع کو ناجائز کہتی ہے، کیوں کہ اس طرح کی بیع میں دھوکہ اور غرر ہے وہ اس طرح کہ ہوسکتا ہے کہ خریدار پارٹی مدت کے پوری ہونے سے پہلے مفلس وکنگال ہوجائے اور زمیندار کو وقت پر مقررہ قیمت نہ ادا کرسکے، جس کی وجہ یہ بیع پوری نہ ہو پائے ، یا یہ بھی ممکن ہے کہ مدت پوری ہونے سے پہلے خود زمیندار کی مدت عمر پوری ہوجائے اور زمین پر اس کے ورثاء کے نام چڑھ جائیں، اور وہ اس زمین کو فروخت نہ کریں، جس کی وجہ سے یہ بیع پوری نہ ہو پائے، معلوم ہوا کہ بیع کی یہ صورت دھوکہ اور غرر پر مشتمل ہے، جس سے شریعت منع کرتی ہے۔(۱)

اس سلسلہ میں جب کاروباری حضرات سے اس ناجائز صورت کی طرف متوجہ کیا گیا تو وہ یہ کہتے ہیں کہ ہم پارٹی نمبر ون (One) یعنی مالک زمین سے اسٹامپ بنوالیتے ہیں اور اس اسٹامپ کی بنیاد پر تھرڈ پارٹی کے ہاتھوں فروخت کرتے ہیں، میں نے ان سے پوچھا: کیا اس اسٹامپ کی حیثیت انتقالِ ملک کی ہے؟ یعنی کیا اس اسٹامپ کے ذریعہ خریدار زمین کا مالک بن جاتا ہے، اور زمین زمیندار کی ملک سے نکل کر خریدار کی ملک میں داخل ہوجاتی ہے؟ تو ان کا جواب یہ تھا کہ نہیں، ایسا نہیں ہے؛ بلکہ اسٹامپ کی حیثیت محض اتنی ہے کہ اس میں مذکورہ مدت پوری ہونے کے بعد خریدار پیمنٹ کی ادائیگی اور زمیندار خریدی دینے کا مکلف و پابند ہوتا ہے۔

---

(۱) احکام القرآن للجصاص: ۲/۲۱۹

ان کے اس جواب کے لحاظ سے اسٹامپ پیپر محض وعدہ بیع ہوا، نہ کہ بیع اور وعدہ بیع سے نہ تو بیع ہوتی ہے اور نہ ہی مبیع (زمین) پر خریدار کی ملک ثابت ہوتی ہے تو اسے ٹھرڈ پارٹی کے ہاتھوں فروخت کرنا کیسے جائز ہوسکتا ہے، جب کہ شریعت غیر مملوکہ اور غیر مقبوضہ کی بیع سے منع کرتی ہے، جب بیع کی یہ شکل جائز نہیں ہے تو اس کے منافع بھی جائز نہیں ہوں گے کیوں کہ فقہ کا قاعدہ ہے: ''الخراج بالضمان'' خراج ضمان کے سبب ہے، یعنی کسی بھی چیز کے منافع کا جواز، ضمان اور رسک کی بنیاد پر ہوتا ہے، جب کہ بیع کی اس صورت میں زمین خریدار کے ضمان اور رسک میں داخل ہی نہیں ہوتی اور وہ اس سے پہلے ہی اسے تھرڑ پارٹی (Third party) کے ہاتھوں بیچ کر منافع کماتا ہے تو یہ منافع کیسے جائز ہوں گے۔(۱)

دار العلوم کراچی کا فتوی کا بھی یہی ہے کہ اس طرح کی بیع ناجائز ہے، اس میں دھوکہ اور غرر ہے، دار العلوم کا بھی اس حوالہ سے فتوی یہی ہے کہ یہ صرف وعدہ بیع ہے بیع نہیں ہے، اس لئے اس طرح کی خرید وفروخت جائز نہیں۔ (فخر الاسلام، نائب مفتی دار العلوم دیوبند) دار الافتاء امارت شرعیہ پھلواری شریف کا بھی متفقہ فتوی یہی ہے۔(۲)

❁❁❁❁❁❁

(۱) ٹوکن دے کر زمین کی خرید وفروخت: ٦-۷-۸

(۲) ٹوکن دے کر زمین کی خرید وفروخت: ۴۸

مکانات کی تعمیر کے احکام

آج کل زمین کے علاوہ فلیٹس کی خرید وفروخت بھی بڑے پیمانے پر ہوتی ہے، زمین کی مہنگائی اور ہوش ربا گرانی کی وجہ سے شہر کے بہت سارے علاقوں میں زمین کی خریداری نہایت مشکل کام ہے، ایسے جگہوں پر کئی ہمہ منزلہ تعمیر کی جاتی ہے، جس میں فلیٹس بنائے جاتے ہیں، ایک پورشن خاص ایک فیملی کی تمام سہولیات کے ساتھ تیار کیا جاتا ہے، جس کی خرید وفروخت ہوتی ہے، لوگ اس کے مالک بنتے ہیں، تو فلیٹس کی خرید وفروخت میں کونسی چیز کا آدمی شخصی طور پر مالک ہوتا ہے، کونسی چیز مشترکہ ہوتی ہے، بلڈنگ کے انہدام کی صورت میں زمین ملکیت کس اعتبار سے فلیٹس کے مالکان کے درمیان تقسیم ہوگی؟ اس حوالہ سے تمام تفصیلات اس مضمون میں ملاحظہ کریں۔

فلیٹ بنانے کے احکام

شُقّۃ: (Apartment) یہ شق یشق شقا، عربی میں اس کے معنی پھٹنے کے آتے ہیں، شق، کسی بھی چیز میں پھٹن کو کہتے ہیں، یہاں شقہ کے معنی ٹکڑے کے ہیں، اور کسی بھی چیز کے آدھے کو کہتے ہیں، یہاں شقہ سے مراد ایک گھر کے رہنے کے مکان کو کہتے ہیں۔

طبقات، طوابق (Floor) یہ اوپری منزل کو کہتے ہیں، یہاں درحقیقت فلیٹ مراد ہیں جس میں ایک تعمیر کے مختلف مالک ہوتے ہیں، ان میں سے ہر ایک لئے ایک منزل یا فلیٹ ہوتا ہے، اور اس تعمیر کے اجزاء مشترکہ کے وہ سب مالک ہوتے ہیں اور ان اجزاء مشترکہ میں ان کی ملکیت بھی شائع اور مشترک ہوتی ہے۔

یہاں پر فلیٹ سے مراد وہ مکانات ہیں، جو ایک سے زائد منزلہ ہو، خواہ وہ مختلف فلیٹ کی شکل میں ہوں یا نہ ہوں، اور ان مختلف منزلوں اور فلیٹس پر ایک ہی کی ملکیت ہو یا کئی افراد کی ملکیت ہو۔

فلیٹس کے شرعی احکام

فلیٹ کی خرید وفروخت دو طرح سے ہوتی ہے۔

ایک شکل یہ ہوتی ہے کہ زمین کی مختلف اکائیاں جس میں مختلف منزلیں یا فلیٹس ہوں، یعنی کسی نے خرید کر اس میں ایک بلڈنگ کی تعمیر کی ہو، پھر اس نے فلیٹس کو مختلف لوگوں سے بیچ دیا ہو۔ یا کسی نے ڈیولپر سے ایک بلڈنگ خریدی ہو بلڈنگ کے مختلف منازل کو مختلف اغراض کے لئے فروخت کر دیا ہو۔

دوسری صورت یہ کہ ابھی فروخت کرنے والے کے پاس صرف ایک زمین ہو، اس پر ابھی تعمیر نہ ہوئی ہو، صرف نقشے اور پلان کے مطابق خرید وفروخت ہو رہی ہو جس میں فروخت کرنے والا اس تعمیر کے مکمل ہونے کے بعد ہر شخص کو اس کے فلیٹ حوالے کرے گا۔

جس صورت میں فلیٹس کی خرید وفروخت ہوتی ہے، اس کے دو حصے ہوتے ہیں۔

۱۔ ایک تو فلیٹ کی شکل میں وہ حصہ ہوتا ہے، جو صرف مالک کا ہوتا ہے۔

۲۔ اس کے ساتھ ساتھ اس کے اجزاءِ مشترکہ یعنی زمین، سیڑھیاں اور لفٹ وغیرہ بھی حصولِ منفعت کے لئے اس کو حاصل ہوتے ہیں۔

جو مستقل اور علاحدہ فلیٹ ہیں تو اس سلسلہ میں سب اہل علم کا اتفاق ہے کہ اس طرح عینِ مخصوص اور شئ مخصوص کی بیع درست ہے، بلکہ اس طرح کے علاحدہ اجزاء کی خرید وفروخت کے جواز پر امت کا اجماع ہے، چونکہ اللہ عزوجل کا ارشاد ہے "**وَأَحَلَّ اللّٰهُ الْبَيْعَ وَحَرَّمَ الرِّبَا**" (۱) ''اللہ عزوجل نے بیع اور خرید وفروخت کو حلال قرار دیا ہے، سود کو حرام قرار دیا ہے''۔

---

(۱) سورۃ البقرۃ: ۲۷۵

بیعِ مشاع (مشترک) کو بھی باجماعِ مسلمین جائز کہا ہے، شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ نے بیع مشاع کے جواز کو نقل کیا ہے، انہوں نے مجموع الفتاوی میں یوں کہا ہے:

"یجوز بیع المشاع باتفاق المسلمین، کما مضت بذلك سنة رسول الله صلی الله علیه وسلم مثل قوله الذی فی صحیح مسلم: "أَيُّما رَجُلٍ كَانَ لَهُ شَرِيكٌ فی أَرْضٍ أو رُبْعَةٍ أو حائطٍ لا يَحِلُّ أن يبيعَهُ حتى يَأْذَنَ شريكَهُ، فإن شَاءَ أخذَ وإن شاءَ ترك، فإن باع قبل أن یؤذن فهو أحق بالثمن" (۱)

زمین والے کا مختلف فلیٹس کی تعمیر کے بعد اس کو بیچنا یہ علاحدہ چیز کا بیچنا ہے، جس میں اس بلڈنگ کے اجزاء مشترکہ اس بلڈنگ کے اصحاب کے درمیان مشترک ہوتے ہیں۔

فلیٹس کی خرید وفروخت

مالک زمین سے فلیٹ خریدنے کے بعد اور اس فلیٹ کے مالک ہونے کے بعد اس کی خرید وفروخت جائز ہے؛ لیکن فلیٹ کے فروخت کے لئے اس مشاع ملکیت میں شریک کی اجازت ضروری ہے؟

اس بارے میں دو قول ہیں:

۱) ان فلیٹس کی خرید وفروخت جائز ہے، اس میں شریک کی اجازت ضروری نہیں ہے، یہ جمہور علماء میں مالکیہ، شوافع، حنابلہ کا بھی معتمد قول اور امام ابو یوسف رحمہ اللہ کا کہنا بھی یہی ہے۔ اس لئے کہ

"أن البائع باع نصیبه الذی یملکه فلا یشترط فی ذلك إذن شریکه" (۲)

---

(۱) مجموع الفتاوی: ۲۹/ ۲۳۳، ۲۳۴، مسلم، کتاب المساقاة، باب الشفعة، حدیث نمبر: ۱۶۰۸

(۲) شرح منتهی الارادللبهوتی: ۲/ ۶۳

فروخت کرنے والے نے اپنے ملکیت والے حصہ کو بیچا ہے، اس لئے اس میں شریک کی اجازت کی ضرورت نہیں ہے۔

۲) شریک کی اجازت کے بغیر بیچنا جائز نہیں ہے، اس فروخت میں شریک کا نقصان ہے "إن هذا البيع فيه ضرر على الشريك" (۱) اور نبی کریم ﷺ نے فرمایا: "لا ضرر ولا ضرار" نہ کسی کو نقصان پہنچانا ہے اور نہ نقصان برداشت کرنا ہے۔ اور اس لئے بھی کہ شریک نے اپنے شریک کے ساتھ ایک ایسے شخص کو شریک بنایا ہے جو اس کے عین سے فائدہ اٹھائے گا۔

اس دلیل کا جواب یہ ہے کہ یہاں شریک کو نقصان پہنچ رہا ہے یہ بات مسلم ہی نہیں؛ کیوں کہ نفع میں شرکت فروخت سے پہلے بھی فروخت کنندہ اور شریکِ اول کے درمیان موجود ہے۔

اگر اس ضرر اور نقصان کو مان بھی لیتے ہیں تو یہ نقصان ثبوتِ شفعہ سے ختم ہوجاتا ہے "لو سلمنا بوجود ضرر؛ فإن هذا الضرر يندفع بثبوت الشفعة" (۲)

اور اس لئے بھی کہ نبی کریم ﷺ نے مشاع (مشترکہ) حصہ کی بیع سے بغیر شریک کی اجازت کے منع فرمایا ہے: "نهى عن بيع النصيب المشاع إلا بإذن الشريك" اس نہی اور ممانعت کا تقاضا یہ ہے کہ بغیر شریک کی اجازت کے فروخت کرنا جائز ہی نہ ہو۔

اس دلیل کا جواب یہ ہے کہ یہاں ممانعت سے مراد کراہت ہے جس کو امام نووی نے یوں فرمایا ہے:

" فهو محمول عند أصحابنا على الندب إلى إعلامه وكراهة بيعه قبل إعلامه كراهة تنزيه، وليس بحرام" (۳)

---

(۱) بدائع: ۵/۱۶۸

(۲) أحكام المشاع في الفقه الإسلامي، د صالح السلطان: ۱/۱۸۴

(۳) شرح النووي على صحيح مسلم: ۱۱/۴۶

پہلا قول راجح ہے اس فلیٹ کے فروخت کرنے کے لئے شریک کی اجازت ضروری نہیں، البتہ حدیث کی رو سے جمہور ائمہ کا قول یہ ہے کہ اجازت لینا مستحب ہے۔

البتہ جو اجزاء مستقل ملک کے تابع ہو کر سب کے درمیان مشترک ہیں، اس حصہ مشاع کی بیع مستقل ملک کی فروخت کے تابع ہو کر تو درست ہے، علاحدہ سے ان اجزاء مشاع اور مشترک کا فروخت کرنا جائز نہیں۔

فلور یا فلیٹ کے مالک کا زمینی حصہ

جس زمین پر بلڈ ینگ تعمیر کی گئی خواہ وہ فلیٹس کی شکل میں ہو یا فلورس کی شکل میں یہ زمین ان فلیٹس اور فلورس کے مالکوں کے درمیان مشاع طریقے پر ہوگی، جس کے وہ تمام مالک ہوں گے۔ یعنی تعمیر میں ہر شخص کی علاحدہ ملک کے مثل ہر ایک کی ملک کے بقدر اپنی ملک کے مشترکہ حصے کے مالک ہوں گے۔ مثلاً اگر بلڈنگ میں چار فلیٹس ہوں تو ہر فلیٹ کا مالک اپنے حصہ مشاع یعنی ۲۵٪ کا مالک ہوگا۔

فلیٹس کے مستقل اور علاحدہ اجزاء کی ملکیت کے حقوق

اگر کوئی شخص فلیٹس کا مالک ہو تو اس کے تمام اجزاء جس سے فلیٹ کی تعمیر ہوئی وہ اس کا بھی مالک ہوگا، اس حوالہ سے علماء نے نچلی اور بالائی منزل والے مسائل میں بحث کی ہے، اس لئے مبسوط میں یوں کہا گیا ہے:

"فسقف السفل وهواديه وجذوعه وبواريه كله لصاحب السفل؛ لأن صاحب السفل مستحق للبيت، والبيت إنما يكون بيتا بسقف، فهو على العموم يملك كل الأجزاء المكونة لسفله"۔(۱)

نچلے حصے کی چھت، اس کے نظر آنے والے امور، اس کے لکڑیاں

---

(۱) ملكية الطوابق والشقق في بين الفقه الإسلامي والقانون المعاصر، عبد الكريم: ص:٦٠٧-٧٧

اوراس کی حصیروں وغیرہ کا مالک وہی ہوگا، چونکہ نیچے والا شخص گھر کا مالک ہے،تو گھر کا مالک چھت کے ساتھ ہوگا، چونکہ گھر بغیر چھت کے نہیں ہوتا، اس لئے وہ نچلی منزل کے تمام اجزاء کا مالک ہوگا۔

موجودہ زمانے میں ہر ایک کی ملک والے مستقل اجزاء میں فلیٹ کے اندر کے تمام اجزاء کمروں میں فاصلہ کرنے والی دیواریں، اندر کی ٹوٹیاں، بجلی کے ویر، چولہے، اس کی علاحدہ ٹنکی، کمرے کو گرم کرنے والے آلات، غسل خانے اور حمام وغیرہ وہ مالک ہوگا، اس میں اس کا کوئی دوسرا شریک نہیں ہوسکتا:

"فیدخل فی الأجزاء المفرزة ما یکون داخل داخل الوحدة العقاریة، وما تحویه من حوائط فاصلة بین الغرف، والأبواب الداخلیة، والباب الرئیس للشقة، والأنابیب الداخلیة ، وأسلاك الكهرباء، والمداخن، والخزانات، وأدوات التدفئة، والأدوات الصحیة كالمغاسل والحمامات وغیرها مما یکون داخل الوحدة العقاریة، وینفرد بها صاحبها دون غیره(۱)

علاحدہ اجزاء میں مالکین کے حقوق

اس سے پہلے یہ بتایا جا چکا فلیٹ کی خرید وفروخت میں ایک حصہ شائع اور دوسرے علاحدہ اجزاء ہوتے ہیں۔

فقہ اسلامی میں اصل بات یہ ہے کہ جو شخص فلیٹ کا مالک ہو تو وہ اس کے تمام تعمیر شدہ اجزاء کا بھی مالک ہوگا، اس سلسلہ میں علماء نے جہاں اوپری منزل اور نچلی منزل کے تعلق کی بات کہی ہے وہاں انہوں نے اس سلسلے میں یہ گفتگو کی ہے، مبسوط میں ہے:

" فسقف السفل وهواديه وجذوعه --- وبواريه كله

(۱) اتحاد الملاك، الدكتور عبد الحميد الشواربی: ۱۹

لصاحب السفل، لأن صاحب السفل مستحق للبيت، والبيت إنما يكون بيتا بسقف" (۱)

اس کے علاوہ بعض لوگوں نے فلیٹ کے علاحدہ ملکیت والے مادی اجزاء کے علاوہ غیر مادی اجزاء کو شامل کی ہے، یعنی فلیٹ کے اطراف واکناف کی خالی جگہ اور فضاء کو بھی اس شخص کی ملکیت قرار دیا ہے۔(۲)

مستقل ملکیت والے اجزاء میں مالکین کے حقوق

ا-ملکیت کی منتقلی

جب یہ شخص اس فلیٹ کا مستقل بغیر کسی اشتراک کے مالک ہوتا ہے، تو وہ اس کو فروخت کرنے، ہبہ کرنے یا بطور معاوضہ دینے یا دیگر تصرفات کا اختیار بھی رکھتا ہے، یا اس منزل کے مالک ہونے کی صورت میں اس منزل یا اس کے مختلف فلیٹس میں ہر طرح سے تصرف کر سکتا ہے۔

۲-رہن

اس منزل یا یونٹ کے مالک کو اس منزل یا اس کے بعض فلیٹس یا کچھ اجزاء کو کسی متعین رقم کے بدلے رکھنے کی بھی اجازت حاصل ہے؛ اس لئے کہ فقہاء کے یہاں جس چیز کی خرید وفروخت جائز ہے اس کا بطورِ رہن رکھنا بھی جائز ہے، اور ان علاحدہ اور مستقل ملکیت والے اجزاء میں اس کے مالک کو بیچنے فروخت کرنے وغیرہ ہر طرح کا تصرف حاصل ہوگا۔

۳-تعمیر میں درستگی اور انہدام کی کاروائی

اس فلیٹ اور یونٹ جس کا وہ مالک ہے اس میں اس کو ہر طریقہ کا تصرف کا حق حاصل ہے، یعنی وہ اندرونی طور پر اپنی تعمیر میں اپنی شوق اور رغبت کے موافق تصرف

---

(۱) المبسوط:۲۰/۱۵۸

(۲) ملكية الشقق: مصطفى الجارحي:۲۱

کرسکتا ہے، اس کی بعض دیواروں کومنہدم کرنے اور اس میں اضافہ کرنے وغیرہ کا بھی مالک ہے، اس میں وہ ڈیکوریشن کرسکتا ہے، اس میں تزیین وتحسین کرسکتا ہے، البتہ بالکل اپنے یونٹ کومنہدم کرنے کا حق اس کو حاصل نہیں ہوگا، اس لئے کہ اس صورت میں دیگر لوگوں کونقصان ہوگا، ہاں البتہ اگر تمام بلڈنگ کو اجتماعی طور پر منہدم کیا جارہا ہے تو اس صورت میں منہدم کرنے کا اختیار ہوگا۔(۱)

۴۔انشورنش

بطورِ انشورنس اور بیمہ فلیٹ کے دینے کے سلسلہ میں متاخرین اہلِ علم میں اختلاف ہے، لیکن انہوں نے اس کو بطور انشورنس کے فلیٹ کے مالک کو اپنے فلیٹ کو دینے کا اختیار دیا ہے، اگرچہ دیگر لوگ اپنے فلیٹ کا انشورنس نہ کریں، چونکہ یہ مستقل اپنے حصہ کی ملکیت رکھتا ہے۔

(ا) چند عمومی قسم کے تصرفات جس کی اجازت نہیں ہے

۱- شرعی اور حکومتی سطح پر جس شخص کو اس جگہ کا مالک بنانے کی اجازت نہیں تو اس علاقے میں کسی ایسے شخص سے اس ملکیت کو فروخت کرنا جائز نہیں۔

۲- مالک کو حقِ شفعہ کی رعایت کے بعد ہی فروخت کی اجازت ہوگی۔

۳- مالک ایسا کوئی تصرف نہیں کرسکتا جس کی وجہ سے اس کے پڑوسی کو کسی بھی طرح کا نقصان پہنچ سکتا ہو۔شریعت نے پڑوسی کے حقوق کی رعایت کی ہے، حدیث میں وارد ہوا ہے۔

"مَنْ كَانَ يُؤْمِنُ بِاللهِ واليومِ الآخرِ فلَا يؤذِي جارَه"(۲)

---

(۱) محمد حسن قاسم، موجز الحقوق العینیۃ الأصلیۃ :۱۹۱، د۔عبدالناصر العطار، تملیک الشقق والطبقات :۳۷

(۲) بخاری، کتاب احادیث الأنبیاء، باب قول الله تعالی: وإذقال ربک للملائکۃ إنی جاعل فی الأرض خلیفۃ، حدیث نمبر:۳۳۳۱، مسلم، کتاب الرضاع، باب الوصیۃ بالنساء، حدیث نمبر:۱۴۶۸

اور حدیث میں ہے: "لا ضرر و لا ضرار" (نہ تکلیف کو برداشت کرنے کی اجازت ہے اور نہ کسی کو تکلیف دینے کی اجازت ہے)۔

(۲) خاص قیود وتصرفات

۱- یعنی مالکِ مکان ایسا تصرف نہیں کرسکتا جس سے اس کا تصرف صرف اجزاء مستقلہ میں تو واقع ہو لیکن اجزاء مشترکہ میں اس کا اثر نہ ہو، چونکہ اجزاء مستقلہ اور اجزاء مشترکہ کے مابین تفریق ممکن ہی نہیں:

"الأجزاء المشتركة فى العقار التى لا تقبل القسمة على الملاك، لا يجوز للمالك أن يتصرف فى حصة منها مستقلة عن الجزء الذى يملكه مفرزا، ويشمل التصرف فى الجزء المفرز حصة المتصرف فى الأجزاء المشتركة التى لا يمكن قسمتها"۔

۲- اس فلیٹ کے مستقل ملکیت والے اجزاء کے یونٹ میں مالک اس طرح تصرف نہیں کرسکتا جس کی وجہ سے مکمل تعمیر میں تبدیلی واقع ہو، یا اس کی شکل یا اس کی بیرونی خوبصورتی پر اس کا اثر ہو، اندر کی ایسی دیوار جس پر عمارت کھڑی ہے منہدم کرنا، یا کھڑکیوں کو اس طرح درست کرنا درست نہیں ہے، جس سے مکمل تعمیر پر اثر ہوتا ہو۔ اسی کو کہا ہے:

"لا يجوز لأى مالك أن يقوم بعمل من شأنه أن يهدد سلامة المبنى أو يغير فى شكله أو مظهره الخارجى أو إساءة استخدامه"۔

(۳) یونٹ اور فلیٹ کی حفاظت

ہر مستقل ملکیت کے مالک شخص کو اپنے علاحدہ ملکیت والے یونٹ اور فلیٹ کی اس طرح حفاظت اور صیانت کرنا ضروری ہے جس سے عمارت کی مضبوطی باقی و برقرار

رہے، یعنی اس فلیٹ کے پٹھن وغیرہ کو درست کرتے رہنا، جس سے عمارت میں شگاف اور دراڑ نہ پڑ جائے۔

اجزاءِ مشترکہ میں مالکوں کے حقوق

اجزاءِ مشترکہ کے سلسلہ میں فلیٹ اور یونٹ کے مالک کو اپنے مستقل اجزاء والی ملکیت سے ہٹ کر کسی قسم کے تصرف کا حق حاصل نہ ہوگا۔

چنانچہ اس حصہ مشترکہ کی علاحدہ سے خرید وفروخت، اس کو بطور رہن کے رکھنا اس طرح کے تصرفات کی اجازت نہیں، البتہ بعض دیگر قسم کے تصرفات جیسے کیل مارنا، کھڑکی کھولنا، لکڑی رکھنا اس کی وجہ سے اس جزءِ مشترک پر یا پڑوسی کے حصے میں کوئی نقصان نہیں پہنچے گا۔

كذلك الحال بنا فلا يجوز من التصرفات ما ينتج عنه نقل الملك كالبيع والقسمة والرهن وغيرها (۱)

وأما حق التعديل فكما هو مقرر عند الفقهاء أنه لا يجوز إحداث هذا التصرف إلا بإذن الشريك عند الجمهور (۲)

اجزاءِ مشترکہ سے جب تمام لوگ منتفع ہوتے ہیں، تو اس کی اصلاح ودرستگی کی ذمہ داری بھی تمام پر عائد ہوگی۔ احناف کا اس سلسلہ میں قول یہ ہے کہ اجزاءِ مشترکہ کی اصلاح (ریپیرنگ) وبقاء کی لئے ملکیت مشترکہ کے تمام مشارکین کو زبردستی کی جائے گی، چونکہ ضررِ خاص کے مقابلہ میں ضرر عام کے دفعیہ کی کوشش کرنا زیادہ ضروری ہے۔

مجلۃ الاحکام الشرعیہ میں ہے:

"يجبر الشريک علی مع شريكه فی الأملاک والأوقاف

---

(۱) الملكية الشائعة وأحكامها العامة ومشكلاتها العلمية، د۔ اشرف اللمساوی، وفائز اللمساوی:۸۵

(۲) مواهب الجليل:۵/۱۵۱

المشتركة، لا فرق فی ذلك بين الحائط والسقف والدار والبئر والدولاب والناعورة، والفناء المشرك ونحوها، إذا احتاجت إلى عمارة وتنظيف أو سد شق أو إصلاح حائط ونحو ذلك مما يتضرر الشركاء بتركه (۱)

اور اجزاءِ مشترکہ میں اصلاح ودرستگی میں حصہ مشترک کی نسبت سے لاگت اٹھانی ہوگی۔

کل قیمت کی ادائیگی سے پہلے مکان کا استعمال

آج کل مکان ودوکان کی خرید وفروخت کی یہ صورت عام ہے کہ مالکِ مکان یا دکان کسی شخص کو اپنا مکان یا دکان ادھار قیمت پر بیچتا ہے، اور یہ شرط لگاتا ہے کہ جب تک پوری رقم ادا نہیں ہوجاتی، مکان یا دوکان اسی کے قبضہ میں رہیں گے، اور اس کو استعمال کی مکمل اجازت ہوگی، چاہے تو خود رہے گا یا چاہے تو کرایہ پر دے دے گا، معاملہ کی یہ صورت شرعاً جائز نہیں ہے، کیوں کہ ادھار خرید وفروخت کی صورت میں بائع یعنی بیچنے والے کو شرعاً اس بات کا حق واختیار نہیں کہ جب تک خریدار پوری قیمت ادا نہیں کرتا، فروخت کردہ چیز اس کے حوالہ نہ کرے؛ بلکہ اپنے قبضہ میں ہی رکھے؛ ہاں البتہ قیمت ادھار ہونے کی وجہ سے وہ اس کو فروخت کردہ مکان یا دکان کو اپنے پاس بطور رہن یعنی گروی رکھ سکتا ہے؛ مگر اس صورت میں بھی اسے اس مکان یا دکان کے خود استعمال کرنے یا کرایہ پر دینے کی اجازت نہیں؛ کیوں کہ رہن سے نفع اٹھانا سود جو شرعاً ناجائز وحرام ہے۔ (۲)

ہاؤس ریکوزیشن (House Requisition)

بعض سرکاری ادارے اپنے ملازمین کو (House Requisition) ہاؤس

---

(۱) مجلة الأحكام الشرعيه، أحمد بن عبد الله القارى: ۶۵

(۲) النتف فی الفتاوی: ۲۷۵، ہدایہ: ۴۳/۳

ریکوزیشن یعنی فراہمی مکان کے نام سے ماہوار رقم دیتے ہیں، تاکہ وہ اپنے لئے اپنی پسند کا مکان لے کر اپنی فیملی کے ساتھ رکھ سکیں، یہ رقم کافی زیادہ ہوتی ہے، سرکاری ادارہ یہ رقم ملازم کو نہیں دیتا؛ بلکہ مالکِ مکان کے بینک اکاؤنٹ میں ٹرانسفر (Trasfer) کر دیتا ہے اور ملازم کا اس سے کوئی تعلق نہیں ہوتا، ملازمِ مکان سے ڈیل کرتا ہے کہ آپ کے مکان کا عام حالات میں جو کرایہ بنتا ہے اتنا آپ رکھ لیں اور بقیہ مجھے واپس کر دیں گے مثلاً سرکاری ادارہ کو مکان کا کرایہ: 17.000 بتایا جاتا ہے جب کہ اس کا کرایہ صرف 10.000 ہوتا ہے، سرکاری ادارہ پورے 17.000 مالکِ مکان کے بینک اکاؤنٹ میں ٹرانسفر کر دیتا ہے، اب مالکِ مکان اس میں سے 10,000 رکھ لیتا ہے اور بقیہ 7,000 روپیئے ملازم کو دے دیتا ہے، ملازم مالکِ مکان کے ساتھ یہ ساز باز کرنا خلافِ قانون طریقہ اختیار کرنا اور سرکاری ادارہ سے چھپا کر اس طرح لین دین کرنا شریعت مطہرہ کی نظر میں جائز نہیں ہے، ہاں؛ البتہ اگر سرکاری ادارہ فراہمی مکان کے لئے اپنے ملازم کو ہی متعین رقم دیدے اور یہ کہے کہ آپ کو اختیار ہے چاہے تو اتنی رقم کے بقدر کرایہ کا مکان لو یا اس سے زیادہ یا اس سے کم، یا لو ہی مت، ہمیں اس سے کوئی سروکار نہیں تو اس صورت میں یہ رقم ملازم کی ملک ہے، اب اس میں وہ جو تصرف چاہے کر سکتا ہے۔(۱)

بلڈنگ کی تعمیر سے پہلے فلیٹوں کی خرید وفروخت

☆ آج کل بلڈنگ کے تعمیر ہونے سے پہلے ہی، اس کے فلیٹوں کی (Flats) کی خرید وفروخت شروع ہوجاتی ہے اور ضروری پیمنٹ کی ادائیگی کی وجہ سے وہ فلیٹ بکنگ کرنے والوں کو ملک بتانے کے بعد ہی دیا جاتا ہے، اس لئے جائز

---

(۱) صحیح مسلم:۱/۷۰، جامع الترمذی: ۲/۲۴۵، درسی وتعلیمی اہم مسائل جن میں ابتلاء عام ہے، ۳۰۷، ۳۷۳ مفتی محمد جعفر ملی رحمانی، دار الافتاء جامعۃ اسلامیہ اشاعت العلوم اکل کواں، مہاراشٹر، انڈیا

ودرست ہے؛ اس لئے کہ ایسی صورتحال میں کسی بلڈنگ کی مکمل تعمیر سے پہلے، اس میں تعمیر کئے جانے والے دفاتر یا مکانات وغیرہ کا خریدنا اور بک کرانا، اگر محض پہلی مرتبہ ہو تو بیعِ استصناع کے طور پر جائز اور درست ہے، پھر بیعِ استصناع میں جب تک شی تیار کر کے مشتری کے سپرد اور حوالہ نہ کی جائے تو اس وقت تک مشتری نہ ہونے اور شیء کے معدوم ہونے کی بناء پر اس کا آگے کسی دوسرے کے نام فروخت کرنا شرعا جائز نہیں؛ لہٰذ محض قانونی اجازت اور کاغذات کو بنیاد بنا کر اسے آگے بیچنا اور اس پر بروکری (دلالی) کرنا اور کمیشن لینا ہر دو امور شرعا ناجائز اور ممنوع ہیں، جن سے احتراز ضروری لازم ہے۔(۱)

☆ اگر کسی بلڈر کو کوئی مکان کے بنانے کا آرڈر دیا جائے اور اس میں مکانیت، رقبہ، لمبائی، چوڑائی، اونچائی، دروازوں اور کھڑکیوں وغیرہ کی تفصیلات کی وضاحت کردی جائے، مکان بن کر تیار ہو جائے اور آرڈر دینے والا اس کی قیمت ادا نہ کرے تو بلڈر اس مکان کو کسی اور کے ہاتھ فروخت کرسکتا ہے، جب کہ یہ مکان آرڈر دینے والے شخص کو نہ بتایا گیا ہو، کیوں کہ معاملہ کی اس صورت کو استصناع کہتے ہیں، اور اس میں جب تک آرڈر دینے والا آرڈر کردہ شیء کو دیکھ نہیں لیتا وہ متعین نہیں ہوتی، اور صانع یعنی کاریگر کو کسی اور کے ہاتھ فروخت کرنا جائز ہوتا ہے۔(۲)

☆ اگر کسی شخص نے قسطوں پر فلیٹ خریدا اور وہ قسطوں کے ادا کرنے کے موقف میں نہ ہو اور فلیٹ ابھی بن کر تیار نہ ہوا ہو تو وہ شخص اس فلیٹ کو کسی اور کے ہاتھ فروخت نہیں کرسکتا، کیوں کہ شرع اسلامی نے اس چیز کی بیع سے منع کیا ہے جو

(۱) المبسوط: ۱۲/ ۱۶۵، درسی وتعلیمی اہم مسائل جن میں ابتلاء عام ہے، ۶ ۳۳، مفتی محمد جعفر ملی رحمانی، دارالافتاء جامعۃ اسلامیہ اشاعت العلوم اکل کواں، مہاراشٹر، انڈیا

(۲) ردالمحتار: ۷/ ۳۶۵، درسی وتعلیمی اہم مسائل جن میں ابتلاء عام ہے، ۶ ۳۳، مفتی محمد جعفر ملی رحمانی، دارالافتاء جامعۃ اسلامیہ اشاعت العلوم اکل کواں، مہاراشٹر، انڈیا

ابھی وجود میں نہیں آئی؛ لیکن اگر فلیٹ تیار ہو چکا ہو تو اس کو فروخت کر سکتا ہے، چاہے زیادہ قیمت میں یا کم قیمت میں، خواہ ابھی یہ فلیٹ اس کے قبضہ میں نہ آیا ہو، کیوں کہ اموال غیر منقولہ (جن چیزوں کو ایک جگہ سے دوسری جگہ منتقل نہیں کیا جا سکتا) کو قبضہ سے پہلے بھی فروخت کیا جا سکتا ہے۔(۱)

☆ اگر کسی شخص نے بلڈر کے پاس فلیٹ کی بکنگ کروائی اور قیمت ادا کرنے کے لئے کوئی مدت متعین نہ کی اور بلڈر نے معاملہ طے کرتے وقت یہ شرط لگائی کہ اگر وقت پر قسطیں ادا نہیں کی گئیں تو مجھے اس معاملہ کو ختم کرنے کا اختیار ہوگا اور بکنگ کرانے والے شخص نے اس شرط کو تسلیم بھی کر لیا تو مقررہ مدت میں قسطیں ادا نہ کرنے کی صورت میں بلڈر کو یک طرفہ معاملہ کو ختم کرنے کا اختیار ہوگا، فقہ کی اصطلاح میں اس کو خیارِ نقد سے تعبیر کیا جاتا ہے۔(۲) طے شدہ قسطوں میں رقم ادا نہ کرنے کی صورت میں بائع کو یہ اختیار حاصل ہے کہ قسط وار ادائیگی قیمت کی سہولت کو ختم کر کے پوری قیمت کا مطالبہ کرے۔(۳)

☆ اگر کوئی شخص کسی بلڈر سے کوئی فلیٹ خریدے، رقم بھی ادا کر دے اور اس کے ساتھ یہ شرط بھی لگائے کہ اگر متعینہ مدت میں فلیٹ مکمل تیار کر کے اس پر قبضہ نہ دیا گیا تو جتنی مدت تک قبضہ دینے میں تاخیر کی جائے گی، اس پوری مدت کا کرایہ بطور جرمانہ آپ سے وصول کیا جائے گا، اور بلڈر اس شرط کو تسلیم بھی کر لے، تب بھی شخصِ مذکور کے لئے اس جرمانہ کا وصول کرنا جائز نہ ہوگا، کیوں کہ یہ سود ہے، ہاں! البتہ اگر متعینہ مدت تک فلیٹ پر قبضہ حاصل نہ ہو تو وہ اس معاملہ کو فسخ کر سکتا ہے اور اپنی دی ہوئی اصل رقم کی واپسی کا مطالبہ بھی کر سکتا ہے۔

---

(۱) درر الحکام: ۱/۱۷۷، المادۃ: ۱۹۷

(۲) ہدایہ: ۳۰/

(۳) درر الحکام شرح مجلۃ الأحکام: ۱/۲۳۰، درسی و تعلیمی اہم مسائل جن میں ابتلاء عام ہے، ۳۳۶، مفتی محمد جعفر ملی رحمانی، دارالافتاء جامعۃ اسلامیہ اشاعت العلوم اکل کواں، مہاراشٹر، انڈیا

”مافی القرآن الکریم: وَأَحَلَّ اللهُ الْبَيْعَ وَحَرَّمَ الرِّبَا (۱)
مافی ”صحیح مسلم“ عن جابر قال: ”لعن رسول الله
صلی الله علیه وسلم آکلَ الرِّبَا و مؤکلَه و کاتبَه وشاهدَيْهِ“
وقال: هم سواء (۲)

ڈیولپمنٹ کے دوطریقے

بنگلور اور مدراس وغیرہ میں عمارتوں کی تعمیر کے کئی نئے طریقے چل پڑے ہیں، ان میں سے ایک طریقہ یہ ہے کہ کسی کے پاس خالی جگہ ہو، وہ اس پر بلڈنگ تعمیر کرنے کی سہولت نہ رکھتا تو اس کے پاس کوئی بلڈر آکر کہتا ہے کہ ”تم مجھے اپنی جگہ دیدو میں اس پر ایک بلڈنگ تعمیر کروں گا، مثلاً آٹھ منزلہ عمارت کھڑی کروں گا، پھر چار منزل تمہارے حوالہ کردں گا، تم اس کے مالک ومختار ہوگے، چاہو تو انہیں فروخت کردو یا کرایہ پر دو یا دوسروں کے حوالہ کردو اور میں چار منزلوں کا مالک ومختار ہوں گا“ رہی زمین تو وہ مالک اور بلڈر دونوں کے درمیان ایک معین مدت مثلاً ننانوے یا سو سال تک کے لئے مشترک کلی مانی جاتی ہے، اس پر اگریمنٹ بھی کردیا جاتا ہے۔

تعمیر عمارت کا ایک دوسرا طریقہ یہ بھی ہے کہ بلڈر آکر جگہ کے مالک سے کہتا ہے کہ تم مجھے اپنی جگہ اور ایک یا دو لاکھ روپیئے ایڈوانس دیدو، میں عمارت تعمیر کر کے تمہارے حوالہ کردوں گا، تم بعد میں مجھے اتنے لاکھ روپیئے اتنی مدت تک ماہانہ ایک لاکھ یا پچاس ہزار روپیئے کی قسطوں سے ادا کردو۔

اب سوال یہ ہے کہ اس طرح قسطوار ادائیگی سے وہ بلڈر تعمیر کردہ بلڈنگ کی مالیت سے بہت زیادہ وصول کرلیتا ہے مثلاً دس لاکھ روپیئے وہ خرچ کرتا ہے، تو چودہ پندرہ لاکھ روپیہ وصول کرلیتا ہے کیا یہ صورت جائز ہے؟

---

(۱) سورۃ البقرۃ:۲۷۵

(۲) مسلم: باب لعن آکل الربا مؤکله، حدیث نمبر:۴۱۵۹۷

۱) زمین کے بارے میں ۹۹/سال کا اجارہ ہے، اگر جانبین ۹۹/سال کے پٹے پر راضی ہیں اور اس کا سرکاری ایگریمنٹ بھی ہوجائے تو آپس کی تراضی سے اس لمبی مدت معینہ تک اجارہ کی گنجائش ہے، اور جانبین میں سے کسی ایک کی موت کے بعد یا دونوں کی موت کے بعد ان کے ورثاء ایگریمنٹ اور معاہدہ پر راضی ہوجائیں تو یہ مدت طویلہ کے لئے اجارہ داری جائز اور درست ہے، جیسا کہ ہندیہ کی عبارت سے واضح ہوتا ہے۔

رجل آجر أرض وقف مدة طويلة مائة سنة من رجل، وأقر أنهما باشر الواحد من المسلمين، وأن حاكما حكم بصحة ذلك، فالإجارة صحيحة، إذا حكم حاكم بصحتها مع طول المدة، ولا تنفسخ بموت أحدهما بعد إقرارهما، بأن العقد وقع لواحد غير معين، ويكون المال حلالا له، هكذا ذكر وهو الصحيح، وهذا مما لا خلاف فيه (۱)

۲) دوسرا معاملہ اس میں شرکت کا ہے کہ آٹھ منزلہ عمارت بنا کر چار منزل صاحب زمین کو زمین کے عوض دیدی گئی اور چار منزل بلڈر نے بنا کر دینے کے عوض میں اپنے لئے لیا، یہ شرکتِ عنان کے دائرہ میں داخل ہوکر جائز اور درست ہے۔

عنان تصح مع التساوی فی المال دون الربح وعکسه، وفی البحر تحته وهو التفاضل فی المال والتساوی فی الربح، قوله: (وبعض المال) یعنی یصح أن یعقدها کل واحد منهما ببعض ماله دون البعض، لأن المساواة فی

---

(۱) هندیه: کتاب الإجارة، الباب الثالث فی الإجارة الطویلة المرسومة، زکریا جدید: ۵۶۱/۴، قدیم: ۵۱۵/۴

المال ليس بشرط إذا اللفظ لا يقتيضيه (قوله: وبخلاف الجنس) بأن يكون من أحدهما دنانير ومن الآخر دراهم لعدم اشتراط الخلط عندنا فجازت فی متحد الجنس ومختلفه (۱)

سوال میں عمارت تعمیر کرنے کا جو معاملہ بیان کیا گیا ہے، وہ بلا شبہ جائز ہے، یہ ٹھیکیداری کی ایک شکل ہے، یہاں بلڈر ٹھیکیدار بن چکا ہے، مالک زمین کو مکان بنا کر تیار کر کے پیش کر دے گا، جس میں مثلا بلڈر کے دس لاکھ روپیئے خرچ ہوئے، مگر بلڈر مالکِ زمین کو مکان بنا کر پیش کرنے کے بعد اب جو پیشگی مختصر پیسہ لیا جا چکا ہے، اس کو بھی لے کر ۵ رسال یا ۱۰ سال میں قسطوار ۱۵ رلاکھ روپیئے وصول کرے گا اور شروع میں ہی معاملہ صاف کر لیا گیا ہے، ۱۵ رلاکھ روپیہ میں تعمیر کے پیش کر دیا جائے اور دو لاکھ روپیئے پیشگی لے لیا جائے گا، باقی تیرہ لاکھ روپئے ۵ رسال میں قسطوار ادا کرتے رہیں گے، اس طرح بلڈر کا نفع بھی اپنی جگہ ہوتا ہے، اور مالک زمین کو قسطوار پیسہ دے کر عمارت حاصل کرنے میں آسانی بھی ہوتی ہے، ایسا کرنا جائز اور درست ہے، یہ ادھار معاملہ کے مترادف ہے۔

البيع ما تأجيل الثمن، وتقسيطه صحيح، ويلزم أن تكون المدة معلومة فی البيع بالتأجيل والتقسيط (۲)
لأن للأجل شبها بالبيع ألا تري أنه يزاد فی الثمن لأجل الأجل (۳)

---

(۱) البحر الرائق: کتاب الشركة، زكريا: ۵/۲۹۱، ۱۹۳

(۲) شرح المحلة، رستم، مكتبة اتحاد: ۱/۱۲۴=۱۲۵، رقم المادة: ۲۴۵=۲۴۶

(۳) هداية كتاب البيوع، باب المرابحة والتولية، اشرفی: ۳/۷۴، شامی، زكريا: ۷/۳۶۲، فتاوی قاسمیہ: ۲۰/۸۶

حقِ شفعہ اسرار واحکام

شفعہ شفع سے ماخوذ ہے اور اس کے لغوی معنی ملانے اور ضم کرنے کے ہیں، طاق عدد کے مقابلہ جفت اعداد کے لئے بھی شفعہ کا لفظ بولا جاتا ہے۔ فقہ کی اصطلاح میں کسی خرید کی ہوئی زمین یا عمارت کو اسی قیمت میں جبراً حاصل کر لینے کا نام ''حق شفعہ ہے''۔(۱)

حقِ شفعہ کی مشروعیت

شریعتِ مطہرہ نے ہر انسان کو آزادی اور سکون کے ساتھ زندگی گذارنے کا حق دیا ہے، اگر کسی کے پڑوس میں کوئی ایسا شخص آباد ہو جس کے عادات واخلاق پسندیدہ نہ ہوں تو ان کے ساتھ زندگی گذارنا بہت مشکل ہو جاتا ہے، بسا اوقات انسان تنگ ہو کر وہاں سے کوچ کر جاتا ہے۔

کما قال الشاعر:

دار جار السوء بالصبر وإن

لم تجد صبرا فما أحلي النقل

یعنی وہ گھر جس کا پڑوسی برا ہے، اگر اس کی ایذاء پر صبر ممکن نہ ہو تو وہاں سے کوچ کر جانا ہی میٹھا ہے۔

اس لئے برے پڑوسی کے شر سے بچنے کے لئے شریعت نے شفعہ کا حق دیا ہے کہ اگر کسی کے پڑوس میں کوئی مکان دوکان، جائیداد، زمین فروخت ہو تو اس کی خریداری

(۱) فتح القدیر: ۳۶۹/۹

کا اصل حق پڑوسی ہے؛ لہٰذا اس میں بائع پر بھی کسی قسم کا ظلم نہ ہوگا؛ بلکہ جتنی قیمت پر دوسرے کو فروخت کرنا چاہتا ہے اتنے میں پڑوسی کو فروخت کرے جیسا کہ تعریفِ شفعہ سے ظاہر ہوا۔

احادیثِ کریمہ سے شفعہ ثابت ہے

حضرت جابر رضی اللہ عنہ کا قول ہے:

"إِنَّما جَعَلَ رسولُ اللهِ صلى الله عليه وسلم الشُّفْعَةَ فِيما لم يُقْسَمْ، فَإِذَا وَقَعَتِ الحدُودُ وَصرِفَتِ الطُّرُقُ فَلَا شُفْعَةَ" (۱)

رسول اللہ ﷺ نے غیر منقسم مشترک شئ میں شفعہ کو ثابت مانا ہے۔

اسی طرح نبی کریم ﷺ نے فرمایا ہے:

"الشُّفْعَةُ فِيْ كُلِّ شرِيكٍ فى أرْضٍ أو رُبْعٍ أو حائطٍ، لَا يَصْلُحُ أَنْ يَبِيْعَ حَتَّى يَعرِضَ على شرِيْكِهِ فَيأخذَ أو يدعَ، فَإِنْ أَبَى فَشريكُه أَحقُّ به حتى يُؤْذِنَه" (۲)

اس حدیث میں نبی کریم ﷺ نے ہر مشترکہ شی ء میں شفعہ کو ثابت مانا ہے، مبیع کے حصہ فروخت کے خریدنے کا شریک زیادہ حقدار ہے۔

اہل علم کا اجماع ہے کہ شفعہ ہر اس شریک کا حق ہے جو غیر منقسم شی ء مثلاً زمین گھر اور دیوار میں شریک کا رہو:

" أجمع أهل العلم على إثبات الشفعة للشريك الذى لم يقاسم فيما بيع من أرض أو دار أو حائط" (۳)

شفعہ کے اسباب

حقِ شفعہ تین اسباب سے ثابت ہوا کرتا ہے، جو شخص حقِ شفعہ کا طالب ہو، اس

---

(۱) بخاری: كتاب البيوع، باب بيع الشريك من شريكه، حدیث نمبر: ۲۰۶۱۹

(۲) صحيح مسلم: كتاب المساقاة، باب الشفعة، حدیث نمبر: ۱۶۰۸

(۳) الإجماع لابن المنذر: ۱/ ۹۵

کی ملکیت بیچی جانے والی جائداد کے ساتھ غیر منقسم طور پر شریک ہو، دوسرے: نفس جائداد میں تو شریک نہ ہو؛ لیکن جائداد کے متعلقات جیسے: پانی یا راستہ میں شرکت ہو، تیسرے: جائداد بھی الگ ہو، جائداد کے متعلقات میں بھی اشتراک نہ ہو؛ لیکن پڑوس میں ہو، پہلی صورت کو''شریک'' دوسرے کو''خلیط'' اور تیسرے کو''جار'' کہتے ہیں، ان تینوں میں ترتیب بھی یہی ہے کہ اگر ایک سے زائد حق دار جمع ہوجائیں تو شریک سب سے مقدم ہے، پھر خلیط اور اس کے بعد جار کا نمبر ہے۔(۱)

حقِ شفعہ طلب کرنے کا طریقہ

جب شفیع کو اس بات کا علم ہوجائے کہ ہمارے پڑوسی نے اپنی وہ زمین فروخت کردی ہے جس میں مجھے شفعہ کا حق حاصل ہے، تو اسی مجلسِ علم میں جو لوگ موجود ہوں ان کے سامنے اس کا اظہار کرے کہ مجھے یہ زمین لینے کا حق ہے اور میرا ارادہ بھی ہے آپ لوگ گواہ رہیں، اس کے بعد جاکر زمین کے پاس یا مشتری کے پاس یا بائع کے پاس اگر مبیع ابھی تک مالک کے قبضہ میں ہو تو یوں گواہی قائم کرے کہ فلاں نے یہ زمین خریدی میں نے اس پر حقِ شفعہ کا دعوی کیا ہے، اب بھی کررہا ہوں، آپ لوگ گواہ رہیں۔(۲)

چند اہم شرطیں:

۱) زمین کا مالک حقدار شفعہ کے بجائے کسی اور کو مالی معاوضہ لے کر وہ جائداد دے رہا ہو، اگر ہبہ کررہا ہو یا کسی کو صدقہ کرے یا میراث اور وصیت کے ذریعہ زمین نئے مالک کی طرف منتقل ہو یا کسی جرم کے مقابلہ میں بطور بدل کے جائداد دے رہا ہو تو ان صورتوں میں ان جائداد سے حقِ شعفہ متعلق نہ ہوگا۔

۲) حقِ شفعہ ان ہی چیزوں میں حاصل ہوگا جو جائدادِ غیر منقولہ کے قبیل سے ہو جیسے زمین اور مکان۔(۳)

---

(۱) هندیه: ۵/ ۱۶۵ (۲) ملتقی الابحر: ۲/ ۱۹۲

(۳) هندیه: ۵/ ۱۶۰

۳) مالک کی ملکیت اس جائداد سے ختم ہوگئی ہو، جب تک کسی بھی درجہ میں مالک کی ملکیت باقی رہے، حقِ شفعہ اس سے متعلق نہیں ہوگا، مثلاً زمین فروخت کی، لیکن مزید غور کے لئے تین دن کی مہلت لے لی (جس کو خیارِ شرط کہتے ہیں) تو جب تک یہ مدت گذر نہ جائے اور معاملہ قطعی نہ ہوجائے اس جائداد میں حقِ شفعہ نہ ہوگا۔(۱)

۴) حق شفعہ کا حقدار (شفیع) وہی قیمت ادا کرنے کو تیار ہو جس میں مالک نے اپنی جائداد فروخت کی تھی۔

شفعہ کب ساقط ہوتا ہے؟

حقِ شفعہ بنیادی طور پر تین صورتوں میں ساقط ہوجاتا ہے، شفیع صراحۃً اپنے حق کو باطل کردے، یا دلالۃً حقِ شفعہ کے ساقط ہونے پر اس کی رضامندی ظاہر ہو، مثلاً اراضی مستحقہ کے فروخت کئے جانے کی اطلاع ملے اور وہ اس پر خاموشی اختیار کرلے، تیسری صورت یہ ہے کہ شفعہ کے دعوی کے بعد اس کا انتقال ہوجائے تو بھی حقِ شفعہ ساقط ہوجاتا ہے۔(۲)

تبادلہ جائیداد میں بھی حقِ شفعہ

مثلاً زید وبکر نے ایک دوسرے سے اپنی جائیداد کا تبادلہ کیا بکر کے رشتہ دار عمر وخالد نے زید وبکر پر حقِ شفعہ کا دعوی کیا تو شرعاً یہ دعوی صحیح ہوگا، کیوں کہ تبادلہ سے بھی حقِ شفعہ ثابت ہوتا ہے۔

"لأن فيه تمليك بعوض المال" (۳)

وقف کی زمین میں شفعہ کا حکم

وقف کی زمین میں شفعہ کا حق نہیں اور نہ واقف یا متولی وقف کی زمین کے لئے

---

(۱) هنديه:۵/۱۶۰ (۲) الهندية:۵/۱۷۲

(۳) ماخوذ از امداد الاحکام:۴/۱۷۱

شفعہ کا دعوی کر سکتے ہیں، حقِ شفعہ ثابت ہونے کے لئے زمین کا مالک ہونا ضروری ہے، اور وقف کا کوئی مالک نہیں۔

"ولا شفعة فی الوقف" (۱)

فلور اور فلیٹس میں حقِ شفعہ

اوپری اور نچلی منزل میں شفعہ کے ثبوت کے احناف قائل ہیں، اور اس میں حقِ شفعہ ثابت نہیں یہ مالکیہ، شافعیہ اور حنابلہ اور جمہور کا مذہب ہے۔

احناف کہتے ہیں: " أن السقف عبارة من أرض لصاحب العلو يسكنه فثبت له حق الشفعة فيه" (۲) چھت نام ہے اوپری منزل والے کی زمین کا جس میں وہ رہتا ہے تو اس میں حق شفعہ ثابت ہوگا۔

اس سلسلے میں راجح قول بھی احناف کا ہے کہ حق شفعہ اوپری اور نچلی منزل میں ثابت ہوتا ہے، چونکہ اس حوالہ سے دلائل قوی ہیں، شفعہ کا حق نقصان کو دور کرنے کے لئے دیا گیا ہے۔ اور یہاں ضرر اور نقصان کا ہونا ممکن ہے۔ جس کے لئے شفعہ کا حق دیا گیا ہے۔

یہ نظام یعنی حق شفعہ اوپری اور نچلی منزل میں ثابت ہے یہ گزشتہ زمانہ کی بات ہے، دور حاضر میں ہم نے یہ پہلے بتایا ہے کہ سب فلیٹ کے مالک مشترکہ طور پر اس زمین کے مالک ہوتے ہیں، جمہور اہلِ علم کا اتفاق ہے جس جگہ مشترکہ زمین پر تعمیر ہوئی ہے، اس تعمیر کے مالکین کے درمیان حقِ شفعہ ثابت ہوگا۔

اس وجہ سے بھی فلیٹس کے مالکین کو حقِ شفعہ حاصل ہوگا، اس لئے کہ یہ اس فلیٹس اور یونٹس کے مالکین سیڑھیوں، لفٹ، اسٹانڈ، باغیچے، گودام دیگر متعدد خدمات میں وہ

---

(۱) الدر المختار مع رد المحتار: ۶/ ۲۲۳، فتاوی دار العلوم زکریا: ۵/ ۸۲۴، حق شفعہ کے احکام کا بیان۔

(۲) الانصاف: ۳۲۸/۱۵

آپس میں شریک کار ہوں گے، اسکے صحت اور امورِ صحت سے متعلق چیزوں، بجلی وغیرہ میں بھی یہ مشترک ہوں گے۔

فلیٹس اور فلور کے انہدام کے بعد مالکین کا حق

اگر کسی وجہ سے بلڈنگ ڈھا دی جائے خواہ یہ انہدام جلنے، یا سیلاب، دھماکے یا کسی اور اسباب سے ہو، اس میں خواہ دو فلیٹس ہوں، دو منزل ہوں، تو کیا ان تمام مالکین کو عمارت کو دوبارہ بنانا ہوگا؟ کیا یہ عمل ضروری ہے؟ ان کے بیچ اس عمارت کی تعمیر کا مشترکہ خرچ کیسے تقسیم ہوگا؟

اس سلسلہ میں فقہی احکام یہ ہیں کہ پہلے یہ دیکھا جائے اگر نچلی منزل گر جاتی ہے تو کیا نچلی منزل والی کو اوپری منزل والی کی مصلحت کے پیش نظر اس عمارت کی تعمیر کا حکم کریں گے؟ چونکہ اوپری منزل والا نیچے کی منزل کی تعمیر کے بغیر اپنی اوپری منزل سے استفادہ نہیں کر سکتا؟

مثلاً عمارت کی ایک منزل مشترک ہو، عمارت بغیر کسی کے عمل دخل کے گر جائے، یا اوپر کی منزلوں کے منہدم ہونے کی وجہ سے نچلی منزل منہدم ہو جائے تو کیا نچلی منزل والے کو اس کی نچلی منزل کی تعمیر کے لئے مجبور کیا جائے گا تا کہ اوپر منزل والا اپنا گھر بنا سکے؟

اس سلسلہ میں فقہاء کا اختلاف ہے:

۱) یہ ہے کہ نچلی منزل والے کو اپنے تعمیر کے لئے مجبور نہیں کیا جائے گا۔ یہ احناف کا قول ہے، شوافع کا جدید قول اور امام احمد بن حنبل کا بھی ایک قول ہے۔

اس لئے کہ انسان کو اپنی ملکیت کی تعمیر کرنے پر زبردستی نہیں کیا جا سکتا، اس لئے نچلی منزل والے کو اس کی منزل کی تعمیر کرنے پر مجبور نہیں کیا جائے گا۔

اس لئے بھی کہ اس کو تعمیر پر مجبور خود اس کے حق کی وجہ سے کیا جائے گا یا پڑوسیوں کے حق کی وجہ سے، یا سب کے حق کی وجہ سے، خود اس کے حق کی وجہ سے مجبور نہیں کیا جا سکتا، نہ دوسروں کے حق کے پیشِ نظر مجبور کیا جا سکتا ہے،

جیسا کہ اگر اس کے پڑوس کی مستقل عمارت ہوتی تو اس کی تعمیر پر مجبور نہیں کیا جاسکتا، تو ہر ایک کی عمارت کے علاحدہ ہونے کی صورت میں ایک کو دوسرے کے لئے مجبور نہیں کیا جاسکتا، یہاں بھی یہی صورتحال ہے۔

۲) نچلی منزل والے کو اپنی نچلی منزل کے بنانے کا حکم دیں گے، یہ مالکیہ اور شوافع کا قدیم قول اور ایک روایت امام احمد رحمہم اللہ کی بھی ہے۔

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے:

لَجَعَلْنَا لِمَن يَكْفُرُ بِالرَّحْمَٰنِ لِبُيُوتِهِمْ سُقُفًا مِّن فَضَّةٍ (۱)

یہاں اللہ عزوجل نے سقف (چھت) کی نسبت گھر کی طرف کی ہے تو اس سے یہ پتہ چلا کہ چھت گھر کے لوازمات سے ہے، تو وہ اس چھت کی اصلاح کرے گا اور چھت والا نچلی منزل والا ہے۔

اور نبی کریم ﷺ کا ارشاد گرامی ہے: "لا ضرر و لا ضرار" (نہ نقصان برداشت کرے نہ پہنچائے)۔

اس سلسلہ میں راجح قول پہلا ہے کہ نچلی منزل والے کو تعمیر پر مجبور نہیں کیا جاسکتا۔

❁❁❁❁❁

(۱) سورۃ الزخرف: ۳۳

مضاربت وشرکت کے بنیادی اصول

☆ عام طور پر طبیعتوں میں امانت اور اعتماد نہیں ہے، جتنا ہو سکے خود اپنا ذاتی کاروبار کرنا چاہیئے:

وَإِنَّ كَثِيرًا مِّنَ الْخُلَطَاءِ لَيَبْغِي بَعْضُهُمْ عَلَى بَعْضٍ إِلَّا الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ وَقَلِيلٌ مَّا هُمْ (۱)

اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے: اللہ تعالی کا ارشاد ہے کہ دو شریکوں (کے درمیان) میں تیسرا رہتا ہوں جب تک کہ ان دونوں میں سے کوئی ایک اپنے ساتھی کی خیانت نہ کرے پس جب ان میں سے کوئی خیانت کا مرتکب ہوتا ہے تو میں ان کے درمیان سے نکل جاتا ہوں''۔ ''أنا ثالث الشریکین ما لم یخن أحدهما صاحبه، فإذا خانه خرجت من بینهما'' (۲)

اور ایک حدیث میں فرمایا: مسلمان مسلمان کا بھائی ہوتا ہے وہ نہ اس پر ظلم کرتا ہے اور نہ اسے بے یار و مددگار چھوڑتا ہے تقوی یہاں ہوتا ہے تقوی یہاں ہوتا ہے یعنی دل میں۔ اور دو آدمی اللہ کی رضا کے لئے ایک دوسرے سے محبت کرتے ہوں انہیں کوئی چیز جدا نہیں کر سکتی سوائے اس نئی چیز کے جو ان میں سے کوئی ایک ایجاد کرلے ''ما تواد اثنان ففرق بینهما إلا بذنب یحدثه أحدهما'' (۳)

---

(۱) ص: ۲۴ (۲) ابو داود، باب فی الشرکة، حدیث: ۳۳۸۳

(۳) مسند احمد، مسند عبد اللہ بن عمر، حدیث: ۵۳۵۷

☆ چھوٹے رأس المال تھوڑی پونجی سے شروع کرنا بہتر ہے قرض اور پاٹنرشپ کے مقابلہ میں۔

☆ بازار میں پیسہ لگانے والا نقصان میں شرکت ہرگز قبول کرنا نہیں چاہتا اور نفع کی خاص متعین رقم بھی وصول کرنا چاہتا ہے، یہ خالص غیر انسانی، سودی مزاج ہے، اسلام اس طریقہ کی اجازت نہیں دیتا، ہمت افزائی اسی طریقہ کی کرتا ہے جس میں دونوں کا نفع ہو، نقصان کا بوجھ بھی دونوں پر پڑے، مال گردش کا صرف ایک طرف نہ رہے۔

نیچے دیئے گئے اصول کی رعایت کرنے سے ان شاء اللہ نفع حلال بھی ہوگا، بدمعاملگی وغیرہ سے احتیاط بھی۔

احناف کے یہاں عقدِ شرکت دوشریکوں کے درمیان اصل سرمائے اور منافع میں شرکت کا معاملہ کرنے نام ہے۔

”ھی عبارۃ عن العقد بین المتشارکین فی الأصل والربح“(۱)

عقدِ شرکت (Partnership) یہ ہے کہ دو یا کئی افراد ایجاب وقبول کے ذریعہ ایک ایسا معاہدہ کریں جس کی رو سے وہ یا تو اپنے اپنے مال کو اکٹھا کر کے اسے تجارت میں لگائیں یا وہ سب مل کر کوئی نفع بخش عمل کریں اور دونوں صورتوں میں حاصل شدہ نفع درمیان میں تقسیم ہو۔

منافع کی تقسیم کے بنیادی اصول

شرکت کی صحت کے لئے یہ ضروری ہے کہ شرکت کا معاہدہ کرتے وقت ہی تمام شرکاء واضح طور پر طے کرلیں کہ منافع کی تقسیم کس معیار پر عمل میں آئے گی؟ عام اصول تو یہ ہے کہ فریقین باہمی رضامندی سے منافع کی جو شرح طے کرنا چاہیں کر سکتے ہیں، لیکن

(۱) الأتاسی، شرح مجلۃ الأحکام، محمد خالد، مکتبۃ اسلامیہ، کوئٹہ: ۱۴۰۳ھ

شریعت نے ان کے اس اختیار پر چند اصولی پابندیاں عائد کی ہیں، جن کا لحاظ رکھنا ضروری ہے۔

۱- جب تجارت میں منافع حاصل ہوں تو اس نفع کو سرمایہ کے تناسب کے بجائے حاصل ہونے والے حقیقی نفع کی بنیاد پر تقسیم کیا جائے، مثلاً اگر زید اور بکر نے شرکت کا عقد کیا اور دونوں نے ایک ایک ہزار روپیئے لگائے اور اس سے تجارت کی اور دوسو روپئے نفع حاصل ہو تو نفع لگائے ہوئے سرمایہ یعنی دو ہزار روپئے کے نصف نصف یا چوتھائی وغیرہ کے حساب سے دینا طے نہ کیا جائے؛ بلکہ جو نفع حاصل ہوا یعنی دوسو روپے اس کا نصف یا چوتھائی یا تہائی وغیرہ طے کیا جائے گا۔

۲- مال کی ایک معین مقدار کو بطور نفع کسی شریک کے لئے طے نہ کیا جائے مثلاً اگر زید اور بکر نے ایک ایک ہزار روپئے کو تجارت میں لگایا اور یہ طے کیا کہ زید کو ہر مہینہ سو روپئے ملیں گے خواہ نفع تھوڑا ہو یا زیادہ، یہ صورت جائز نہیں ہے، اس کا صحیح طریقہ یہ ہے کہ اسطرح طے کیا جائے کہ جو نفع حاصل ہوگا اس کا نصف یا چوتھائی یا تہائی زید کو ملے گا:

"وأن يكون الربح معلوم القدر فإن كان مجهولا تفسد الشركة، وأن يكون الربح جزئا شائعا فى الجملة لا معينا، فإن عينا عشرة أو مائة أو نحو ذلك كانت الشركة فاسدة" (۱)

۳- اگر دو شرکاء یہ طے کریں کہ ہر شریک کو نفع کا اتنا فیصد حصہ ملے گا جتنا فیصد اس نے سرمایہ لگایا ہے تو یہ صورت جائز ہے، خواہ دونوں کی سرمایہ کاری کا تناسب برابر ہو یا کم وبیش، نیز چاہے دونوں نے کام کرنا طے کیا ہو یا دونوں میں سے ایک کا کام طے ہوا ہو، مثلاً اگر زید اور بکر نے ایک ایک ہزار روپئے تجارت میں

---

(۱) الفتاوى الهندية: ۲/ ۳۰۲

مشترکہ طور پر لگائے، گویا کہ دونوں کی سرمایہ کاری کا تناسب نصف نصف ہے اور انہوں نے اسی تناسب سے نفع طے کیا کہ جو نفع حاصل ہوگا وہ آدھا آدھا تقسیم کریں گے تو جائز ہے، اس صورت میں یہ بھی جائز ہے کہ دونوں شریک شرکت کے لئے کام کرنا طے کریں اور یہ بھی جائز ہے کام کرنا صرف ایک شریک کی ذمہ داری قرار دیا گیا ہو۔(۱)

۴- جس شریک کے بارے میں یہ طے کیا گیا کہ وہ ضرور کام کرے گا اس کا نفع سرمایہ کاری کے تناسب سے زائد مقرر کیا جائے تو بالاتفاق جائز ہے، خواہ دوسرا کام کرے یا نہ کرے، مثلاً زید اور بکر نے ایک ایک ہزار روپے مشترک طور پر تجارت میں لگائے اور زید کے کام کرنے کی شرط لگائی گئی اور نفع کے بارے میں یہ طے ہوا کہ دو تہائی زید کو اور ایک تہائی بکر کو ملے گا، تو جائز ہے اسی طرح اگر بکر کے کام کرنے کی شرط بھی لگائی گئی ہو تب بھی زید کے نفع کا تناسب اس کی سرمایہ کاری سے زائد ہوسکتا ہے۔(۲)

اس صورت میں بالفرض اگر زید اور بکر کی سرمایہ کاری برابر نہ ہوتی مثلاً زید دو ہزار روپئے اور بکر ایک ہزار روپئے مشترک طور پر تجارت میں لگاتا تو اگر بکر کے لئے کام کی شرط لگائی گئی ہو تو بکر اپنے سرمایہ کے تناسب سے زیادہ نفع حاصل کرسکتا ہے، مثلاً دونوں نصف نصف لے سکتے ہیں (خواہ زید کے کام کرنے کی شرط ہو یا نہ ہو)۔(۳)

۵- جس شخص نے شرط لگائی کہ کام نہیں کرے گا، اس کے لئے سرمایہ کاری کے تناسب سے زیادہ مقرر کرنا جمہور کے نزدیک ناجائز ہے۔ مثلاً زید اور بکر نے

---

(۱) الهداية: ۲/ ۵۹۵، مكتبۃ امدادیہ ملتان

(۲) بدائع الصنائع: ۶/ ۶۳

(۳) بدائع الصنائع: ۶/ ۶۳

مشترکہ طور پر ایک ایک ہزار کی سرمایہ کاری کی اور یہ طے کیا کہ صرف زید کام کرے گا، بکر کام نہیں کرے گا، البتہ بکر کو نفع اس کی سرمایہ کاری کے تناسب سے زیادہ ملے گا، مثلاً زید کو ایک تہائی اور بکر کو دو تہائی نفع ملے گا تو یہ صورت جائز نہیں ہے،(۱) البتہ حنابلہ سے یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ ان کے نزدیک یہ صورت بھی جائز ہے۔(۲)

مذکورہ بالا صورت میں اگر زید اور بکر کی سرمایہ کاری مساوی نہ ہوتی مثلاً زید ایک ہزار اور بکر دو ہزار روپے شرکت کے کاروبار لگاتا اور یہ طے کیا جاتا کہ صرف وہ شریک جس کا سرمایہ زیادہ لگا ہے یعنی بکر کام کرے گا اور نفع دونوں کو برابر ملے گا؛ گویا کہ اس کی سرمایہ کاری کے تناسب سے نفع زیادہ حاصل ہوگا تو بھی جائز نہیں ہے، ہاں البتہ اگر دونوں کام کریں تو جائز ہوگا۔(۳)

۶- جو شخص کام نہیں کریگا اس کے لئے سرمایہ کاری کے تناسب سے کم مقرر کرنا بالاتفاق جائز ہے۔ مثال کے طور پر زید اور بکر نے مشترکہ سرمایہ کاری کی اور ایک ایک ہزار روپے لگائے، اور یہ طے کیا کہ صرف زید کام کرے گا، بکر کام نہیں کرے گا، اور زید کو دو تہائی اور بکر کو ایک تہائی نفع کا ملے گا تو جائز ہے، اس صورت میں زید کو اصل نفع اس کے سرمایہ کی وجہ سے اور زائد نفع اس کے کام کی وجہ سے سمجھا جائے گا۔

" وإن كان المالان متساويين فإن شرطا العمل علي أحدهما ، فإن شرطاه على الذى شرطا له فضل الربح جائز، والربح بينهما على الشرط ، فيستحق ربح رأس

---

(۱) بدائع الصنائع: ۶/ ۶۳

(۲) ابن قدامة المقدسی، المغنی: ۵/ ۱۴۰، مکتبة الرياض السعودية، ۱۴۰۳ھ

(۳) الكاسانی، بدائع الصنائع: ۶/ ۶۳

مالہ بمالہ والفضل بعملہ"(۱)

۷- دونوں فریقوں کے کام کرنے کی شرط ہواس کے باوجود سرمایہ کاری کے تناسب سے منافع کا تناسب مختلف ہوتو اس کے جواز میں فقہاء کا اختلاف ہے۔

احناف کہتے ہیں کہ نفع کا سبب صرف مال نہیں، بلکہ محنت اور عمل بھی ہے اور اگر بالفرض دونوں شریکوں کا مال برابر بھی ہو تو دونوں کے عمل کے مقدار اور کارکردگی کی نوعیت میں تفاوت ہوسکتا ہے، یعنی یہ ہوسکتا ہے کہ ایک شخص اس کاروبار میں زیادہ تجربہ کار یا زیادہ محنتی ہواور دوسرا اس کے مقابلہ میں کم ہو، بلکہ حنفیہ اس سے بھی آگے بڑھ کر یہ کہتے ہیں کہ مال اور عمل کے علاوہ ضمان بھی نفع کے استحقاق کا سبب ہوتا ہے، ضمان کا مطلب ہے کہ کسی بات کی ذمہ داری لینا اور جب دو شریک کوئی کاروبار شروع کرتے ہیں، تو اس کاروبار کی ذمہ داریاں دونوں پر عائد ہوتی ہیں، لہٰذا اگر بالفرض ایک شخص عملاً کام نہ بھی کرے تب بھی چونکہ اس نے کاروبار کی ذمہ داری لی ہوئی ہے؛ اس لئے نفع کا کچھ حصہ اس ذمہ داری کے مقابلہ میں بھی ہے؛ لہٰذا اگر ایک شریک کی ساکھ بازار میں زیادہ اور اس پر لوگ دوسرے شریک کے مقابلہ میں زیادہ اعتماد کرتے ہیں تو وہ بھی اپنی ساکھ کی وجہ سے زیادہ نفع کا مستحق ہوسکتا ہے۔(۲)

نقصان کی تقسیم کے بنیادی اصول

اس بات پر فقہاء کا اتفاق ہے کہ اگر شرکت کے کاروبار میں نقصان ہوجائے تو ہر شریک کا نقصان اس کے مال کے تناسب سے ہوگا، یعنی جتنے فی صد کس کی سرمایہ کاری ہے اتنا ہی فیصد وہ نقصان میں حصہ دار ہے، فرض کیجئے کہ زید اور خالد آپس میں شریک ہیں، زید نے کاروبار میں چالیس فیصد سرمایہ لگایا ہے اور خالد نے ساٹھ فیصد، اب اگر کاروبار میں سو روپئے کا نقصان ہوا تو اس میں سے چالیس روپئے کا نقصان زید کو

---

(۱) بدائع الصنائع: ۶/ ۶۳، شرکت ومضاربت عصر حاضر میں: ۲۱۰-۲۱۳۔

(۲) المغنی: ۴/ ۴۴۵، شرکت ومضاربت عصر حاضر میں: ۲۱۰-۲۱۵۔

برداشت کرنا ہوگا، اور ساٹھ فیصد کا خالد کو، یہ اصول شریعت کی طرف سے مقرر ہیں، لہٰذا تمام شرکاء مل کر بھی اس میں کوئی تبدیلی نہیں کر سکتے، چنانچہ مذکورہ بالا مثال میں اگر زید اور خالد دونوں باہمی رضامندی سے یہ طے کر لیں کہ اگرچہ زید کی سرمایہ کاری کا تناسب چالیس فیصد ہے؛ مگر وہ نقصان پچاس فیصد برداشت کرے گا تو یہ شرکت شرعاً صحیح نہیں ہوگی۔

خلاصہ یہ کہ شرکت کے کاروبار میں نقصان ہر شریک کے مال کے تناسب سے ہوگا اور اس قاعدہ کی بنیاد حضرت علی رضی اللہ عنہ کا اثر ہے جس میں انہوں نے فرمایا:

الوضيعة على المال والربح على ما اصطلحوا عليه(۱)

یعنی نقصان مال (کے تناسب) سے ہوگا اور منافع اس طرح تقسیم ہوں گے جیسے شرکاء آپس میں طے کر لیں، حضرت علی رضی اللہ عنہ کے اس اثر کی بنیاد پر تمام ائمہ کرام وفقہاء عظام کا اس بارے میں اجماع ہے۔

"اتفقوا على أن الربح والخسران في الشركة بين الشركاء كل بقدر ماله"

اسی اصول پر ائمہ اربعہ متفق ہیں، چنانچہ فقہ حنفی کی مشہور کتاب ''بدائع الصنائع فی ترتیب الشرائع'' میں علامہ کاسانی فرماتے ہیں:

"والوضيعة على قدر المالين متساويا ومتفاضلا، لأن الوضيعة اسم لجزء هالك من المال، فيتقدر بقدر المال" (۲)

نقصان دونوں کے مال کے تناسب سے ہوگا، اس لئے کہ نقصان مال کے ہلاک ہونے والے جزء کا نام ہے تو وہ مال کی مقدار کے برابر ہوگا۔

---

(۱) مصنف عبدالرزاق، کنز العمال: ۱۵/ ۴۸۲

(۲) بدائع الصنائع: ۶/ ۶۲، شرکت ومضاربت عصر حاضر میں: ۲۱۶-۲۱۸۔

فسخِ شرکت اور اس کے بنیادی اصول

فسخِ شرکت سے ہماری مراد شرکت کا ختم ہونا ہے، جس کی تین مختلف صورتیں ہوسکتی ہیں:

ایک یہ کہ جس مقصد کے تحت شرکت قائم کی گئی تھی وہ پورا ہوجائے۔

دوسرے یہ کہ مقصد پورا ہونے سے پہلے فریقین شرکت کا معاملہ ختم کردیں۔

تیسرے یہ کہ کوئی ایسا واقعہ پیش آئے جس کی بناء پر شرکت خود بخود ختم ہوجائے۔

ان تینوں صورتوں کی تفصیل کچھ یوں ہے:

۱۔شرکت کے مقاصد کی تکمیل

فسخِ شرکت کی پہلی صورت یہ ہے کہ جس مقصد کے پیش نظر شرکت کی گئی تھی وہ حاصل ہوگیا، مثلاً یہ کہ دو افراد نے کسی مخصوص معاملہ کے لئے شرکت قائم کی تھی، فرض کیجئے کہ وہ ایک مخصوص مقدار کا کپڑا خرید کر ایک ہی مرتبہ اس کو فروخت کرنا چاہتے تھے اور انہوں نے مشترک سرمائے سے کپڑا خرید کر فروخت کردیا، اس صورت کے احکام سادہ اور واضح ہیں، یعنی اگر کاروبار میں نفع ہوا ہے تو وہ طے شدہ شرح کے حساب سے تقسیم کرلیا جائے گا، اور اگر نقصان ہوا ہے تو ہر فریق اپنی سرمایہ کاری کے تناسب سے اسے برداشت کرے گا اور اب ان کے درمیان شرکت کا رشتہ برقرار نہیں رہے گا۔

۲۔فریقین کا شرکت کو فسخ کرنا

شرکت کے عقد میں فریقین میں سے ہر ایک کو یہ حق حاصل ہے کہ عقد شرکت جس وقت چاہے ختم کردے، البتہ صرف ایک شرط ہے وہ یہ کہ جو فریق شرکت ختم کرنا چاہتا ہو وہ دوسرے فریق کو شرکت ختم کرنے کی اطلاع یا نوٹس دے پھر شرکت کے سرمایہ کی تقسیم اس طرح کی جائے کہ سب سے پہلے یہ دیکھا جائے کہ کل اثاثے نقد شکل میں ہیں یا جنس (سامان) کی شکل میں اگر تمام اثاثے نقد ہوں اور کچھ منافع بھی حاصل

ہوا ہوتو سب سے پہلے فریقین اپنے حصص کے تناسب سے سرمایہ واپس لیں گے اس کے بعد منافع تقسیم کرلیں گے، البتہ اگر اثاثے نقد شکل میں نہ ہوں تو شرکاء اس سرمایہ کو فروخت کرکے نقد بنائیں گے اور پھر اسے باہم تقسیم کرلیں گے۔

اگر اثاثے نقد شکل میں نہ ہوں تو مضاربت میں تو بالاتفاق مضارب اس سامان کو فروخت کر کے نقد شکل میں لائے گا، پہلے مضارب رب المال کو اس کا سرمایہ واپس دے گا، سرمایہ واپس دینے کے بعد اگر کچھ بچے گا تو وہ نفع کہلائے گا، پھر اسے باہم طے کردہ تناسب سے تقسیم کریں گے، لیکن شرکت کے بارے میں اس صورت میں اختلاف ہے، امام طحاویؒ نے شرکت کو مضاربت پر قیاس کرتے ہوئے یہ فرمایا ہے کہ اس میں بھی شرکاء پہلے اس سامان کو نقد کی شکل میں لائیں گے، پھر اسے تقسیم کریں گے جب کہ دوسرے علماء احناف کی رائے یہ ہے کہ جنس کی شکل میں بھی شرکت کو فسخ کر کے تقسیم کیا جاسکتا ہے، اس صورت میں اثاثے جس شکل میں بھی موجود ہوں وہ اسی شکل میں سرمایہ کاری کے تناسب سے تقسیم کرلئے جائیں گے۔

ان علماء احناف کی دلیل یہ ہے کہ مضاربت اور شرکت میں یہ فرق ہے کہ شرکت میں تمام شرکاء مالِ شرکت پر قبضہ اور مکمل اختیار رکھتے ہیں، ان میں سے ہر شریک مالِ شرکت پر تصرف کا اختیار رکھتا ہے؛ لہٰذا اسے یہ اختیار بھی حاصل ہے کہ وہ اپنے حصہ شرکت کی حد تک دوسرے کو تصرف سے منع کردے اور جب ایسا کرے گا تو شرکت فسخ ہوجائے گی، لیکن مضاربت میں جب مال مضارب کے پاس جنس (سامان) کی شکل میں منتقل ہوجائے تو اس پر تمام تر تصرف مضارب ہی کا ہوتا ہے، رب المال کو اس میں کسی قسم کے تصرف کا اختیار نہیں، لہٰذا وہ مضارب کو اس حالت میں تصرف سے روک نہیں سکتا، البتہ جب وہ تصرف کر کے سامان کو نقد شکل م یں لے آئے تو اسے تقسیم کر کے مضارب کو مزید تصرف سے روکا جاسکتا ہے۔(۱)

---

(۱) الکاسانی، بدائع الصنائع: ۶/۷۷، موسسۃ التاریخ العربی

کئی ایک شرکاء ہوں

لیکن اگر عقدِ شرکت میں دو سے زائد شرکاء ہوں اور ان میں سے کوئی ایک شریک شرکت فسخ کرنا چاہے تو اس بات کی تو سب فقہاء کرام نے صراحت کی ہے کہ وہ (کم ازکم اپنے حصہ کی حد تک) شرکت کو فسخ کرسکتا ہے، بشرطیکہ بقیہ شرکاء کو مطلع کردے کہ میں اپنی شرکت ختم کررہا ہوں۔

"تنفسخ الشركة بفسخ أحد الشريكين؛ ولكن يشترط أن يعلم الآخر بفسخه، ولا تنفسخ الشركة ما لم يعلم الآخر فسخ الشريك (۱)

البتہ بقیہ شرکاء کے بارے میں کیا حکم ہے کہ آیا اس صورت میں ان کی سابقہ شرکت برقرار رہے گی یا ان کی شرکت بھی فسخ ہوجائے گی؟ اس بارے میں عصری قوانین میں تو اس کی صراحت ملتی ہے کہ اگر تین یا تین سے زیادہ شرکاء ہوں تو کسی ایک شریک کے شرکت سے نکلنے سے پوری شرکت فسخ نہیں ہوتی صرف اسی شریک کی اپنے حصہ کی حد تک شرکت ختم ہوتی ہے، بقیہ تمام شرکاء اپنی شرکت پر برقرار رہ سکتے ہیں۔

" فإذا توافرت الشروط المتقدمة الذكر فى انسحاب الشريک من الشركة ترتب على انسحابه انقضاء الشركة بحكم القانون، ولكن يجوز لباقي الشركاء أن يتفقوا على بقاء الشركة فيما بينهم وحدهم" (۲)

البتہ دوسرے شرکاء کو نقصان سے بچانا بھی ہے اسی پر قیاس کرتے ہوئے شرکت میں بھی اگر پوری شرکت ختم ہوجائے تو بقیہ شرکاء کے ضرر اور نقصان کا اندیشہ ہے اور بقیہ شرکاء کو بھی ضرر اور نقصان سے بچانا ضروری ہے اس لئے فقہاء کرام نے فرمایا ہے کہ اگر

---

(۱) درالحکام شرح مجلة الأحكام لعلی حیدر: ۳/۳۹۰، مادة: ۱۳۵۳

(۲) الوسیط فی شرح القانونی المدنی للسنهوری: ۵/۳۷۳، باب الشركة

کوئی شریک اپنی شرکت ختم کرنا چاہےتو اسے چاہئے کہ دوسرے شرکاء کومطلع کردے ورنہ ان کوضرر پہنچنے کا اندیشہ رہتا ہے۔

بہر حال خلاصہ یہ ہے کہ اگر بقیہ شرکاء کالحاظ کرتے ہوئے ان کوضرر سے بچانا بھی لازمی ہے؛ لہٰذا اگر دورانِ شرکت کسی ایک شریک کے نکلنے سے دوسرے شرکاء کی شرکت بھی فسخ کردی جائے تو ان (دوسرے شرکاء) کونقصان ہونے کا اندیشہ ہے کیوں کہ موجودہ دور میں بڑی بڑی تجارتوں اور صنعتوں میں شراکت کی جاتی ہے اور خصوصا مشترک سرمائے کی کمپنیوں میں تو بہت سے حصہ دار اور شرکاء ہوتے ہیں، اور ان میں کسی بھی وقت شریک کے اپنی ذاتی مجبوری کی وجہ سے شرکت ختم کرنے کا امکان ہے، لہٰذا اگر ہم اس کی وجہ سے پورے کاروبار کومتاثر کریں اور تمام شرکاء کے شرکت کے عقد کوفسخ کردیں تو بقیہ سب حصہ داروں کونقصان ہوگا، لہٰذا شریعت کے اصولوں کی روشنی میں دوسرے مسائل پر قیاس کرتے ہوئے اور دوسرے شرکاء کوضرر سے بچانے کی خاطر یہی کہنا چاہئے کہ کسی ایک شریک کے چلے جانے سے بقیہ شرکاء کی شرکت متاثر نہیں ہوگی۔

"التفاسخ فی العقود الجائزة متی تضمن ضررا علی أحد المتعاقدین أو غیرهما ممن له تعلق بالعقد لم یجز ولم ینفذ إلا أن یمکن استدراک الضرر بضمان أو نحوه فیجوز علی ذلک الوجه"(۱)

۳۔جبری فسخ:

شرکت کے فسخ ہونے کی تیسری صورت یہ ہے کہ ایسے حالات یا واقعات نمودار ہوں جن کی وجہ سے شرکت یا تو خود بخود فسخ ہوجائے یا اسے فسخ کرنا پڑے، اس کی مثالیں حسبِ ذیل ہیں:

۱) اگر کوئی شریک مرجائے تو شرکت فسخ ہوجائے گی چاہے دوسرے شریک کو اس کی

(۱) القواعد فی الفقه الاسلامی: ۱۱۰، شرکت ومضاربت عصر حاضر میں: ۲۱۹۔۲۲۴

وفات کا علم بھی نہ ہو، پھر اگر دوسرے شریک نے تقسیم کرنے کے بجائے خرید وفروخت جاری رکھی اور کاروبار کرتا رہا یہاں تک کہ اس مال سے نفع ہوا تو وہ اپنے شریکوں کے حصہ کی حد تک غاصب سمجھا جائے گا، اور تمام نفع ونقصان اب صرف اس شریک کے اوپر ہوگا جو زندہ ہے۔

مثلاً اگر کسی کاروبار میں صرف دو شریک عمر اور بکر تھے، اب اگر عمر کا انتقال ہوجائے تو شرکت فسخ ہوجائے گی اور بکر کو چاہئے کہ وہ عمر کا سرمایہ اس کے ورثاء کو دے دے، لیکن اگر اس نے ایسا نہ کیا بلکہ سابقہ کاروبار کو جاری رکھا تو وہ عمر کے سرمایہ کی حد تک غاصب سمجھا جائے گا، غصب کا حکم شرعاً یہ ہے کہ اگر کوئی شخص غصب کئے ہوئے مال سے تجارت کرے تو اسے غصب کا شدید گناہ تو ہوتا ہے لیکن اس تجارت سے جو نفع حاصل ہو وہ غاصب کی ملکیت میں آجاتا ہے، تاہم چونکہ ملکیت ایک ناجائز عمل کے نتیجہ میں حاصل ہوئی اس نفع کو صدقہ کرنا واجب ہے؛ لہٰذا بکر کو عمر کا حصہ استعمال کرنے کا گناہ ہوگا؛ لیکن اب اس کو جتنا نفع ہوگا یا جو بھی نقصان ہوگا وہ صرف بکر کا ہوگا؛ البتہ عمر کے سرمایہ سے جو نفع حاصل ہوا ہے اسے صدقہ کرنا واجب ہوگا، عمر کے ورثاء کو صرف عمر کا لگایا ہوا سرمایہ یا اس کی زندگی میں جتنا بھی نفع حاصل ہوا تھا وہ ملے گا، مرنے کے بعد جو کاروبار کیا گیا اس کا نفع نہیں ملے گا۔

مذکورہ بالا صورت وہ تھی جب صرف دو شریک شرکت کا عقد کریں اور ان میں سے کسی ایک کا انتقال ہوجائے، لیکن اگر دو شرکاء سے زائد ہو مثلاً تین یا چار شریک مل کر کوئی شرکت کریں اور پھر کسی ایک شریک کا انتقال ہوجائے تو شرکت صرف میت کے حق میں تو فسخ ہوگی؛ البتہ بقیہ شرکاء کی شرکت جاری رہے گی۔(۱)

۲) کوئی شریک پاگل ہوگیا، یا ایسا دائمی مریض یا معذور ہوگیا کہ جس میں اس کی

---

(۱) الاتاسی، شرح مجلۃ الأحکام: ۲۷۷، مادۃ ۱۳۵۲

عقل جاتی رہی اس شخص کی شرکت کے بارے میں وہی تفصیل ہے جو اوپر میت کے بارے میں گذری، اگر کل دو شرکاء ہوں اور ان میں سے کوئی ایک پاگل ہوجائے تو پوری شرکت فسخ ہوجائے گی اور اگر دو سے زائد شرکاء ہوں تو صرف اس شریک کی شرکت فسخ ہوگی جو پاگل ہوا، باقی شرکاء اپنی شرکت جاری رکھیں گے۔(۱)

۳) اگر کوئی شریک خدانخواستہ مرتد ہوکر دار الحرب چلا جائے اور حاکم اس کے دار الحرب چلے جانے کا فیصلہ کردے، تو شرکت فسخ ہوجائے گی؛ کیوں کہ ایسا شخص میت کے حکم میں سمجھا جاتا ہے، لہٰذا اس کے تمام وہی احکام ہوں گے جو پیچھے کسی شریک کے مرجانے کی صورت میں بیان کئے گئے ہیں۔(۲)

۴) کسی ایک شریک کو محجور کردیا گیا، محجور فقہ کی اصطلاح میں ان لوگوں کو کہا جاتا ہے جن کے تصرفات قولیہ (زبانی تصرفات) پر یہ پابندی لگائی گئی ہو کہ وہ اپنی زبان کے ذریعہ کوئی معاملہ یا عقد نہ کرسکیں، ہاں البتہ اگر وہ اپنے کسی فعل سے کوئی کام کر بیٹھیں تو اس کے نتائج کے وہ ذمہ دار ہوں گے مثلاً اگر انہوں نے کوئی جرم کرلیا تو وہ سزاوار ہوں گے، جو لوگ محجور ہوتے ہیں ان کی دو صورتیں ہیں: ایک تو وہ لوگ ہیں جن کو محجور بنانے کے لئے حاکم کے فیصلہ کی ضرورت ہی نہیں ہوتی، وہ از خود محجور ہوجاتے ہیں جیسے پاگل چھوٹے بچے، دوسری قسم ان لوگوں کی ہوتی ہے کہ جنہیں محجور بنانے کے لئے حاکم کے فیصلہ کی ضرورت ہوتی ہے مثلاً:

(الف) کوئی مفلس آدمی اتنا مقروض ہوجائے کہ اس کے اوپر قرضہ اس کے کل سرمایہ کے برابر یا زیادہ ہو۔

---

(۱) علی حیدر، درر الحکام شرح مجلة الأحکام: ۳/۳۸۸، مادة، ۱۳۵۳

(۲) اتاسی، شرح مجلة الأحکام، محمد خالد: ۲۷۷، مادة: ۱۳۵۲

(ب) یا کوئی شخص اتنا بے وقوف ہوجائے جو اپنے تمام مال کو غلط جگہوں پر خرچ کر دیتا ہو، اور وہ اسراف کر کے اپنا مال ضائع کرتا ہو اور جسے تجارت کرنے کا علم اور ڈھنگ نہ ہو اور وہ لین دین میں ہمیشہ غفلت کرتا ہو، یا تجارت میں اپنی بے وقوفی کی وجہ سے اکثر دھوکہ کھا جائے۔

۵) دوشریکوں میں سے کسی ایک شریک کا مال مخلوط ہونے اور اس سے خریداری کرنے سے پہلے برباد ہوگیا تو شرکت فسخ ہوجائے گی، مثلاً زید اور بکر نے شرکت کا عقد کیا اور ایک ایک ہزار روپیئے دونوں نے لگائے، اگر دونوں کی رقمیں علیحدہ علیحدہ ہوں اور ابھی ان سے کوئی خریداری نہ کی گئی ہو پھر زید کا مال ہلاک ہوجائے تو شرکت ختم ہوجائے گی، نقصان صرف زید ہی کا ہوگا، البتہ اگر دونوں نے مال اس طرح ملا دیا کہ وہ قابل امتیاز نہ ہو اور خریداری کرنے سے پہلے کچھ مال ہلاک ہوجائے تو شرکت فسخ نہ ہوگی؛ بلکہ نقصان دونوں کا سمجھا جائے گا۔(۱)

شرکت کے اثاثوں کا تصفیہ

اگر شرکت فسخ کر دی جائے تو اثاثے شرکاء کو واپس کیسے ملیں گے؟ آیا ان کو نقد بنانا ہوگا یا انہیں جوں کا توں تقسیم کر دیا جائے، یا اس کے علاوہ کوئی اور شکل ہوگی؟ آگے اس بارے میں تفصیل ذکر کی جائے گی؛ البتہ اس تفصیل میں جانے سے پیشتر یہ معلوم ہونا ضروری ہے کہ فسخِ شرکت کی دو صورتیں ہیں:

۱۔ شرکت میں کل دو شرکاء ہوں اور ان میں سے کوئی ایک یا دونوں شرکت فسخ کرنا چاہیں۔

۲۔ شرکت میں دو سے زائد شرکاء ہوں اور کوئی ایک شریک شرکت فسخ کرنا چاہے۔

ان دونوں صورتوں میں اثاثوں کے تصفیہ کی تفصیل ذیل میں ذکر کی جاتی ہے:

۱) اگر شرکت میں کل دو شریک ہوں تو جیسا کہ پیچھے بیان کیا گیا ہے، ہر شریک کو یہ

---

(۱) شرکت ومضاربت عصر حاضر میں: ۲۲۷

اختیار ہے کہ وہ شرکت کو فسخ کردے، بشرطیکہ وہ دوسرے شریک کو اسکی اطلاع دیدے، اس صورت میں اگر دوسرے شریک کو شرکت کے فسخ ہونے کی اطلاع ہوجائے یا وہ پہلے ہی سے دوسرے شریک کے ساتھ شرکت ختم کرنے پر متفق ہو تو شرکت فسخ ہوجائے گی اور اب تمام اثاثوں کے تصفیہ کا طریقہ یہ ہوگا کہ سب سے پہلے اس کاروبار سے جو نفع حاصل ہوا ہے وہ باہمی طے کردہ تناسب کی بنیاد پر تقسیم کردیا جائے گا، اس کے بعد جو اثاثے باقی بچیں تو ان میں یہ تفصیل ہے کہ اگر تمام اثاثے نقد شکل میں ہوں تو وہ تمام بآسانی شرکاء کے حصص کے تناسب سے تقسیم کردیئے جائیں۔

مثال کے طور پر زید اور عمر میں جب شرکت قائم ہوئی تو زید نے چالیس ہزار روپئے اور عمر نے ساٹھ ہزار روپئے لگائے، لیکن نفع کے بارے میں آپس میں یہ طے پایا کہ وہ آدھا آدھا تقسیم ہوگا، ایک لاکھ روپئے سے کاروبار کیا گیا، پھر شرکت ایسے وقت فسخ کرنے کی نوبت آئی جب تمام اثاثے نقد کی شکل میں کل ایک لاکھ بیس ہزار روپئے تھے، اس کے معنی یہ ہوئے کہ کاروبار میں بیس ہزار کا نفع ہوا، چونکہ نفع آدھا آدھا تقسیم کرنا تھا اس لئے اس بیس ہزار میں سے دس ہزار زید کے اور دس ہزار عمر کے ہوں گے، باقی ایک لاکھ روپئے سے چالیس ہزار زید کے اور ساٹھ ہزار عمر کے سمجھے جائیں گے، کیوں کہ دونوں نے اسی تناسب سے سرمایہ کاری کی تھی، گویا کہ مجموعی طور پر زید کو پچاس ہزار اور عمر کو ستر ہزار روپیے ملے، لیکن اگر اثاثے نقد شکل میں نہ ہوں؛ بلکہ سامان کی شکل میں ہوں تو شرکاء کو اختیار ہے کہ یا تو انہیں فروخت کر کے نقد بنائیں یا انہیں جوں کا توں تقسیم کرلیں، لیکن اگر ان کے درمیان اختلاف ہوگیا کہ کچھ شرکاء یہ چاہتے ہوں کہ ان اثاثوں کو بیچ کر نقد بنایا جائے اور کچھ یہ چاہتے ہوں کہ انہیں نقد بنائے بغیر تقسیم کیا جائے تو اگر انہیں نقد بنائے بغیر آسانی سے تقسیم کرنا ممکن ہو تو انہیں اسی طرح (نقد بنائے بغیر) ہی تقسیم کیا جائے گا۔

" فعلى هذا أن اتفقا على البيع أو القسمة فعلا أو إن طلب أحدهما القسمة و الآخر البيع أجيب طالب القسمة دون طالب البيع (۱)

جب سامان کی شکل میں اثاثوں کو تقسیم کرنا پڑے تو اس کا طریق کار یہ ہوگا کہ پہلے تمام اثاثوں کی بازاری قیمت لگائی جائے گی، اگر یہ مجموعی قیمت دونوں شریکوں کے لگائے ہوئے مجموعی سرمایہ سے زیادہ ہوتو وہ زیادہ مقدار کاروبار کا نفع تصور ہوگی، اور پہلے اسے نفع کے طے شدہ تناسب کے مطابق تقسیم کیا جائے گا، اس کے بعد جو اثاثے باقی بچیں گے وہ کاروبار کا اصل سرمایہ سمجھا جائے گا، جسے سرمایہ کاری کے تناسب سے تقسیم کیا جائے گا، فرض کیجئے کہ زید اور عمر میں جب شرکت قائم ہوئی تو زید نے چالیس ہزار روپے لگایا اور عمر نے ساٹھ ہزار روپے، لیکن نفع کے بارے میں آپس میں یہ طے پایا کہ وہ آدھا آدھا تقسیم ہوگا، اب ایک لاکھ روپئے سے سامان خرید لیا گیا، پھر شرکت ایسے وقت فسخ کرنے کی نوبت آئی جب تمام سرمایہ سامان کی شکل میں تھا، تو اب اس سامان کی بازاری قیمت لگائی جائے گی، فرض کیجئے کہ سامان کی مجموعی بازاری قیمت ایک لاکھ بیس ہزار بنی، تو اس کے معنی یہ ہیں کہ کاروبار میں بیس ہزار کا نفع ہوا، چونکہ نفع آدھا آدھا تقسیم کرنا تھا اس لئے اس بیس ہزار میں سے دس ہزار زید کے اور دس ہزار عمر کے ہوں گے، باقی ایک لاکھ روپئے کے اثاثوں میں چالیس ہزار زید کے اور ساٹھ ہزار عمر کے سمجھے جائیں گے، کیوں کہ دونوں نے اسی تناسب سے سرمایہ کاری کی تھی، مجموعی اثاثوں میں زید کے اثاثوں کی قیمت پچاس ہزار اور عمر کے اثاثوں کی قیمت ستر ہزار ہوگی، جس کے معنی یہ ہیں کہ پچاس ہزار کے اثاثے زید کو دیئے جائیں گے اور ستر ہزار کے اثاثے عمر کو، اگر ان اثاثوں کا تعین باہمی رضامندی سے کرلیا جائے فبہا ورنہ مختلف اثاثوں کو یونٹس میں تقسیم کر کے قرعہ اندازی کے ذریعہ بھی تقسیم عمل میں آسکتی ہے۔

---

(۱) المغنی مع شرح الکبیر: ۵ / ۱۳۳

۲) مذکورہ بالا صورت وہ تھی جب کل دو شرکاء ہوں اور ان میں سے کوئی ایک شریک شرکت فسخ کرنا چاہے؛ لیکن اگر شرکت میں دو سے زائد شرکاء ہوں اور ان میں سے کوئی ایک شریک مرجائے یا پاگل ہوجائے یا خدانخواستہ مرتد ہوجائے یا ایک شریک شرکت سے نکل جائے تو ان تمام صورتوں میں اگر بقیہ شرکاء بھی شرکت ختم کرنا چاہیں تو ان کے حصص کے تصفیہ کا طریقہ تو وہی ہے جو نمبر ایک میں بیان ہوا ؛ لیکن اگر بقیہ شرکاء اپنا کاروبار جاری رکھنا چاہیں تو حصص کا تصفیہ باہمی رضامندی سے ہوسکتا ہے، اور وہ شریک جو اپنی شرکت جاری رکھنا چاہیں وہ اس شریک کا حصہ خرید سکتا ہے جو شرکت سے علاحدہ ہوگیا۔(۱)

شرکت کے اثاثوں کی اکثر شرکاء کے مطالبہ پر تقسیم کی شرط:

یہاں ایک سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ شرکاء عقدِ شرکت کی ابتداء میں کیا یہ طے کرسکتے ہیں کہ کسی ایک شریک کے شرکت سے علاحدہ ہونے کی صورت میں اس وقت تک تمام اثاثوں کو تقسیم نہیں کیا جائے گا یا انہیں نقد نہیں بنایا جائے گا، جب تک شرکاء کی اکثریت انہیں تقسیم کرنے یا نقد بنانے پر رضامند نہ ہوں، اس شرط کے مطابق اگر کوئی شریک شرکت سے علیحدہ ہونا چاہے تو اس کے اپنے سرمایہ کو واپس لینے کی صرف ایک شکل ہوگی کہ وہ اپنا حصہ کسی دوسرے شریک کو فروخت کردے اور وہ بقیہ شرکاء کو تمام اثاثے تقسیم کرنے یا نقد بنانے پر مجبور نہ کرسکے، کیا اس شرط کے ساتھ شرکت کرنا جائز ہے؟

اسلامی فقہ کی روایتی کتب اس سوال پر خاموش دکھائی دیتی ہیں، تاہم شرعی نقطہ نظر سے اگر ایسی شرط ابتدائے عقد میں لگادی جائے تو بظاہر کوئی قباحت نظر نہیں آتی، موجودہ دور اور جدید حالات اس بات کا تقاضا کرتے ہیں کہ ایسی شرط عائد کرنے میں کوئی حرج نہ ہو؛ کیوں کہ آج کل اکثر تجارتیں اس وقت کامیاب ہوتی ہیں، جب ان میں بغیر کسی خلل کے پابندی اور مستقل مزاجی سے کام کیا جائے، اگر کسی ایک شریک کے

---

(۱) شرکت ومضاربت عصر حاضر میں: ۵۰۲۳ـ۷ـ۲۳

شرکت سے علیحدہ ہونے پر کاروبار کے تمام اثاثے تقسیم کردیئے جائیں یا انہیں نقد بنادیا جائے تو اس میں بقیہ شرکاء کو ناقابلِ تلافی نقصان پہنچ سکتا ہے، خصوصا اگر کوئی کاروبار بہت بڑی رقم سے شروع کیا گیا ہو، اور کئی شرکاء نے مل کر اتنی بڑی رقم ایک طویل المیعاد منصوبہ کے لئے بطور سرمایہ لگائی اور پھر اس منصوبہ کے بالکل ابتدائی زمانہ میں کوئی شریک تمام اثاثے نقد بنوانا چاہے تو اگر اسے اس بات کا غیر مشروط اختیار دیا جائے کہ وہ جب چاہے شرکت سے علیحدہ ہو کر تمام اثاثے تقسیم یا نقد کروالے تو یہ نہ صرف تمام شرکاء کے لے لئے ایک عظیم نقصان کا باعث بنے گا، بلکہ ملک وملت کی ترقی کے لئے ایک بڑی رکاوٹ اور خسارہ کا سبب بنے گا، لہٰذا مذکورہ بالا شرط عائد کر کے بقیہ شرکاء کو عظیم ضرر اور نقصان سے بچانے میں کوئی شرعی قباحت معلوم نہیں ہوتی کیوں کہ نبی کریم ﷺ کا ارشاد گرامی ہے:

"المسلمون علی شروطهم إلا شرطا حرم حلالا أو أحل حراما"(۱)

یعنی مسلمانوں پر آپس کی شرطوں کی پابندی لازم ہے، سوائے ایسی شرطوں کے جو حرام کو حلال اور حلال کو حرام بنادیں۔(۲)

مضاربت کے احکام

مُضاربت کا مطلب

مضاربت دو فریقوں کے درمیان اس معاہدے کو کہتے ہیں جس کی رو سے ایک فریق سرمایہ کی فراہمی اپنے ذمہ لیتا ہے اور دوسرا فریق اپنی محنت پیش کرتا ہے اور نفع میں دونوں شریک ہوتے ہیں، صاحب مال کو رب المال اور سرمایہ کار کہتے ہیں، جب کہ عمل کرنے والے کو عامل اور ''مضارب'' کہتے ہیں، اور جو مال لگایا جاتا ہے وہ ''رأس

(۱) ترمذی، الأحکام، حدیث: ۱۲۷۲

(۲) شرکت ومضاربت عصر حاضر میں: ۲۳۸

المال'' اور ''سرمایہ'' کہلاتا ہے۔

مضاربت کی قسمیں

مضاربت منعقد ہونے کے لئے ایجاب وقبول ضروری ہے، اس ایجاب وقبول کے وقت اگر رب المال نے مضارب پر کوئی قید نہیں لگائی ؛ بلکہ اس سے یہ کہا کہ جس طرح چاہو تجارت کرو تو یہ مطلق ''مضاربت'' ہے اور اگر کسی مخصوص تجارت کی شرط عائد کردی مثلا یہ کہا کہ حیدرآباد میں تجارت کرنی ہوگی تو یہ ''مضاربت مقیدہ'' کہلاتی ہے اور اس صورت میں مضاربت کے لئے ان شرائط کی پابندی ضروری ہے۔(۱)

مضارب مطلق مضاربت میں تجارت کے وہ تمام امور انجام دے سکتا ہے، جو عرف عام میں تاجر کرتے ہیں ”وإذا صحت المضاربة مطلقة جاز للمضارب أن يبيع ويشتري ويوكل ويسافر ويضع ويودع “ (۲)۔اور اس کے لئے مستقل اجازت لینے کی ضرورت نہیں ہے ؛ البتہ سرمایہ کار کی اجازت کے بغیر کسی دوسرے کو مضاربت پر نہ مال دے سکتا ہے اور نہ شرکت کرسکتا ہے، اسی طرح رب المال کی اجازت کے بغیر مضاربت کے مال میں اپنا مال نہیں ملاسکتا۔(۳)

سرمایہ کی تفصیل

مضاربت میں سرمایہ رب المال فراہم کرتا ہے اور مضارب کام کرتا ہے ؛ لہٰذا رب المال کو چاہئے کہ وہ سرمایہ جو باہم عقدِ مضاربت میں طے ہوا ہے، مضارب کو دیدے اور پھر وہ سرمایہ مضارب کے پاس آنے کے بعد رب المال کے عمل دخل سے نکل جائے گا، البتہ اطمینان کے خاطر وہ نگرانی کرسکتا ہے، اسی طرح مضارب کی اجازت سے وہ اس کے ساتھ کام بھی کرسکتا ہے:

---

(۱) الهداية: ۲۵۸/۳، مکتبة امدايه، ملتان

(۲) الهداية: ۲۵۷/۳

(۳) الهداية: ۲۵۸/۳، شرکت ومضاربت عصر حاضر میں: ۲۳۲۔۲۳۳

"ولا بد أن يكون المال مسلما إلى المضارب ولا يد لرب المال فيه" (۱)

رہا یہ سوال کہ سرمایہ کیسا ہونا چاہئے، کیا سرمایہ نقد ہونا ضروری ہے، یا غیر نقدی اشیاء مثلاً سامان تجارت سرمایہ بن سکتا ہے؟ اس کے بارے میں مکمل تفصیل تو انشاء اللہ آگے ذکر کی جائے گی، البتہ اتنا ذکر کرنا ضروری سمجھتا ہوں کہ مضاربت بھی اسی سرمایہ سے درست ہوتی ہے، جس سرمایہ سے شرکت اور شرکت کے سرمایہ کے بارے میں احناف یہ فرماتے ہیں کہ: سرمایہ نقدی کی شکل میں ہونا چاہئے، سامان یا زمین اور لوگوں کے ذمہ قرض کو سرمایہ نہیں بنایا جاسکتا ہے، البتہ احناف کے علاوہ بعض فقہاء کرام کے مذہبوں میں غیر نقدی اشیاء مثلاً کوئی سامان وغیرہ کو بھی سرمایہ بنایا جاسکتا ہے، تمام مذاہب کی تفصیل انشاء اللہ آگے ذکر کی جائے گی: "ولا تصح إلا بالمال الذى تصح به الشركة" (۲)

جیسا کہ ابھی ذکر ہوا کہ احناف کے نزدیک غیر نقدی اشیاء مثلا سامان کو مضاربت کا سرمایہ تو نہیں بنایا جاسکتا، البتہ اگر رب المال کوئی سامان مضارب کو دے کر یہ کہے کہ تم یہ سامان فروخت کردینا اور اس سے جو رقم حاصل ہوا سے بطور سرمایہ مضاربت میں لگا دینا تو یہ صورت جائز ہے: "ولو دفع إليه عرضا، وقال: بعه واعمل مضاربة فى ثمنه جاز" (۳)۔ اسی طرح اگر رب المال مضارب سے یہ کہہ دے کہ فلاں آدمی کے ذمہ میرا قرض ہے، تم اس سے وصول کرلو، اور وصول کرنے کے بعد اس سرمایہ کو مضاربت میں لگادو تو بھی جائز ہے: "وكذا إذا قال له: اقبض مالى على فلان واعمل به مضاربة جاز" (۴)

---

(۱) الهداية: ۲۵۶/۳

(۲) الهداية: ۲۵۶/۳

(۳) الهداية: ۲۵۶/۳

(۴) الهداية: ۲۵۶/۳، شرکت ومضاربت عصر حاضر میں: ۲۳۳-۲۳۴

مضاربت کے اخراجات

مضاربت کے اندر مضارب کوصرف منافع میں سے حصہ ملتا ہے، عام دنوں میں اس کے کھانے، پینے، لباس، سواری یا دوائی کا خرچہ مضاربت کے سرمایہ میں سے وصول نہیں کیا جائے گا، البتہ اگر مضارب کسی ایسے سفر پر تجارت کی غرض سے گیا جہاں پر اس کو رات گذارنی پڑی، تو اس صورت میں مذکورہ بالا اخراجات کا خرچہ مضاربت کے سرمایہ میں سے ادا کیا جائے گا، لیکن اگر وہ کسی ایسے سفر پر گیا جہاں پر رات نہ گذاری؛ بلکہ دن دن میں ہی لوٹ آیا تو پھر اس کے ان اخراجات کا خرچہ مضاربت کے مال میں سے ادا نہیں کیا جائے گا، خواہ وہ اتنے لمبے سفر پر ہی کیوں نہ گیا ہو جو سفر شرعی میں داخل ہے، یعنی اڑتالیس میل سے زائد۔(۱)

اسی طرح اگر تجارت کے دوران مضارب کو مزدوروں اور ملازمین کی اجرت یا خرید وفروخت کے اندر کمیشن یا رنگریز، درزی اور دھوبی کی اجرت دینا پڑے تو وہ بھی مضاربت کے سرمایہ میں سے ادا کی جائے گی، البتہ تمام اخراجات کو اس سامان کی قیمت میں شامل کر دیا جائے گا جو مضارب فروخت کر رہا ہے، چنانچہ اگر مثلاً وہ سلے سلائے کپڑے فروخت کر رہا ہے تو وہ سلائی کی اجرت، دھلائی کی اجرت اور کپڑے کی قیمت تینوں ملا کر سلے ہوئے کپڑے کی قیمت مقرر کر سکتا ہے۔

مضارب اگر اپنے شہر کے اندر رہتے ہوئے تجارت کرے تو اس کا نفقہ یا کھانے پینے، لباس پوشاک، سواری اور دوائی کا خرچہ مالِ مضاربت میں سے نہیں ادا کیا جائے گا؛ بلکہ اگر اسے نفع حاصل ہو تو وہ صرف اس نفع میں حصہ دار ہوگا، جو اس نے رب المال کے ساتھ طے کیا تھا، اسی طرح اگر مضارب نے دورانِ تجارت کوئی اجیر یا ملازم رکھا، تو اس کی تنخواہ مضاربت کے سرمایہ سے ادا کی جائے گی، لیکن اس کا بھی کھانے پینے وغیرہ کے اخراجات کا نفقہ اس مضاربت کے سرمایہ میں سے ادا نہیں کیا جائے گا؛ بلکہ اس کو

---

(۱) ردالمحتار:۵/ ۶۵۷

صرف تنخواہ ہی ملے گی، جس کے ذریعہ وہ اپنے اخراجات پورے کرسکتا ہے۔

اگر مضاربت کا عقد کسی وجہ سے فاسد ہوگیا تو اس صورت میں مضارب اجیر کے مانند ہوگا، یعنی اسے کسی بھی صورت میں خواہ وہ سفر پر جائے یا اپنے شہر میں تجارت کرے اجرتِ مثل کے علاوہ کوئی نفقہ یا خرچہ مضاربت کے سرمایہ میں سے نہیں دیا جائے گا (۱) اور اجرتِ مثل کا مطلب یہ ہے کہ اس کو اس تجارت یا کام کی اتنی اجرت یا تنخواہ دی جائے گی جتنی عموماً اس قسم کے کام میں کسی آدمی کو دیجاتی ہے البتہ (جیسا کہ پہلے ذکر کیا جاچکا ہے) وہ اجرت اس منافع سے زیادہ نہیں ہونی چاہئے جو اس کو صحیح مضاربت کی صورت میں ملتا ہے، اسی طرح ایک بات یہ بھی ضروری ہے کہ اجرتِ مثل فاسد مضاربت میں اس وقت دی جاتی ہے جب کوئی نفع حاصل ہوا ہو، لیکن اگر اس صورت میں کوئی نفع ہی نہیں ہوا تو پھر کوئی اجرت نہیں دی جائے گی۔ (۲)

نفع اور نقصان کی تقسیم

جب مضاربت کا عقد کیا جائے تو عقدِ شرکت کی طرح دونوں شرکاء یعنی ''مضارب'' اور ''رب المال'' کے لئے ضروری ہے کہ نفع کی تقسیم کی شرح طے کرلیں کہ کون کتنا نفع لے گا، لیکن اگر انہوں نے عقد کی ابتداء میں یہ طے نہ کیا کہ کون کتنا لے گا تو وہ نفع دونوں کے درمیان نصف نصف تقسیم ہوگا۔

نفع طے کرنے کے دوران ایک بات یہ پیشِ نظر رہنی چاہئے کہ نفع کی کوئی مقدار اس طرح متعین نہ کی جائے کہ مثلاً میں کل نفع میں سے سو روپیئے لوں گا، یا تم مجھے ہر مہینہ ایک ہزار روپیئے دینا، بلکہ نفع اس طرح طے کیا جائے کہ کل نفع کا ایک تہائی، ایک چوتھائی یا نصف ''مضارب'' لے گا اور باقی رب المال لے گا، اس طرح طے کیا جائے کہ کل نفع کا چالیس فیصد یا پچاس فیصد مضارب کو اور بقیہ رب المال کو ملے گا۔

---

(۱) ہدایہ: ۳/ ۲۶۷ مکتبہ امدادیہ، ملتان

(۲) مجلة الأحكام العلدية: ۲۷۵، شرکت ومضاربت عصر حاضر میں: ۲۳۴-۲۳۶

اسی طرح ایک بات یہ بھی ضروری ہے کہ سرمایہ کی نسبت سے نفع مقرر نہ کیا جائے، مثلاً یہ کہ سرمایہ نصف یا ایک تہائی مضارب لے گا اور بقیہ رب المال لے گا۔

خلاصہ یہ ہے کہ کسی کے لئے نفع کی مخصوص مقدار مقرر کرنے سے مضاربت فاسد ہوجائے گی۔(۱)

اگر کسی وجہ سے مضاربت فاسد ہوجائے تو تمام سرمایہ نفع سمیت رب المال کو دیا جائیگا اور مضارب اجیر (ملازم) کی مانند ہوگا اور اسکو اجرت مثل دی جائے گی، یعنی ''مضارب'' نے جو کچھ محنت کی اور کمایا اگر اس کے لئے کسی شخص کو ملازم رکھا جاتا اور اس کو جو تنخواہ دی جاتی وہی تنخواہ یا اجرت اسی مضارب کو ملے گی، البتہ وہ اجرتِ مثل نفع کی اس مقررہ مقدار سے زیادہ نہیں ہونی چاہئے، جو رب المال اور مضارب نے طے کی تھی، اگر مضارب اور رب المال نے مضاربت میں نفع نصف نصف طے کیا اور نفع ایک ہزار روپیئے ہوا تو مضارب کو پانچ سو روپیئے ملنے چاہئے، لیکن چونکہ وہ مضاربت کسی وجہ سے فاسد ہوگئی ہے؛ لہٰذا اس کو نفع کے بجائے اجرتِ مثل دی جائے گی اور وہ اجرتِ مثل اس صورت میں پانچ سو سے زیادہ ہونی چاہئے۔

مضاربتِ فاسدہ میں مضارب کو نفع کے بجائے اجرت دینے کی ایک شرط یہ بھی ہے کہ اس تجارت میں نفع ہوا ہو، لیکن اگر نفع نہیں ہوا تو مضارب کو بالکل اجرت مثل نہیں دی جائے گی، لہٰذا اگر مثلاً زید اور عمرو نے ایک ہزار روپیے پر مضاربت کا معاملہ کیا، زید رب المال تھا اور عمرو مضارب اور کسی وجہ سے مضاربت فاسد ہوگئی تو اگر اس مضاربت میں بالکل نفع نہ ہوا تو سارا سرمایہ زید کو واپس دیا جائے گا اور عمر کو کچھ نہیں ملے گا۔(۲)

اگر مضاربت میں خواہ مضاربت صحیح ہو یا فاسد کسی قسم کا کوئی نقصان ہوجائے مثلاً کوئی چیز تلف ہوجائے تو اس نقصان کی تلافی اولا نفع سے کی جائے، پھر اگر سارا نفع

---

(۱) المجلة:۱۴۷۲

(۲) المجلة:۱۴۷۵

پورا ہوجائے اور نقصان باقی رہے تو پھر اس کی تلافی سرمایہ میں سے کی جائے گی، اورمضارب کےاوپرکوئی ضمان یا تاوان نہیں آئے گا۔(۱)

اگرمضاربت کے پورے کاروبار میں خسارہ ہوگیااورنفع بالکل نہ ہواتو وہ خسارہ رب المال کاسمجھاجائے گااورمضارب پراس کاکوئی تاوان نہیں آئے گا، چاہے وہ دونوں ابتداء میں یہ طے کریں کہ اگرخسارہ ہواتو وہ دونوں کاسمجھاجائے گا،اس طے کرنے کاکوئی اعتبار نہیں ہوگا، خسارہ صرف رب المال کا ہوگا، اِلَّا یہ کہ مضارب نے کسی غفلت، لاپروائی سے شرائط کی خلاف ورزی یابددیانتی کاارتکاب کیاہواوراس کی بناء پرنقصان ہواہوتوجتنا نقصان ان اسباب کی وجہ سے ہوا،اس کی ذمہ داری مضارب پرہوگی۔(۲)

مضاربت کااختتام

مضاربت کی اگرکوئی مدت مقرر ہوئی ہےتومدت پوری ہونے سے مضاربت خود ختم ہوجائے گی" وكذلك إن وقت للمضاربة وقتا بعينه يبطل العقد بمضيه"(۳)

اگرسرمایہ کار نے مضارب کومعزول کیاتوجب تک مضارب کواس کاعلم نہیں ہوگا وہ مضارب ہی رہےگااوراسکاعمل مضاربت میں شمارہوگا:

وإن عزل رب المال المضارب ولم يعلم بعزله حتى اشترى وباع فتصرفه جائز، وإن علم بعزله والمال عروض فله أن يبيعها ولا يمنعه العزل عن ذلك(۴)

مضاربت کاحساب کرکے اسے اس طرح ختم کیاجائے گا کہ مضاربت کےتمام سامان کوفروخت کرکےرقم نقدی کی صورت میں لائی جائے گی،مضاربت کے جوقرض

(۱) المجلة:۶۔۲۷

(۲) شرکت ومضاربت عصر حاضر میں:۲۳۶۔۲۳۸

(۳) الهدايه:۳/۲۵۹

(۴) الهدايه:۳/۲۶۴

اورواجب الاداءرقوم لوگوں کے ذمہ ہیں وہ وصول کی جائیں گی:

"وإذا افترقا وفی المال دیون وقد ربح المضارب فیه أجبره الحاکم علی اقتضاء الدیون"(۱)

مضارب اورسرمایہ کارنے دوران مضاربت جونفع علی الحساب وصول کرلیا تھا اسے بھی شمار کیا جائے گا اور جب کل سرمایہ حاصل ہوجائے گا تو اس میں سے سرمایہ الگ کیا جائے گا، بقیہ رقم نفع کہلائے گی، اور یہ نفع مضارب وسرمایہ کار میں مقررہ قرارداد کے مطابق تقسیم ہوگا، اگر کچھ رقم باقی نہ بچے تو مضارب کو کچھ نہ ملے گا اور اگر سرمایہ کار کی اصل سرمایہ کی رقم بھی پوری نہ ہوئی تو دورانِ مضاربت اگر مضارب وسرمایہ کار نے نفع وصول کیا تھا تو وہ واپس لے کر سرمایہ میں ملایا جائے گا اور اگر اصل سرمایہ پورا ہوکر کچھ رقم باقی بچ گئی تو وہ نفع ہے اسے تقسیم کرلیا جائے گا ورنہ مضارب کو کچھ نہیں ملے گا:

"وماهلک من مال المضاربة فهو من الربح دون رأس المال، فإن زاد الهالك علی الربح فلا ضمان علی المضارب، لأنه أمين، وإن كانا يقتسمان الربح والمضاربة بحالها ثم هلك المال بعضه أن كله ترادا الربح حتی يستوفی رب المال رأس المال"(۲)

اگر سرمایہ کار یا مضارب وفات پاجائے یا پاگل ہوجائے تو مضاربت ختم ہوجائے گی۔(۳)

مضاربت کی مختلف حیثیتیں

مضارب مختلف حالات میں مختلف حیثیتوں کا حامل ہوتا ہے چنانچہ اس کی مندرجہ

---

(۱) ۳/ ۲۶۴

(۲) ۳/ ۲۶۴

(۳) شرکت ومضاربت عصر حاضر میں: ۲۳۸-۲۳۹

ذیل حیثیتوں کوواضح طور پر ذہن نشیں کرنا ضروری ہے:

۱-امین(Trustee)

سب سے پہلے مضارب رب المال کے دیئے ہوئے سرمایہ کا امانت دار (امین) ہے، امین کا شرعی حکم یہ ہوتا ہے کہ وہ سرمائے کی حفاظت میں کوئی کوتاہی نہ کرے اور اس کے باوجود کسی آسمانی آفت سے سرمایہ برباد ہوجائے تو اس پر کوئی تاوان نہیں آتا، مضارب بھی چونکہ امین ہے، اس لئے کسی آسمانی آفت کے نتیجہ میں اگر سرمایہ برباد ہوجائے یا کم ہوجائے تو وہ اس کا ذمہ دار نہیں ہے، البتہ اگر یہ نقصان اس کی کسی غفلت، کوتاہی یا بے تدبیری یا رب المال کی عائد کردہ شرائط کی مخالفت کی وجہ سے ہو تو پھر اس کے ذمہ تاوان آتا ہے۔

"ثم المدفوع إلى المضارب أمانة في يده؛ لأنه قبضه بأمر مالكه" (۱)

۲۔وکیل(Agent)

مضارب کی دوسری حیثیت یہ ہے کہ وہ رب المال کے سرمایہ کو تجارت میں استعمال کرنے کے لئے رب المال کا وکیل (Agent) اور رب المال اس کا مؤکل (Principal) ہے؛ لہٰذا اس حیثیت میں اس کے لئے ضروری ہے کہ اپنے مؤکل یعنی رب المال کی تمام ہدایات کی پابندی کرے۔

۳۔شریک(Partner)

مضارب کی تیسری حیثیت یہ ہے کہ جب تجارت کرنے کے نتیجہ میں سرمایہ بڑھ جائے یعنی نفع حاصل ہوجائے تو اس نفع میں وہ رب المال کا شریک ہے اور طے شدہ تناسب سے نفع وصول کرنے کا حقدار ہے "وإذا ربح فهو شريك فيه لتملكه جزئا من المال بعمله" (۲)

---

(۱) الهدایه: ۲۵۵/۲ (۲) دیکھئے: الهدایه: ۲۵۵/۳

۴۔ضامن (Liable)

مضارب کی چوتھی حیثیت اس وقت سامنے آتی ہے جب وہ کاروبار میں کسی غفلت، کوتاہی، بددیانتی یا شرائط کی خلاف ورزی کا مرتکب ہو، اس صورت میں وہ اپنی غلطیوں کے نتیجہ میں ہونے والے نقصان کا ذمہ دار ہوتا ہے، یعنی اگر مذکورہ افعال کے نتیجہ میں کاروبار میں نقصان ہوگیا تو مضارب کے لئے ضروری ہے کہ وہ رب المال کے نقصان کی تلافی کرے: **"ثم المدفوع إلى المضارب أمانة في يده لأنه قبضه بأمر مالكه"** (۱)

۵۔اجیر (Employee)

مضارب کی پانچویں حیثیت اس وقت سامنے آتی ہے، جب مضاربت کے معاہدے میں کسی شرعی نقص کی وجہ سے مضاربت فاسد ہوجائے، اس صورت میں مضارب طے شدہ نفع کے بجائے اتنی اجرت کا حقدار ہوتا ہے جو اس قسم کے کام کے لئے عام طور پر بازار میں لوگوں کو دی جاتی ہے۔

فرض کیجئے کہ زید نے ایک لاکھ روپیئے عمر کو دے کر اس سے مضاربت کا معاملہ کیا، لیکن فریقین کے لئے نفع کا کوئی فیصد حصہ طے کرنے کے بجائے رب المال نے یہ کہہ دیا کہ میں بہرصورت دس ہزار روپے ماہانہ لیا کروں گا، معاہدے کی یہ شرط چونکہ شرعی احکام کے منافی ہے، اس لئے اس شرط کے نتیجہ میں مضاربت فاسد ہوگئی، اب اگر عمر نے مضاربت کے فاسد ہونے کے باوجود ایک لاکھ کے سرمایہ سے تجارت کی اور اس سے نفع حاصل ہوا تو وہ مضارب کی حیثیت میں نفع کا حقدار نہیں ہوگا، البتہ اس صورت میں وہ زید کا اجیر سمجھا جائے گا، اور اتنی اجرت یا تنخواہ کا مستحق ہوگا، جو عام طور پر اس قسم کے کام پر اس جیسے آدمی کو دی جاتی ہے، دوسرے الفاظ میں اگر زید عمر کے ساتھ مضاربت کا معاملہ کرنے کے بجائے اسے اپنے کاروبار کے مینیجر کے طور پر ملازم رکھتا ہو

---

(۱) الهداية: ۲۵۵/۳

توبازار کے عام معیار کے لحاظ سے اس کو کتنی تنخواہ یا اجرت دیتا، بس اتنی ہی تنخواہ یا اجرت اب مضارب کو دینی ہوگی، لیکن اگر نفع نہ ہو تو مضارب کو کوئی تنخواہ یا اجرت نہیں ملے گی:

"استحقاق رب المال للربح بماله فيكون جميع الربح له في المضاربة الفاسدة والمضارب بمنزلة أجيره يأخذ أجر المثل؛ لكن لا يتجاوز المقدار المشروط حين العقد ولا يستحق أجر المثل إن لم يكن ربح"(۱)

مشارکہ یعنی شرکت اور مضاربہ کا مجموعہ اور اس کے احکام

مضاربہ میں یہ ہوتا ہے کہ ایک شخص پیسہ لگاتا ہے، جسے "رب المال" کہتے ہیں اور دوسرا اس کے ذریعہ تجارت کرتا ہے جسے "مضارب" کہا جاتا ہے، عموماً مضارب اپنے پاس سے پیسے نہیں لگاتا، بلکہ رب المال سے سرمایہ لے کر کاروبار کرتا ہے، لیکن اگر مضارب بھی اپنا کچھ سرمایہ اسی کاروبار میں لگاتا ہے تو اس معاملہ میں مضاربت کے ساتھ شرکت بھی جمع ہو جائے گی، مثلاً اگر زید (رب المال) نے عمرو (مضارب) کو ایک لاکھ روپیئے بطور مضاربہ دیئے، اس میں عمرو (مضارب(نے اپنے پاس سے پچاس ہزار روپئے اور شامل کر لئے تو یہ معاملہ شرکت اور مضاربت دونوں کا مجموعہ ہوگا۔

یہ صورت بھی شرعی اعتبار سے جائز ہے اور اس صورت میں مضارب کے لئے جائز ہے کہ وہ نفع میں دو حیثیتوں سے شریک ہو، ایک شریک کی حیثیت سے؛ کیوں کہ اس نے اپنا سرمایہ بھی لگایا ہے اور ایک مضارب کی حیثیت سے کیوں کہ وہ اپنے رب المال کے روپئے سے کاروبار میں محنت کر رہا ہے، ان دونوں حیثیتوں کے لحاظ سے ایسے مضارب کے لئے منافع کا الگ الگ فی صد حصہ مقرر کیا جا سکتا ہے۔

لیکن اس صورت میں یہ بات واضح رہنی چاہئے کہ مضارب کے لئے جو حصہ بحیثیت مضارب مقرر کیا جائے، اس میں تو دونوں فریق آزاد ہیں، جتنا فیصد حصہ چاہے

---

(۱) المجلة: ۱۴۲۷ ، شرکت ومضاربت عصر حاضر میں: ۲۳۹-۲۴۱

مقرر کر لیں، چنانچہ باہمی رضامندی سے یہ بات طے کی جاسکتی ہے کہ رب المال کا حصہ زیادہ اور مضارب کا حصہ کم ہوگا، لیکن جو حصہ بحیثیتِ شریک مقرر کیا جائے اس میں ان تمام احکام کی رعایت ضروری ہوگی، جو پیچھے شرکت کے منافع کی تقسیم کے عنوان کے تحت گذریں، لہٰذا چونکہ یہ بات طے ہے کہ شرکت والے حصہ میں بھی صرف مضارب ہی محنت کرے گا رب المال محنت نہیں کرے گا اس لئے شریک کی حیثیت میں مضارب کا حصہ نفع اس کے لگائے ہوئے سرمایہ کے تناسب سے کم مقرر نہیں کیا جاسکتا، مثال سے اس کی وضاحت ہوگی۔

فرض کیجئے زید نے عمر کو ایک لاکھ روپے بطور مضاربت دئے اور پچاس ہزار روپے عمر نے اپنی طرف سے (زید کی رضامندی سے) اسی کاروبار میں شامل کر لئے، جس کا مطلب یہ ہوا کہ کاروبار کے کل سرمایہ میں ایک تہائی حصہ عمر کا ہے اور دو تہائی حصہ زید کا ہے، زید کے دو تہائی حصے (ایک لاکھ) میں عمر مضارب ہے اور مضارب ہونے کی حیثیت سے وہ اپنے لئے نفع کا کوئی بھی تناسب باہمی رضامندی سے طے کر سکتے ہیں، لیکن جو ایک تہائی سرمایہ عمرو نے خود لگایا ہے اس میں عمرو کے نفع کا حصہ ایک تہائی سے کم نہیں ہوگا، کیوں کہ اگر اس کا حصہ ایک تہائی سے کم مقرر کیا گیا تو اس کا مطلب یہ ہوگا کہ زید کا حصہ دو تہائی سے بڑھ گیا؛ حالانکہ یہ بات طے شدہ ہے کہ وہ کاروبار میں کام نہیں کرے گا، اور شرعاً نفع میں اس کا حصہ اس کے لگائے ہوئے سرمایہ کے تناسب سے زیادہ مقرر نہیں کیا جاسکتا جیسا کہ پیچھے تفصیل گذر چکی۔

اب مذکورہ بالا مثال میں اگر یہ بات طے کی گئی کہ عمرو کو شریک کی حیثیت میں ایک تہائی نفع ملے گا اور باقی دو تہائی مضاربت کی وجہ سے زید اور عمرو میں آدھا آدھا تقسیم کیا جائے گا تو اگر کاروبار کا کل نفع ایک سو پچاس فرض کیا جائے تو اس میں ایک تہائی یعنی پچاس عمرو کو شریک کی حیثیت میں ملیں گے اور باقی دو تہائی کا آدھا حصہ یعنی پچاس اس کو مضارب کی حیثیت سے ملیں گے اور باقی پچاس زید کو رب المال کے طور پر دیئے

جائیں گے۔

مذکورہ بالاصورت کے جائز ہونے یا نہ ہونے کے بارے میں اگر چہ چاروں اماموں کے مذاہب پر غور کیا جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ صرف امام مالک رحمہ اللہ کے نزدیک یہ صورت جسے شرکت اور مضاربت کا مجموعہ بھی کہا جاتا ہے مکروہ تحریمی یا ناجائز ہے، البتہ ان کے علاوہ امام ابوحنیفہ امام شافعی اور امام احمد بن حنبل کی ن زدیک عقد کی یہ صورت بالکل جائز ہے۔

علامہ سرخسی فرماتے ہیں: " خلط ألف المضاربة بألف من ماله قبل الشراء جاز "(۱) یعنی اگر کسی نے مضاربت کے ایک ہزار روپئے کے ساتھ اپنے مال کے ایک ہزار روپئے خریداری سے پہلے ملا دیئے تو جائز ہے۔(۲)

تجارت میں فیصد طے کر کے شرکت کرنے کا حکم

۱) یہ ہے کہ مثال کے طور پر جس کا کاروبار پہلے سے چل رہا ہے اور اس کا کل سرمایہ چار لاکھ ہے اور بعد والے کا ایک لاکھ ہے، تو یہ کل سرمایہ پانچ لاکھ ہو گیا، تو نفع میں ایک فیصد ایک لاکھ والے کو ملے گا اور چار فیصد چار لاکھ والے کو ملے گا۔

۲) اگر نفع نہیں ہوتا ہے، تو کسی کو بھی کچھ نہ ملے گا۔

۳) اگر بجائے نفع کے راس المال میں نقصان آجاتا ہے، تو ایک لاکھ والا راس المال میں سے ۲۰ فیصد نقصان کا ذمہ دار ہوگا اور چار لاکھ والے کو ۸۰ فیصد نقصان کا بھگتان برداشت کرنا پڑے گا۔

۴) اور زید کو ہر وقت علیحدہ ہو جانے کا اختیار رہے گا، ان چار شرطوں کے ساتھ یہ شرکت جائز ہو سکتی ہے اور موجودہ زمانہ میں ایک شکل یہ چل رہی ہے کہ کوئی بھی پیسہ والا آدمی کاروبار کرنے والے کو اپنا پیسہ اس شرط پر دیتا ہے کہ ماہانہ اتنی

---

(۱) السرخسی، المبسوط: ۲۲/ ۱۳۳

(۲) شرکت ومضاربت عصر حاضر میں: ۲۴۲-۲۴۶

فیصد یا ماہانہ اتنا روپیہ ہمیں نفع کے طور پر دینا ہوگا۔اب کاروبار کرنے والے کو نفع میں کچھ ملتا ہو یا نہ ملتا ہو؛ لیکن پیسے والے کو اپنی شرط کے مطابق بہر حال ملنا ہے اور اگر نقصان ہوجائے تو پیسے دینے والا اس نقصان میں شریک نہ ہوگا وہ صرف نفع میں ہی شریک ہوتا ہے؛ اس لئے یہ ناجائز وحرام ہے۔

إن شرطا الربح بینهما بقدر راس مالهما جاز-والوضیع بینهما علی قدر راس مالهما ابدا۔(۱)

ذاتی اور مشترک رقم سے خریدی گئی زمین کا مالک کون؟

بڑے بھائی اور چھوٹے بھائی کی مشترکہ اور ذاتی جائداد میں شرکت کا حکم یہ ہے کہ چھوٹے بھائی کے کمائی میں لگنے سے پہلے پہلے جو جائداد بڑے بھائی نے اپنی خاص کمائی سے خریدی ہے، اس میں چھوٹی بھائی کا شرعاً حصہ نہیں ہوگا اور جس وقت سے چھوٹے بھائی نے بھی کمانا شروع کیا ہے، اس کے بعد شرکت میں رہتے ہوئے، جو جائداد خریدی گئی ہے، اس میں چھوٹے بھائی کا بھی برابر حصہ ہے۔

إن کان فی یده مال الشرکة، فهو علی الشرکة، فإن لم یکن فاشتری بدراهم و دنانیر فالشراء له خاصة دون شریکه۔(۲)

ایک شریک کا دوسرے کو اجارہ پر رکھنا

اس مسئلہ میں دو معاملے الگ الگ ہیں ایک معاملہ یہ ہے کہ دونوں کا برابر پیسے دے کر کاروبار میں برابر کا شریک ہوجانا یہ معاملہ شرکت کا ہے دوسرا معاملہ دونوں میں سے ایک کو اجرت دے کر اجیر بنانا، تو شریعت میں ایک معاملہ کو دوسرے معاملہ میں

---

(۱) شامی، کتاب الشرکة، مطلب فی شرکة العنان، زکریا:۶/ ۴۸۴

(۲) فتاوی بزازیه علی هامش الهندیة، کتاب الشرك الثانی فیما للشریك و ما لاله قدیم زکریا، جدید زکریا

داخل کر کے ایک ساتھ معاملہ کرنے کو ناجائز قرار دیا گیا ہے،جن حضرات نے اس معاملہ کو ناجائز کہا ہے،وہ اسی وجہ سے ہے کہ اس کے اندر صفقہ در صفقہ لازم آتا ہے،جیسا کہ امداد الفتاوی میں ہے اور اگر اس معاملہ کو اس طریقہ سے کیا جائے کہ اولا دونوں کاروبار میں برابر پیسے دے کر کے شریک ہوجائیں اور دونوں نفع ونقصان میں برابر کے شریک ہوجائیں،اس کے بعد دوسرا معاملہ الگ سے کیا جاوے کہ جو کام جانتا ہے،وہ الگ سے اجرت لے کر کام کرتا رہے گا،ایسی صورت میں دو معاملے الگ الگ ہوجائیں گے،کام کرنے کی وجہ سے اس کو اجرت ملا کرے گی اور اجرت کا تعلق نفع ونقصان سے نہیں ہے اور اس طرح کے معاملہ کو حضرت تھانوی نے امداد الفتاوی میں اسی وجہ سے جائز قرار دیا ہے،مگر صاحب احسن الفتاوی نے :۷/ ۳۲۸ میں تعامل ناس کی وجہ سے دونوں صورتوں کو جائز قرار دیا ہے۔(۱)

مسلم کا کافر ومشرک کے ساتھ مشترکہ تجارت کرنے کا حکم

کافر ومشرک اگر معاملہ مضاربت میں رب المال ہے اور مسلمان مضارب تو بلا شبہ جائز ہے۔

ونحن امرنا بان نترکهم ومایعتقدون دل علیه قول عمر ولوہم بیعہما وخذوا العشر من اثمانہما۔(۲)

اور اگر مسلمان رب المال ہے یا عقد شرکت ہے،تو جائز نہیں ہے۔

”ولا بين المسلم والكافر وتحته فی الفتح؛ لأن الذمی لا يتهدى إلى الجائز من العقود ولا يحترز من الرباء فيكون سببا لوقوع المسلم فی أكل الحرام“(۳)

---

(۱) مستفاد:امداد الفتاوی:۳/ ۵۱۸

(۲) هداية، كتاب البيوع، مسائل منثور، اشرفی دیوبند:۳/ ۱۰۲

(۳) فتح القدير، كتاب الشركة، زكريا: ۶/ ۱۵۰، كوئٹه، فتاوى قاسميه: ۲۰/ ۵۹

چندآدمیوں کا حلال وحرام مال سے تجارت میں شرکت کرنا

اگر شرکاء کی کمائی اکثر حلال یا صرف مشکوک ہے، تو معاملہ شرکت سے حاصل شدہ نفع حلال ہے اور اگر دوسرے شرکاء کی تمام کمائی ناجائز وحرام ہے، تو ان کے ساتھ معاملہ کرنا جائز نہیں ہے؛ البتہ اگر شرکت کا معاملہ کرلیا ہے اور نفع بھی حاصل کیا جارہا ہے، تو حاصل شدہ نفع حلال ہوگا۔ اور دوسرے شرکا پر واجب ہے کہ حرام راس المال کی مقدار رقم، حرام مال کی نیت سے نکال کر صدقہ کردیں، ورنہ زید کے لئے مناسب یہی ہے کہ ان کے ساتھ معاملہ کو ختم کردے۔

ویخرج قدر الحرام بالمیزان فیدفعها إلی صاحبه وقدر الحلال له وإن لم یعرفه وتعذرت معرفته تصدق به عنه (۱)

کسی ایک شریک کا دورانِ شرکت انتقال ہوجائے تو کیا حکم ہے؟

شریک کے انتقال سے شرکت باطل ہوجاتی ہے؛ لہٰذا اب مرحوم کے ورثاء اس کے قائم مقام ہیں، اگر ان کی جانب سے مورث کے انتقال کے بعد تجدیدِ شرکت نہیں ہوئی، تو آگے شرکت کا معاملہ شرعاً باقی نہیں رہا؛ اس لئے مرحوم کے وارثین اور دوسرے شریک پر ہر وقت شرعی حکم یہ جاری ہے کہ حساب وکتاب کر کے معاملہ ختم کرلیں۔ آئندہ اگر دوبارہ شرکت کا ارادہ ہو، تو اپنا اپنا حصہ دینے کا مطالبہ کرنا شرعاً درست ہے شریک کو یہ مطالبہ کرنے کا حق ہے اور مرحوم کے وارثین کو شرعاً مان لینا چاہئے۔

ولو مات أحد الشریکین انفسخت الشرکة علم الشریك بموته أو لم یعلم۔ (۲)

۱) بیٹا باپ کی عیال میں رہتے ہوئے باپ کے ساتھ کاروبار میں محنت کرتا ہے اور کوئی معاہدہ طے نہیں ہوتا ہے، تو ایسی صورت میں ساری کمائی اور سارا سرمایہ

---

(۱) فتاوی ابن تیمیه: ۳۰۸/۳، فتاوی قاسمیه: ۶۰/۲۰

(۲) الفتاوی التاتارخانیة، کتاب الشرکة، الفصل الثالث، زکریا: ۴۶۷/۷

باپ کی ملکیت میں شمار ہوگا اور بیٹے کو باپ کا معاون قرار دیا جائے گا، جیسا کہ حسب ذیل جزئیات سے واضح ہوتا ہے:

الأب وابنه يكتسبان في صنع واحد ولم يكن لهما شي فالكسب كله للأب إن كان الابن في عياله؛ لكونه معيناله(۱)

۲) بیٹا باپ کی فیملی اور عیال میں نہیں رہتا ہے؛ بلکہ اس کا رہن سہن سب کچھ الگ ہے، پھر باپ کے ساتھ باپ کے کاروبار میں شریک ہوکر محنت کرتا ہے اور کوئی معاہدہ طے نہیں ہوتا ہے، تو ایسی صورت میں سارا کاروبار اور سارا سرمایہ باپ کی ملکیت میں شامل ہوگا اور بیٹے نے اگر اپنی محنت کے معاوضہ کا دعویٰ نہیں کیا ہے، تو اسے الگ سے کچھ نہیں ملے گا؛ بلکہ اس کی طرف سے محنت کا تبرع سمجھا جائے گا اور بیٹے کو باپ کا معاون قرار دے کر سارا سرمایہ باپ کی ملکیت قرار دینے کے لئے دو قیدیں اور شرطیں ملحوظ رکھنا ضروری ہے۔

(۱) بیٹا باپ کی عیال اور باپ کی فیملی میں ہو اور باپ سے الگ نہ رہتا ہو۔

(۲) دونوں ایک ہی کاروبار میں شریک ہوں، دونوں کا کاروبار الگ الگ نہ ہو؛ لہٰذا اگر بیٹا باپ سے بالکل الگ رہتا ہو، پھر باپ کے ساتھ کاروبار میں محنت کرتا ہو، تو بیٹا من وجہٍ ایک اجنبی کے درجہ میں ہے اور من وجہٍ اجنبی بھی نہیں ہے، اس لئے اگر معاملہ طے نہیں ہوا ہے اور بیٹے نے کسی چیز کا مطالبہ بھی نہیں کیا ہے، تو من وجہ اجنبی نہ ہونے کی وجہ سے بیٹے کی طرف سے محنت کا تبرع سمجھا جائے گا۔ اور اگر بیٹے نے اپنی محنت کا مطالبہ کیا ہے، تو من وجہٍ اجنبی کے درجہ میں ہونے کی وجہ سے اس کو اجرت مثل ملے گی۔ شرح المجلہ میں مذکورہ دونوں شرطیں بہت واضح الفاظ میں نقل کی گئی ہیں، ملاحظہ فرمائیے:

---

(۱) شامی زکریا: ۶/ ۵۰۲

إذا عمل رجل فی صنعة هو وابنه الذی فی عیاله فجمیع الکسب لذلك الرجل، وولده یعد معینا له، فیه قیدان احترازیان کما تشعر عبارة المتن، الاول: أن یکون الابن فی عیال الأب، الثانی: أن یعملا معا فی صنع واحد إذ لو کان لکل منهما صنع یعمل فیها وحده فربحه له۔(۱)

۳) بیٹا باپ کی فیملی میں رہتے ہوئے باپ کے ساتھ محنت کرتا ہے اور الگ سے کچھ سرمایہ اپنی طرف سے لگا دیتا ہے، تو اگر اس نے سرمایہ شرکت کے معاہدہ کے ساتھ لگایا ہے، تو اس کو اس کے معاہدہ کے مطابق کاروبار اور سرمایہ کے تناسب سے الگ سے منافع ملے گا؛ اس لئے کہ اس نے جب اپنی طرف سے الگ سے سرمایہ لگا دیا ہے اور باپ سے باضابطہ طور پر معاہدہ بھی کرلیا ہے، تو من وجہٍ اجنبی کے حکم میں ہوگیا ہے؛ لہٰذا طے شدہ معاملہ کے مطابق شریک مان کر اس کو طے شدہ نفع ملتا رہے گا۔ اور اگر کاروبار کا کوئی معاہدہ نہیں ہے اور یوں ہی لگا دیا ہے، تو ایسی صورت میں بیٹے کی طرف سے سرمایہ کا سہارا لگانا تبرع سمجھا جائے گا، اس کو اتنا ہی مال ملے گا جتنا اس نے لگایا ہے، منافع میں اس کا الگ سے کوئی حصہ نہیں ہوگا؛ اس لئے کہ بیٹے نے باپ کی عیال اور فیملی میں رہ کر ہی سرمایہ لگا کر محنت کی ہے اور کسی قسم کا معاہدہ نہیں ہے۔

حصہ داری سے متعلق شامی کا حسب ذیل جزئیہ ملاحظہ فرمائیے:

اعلم أنهما إذا شرطا العمل علیهما إن تساویا مالا وتفاوتا ربحا جاز عند علمائنا الثلاث خلافا لزفر، والربح بینهما علی ما شرطا، وإن عمل أحدهما فقط وإن شرطاه علی أحدهما فإن شرطا الربح بینهما بقدر

---

(۱) شرح المجلة لسلیم رستم باز: ۱۴۱/۲، رقم المادة: ۱۳۹۸

رأس مالهما جاز۔ (۱)

(۴) بیٹا باپ کی فیملی سے الگ رہتا ہے اور باضابطہ طور پر باپ کے ساتھ معاملہ طے کرکے شریک ہوتا ہے، تو طے شدہ معاملہ کے مطابق بیٹا کاروبار اور منافع میں شریک ہوگا اور اسی کے تناسب سے اس کو حصہ ملتا رہے گا؛ اس لئے کہ ایسی صورت میں بیٹا معاملہ اور لین دین میں ایک اجنبی کے درجہ میں ہو چکا ہے، صرف باپ کا معاون ثابت نہیں ہوگا؛ کیوں کہ باپ کا معاون قرار دینے کے لئے باپ کی عیال اور فیملی میں ہونا شرط ہے اور وہ شرط یہاں نہیں ہے:

یہ بات بھی یاد رکھنی ضروری ہے کہ باپ کی زندگی میں باپ بیٹے کی شرکت شرکتِ عقد ہی میں شامل ہوتی ہے اور اس میں عام طور پر شرکتِ عنان ہی کے اصول وضوابط جاری ہوتے ہیں اور شرکتِ مفاوضہ کے شرائط کی پابندی مشکل ہوجاتی ہے اور باپ کے انتقال کے بعد میراث میں اولاد کی شرکت شرکتِ ملک کے اصول کے دائرہ میں داخل ہوتی ہے۔

باپ کی فیملی میں رہتے ہوئے حاصل شدہ جائیداد میں دیگر ورثاء کا حق

سب بھائی بہن ایک ساتھ ایک ہی فیملی میں مشترک ہیں، کسی کی کمائی زیادہ ہے، اور کسی کی کمائی کم ہے، کسی کی کمائی سے باہر کا خرچہ برداشت کیا جاتا ہے اور کسی کی کمائی سے گھر کا خرچہ پورا کیا جاتا ہے، اور بڑے بھائی کی کمائی سے قرض ادا کیا گیا اور دوسرے بھائیوں کی کمائی سے گھر کا خرچہ پورا کیا گیا، تو ایسی صورت میں جتنی بھی جائیداد اور آمدنیاں ہیں، سب مشترک ہی شمار ہوں گی؛ اس لئے مشترک جائیداد کی طرح تقسیم کرنا ضروری ہے اور مشترک جائیداد کی طرح اس زمین میں سب شریک ہوں گے، صرف بڑا بھائی مالک نہیں ہوگا۔

---

(۱) شامی، زکریا: ۶/ ۴۸۳

یؤخذ من هذا ما أفتى به في الخيرية: في زوج امرأة وابنها اجتمعا في دار واحدة، وأخذ كل منهما يكتسب على حدة ويجمعان كسبهما ولايعلم التفاوت ولا التساوي ولا التمييز، فاجاب بأنه بينهما سوية، وكذالو اجتمع إخوة يعملون في تركة أبيهم وإنما المال، فهو بينهم سوية، ولواختلفوا في العمل والرأي، وقدمنا أن هذا ليس شركة مفاوضة ما لم يصرحا بلفظها، أو بمقتضياتها مع استيفاء شروطها۔ (۱)

نفع ونقصان میں شرکت کے بغیر ماہانہ تین ہزار منافع دینے کی شرط لگانا؟

کوئی تاجر کسی شخص سے ایک لاکھ روپیہ اس شرط پر لے کہ ماہانہ تین ہزار روپے منافع کے دے دیا کروں گا، میرے اگلے نفع ونقصان سے تمہیں کوئی مطلب نہیں ہے، تو یہ ناجائز ہے؟ قطعاً جائز نہیں، یہ سراسر سود ہے، ہاں اگر مضاربت کی شرط پر معاملہ کیا جائے، یعنی نقصان رب المال کے ذمہ ہو، اور نفع میں دونوں حسبِ شرط شریک ہوں تو درست ہوگا۔ (۲)

ومنها أن يكون المشروط لكل واحد منهما من المضارب ورب المال من الربح جزء اشائعا نصفا أو ثلثا أو ربعا، فإن شرطا عددا مقدرا بأن شرطا أن يكون لأحدهما مائة درهم من الربح أو أقل أو أكثر والباقي بالآخر لا يجوز (۳)

---

(۱) شامی، کتاب الشروط، مطلب اجتمعا فی دار واحد واکتسبا ولا یعلم التفاوت، فهو بینهما بالسویة، زکریا:۶/ ۲۵، فتاوی احیاء العلوم :۱/ ۳۳۵، احسن الفتاوی: ۴/ ۳۲۵، امداد المفتیین: ۲/ ۸۲۱

(۲) احسن الفتاوی: ۷/ ۲۴۵، امداد الفتاوی: ۳/ ۴۳۰

(۳) بدائع الصنائع: ۵/ ۱۱۹، کتاب المضارب المکتب النعیمی وزکریا دیوبند

مضاربت وشرکت کے چند متفرق مسائل

مسئلہ: عقدِ مضاربت فاسد ہونے کے بعد اس کی تصحیح کی ایک صورت یہ ہوسکتی ہے کہ اس عقد کو عقدِ شرکت میں تبدیل کردے، اس طور پر کہ اگر رأس المال مثلاً دس ہزار دینار ہوتو رب المال اس میں سے کچھ مضارب کو بطور قرض دیدے اور مضارب اس رقم کو رأس المال میں بطور شرکت جمع کردے جو نفع حاصل ہوگا وہ دونوں کے درمیان نصف نصف تقسیم ہوگا، اور جب یہ عقد ختم ہوجائے گا تو رب المال اپنا قرض وصول کرلے گا۔

مسئلہ: عقدِ مضاربت میں مالک پر عمل مشروط نہیں ہے، اور دونوں کے درمیان تخلیہ ہے اور مالک اجنبی کی طرح ہے، اگر وہ تبرعاً کرتا ہے، یعنی مضارب کی مدد کرتا ہے تو یہ جائز اور درست ہے، اس کی وجہ سے عقدِ مضاربت فاسد نہیں ہوگا۔(۱)

مسئلہ: خالد نے بکر کو کچھ رقم دی اور کہا کہ اس رقم سے کاروبار کرو، تمہارے لئے کچھ کروں گا، صراحۃً کوئی تعیین نہیں کی، نہ فیصد کے اعتبار سے، نہ عدد کے اعتبار سے تو منافع کی جہالت کی وجہ سے عقد فاسد ہوگیا اور مضاربتِ فاسدہ میں مضارب کو اجرتِ مثل ملے گی۔(۲)

مسئلہ: مضارب کو عمل کا بدل منافع میں سے فیصد کے اعتبار سے دیا جائے گا، لیکن ماہانہ متعین تنخواہ نہیں لے سکتا، ہاں مضارب اگر تنخواہ دار ملازم کی حیثیت سے کام کرتا ہے تو تنخواہ لے سکتا ہے، لیکن اگر تنخواہ کے ساتھ منافع میں سے کچھ کم کر کے دیا جائے تو یہ بھی جائز ہے، کیوں کہ شریک اجیر بن سکتا ہے یا نہیں، اس میں علماء کا اختلاف ہے، اکثر فقہاء کے یہاں یہ ناجائز ہے، البتہ حضرت مفتی رشید احمد لدھیانوی صاحب نے اجازت دی ہے۔(۳)

---

(۱) فتاوی دار العلوم زکریا: ۵/ ۴۸۷ (۲) فتاوی دار العلوم زکریا: ۵/ ۵۴۷

(۳) فتاوی دار العلوم زکریا: ۵/ ۶۸۷

مسئلہ: مضاربت میں اصول یہ ہے کہ اگر نقصان ہو تو پہلے نفع میں سے اس کی تلافی کی جائے گی، نقصان کی ذمہ داری سرمایہ کار پر ہوگی، مضارب پر نہیں ہوگی (۱)

مسئلہ: مضاربت میں اصول یہ ہے کہ اگر نقصان ہو تو پہلے نفع میں سے اس کی تلافی کی جائے گی اور اگر نفع ہوا ہی نہیں یا نقصان کے مقابلہ نفع کم ہوا تو نفع سے زیادہ ہونے والے نقصان کی ذمہ داری سرمایہ کار پر ہوگی، مضارب پر نہیں ہوگی۔ (۲)

مسئلہ: رب المال نے مضارب کو افیون کی تجارت کے لئے پیسہ دیا، مضارب نے افیون خریدا اور اس پر جرمانہ عائد ہوگیا تو اس نقصانِ جرم کی اگر مالک نے ذمہ داری قبول کی ہے تو مالک پر ضمان لازم ہے ورنہ مضارب پر ضمان آئے گا۔ (۳)

مسئلہ: آج کے دور میں شرکت کی ایک صورت یہ بھی نکل چکی ہے کہ ایک چلتی دکان یا فیکٹری وغیرہ کا مالک اپنے رشتہ داروں یا جاننے والوں سے کہتا ہے کہ تم کاروبار میں اتنی رقم شامل کرو تو ہر مہینہ تمہیں اتنا فیصد نفع ملے گا، وہ رقم شامل کرتا ہے، اور ہر ماہ اس کو نفع کی مقررہ مقدار مل جاتی ہے اس کو عام طور پر لوگ جائز کاروبار سمجھتے ہیں، حالانکہ اس کی کئی ایک خرابیاں ہیں۔ (۴)

مسئلہ: اگر ایک شریک نے مال زیادہ لگایا اور عمل کی شرط بھی اسی پر لگائی گئی ہو تو نفع نصف نصف تقسیم کرنا جائز نہیں ہے۔ (۵)

مسئلہ: فقہاء کا اتفاق ہے کہ اگر شرکت کے کاروبار میں نقصان ہو جائے تو ہر شریک پر نقصان کا تاوان اس کے سرمایہ کے تناسب سے ہوگا۔ (۶)

---

(۱) کتاب الفتاوی: ۱۰/۲۷

(۲) کتاب الفتاوی: ۱۰/۲۷

(۳) محقق و مدلل جدید مسائل: ۲/۴۹۱

(۴) فتاوی دار العلوم زکریا: ۵/۷۰۱

(۵) حوالہ سابق

(۶) حوالہ سابق: ۵/۶۹۹

مسئلہ: اگر مشارکہ کی مدت کے دوران شرکاء میں سے کسی کا انتقال ہوجائے تو مرنے والے کے ساتھ مشارکہ کا معاہدہ ختم ہوجائے گا، اس صورت میں اس کے وارثوں کو اختیار ہوگا، چاہیں تو مرنے والے کا حصہ واپس لے لیں اور اگر چاہیں تو مشارکہ کے اس معاہدہ کو جاری رکھیں۔(۱)

مسئلہ: محض کام چھوڑ دینے اور غائب ہوجانے سے شرکت ختم نہیں ہوتی۔(۲)

مسئلہ: یک طرفہ طور پر شرکت فسخ کرنے کے لئے شرعاً ضروری نہیں کہ فریق ثانی فسخ کو قبول کرے۔(۳)

مسئلہ: اگر اچانک بعض شرکاء کاروبار میں شرکت سے انکار کرتے ہیں تو شرکت کا عمومی ضابطہ یہ ہے کہ ہر شریک کو کسی بھی وقت اپنی شرکت ختم کرنے کا اختیار ہے، صرف شرط یہ ہے کہ دیگر شرکاء کو اس اطلاع دے دے۔

تنفسخ الشركة بفسخ أحد الشريكين أو بقول أحدهما للآخر، لا أعمل معک... وقال قبل ذلك - ولكن يشترط أن يعلم الآخر بفسخه، ولا تنفسخ الشركة مالم يعلم الآخر بفسخ الشريك" (۴)

مسئلہ: رب المال اور مضارب کے درمیان معاہدہ ہوا کہ مضارب دوسرے شہروں سے مال فروخت کرے گا اور منافع نصف نصف ہوگا، لیکن رب المال نے مضارب سے مال فروخت ہونے سے پہلے کہا کہ یہاں کے بھاؤ کے حساب سے درآمد کردہ مال میں بیس ہزار روپیے منافع ہوتا ہے لہٰذا آپ مجھے دس ہزار روپیئے دیں تو یہ درست نہیں، اس لئے جب تک منافع کا ظہور نہ ہوجائے رب المال کو

---

(۱) فتاوی دار العلوم زکریا: ۵/ ۸۲

(۲) فتاوی زکریا: ۵/ ۸۱۹

(۳) حوالہ سابق: ۵/ ۸۱۹

(۴) درر الحکام فی شرح مجلۃ الأحکام: ۳/ ۳۹۰، دار الجیل

ایسا مطالبہ کرنا جائز نہیں اور منافع مال بیچنے کے بعد ہوتا ہے اور اگر فریقین کے مابین اس طرح کا معاہدہ ہو چکا ہو تو مضاربتِ فاسدہ ہے، اس کو توڑ نا چاہئے

قال العلامة ابن نجيم: وأشار المصنف إلى أن للمضارب أن ينفق على نفسه من مال المضاربة فى السفر قبل الربح وإلى أنه لو لم يظهر الربح لا شيء علي المضارب (۱)

مسئلہ: اسی طرح عقد مضاربت میں رب المال اور مضارب دونوں کو اطلاع دے کر فسخ کرنے کا اختیار ہے، اور فسخ کرنے کی صورت میں مضارب کے ذمہ رب المال کو راس المال واپس کرنا ضروری ہے؛ لہٰذا صورتِ مسئولہ میں مضارب یا تو زمین کسی اور کو بیچ دے یا خود خرید لے اور راس المال واپس کردے اور چونکہ اب تک کوئی نفع نہیں ہوا اس وجہ سے مضارب کو کچھ نہیں ملے گا، بدائع الصنائع میں ہے:

” وأما صفة هذا العقد فهو أنه عقد غير لازم، ولكل واحد منهما أعنى رب المال والمضارب الفسخ؛ لكن عند وجود شرطه، وهو علم صاحبه“ (۲)

مسئلہ: مضارب کے لئے تنخواہ لینے کے سلسلہ میں حکم یہ ہے کہ مضارب کو عمل کا بدل منافع میں فیصد کے اعتبار سے دیا جائے گا، لیکن ماہانہ متعین تنخواہ نہیں لے سکتا، ہاں مضارب اگر تنخواہ دار ملازم کی حیثیت سے کام کرتا ہے تو تنخواہ لے سکتا ہے، لیکن اگر تنخواہ کے ساتھ منافع میں سے کچھ کم کر کے دیا جائے تو یہ بھی جائز ہے، کیوں کہ شریک اجیر بن سکتا ہے یا نہیں، اس میں علماء کا اختلاف ہے، اکثر

---

(۱) البحر الرائق: ۷/ ۲۷۰، کتاب المضاربة

(۲) بدائع الصنائع: ۶/ ۱۰۹، فتاوی زکریا: ۵/ ۶۹۷

فقہاء کے یہ ناجائز ہے، البتہ مفتی رشید احمد لدھیانوی صاحب رحمہ اللہ نے اس کی اجازت دی ہے۔(۱)

مسئلہ: (۱) باپ کا کاروبار پہلے سے چل رہا ہے اور اس کی متعدد اولادیں ہیں، ان میں سے جو پڑھ لکھ کر کاروبار کے لائق ہوجاتے ہیں ان کو وہ اپنے چلتے ہوئے کاروبار میں پرسنٹ کے حساب سے شریک کر کے پارٹنر بنالیتا ہے اور جو بچے ابھی نابالغ ہیں یا حصول تعلیم میں مصروف ہیں ان کو کاروبار میں ابھی شریک نہیں کرتا اور باپ جن اولادوں کو شریک کرتا ہے ان کو صرف نفع میں شریک کرتا ہے، چلتے ہوئے سرمایہ میں شریک نہیں کرتا، ایسی صورت میں گویا کہ اگر باپ نے مثلاً بیس فیصدی نفع میں شریک کیا ہے تو اپنے سرمایہ میں سے ۲۰ فیصد بیٹے کو بطور قرض دے رکھا ہے جو باپ کے پاس واپس آئے گا اور باپ نے بیٹے کو صرف منافع میں شریک کیا ہے، ایسی حالت میں اگر باپ کا انتقال ہوجاتا ہے تو جس بیٹے کو ۲۰ ربیس فیصد کے منافع میں شریک کیا ہے تو اصل سرمایہ اور رأس المال کو چھوڑ کر اور اسی فیصد منافع کو چھوکر وہ بیٹا صرف ۲۰ رفیصد منافع کا مالک ہوگا، جس میں دوسرے ورثاء کا حق متعلق نہ ہوگا، باقی سارے سرمائے اور ۸۰ رفیصد منافع سب باپ کی میراث ثابت ہوں گے اور تعلیم حاصل کرنے والی اولادیں اور نابالغ لڑکے اور لڑکیاں یہ سب پوری کمپنی میں حق وراثت کے مستحق ہوجائیں گے۔(۲)

(۲) کبھی ایسا ہوتا ہے کہ باپ کاروبار کے لائق اولادوں کو اپنے چلتے ہوئے کاروبار میں شریک کرلیتا ہے، مثلاً باب کی تین اولادیں ہیں، ان میں بعض کاروبار کے لائق ہوچکے ہیں، بعض تعلیم حاصل کرنے میں لگے ہوئے ہیں،

---

(۱) تفصیل کے لئے ملاحظہ احسن الفتاوی، فتاوی زکریا: ۵/ ۶۸ ۷

(۲) دلائل کے لئے دیکھئے، فتاوی قاسمیہ: ۲۰/ ۱۰۹

کاروبار کے لائق نہیں ہیں، تو ایسی صورت میں باپ ایسا کرتا ہے کہ ساری اولادوں کو فیصد کے حساب سے اپنے کاروبار میں شریک کرلیتا ہے، مثلاً تین اولادوں میں ہرایک کو ۲۰ فیصد کے حساب سے اپنے کاروبار میں شریک کرلیتا ہےاور جواولادیں ابھی کاروبار کے لائق نہیں ہیں، ان کو بھی ۲۰ فیصد کے حساب سے شریک کر لیتا ہے تاکہ باپ کے مرنے کے بعد بڑی اولادیں چھوٹی اولادوں کو دبا نہ سکیں اوران کی طرف سے محنت کی ذمہ داری باپ خود لیتا ہے مثلاً تین اولادوں میں سے ہرایک کو ۲۰-۲۰ فیصد شریک کرلیتا ہےاور اپنے لئے ۴۰رفیصد باقی رکھتا ہےاوراولادوں میں سے جو کاروبار کے لائق نہیں ہے، اس کے حصہ کے محنت کی ذمہ داری خود لیتا ہے اور ۲۰-۲۰ فیصد کے حساب سے اپنے سرمایہ میں سے ہرایک بیٹے کے حق میں رأس المال کو قرض قرار دیتا ہے، لہٰذا ۶۰رفیصد سرمایہ بطور قرض بچوں کے نام سے اور ۴۰ فیصد سرمایہ اپنی ذات کے لئے متعین کرتا ہے، پھر اس کے بعد مشترکہ کاروبار چلتا ہے اور نفع ونقصان میں سبھی تناسب کے حساب سے شریک ہوتے ہیں، تو یہ باپ اور بیٹوں کے درمیان شرکتِ عقد ہوتی ہےاور شرکت عقد کے اقسام میں باپ بیٹوں کے درمیان مشترکہ کاروبار کی یہ شکل شرکت عنان کے اصول کے دائرہ میں داخل ہوجاتی ہے جو جائز اور درست ہے۔

(۳) کبھی ایسا کرتا ہے کہ اپنی اولادوں کو چلتے ہوئے کاروبار میں پرسنٹ اور فیصد کے حساب سے شریک کرلیتا ہے اور کمپنی کے سرمایہ کا حساب لگا کر مثلاً ہراولاد کو کمپنی کے ۲۰رفیصد کا مالک قرار دیتا ہےاور قرض نہیں قرار دیتا ہے؛ بلکہ باپ کی طرف سے عطیہ اور ہبہ قرار دیتا ہے اور ہبہ میں ثبوت ملک کے لئے قبضہ شرط ہوتا ہےاور قبضہ کی دو قسمیں ہیں: قبضہ حقیقی اور قبضہ حکمی اور یہاں قبضہ حقیقی نہیں ہوتا ہے؛ بلکہ کاغذات کی تکمیل سے قبضہ حکمی ثابت ہوجاتا ہے، تمام

کاغذات قانونی اعتبار سے ۲۰ر فیصد کے لحاظ سے بیٹوں کے نام منتقل ہوجاتے ہیں، اسی حساب سے آمدنی بھی بیٹوں کے کھاتے میں جمع ہوجاتی ہے پھر نفع ونقصان میں ہر ایک تناسب کے حساب سے شریک ہوتے ہیں، یہ بھی شریعت کے اصول کے مطابق شرکت عنان کے دائرہ میں داخل ہوجاتی ہے جو جائز اور درست ہے، بڑے بڑے شہروں میں ہزاروں کاروبار باپ اور اولاد کی شرکت میں اس طرح چلتے ہیں، جس کا جواز ذیل میں آنے والی جزئیات سے ثابت ہوتا ہے، چنانچہ ''تکملہ شامی'' اور ''تاتارخانیہ'' کی عبارت میں اس بات کو واضح کردیا ہے کہ ہبہ میں قبضہ حقیقی اور قبضہ حکمی معتبر ہے اور قبضہ حکمی حقیقی کی طرح ہوتا ہے اور قبضہ حکمی کسی بھی معاملہ میں حالات اور تقاضے کی مناسبت سے ثابت ہوتا ہے۔

(۴) کبھی ایسا ہوتا ہے کہ باپ کے پاس پہلے سے کوئی سرمایہ نہیں ہوتا ہے اور باپ اور اولادیں ایک ساتھ شرکت میں کوئی کام شروع کرتی ہیں اور شروع ہی میں معاہدہ طے ہوتا ہے کہ اولاد اتنے پرسنٹ کی مالک رہے گی اور باپ اتنے پرسنٹ کا مالک رہے گا اور اسی معاہدہ کے تحت کاروبار شروع ہوجائے تو ایسی صورت میں جو معاہدہ طے ہوا ہے اسی معاہدہ کے مطابق باپ اور اولاد کاروبار میں شریک رہیں گے اور ہر ایک معاہدہ کے حساب سے اپنے اپنے حصوں کے مالک رہیں گے اور ایسا مشترکہ کاروبار کبھی شرکتِ مفاوضہ کے شرائط پائے جانے کی وجہ سے اس کے اصول کے تحت داخل ہوجاتا ہے اور کبھی شرکتِ مفاوضہ کے اصول وشرائط نہ پائے جانے کی وجہ سے شرکتِ عنان کے دائرے میں داخل ہوجاتا ہے اور باپ اور اولاد کے درمیان مشترکہ کاروبار کی یہ شکل ایسی ہے جیسا کہ اجنبی لوگوں کے درمیان میں ہوا کرتا ہے، اس میں یہ بات یاد رکھنے کی ہے کہ یہ اس وقت ہے جب کہ بیٹے باپ کی فیملی اور اس کے عیال میں نہ

ہوں، اور اگر باپ کی فیملی میں ہوں تو باپ ہی سب کا مالک ہوجائے گا اور اولاد اس کی معاون ثابت ہوگی۔

(۵) باپ اور والاد کے درمیان مشترکہ کاروبار اس طرح چلتا ہے کہ اس میں کوئی معاہدہ طے نہیں ہوتا ہے، مل جل کر کاوربار چلاتے ہیں، پھر اس میں کاروبار بڑھتا چلا جاتا ہے، ایسی صورت میں سارا کاروبار باپ کی ملکیت شمار ہوگا اور اولادیں باپ کی معاون ثابت ہوں گی اور اولادوں میں سے کسی کو بھی کاروبار میں کلی یا جزئی ملکیت حاصل نہیں ہوگی؛ بلکہ باپ کے مرنے کے بعد سارا سرمایہ باپ کی میراث ثابت ہوگا؛ مگر اس میں شرط ہے کہ اولاد باپ کی فیملی اور عیال میں رہتی ہو، اس لئے کہ اگر اولاد باپ کی عیال اور فیملی میں نہیں رہتی ہے؛ بلکہ دونوں الگ الگ رہتے ہیں تو معاملات، تجارت اور کاروبار میں دونوں کی حیثیت اجنبیوں کی طرح ہوتی ہے۔(۱)

مسئلہ: باپ کا اپنے سرمایہ سے سب بیٹوں کا کاروبار الگ الگ کر کے سرپرستی کرنا، اگر باپ نے اپنے ہی سرمایہ سے سارے بیٹوں کا کاروبار الگ الگ کردیا ہے، تو اس کی دو حیثیتیں ہمارے سامنے آتی ہیں:

۱) پہلی حیثیت یہ ہے کہ سارے بیٹے اپنے اپنے کاروبار کی آمدنی باپ کو لاکر پیش کرتے ہیں اور مجموعی حساب وکتاب باپ کے پاس ہی رہتا ہے، تو ایسی صورت میں ساری پونجی اور آمدنی کا مالک باپ ہی ہوگا، اگرچہ یہ سب بیٹے باپ کے ساتھ نہیں رہتے ہیں، پھر بھی سارا سرمایہ باپ کی ملکیت میں شمار ہوگا، اس لئے کہ بعض دفعہ عورتوں کی ان بن کی وجہ سے باپ پہلے ہی سے بچوں کے چولہے اور کھانا پینا الگ کردیتا ہے، تاکہ اولاد کے درمیان کوئی جھگڑا اور نزاع پیدا نہ ہوسکے، مگر سرمایہ سب باپ کے ہاتھ میں ہی ہوتا ہے اور مجموعی سرمایہ میں سے ہر

---

(۱) فتاوی قاسمیہ: ۲۰/ ۱۰۷=۵۱۱

ایک بیٹے کوخرچ کے لئے پیسہ دیتا رہتا ہے، تو ایسی صورت میں باپ نے جو الگ الگ سرمایہ دے کر ہر ایک کا کاروبار الگ الگ کر دیا ہے وہ باپ کی طرف سے ہبہ نہیں ہے؛ بلکہ محنت کر کے سرمایہ کو آگے بڑھانے کا مکلف بنایا گیا ہے؛ لہذا باپ کی موت کے بعد سارے بیٹوں کے پاس جو سرمایہ ہے وہ سب باپ کی میراث بن جائے گی اور تمام وارثین میراث میں شریک ہوجائیں گے اور اس میں لڑکوں کے ساتھ لڑکیاں بھی میراث کی حق دار بن جائیں گی۔

۲) دوسری حیثیت یہ ہے کہ باپ اپنی زندگی میں سارے بیٹوں کو الگ الگ سرمایہ دے کر الگ الگ کاروبار شروع کرا دیتا ہے اور بیٹے باپ کے سرمایہ کے ذریعہ سے محنت کر کے کاروبار کو آگے بڑھاتے ہیں اور آمدنی بیٹے خود اپنے پاس رکھتے ہیں، باپ کو نہیں دیتے ہیں اور نہ ہی باپ کو اس سے کوئی مطلب ہوتا ہے اور نہ ہی باپ کو اس کی ضرورت پڑتی ہے، تو ایسی صورت میں باپ نے بیٹوں کو کاروبار کے لئے جو کچھ بھی دیا ہے وہ سب باپ کی طرف سے ہبہ شمار ہوگا؛ لہذا بیٹوں کے پاس باپ کی طرف سے دیا ہوا جو کچھ بھی سرمایہ ہے، پھر اس کے اوپر بیٹوں کی محنت کے ذریعہ سے جو کچھ آمدنی کا اضافہ ہوا ہے وہ سب کچھ انہیں بیٹوں کی ملکیت میں شمار ہوگا، باپ ان میں سے کسی چیز کا مالک نہیں ہوگا؛ لہذا باپ کی موت کے بعد ہر بیٹے کے پاس جو کچھ بھی ہے وہ خود اس کے مالک رہیں گے، باپ کی میراث نہیں بنے گی اور بہنوں کو اس میں حقِ میراث کا دعوی کرنا درست نہیں ہوگا۔ حضرات فقہاء کی عبارات اس سلسلہ میں ملاحظہ ہوں:

”لو دفع لابنه ما لا فتصرف فيه الابن يكون للأب إلا إذادلت دلالة على التمليك“ (۱)

مسئلہ: مرحوم باپ کے متروکہ سرمایہ سے حاصل شدہ آمدنی کی تقسیم: والد کے انتقال کے

(۱) الفتاوی التاتارخانیه: ۱۴/ ۲۶۶، شامی زکریا: ۸/ ۵۰۲، فتاوی قاسمیه: ۲۰/ ۱۱۹، ۱۲۰

بعد فوری طور پر اولاد کے درمیان ترکہ تقسیم نہ ہو اور باپ کی زندگی میں باپ کا سرمایہ جس حالت میں چل رہا تھا موت کے بعد بھی اسی طرح بدستور باقی رہے، تو ایسی صورت میں ہر وارث کا حصہ میراث اس متروکہ مال میں شامل رہتا ہے؛ لہٰذا تمام ورثاء مالِ متروکہ میں شریک ہوں گے۔(۱)

مسئلہ: باپ اور بیٹوں کے درمیان مشترکہ کاروبار کے بنیادی اصول: باپ اور بیٹوں کے مابین مشترکہ کاروبار سے متعلق بنیادی ضابطے اور اصول یہی سامنے آتے ہیں کہ باپ کی زندگی میں باپ اور بیٹے کے درمیان مشترکہ کاروبار سے متعلق ماقبل میں تفصیلی بحثیں سامنے آچکی ہیں، اصولی طور پر چار باتیں ہمارے سامنے آتی ہیں:

(۱) بیٹا باپ کی عیال میں رہتے ہوئے باپ کے ساتھ کاروبار میں محنت کرتا ہے اور کوئی معاہدہ طے نہیں ہوتا ہے، تو ایسی صورت میں ساری کمائی اور سارا سرمایہ باپ کی ملکیت میں شمار ہوگا اور بیٹے کو باپ کا معاون قرار دیا جائے گا۔

(۲) بیٹا باپ کی فیملی اور عیال میں نہیں رہتا ہے؛ بلکہ اس کا رہن سہن سب کچھ الگ ہے، پھر باپ کے ساتھ باپ کے کاروبار میں شریک ہوکر محنت کرتا ہے اور کوئی معاہدہ طے نہیں ہوتا ہے، تو ایسی صورت میں سارا کاروبار اور سارا سرمایہ باپ کی ملکیت میں شامل ہوگا اور بیٹے نے اگر اپنی محنت کے معاوضہ کا دعوی نہیں کیا ہے، تو اسے الگ سے کچھ نہیں ملے گا؛ بلکہ اس کی طرف سے محنت کا تبرع سمجھا جائے گا اور بیٹے کو باپ کا معاون قرار دے کر سارا سرمایہ باپ کی ملکیت قرار دینے کے لئے دو قیدیں اور شرطیں ملحوظ رکھنا ضروری ہے:

۱) بیٹا باپ کی عیال اور باپ کی فیملی میں ہو اور باپ سے الگ نہ رہتا ہو۔

۲) دونوں ایک ہی کاروبار میں شریک ہوں، دونوں کا کاروبار الگ الگ نہ ہو؛ لہٰذا اگر بیٹا باپ سے بالکل الگ رہتا ہو، پھر باپ کے ساتھ کاروبار میں محنت

---

(۱) فتاوی قاسمیہ: ۲۰/ ۱۲۲

کرتا ہو، تو بیٹا من وجہٍ ایک اجنبی کے درجہ میں ہے اور من وجہٍ اجنبی بھی نہیں ہے، اس لئے اگر معاملہ طے نہیں ہوا ہے اور بیٹے نے کسی چیز کا مطالبہ بھی نہیں کیا ہے، تو من وجہٍ اجنبی نہ ہونے کی وجہ سے بیٹے کی طرف سے محنت کا تبرع سمجھا جائے گا۔ اور اگر بیٹے نے اپنی محنت کا مطالبہ کیا ہے، تو من وجہٍ اجنبی کے درجہ میں ہونے کی وجہ سے اس کو اجرت مثل ملے گی۔(۱)

❁❁❁❁❁❁❁

---

(۱) اس کے لئے مزید تقسیمِ جائیداد کے اصول، دار الدعوۃ والارشاد ملاحظہ کیجئے جو اسلامی مالیاتی نظام اور مسلم پرسنل لاء کے تین اہم ابواب، ہبہ، وصیت اور میراث کی اہمیت، قدیم اور جدید ضروری پیش آنے والے مسائل کو ذکر کیا گیا ہے فضائل و اکابر کے واقعات کا تربیتی مواد بھی شامل ہے، جا بجا اکیڈمیوں کے فیصلے، اسرار حکمتوں کے تذکرے نے کتاب کو مستند اور ایمان افروز بنا دیا ہے، صحت، مرض اور مابعد موت حقوق اللہ وحقوق العباد میں صفائی، انصاف پیدا کرنے کی ممکنہ شرعی شکلوں کے مفصل بیان نے اردو اسلامی کتب خانے کی ایک اہم ضرورت کو پورا کیا۔

زمین میں شرکت ومضاربت کے مروجہ طریقے

زمین میں شراکت کے کئی طریقے ہیں:

پہلی صورت:

اس کی صورت اس طرح ہوتی ہے کہ زمین کو شراکت داری کی غرض سے خریدے کچھ قیمت ادا کرے مثلاً ایک کروڑ کی زمین خریدے اور بیس لاکھ اڈوانس کے طور پر دے، پھر شراکت کا اعلان کرے یا یہ کہے میں نے اس زمین کو ایک کروڑ میں خریدا ہے، اور کبھی اس میں منافع بھی کما سکتا ہے، مثلاً یہ شراکت داروں سے کہے یہ زمین ایک کروڑ بیس لاکھ کی ہے، خواہ اس بات کو وضاحت کے ساتھ شراکت داروں کو بتلائے یا نہ بتلائے، زمین کی قیمت تمام شراکت داروں سے جمع کر کے ادا کرے، باقی اس کا نفع ہوگا، پھر ان شراکت داروں کی جانب سے اس زمین کو اس کی اپنی حالت میں یا پلاٹنگ کر کے یا تعمیر کر کے بیچنے کا خود ذمہ دار بن جائے۔

اس صورت میں یہ بلڈر متعین زمین کا مالک ہوتا ہے، پھر وہ اس زمین کی خریداری کے حوالے شراکت داری کا اعلان کرتا ہے اور قیمت اکھٹا کرنے کے بعد اس کو شراکت داروں کو ان میں کے ہر ایک کے حصہ کے مطابق مالک بنا دیتا ہے، پھر وہ شخص خود اس زمین کو اسی حالت میں فروخت کرتا ہے یا پلاننگ کر کے فروخت کرتا ہے بعد میں یا تعمیر کے بعد فروختگی کا ذمہ داران کی جانب سے بنتا ہے۔

اب یہاں یہ زمین کا مالک شخص ایک زمین خود اپنے لئے خرید کر اس کو شراکت

داروں میں بیچتا ہے، یہ فروخت کی معروف شکل ہے،اس میں وہ کبھی شراکت داروں سے دلالی کی اجرت بھی لیتا ہے۔

اس کے فقہی احکام یہ ہیں:

جس میں تاجر زمین کا مالک ہوتا ہے، پھر اس کو شراکت داروں سے بیچتا ہے، پھر یہ تاجر (بلڈر) اس کو بیچتا ہے اور اس کو ترقی دیتا ہے، اس میں دو مرحلے ہیں:

پہلے جب تاجر زمین کو شراکت داروں سے بیچتا ہے، اس کے احکام یہ ہیں کہ اس میں بیع کی تمام شرطوں کا لحاظ کرنا ہوتا ہے، جس میں عاقدین، ان کی آپس میں رضامندی، دونوں کا تصرف جائز ہو، مبیع اور ثمن ہو، یہ دونوں متعاقدین کو معلوم ہو، معقود علیہ (مبیع) فروخت کرنے والے کی ملک ہو۔ مبیع قابلِ انتفاع ہو، مبیع مقدور التسلیم میں ہو۔

البتہ اس خرید وفروخت میں قیمت دو حال سے خالی نہیں: یا تو خرید وفروخت بازار کی قیمت کے مطابق ہو، مثلاً بازار میں ایک میٹر کی قیمت ایک ہزار ہو، یہ بلڈر بھی شراکت داروں کو اسی قیمت پر بیچے تو یہ صورت بالکل درست ہے۔

یا مبیع بازاری قیمت سے زائد پر فروخت کی جائے یا تو حقیقی قیمت کو واضح نہ کیا جائے اور بازار کی قیمت سے زائد پر بیچ دیا جائے تو اس صورت میں وکیل بازاری قیمت سے علاحدہ خریدنے والا ہوگا۔ اگر حقیقی قیمت کی ان کے سامنے وضاحت کردے اور ان کو بازار کی قیمت سے زائد پر بیچنے کو بتادے تو اس صورت میں بھی وکیل کا بازاری قیمت سے الگ خریدنا لازم آئے گا۔

فقہاء نے اس سلسلہ میں گفتگو کی ہے، اگر بازاری قیمت سے زیادہ پر خریدتے ہیں تو خریدنا بازاری قیمت سے بے تحاشا اضافہ پر ہو، مثلاً ایک ہزار مربع میٹر کو ڈیڑھ ہزار میں خریدے تو اس سلسلہ میں فقہاء نے اختلاف کیا ہے۔

اس بارے میں ایک قول یہ ہے کہ یہ بیع صحیح نہیں ہوگی یہ جمہور فقہاء، احناف،

شوافع ایک روایت حنابلہ کے یہاں اور ظواہر کا بھی یہی خیال ہے اور یہ عقد مؤکل کے لئے لازم نہیں ہوگا۔

دوسرا قول: یہ بیع درست ہوگی اور مؤکل کے لئے عقد لازم ہوگا، اور فرق کے اعتبار سے مؤکل وکیل سے رجوع کرے گا، یہ حنابلہ کا مسلک ہے تیسرا قول: یہ عقد مؤکل کے قبول کرنے پر موقوف ہوگا، یہ مالکیہ کا مذہب ہے۔

اس بارے میں جمہور فقہاء کا قول معتبر ہے، صورت میں عقد میں غبنِ فاحش ہو اس کے صحیح نہ ہونے کے قول کو اختیار کیا جائے؛ چونکہ وکیل نے اس کو اس کی اجازت نہیں دی ہے، نہ تو اپنے قول سے اور عرف کے اعتبار سے، تو بلڈر کا شراکت داروں کے لئے غبنِ فاحش کے ساتھ زمین کو خریدنا حرام ہے، اس کی وجہ سے عقد صحیح نہ ہوگا۔

- ☆ جس خرید میں غبنِ فاحش ہو یہ وکیل کی جانب سے مؤکل کے حق میں شمار نہ ہوگی، چونکہ اس میں نقصان ہے اور نقصان کا ازالہ ضروری ہے، یہ وکیل کے حق میں ہی لازم ہوگی۔
- ☆ وکیل مصلحت پر مامور ہے، جس خرید میں غبن فاحش ہو یہ مصلحت سے تجاوز ہے۔
- ☆ یہ وکالت معتاد شئ کے ساتھ وابستہ ہے، غبن فاحش کے ساتھ خیریدنا یہ امرِ معتاد نہیں ہے۔

پھر اس کے بعد کے مرحلے، جس میں وہ زمین کی پلاننگ اور اس کی تعمیر وغیرہ کی ذمہ داری لیتا ہے تو یہ عقدِ مضاربت ہے، اگر یہ صرف فروخت کا ذمہ دار ہوتا ہے تعمیر وغیرہ کا نہیں تو وکالت کے ساتھ دلالی ہے۔ جس کے احکام تیسری صورت میں بیان کئے گئے ہیں۔

دوسری صورت

تاجر شراکت داری کے لئے مناسب زمین ڈھونڈ لے، اگر اس میں تجارتی منافع نظر آئیں تو اس زمین کی کچھ قیمت پیشگی ادا کردے، مثلاً اگر ایک کروڑ قیمت ہے تو بیس

لاکھ ادا کردے، پھر زمین میں شراکت داری کا اعلان کرے، زمین کی پوری قیمت یا زائد قیمت وصول کرے، پھر اس کو شراکت داروں کی ملک میں منتقل کرنے کے بعد اس کو براہِ راست یا ترقی یافتہ یا تعمیر شدہ شکل میں بیچ دے۔

اس صورت میں بھی اس تاجر اور بلڈر کی دو حالتیں سابق کی طرح ہیں۔

الف) جس میں تاجر زمین والے سے کچھ قیمت بیعانہ کے طور پر دے کر زمین خریدتا ہے، پھر اس کو شراکت داروں سے فروخت کرتا ہے، تو یہ خرید وفروخت کی صورت ہے جس میں بیع کے لوازم کی رعایت کرنی ہوگی۔ اس کے احکام معلوم ہوئے۔

ب) دوسرا مرحلہ: یہ صورت بھی سابقہ صورت کے دوسرے مرحلہ کے مثل ہے، جس میں عقدِ مضاربت یا دلالی ہے، جس کے احکام تیسری صورت میں موجود ہیں۔

البتہ اس میں ایک مسئلہ یہ ہے کہ وہ پیشگی رقم دے کر زمین خریدتا ہے، جس کو بیعِ عربون کہتے ہیں، جس کے احکام گذر چکے ہیں۔

تیسری صورت

یا اس کی صورت یہ ہوتی ہے کہ شراکت دار، شراکت داروں سے بغرض تجارت یا مختلف زمینوں میں منافع کے ارادے سے ایک مال کی مقدار جمع کرے، یا خرید کر یا خام فروخت کرے یا پلاٹنگ کے بعد یا تعمیر اور فلیٹ اور بلڈ ینگ کی تعمیر کے بعد اس کو فروخت کرے، اس صورت میں شراکت دار کا کام صرف کام کرنا اور ذمہ داری کو سنبھالنا ہوتا ہے۔ اس کا زمین میں کوئی حصہ نہیں ہوتا۔

مثلاً کوئی تاجر یہ اعلان کرے کہ زمین میں سرمایہ کاری کرنا ہے، اور زمین کی اصلی قیمت یعنی ایک کروڑ کا ذکر کرے، پھر اس کے بعد شراکت داروں سے مطلوبہ مقدار میں رقم اکٹھا کرے، اور خود اپنے نام سے وہ زمین خریدے، پھر اس کے بعد یہ تاجر اور بلڈر اس زمین کی سرمایہ کاری کرے، یا تو اس کو خام ایسے ہی بیچ دے، یا اس میں

پلاٹنگ کرے، یا گھر یا تجارتی محلات بنادے پھر اس کوفروخت کرے اور جو بھی منافع ہوں اس کے اور اس کے شراکت داروں کے درمیان برابر تقسیم ہوں گے۔

(یہ مضاربت کی صورت ہوگی)

☆ تاجر (بلڈر) مضارب ہوگا، جب کہ تاجر (بلڈر) نے مال کو اکٹھا کیا، پھر زمین کی منصوبہ بندی کی، پھر دیگر خدمات فراہم کیں، پھر اس کوفروخت کیا، یا تو مقصود رہائشی بلڈنگ یا تجارتی بلڈنگوں کی تعمیر ہوتی ہے، تو اس صورت میں شراکت داروں کا مال ہوتا ہے، اور بلڈر کا کام ہوتا ہے، یعنی زمین کی پلاٹنگ، اس کی تعمیر وغیرہ کے سلسلہ میں وہ جومحنت کرتا ہے، اور کبھی بلڈر کوشراکت داروں سے زائد مال لینے کی بھی ضرورت پڑسکتی ہے، جیسے دلال کی اجرت جس میں وہ شراکت داروں کی جانب سے زمین کی فروختگی کے منافع کا مستحق ہوتا ہے

☆ تاجرشراکت داروں کا وکیل اور شراکت داروں کا دلال ہوتا ہے، جس میں بلڈر اور تاجرشراکت داروں سے فلاں زمین کوخریدنے کے سلسلہ میں ایک مال کی معین مقدار اکٹھا کرتا ہے، پھر اس کے بعد اس کوفروخت کے لئے پیش کرتا ہے، اس کا کام صرف زمین کا بتلانا اور بیچنا ہوتا ہے اور یہ وکیل بننے کی صورت ہے۔

یعنی عقدِ شراکت کے وقت اس کے لئے جو منافع طے ہوتے ہیں، اس کو وہ پاتا ہے، اس طرح یہاں بحیثیت دلال کے وہ شراکت داروں کے ساتھ ہوتا ہے، دراصل یہ منافع کی صورت ہوتی ہے۔ چونکہ اس کو زمین کے فروخت کرنے کے منافع اور محنتانہ حاصل ہوتا ہے۔

❁❁❁❁❁❁

ٹھیکیداری (مقاولات) کے احکام

استصناع کے احکام ومسائل

استصناع بیع کی دوسری قسم ہے جس میں سودا چیز کے وجود میں آنے سے پہلے ہی ہوجاتا ہے، استصناع کا معنی ہے، کسی تیار کنندہ مینوفیکچرر (Manufacturer) کو یہ آرڈر دینا کہ وہ خریدار کے لئے متعین چیز بنادے، اگر تیار کنندہ Manufacturer اپنے پاس سے خام مال لگا کر خریدار کے لئے چیز تیار کرنے کی ذمہ داری قبول کرلیتا ہے تو استصناع کا عقد وجود میں آجائے گا، لیکن استنصناع کے صحیح ہونے کے لئے یہ ضروری ہے کہ قیمت فریقین کی رضامندی سے طے کرلی جائے اور مطلوبہ (جس کی تیاری مقصود ہے) کے ضروری اوصاف بھی متعین کرلئے جائیں۔

استصناع کے معاہدے کی وجہ سے تیار کنندہ پر یہ اخلاقی ذمہ داری عائد ہوتی ہے کہ وہ اس چیز کو تیار کرے؛ لیکن تیار کنندہ کے اپنا کام شروع کرنے سے پہلے فریقین میں سے کوئی بھی دوسرے کو نوٹس دے کر معاہدہ منسوخ کرسکتا ہے، البتہ تیار کنندہ کے کام شروع کردینے کے بعد معاہدہ یک طرفہ طور پر ختم نہیں کیا جاسکتا ہے۔

اس سلسلہ کے مزید احکام یہ ہیں کہ

عقدِ استصناع میں مبیع (خریدی ہوئی چیز) کی سپردگی بعد میں ہوتی ہے، قدوری باشا نے اس کی تعریف یوں کی ہے:

"هو أن يطلب المشترى من البائع أن يأتى له بشيء

مصنوع بمواد من عنده متصف بهذه الأوصاف، ويلتزم البائع بذلك لقاء ثمن متفق عليه" (۱)

خریدار فروخت کنندہ سے کہے کہ وہ اس کے لئے اپنے پاس کے میٹریل استعمال کر کے ایسی چیز بنادے جس کے اوصاف فلاں ہوں جس کو فلاں وقت دے گا، فروخت کنندہ آپسی اتفاق سے اس کے عوض فی الفور ثمن (قیمت) کو حاصل کرے۔

یہ عقدِ استصناع امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے یہاں جائز اور درست ہے، شوافع، مالکیہ اور حنابلہ کے یہاں جائز نہیں، امام زفر وغیرہ کا بھی ایک قول یہی ہے، البتہ یہ لوگ سلم کے طریقے اس کے شرائط کے ساتھ خرید وفروخت کو جائز قرار دیتے ہیں، چونکہ یہ لوگ کہتے ہیں یہ فروخت کنندہ کے یہاں غیر موجود چیز کی فروختگی ہے، اسکو اجارہ بھی نہیں کہہ سکتے چونکہ یہاں تیار کنندہ اپنے طرف سے تیار کرتا ہے، نہ اس کو عقدِ سلم کہہ سکتے ہیں، چونکہ عقدِ سلم کے شرائط یہاں موجود نہیں ہیں، تو اسکو کسی بھی عقد مشروع پر محمول نہیں کیا جاسکتا۔

احناف کہتے ہیں: قیاس کا تقاضا تو یہی ہے کہ عقدِ استصناع جائز نہ ہو؛ لیکن استحساناً ہم نے اس کو ضرورت اور لوگوں کے تعامل کی وجہ سے جائز قرار دیا ہے، امام برہان الدین رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

"وجوّزناه بتعامل الناس، فإن الناس يعاملون الاستصناع في هذه الأشياء من لدن رسول الله صلى الله عليه وسلم إلى يومنا هذا من غير نكير ورد من الصحابة رضي الله عنهم ولا من التابعين، وتعامل الناس من غير نكير ورد من علماء كل عصر حجة يترك بها القياس، ويخص بها الأثر ، ألا تري أن دخول الحمام بالأجر

---

(۱) مرشد الحیران، مادة:۵۵٦

جائز استحساناً لتعامل الناس من غير نكير من علماء كل عصر، وإن كان القياس يأبى جوازه، لأن مدة ما يمكث في الحمام وقدما يستعمل من الماء مجهول" (۱)

ہم نے اس عقد کو لوگوں کے تعامل کی وجہ سے جائز قرار دیا ہے، چونکہ لوگ اس طرح کی چیزوں میں نبی کریم ﷺ کے دورِ مبارک سے اب تک بغیر کسی انکار اور صحابہ رضی اللہ عنہم اور تابعین کی جانب سے تردید کے بغیر یہ عقد کرتے آئے ہیں، اور بغیر انکار اور علماء کی تردید کے ہر زمانے میں لوگوں کا کسی عمل کو کرتے رہنا یہ خود ایک ایسی دلیل ہے جس کی وجہ سے قیاس کو ترک کر دیا جائے گا، اسی لئے تو حمام میں جانے کی اجرت کو استحساناً جائز قرار دیا گیا ہے، چونکہ ہر دور کے علماء کا بغیر کسی نکیر یہ تعامل چلتا ہوا آیا ہے، حالانکہ قیاس کا تقاضہ یہ ہے کہ یہ عقد جائز نہ ہو، چونکہ حمام میں ٹھہرنے اور پانی وغیرہ استعمال کی مقدار معلوم نہیں ہے۔

عقدِ استصناع کے جائز ہونے پر نبی کریم ﷺ کی صحیح روایت دلالت کرتی ہے کہ نبی کریم ﷺ نے ایک منبر بنوانے کا حکم فرمایا تھا، جیسا کہ بخاری شریف میں وارد ہے:

"ابو حازم سے روایت ہے کہ کچھ لوگ سہل بن سعد کے پاس منبر کے متعلق دریافت کرنے گئے تو انہوں نے بیان کیا کہ رسول اللہ ﷺ نے فلاں عورت کو جس کا نام سہل تھا کہلا بھیجا کہ اپنے بڑھئی لڑکے کو حکم دو کہ چند لکڑیاں بنادے جس پر میں بیٹھوں جب لوگوں سے بات کروں، اس عورت نے اس لڑکے کو حکم دیا کہ غابہ کے درخت کا منبر بنا دے چنانچہ وہ تیار کر کے لایا تو اس عورت نے رسول اللہ ﷺ کے پاس بھیج دیا آپ ﷺ نے اس کا حکم دیا تو وہ رکھا گیا اور آپ ﷺ اس پر بیٹھے"۔ "فَأَمَرَ بِهَا فَوُضِعَتْ ههُنَا" (۲)

---

(۱) المحيط البرهاني: ۱۰/ ۳۶۳

(۲) بخاری، كتاب الجمعة، باب الخطبة على المنبر، حدیث نمبر: ۱۹۷

اسی طریقہ سے نبی کریم ﷺ نے ایک انگوٹھی بنوانے کے لئے آڈر دیا تھا، جیسا کہ شمائل ترمذی میں حضرت انس سے یہ روایت مذکور ہے:

''جب نبی کریم ﷺ نے عجمیوں کو خطوط لکھنے کا ارادہ فرمایا، تو آپ ﷺ سے کہا گیا کہ یہ لوگ بغیر انگوٹھی (مُہر) کے خط قبول نہیں کرتے، تو آپ ﷺ نے ایک انگوٹھی بنائی، مجھے اب بھی نبی کریم ﷺ انگوٹھی کی سفیدی آپ کی ہتھیلی گویا کہ نظر آرہی ہے **"فَكَأَنِّيْ أَنْظُرُ إِلى بَيَاضِهِ فِيْ كَفِّهِ"** (۱)

البتہ ان احادیث سے یہ بات صراحۃً ثابت نہیں ہوتی کہ نبی کریم ﷺ نے یہ بطورِ عقد کے یہ معاملہ کیا تھا یا عہد ومعاہدہ کے طور پر، احناف کا صحیح مذہب یہی ہے کہ استصناع عقد ہے، یہ وعدہ محض نہیں ہے، چونکہ امام محمد بن الحسن رحمہ اللہ نے اس میں قیاس اور استحسان کا ذکر فرمایا ہے، اور وعدہ نہیں ہوتا ہے، چونکہ یہ عقدِ استصناع صرف انہیں امور میں جائز ہے جن امور میں لوگوں کا تعامل ہے، اگر یہ وعدہ ہوتا تو اس کا جواز ہر چیز میں ہوتا، اور اس کو خرید وفروخت سے ہی تعبیر کیا ہے **"إذا رآه المستصنع فهو بالخيار، لأنه اشترى مالم يره"** جب آڈر دینے والے دیکھے تو اس کا اختیار ہوگا، چونکہ اس نے اس کو بغیر دیکھے خریدا ہے، چونکہ تیار کنندہ قبضہ کے ساتھ قیمت کا مالک بھی بن جاتا ہے، اور اگر یہ وعدہ محض ہوتا تو یہ دراہم کا مالک نہ ہوتا۔

صاحبِ ہدایہ کہتے ہیں یہ ابتداء ہی سے بیع ہے اور یہاں معقود علیہ (عقد والی چیز) وہ شئ مصنوع ہے، عمل نہیں، کبھی شئ غیر موجود کو حکماً موجود مان لیا جاتا ہے، اور علامہ ابن ہمام کہتے ہیں:

"وحين لزم جوازه، علمنا أن الشارع اعتبر فيها المعدوم موجودا، وفى الشرع كثير لذلك، كطهارة المستحاضة،

(۱) الشمائل الترمذی، باب ما جاء فی ذکر خاتم رسول اللہ ﷺ، حدیث نمبر: ۹۱

وتسمية الذابح إذا نسيها، والرهن بالدين الموعود، وقرائة المأموم"(۱)

عقدِ استصناع جب جائز ہی ت و یہ پتہ چلا کہ شریعت نے غیر موجود چیز کو موجود مانا ہے، شریعت میں اس کی بکثرت مثالیں موجود ہیں، جیسے مستحاضہ (جس کو مسلسل خون آرہا ہو) کو پاک تسلیم کیا ہے، اسی طرح ذابح (ذبح کرنے والا) تسمیہ بھول جائے تو بسم اللہ کہنے والا اور مقتدی قراءت والا شمار ہوتا ہے۔

بعض لوگ کہتے ہیں یہ ابتداء عقدِ اجارہ ہے، اور سپردگی سے پہلے عقدِ بیع ہوجاتا ہے، اس بات کو ابن ہمام نے ذخیرہ کے حوالہ سے نقل کیا ہے اور امام برہان الدین نے محیط میں اس کی تصدیق کی ہے۔

"ينعقد إجارة ابتداء، ويصير بيعا انتهاء متى سلم قبل التسليم بساعة، بدليل أنهم قالوا إن الصانع إذا مات قبل تسليم العمل، بطل الاستصناع، ولا يستوفى المصنوع من تركته"

یہ ابتداء اجارہ ہوتا ہے، اور انتہاء بیع ہوتا ہے، جب کہ سپردگی سے ایک گھنٹہ پہلے ہی بیع تسلیم کرلی جائے، اس واسطہ کہ صنعت کار مصنوعات کی سپردگی سے پہلے مرجائے تو عقدِ استصناع باطل ہوجائے گا، جس کی وجہ سے اس کے ترکہ میں سے شئ مصنوع نہیں لی جاسکتی، اگر اس کو ابتداء اور انتہاء بیع تسلیم کرتے ہیں تو یہ اس کی موت کی وجہ سے باطل نہ ہوگا، جیسے کہ اشیاء کی فروختگی اور سلم میں ہوا کرتا ہے، امام محمد رحمہ اللہ فرماتے ہیں: اگر صنعت کار اس کو بنالیتا ہے تو صنعت خواہ کو اختیار ہوگا، چونکہ اس نے بغیر دیکھی ہوئی چیز خریدی ہے، اگر ابتداء وانتہاء اجارہ قرار دیتے ہیں، تو اس کو خیارِ رؤیت حاصل نہیں ہوسکتا، جیسا کہ ٹیلر اور رنگ ریز کے سلسلہ میں وارد ہوا ہے، اگر اس کو سپردگی کے وقت بیع

(۱) فتح القدير: ٦/ ٦٤٢

تسلیم کرتے ہیں، اس سے گھنٹہ پہلے نہیں، تو اس کو خیار رؤیت حاصل نہیں ہوگا، اس لئے کہ وہ دیکھی ہوئی چیز کو خریدنے والا ہوا، تو اس سے یہ پتہ چلا کہ یہ ابتداء اجارہ ہوتا ہے، گرچہ قیاس اس کا منکر ہے، چونکہ یہ اجرت پر لینے والے کی ملکیت میں عمل پر اجارہ ہے، پھر یہاں انتہاء سپردگی سے ایک گھنٹہ پہلے بیع ہوگی، گرچہ کہ قیاس اجارہ کے بیع ہونے کا منکر ہے، لیکن ہم نے قیاس کو اس عقدِ استصناع کے معاملہ میں بالکل ترک کردیا ہے، اب یہاں یہ تسلیم کرنا پڑے کہ صنعت خواہ صنعت کار سے کام اور شی دونوں کا مطالبہ کررہا ہے، لہٰذا دونوں کا اعتبار ہوگا، اور ایک ہی دفعہ میں دونوں کا تسلیم کرنا بھی مشکل ہے، چونکہ اجارہ اور بیع کے درمیان منافات ہے، اس لئے ہم نے اس کو ابتداء اجارہ قرار دیا ہے، چونکہ معقود علیہ (عقد کردہ چیز) کا نہ ہونا یہ انعقاد اجارہ کے لئے مانع نہیں ہوتا، البتہ بیع کے منعقد ہونے کے لئے مانع ہوتا ہے، ہم نے اس کو ابتداء اجارہ شمار کیا، اور سپردگی سے ایک گھنٹہ پہلے ہم نے اس کو بیع تسلیم کیا ہے، تاکہ معاملہ کو سہل کیا جاسکے۔(۱)

کیا استصناع عقد لازم ہے؟

مشہور فقہاء احناف کے یہاں یہی ہے کہ عقدِ استصناع عقدِ غیر لازم ہے، یعنی ان میں سے ہر شخص کو انفرادی طور پر عقد کو فسخ کرنے کا اختیار ہوگا، جیسے شرکت اور مضاربت کو فسخ کرنے کا اختیار ہوتا ہے، لیکن اگر صانع مصنوع شیء کو انہیں اوصاف کے حامل بنا کر لاتا ہے تو اس کو اس مصنوع چیز کو قبول کرنا ضروری ہے؟۔

اس بارے میں اختلاف ہے، امام ابوحنیفہ ومحمد رحمہا فرماتے ہیں: مشتری کو خیار رؤیت ہوگا، اس کو اس چیز کو واپس کرنے کا اختیار ہوگا، چونکہ اس نے بغیر دیکھی ہوئی چیز کو خریدا ہے، صنعت کنندہ کو ظاہر روایت کے اعتبار سے کوئی اختیار حاصل نہ ہوگا، امام ابویوسف رحمہ اللہ فرماتے ہیں: کسی کو بھی اختیار نہیں ہوگا اگر صنعت کنندہ اس مصنوعہ چیز کو مشروط اوصاف کے مطابق لے کر آتا ہے۔

---

(۱) المحیط البرھانی: ۱۰/ ۳۶۴، ۳۶۵

کاسانی رحمہ اللہ کہتے ہیں:

”وجه قول ابی یوسف أن الصانع قد أفسد متاعه وقطع جلده وجاء بالعمل على الصفة المشروطة ، فلو كان للمستصنع الامتناع من أخذه لكان فيه إضرار البائع، بخلاف ما إذا قطع الجلد ولم يعمل، فقال المستصنع، لا أريد، لأنا لا ندرى أن العمل يقع علي صفة المشروطة أولا، فلم يكن الامتناع منه إضرارا بصاحبه، فثبت الخيار“۔

اصل تو احناف کا مسلک یہی ہے کہ عقدِ استصناع عقدِ غیر لازم ہے، لیکن بعض احناف علماء متاخرین نے جانبین پر عقدِ استصناع کے لازم ہونے کا قول اختیار کیا ہے، اسی کے حکم کے مطابق تمرتاشی، حصکفی رحمہما اللہ کا تنویر الابصار اور درمختار میں قول منقول ہے ان دونوں نے کہا ہے:

”صح الاستصناع بيعا، لا عدة، على الصحيح، ثم فرّع عليه بقوله: فيجبر الصانع على عمله، ولا يرجع الأمر عنه“

استصناع بطورِ بیع کے صحیح ہے، یہ صحیح قول کے مطابق وعدہ نہیں، پھر اس کی تفریع یوں کی ہے، صانع کو اس عمل پر مجبور کیا جائے گا، وہ اس کام کی انجام دہی سے مکر نہیں سکتا ہے۔

لیکن علامہ شامی رحمہ اللہ نے اس کو سلم کی طرح عقدِ لازم قرار دیا ہے، پھر کہا ہے کہ اس کو عقدِ سلم کہنا مشکل ہے، لیکن ہدایہ ہی میں اس بات کی صراحت موجود ہے کہ مستصنع صنعت خواہ کو اس چیز کے دیکھنے کے بعد کوئی اختیار حاصل نہیں ہوگا۔

”وأوّله بأنه إذا صار الاستصناع سلما بتحديد الأجل

بشهر أو أكثر، فليزم على الطرفين، لأن السلم عقد لازم، ولكن حمل العبارة المذكورة على كونه سلما بعيدجداً ثم ذكر لهذا القول وجها آخر، وهو أنه قد صرح فى الهداية أنه لا خيار للصانع بعد ما رآه المستصنع ،فالظاهر أن هذا منشأتوهم المصنف وغيره" (۱)

لیکن مجلہ عدل کے ترتیب دینے والوں نے اس عقدِ استصناع کو عقدِ لازم قرار دیا ہے، اور فرمایا ہے کہ:

وعند الإمام الأعظم أن المستصنع له الرجوع بعد عقد الاستصناع، وعند الإمام أبى يوسف رحمه الله أنه إذا وجد المصنوع موافقا للصفات التى بيّنت وقت العقد، فليس له الرجوع ، والحال انه فى هذا الزمان قد اتخذت معامل كثرة تصنع فيها المدافع والبواخر، ونحوها بالمقاولة، وبذلك صار الاستصناع من الأمور الجارية العظيمة، فتخيير المستصنع فى إمضاء العقد أو فسخه يترتب عليه الإخلال بمصالح جسيمة، وحيث إن الاستصناع مستند إلى التعارف، ومقيس على السلم الشرعى على خلاف القياس، بناء علي عرف الناس ، لزم اختيار قول أبى يوسف رحمه الله تعالى فى هذا مراعاةلمصلحلة الوقت" (۲)

اور مجلۃ العدل میں یہ بھی مذکور ہے ہر چیز میں عقدِ استصناع کا رواج ہے اس میں

---

(۱) راجع الدر المختار مع ردالمحتار: ۱۵/ ۴۰۷

(۲) مجلة الأحكام العدلية: ۱۴

عقدِ استصناع درست ہے، اس کے مادة ۳۸۹ کے تحت میں مذکور ہے:

"کل شیء تعومل استصناعه، يصح فيه الاستصناع على الإطلاق، وأيًا ما لم يتعامل باستصناعه إذا بين فيه المدة صار سلما، وتعتبر فيه شرائط السلم، وإذا لم يبين فيه المدة، كان من قبيل الاستصناع أيضا"

تو اس سے یہ بھی پتہ چلا کہ لوگوں میں جن چیزوں کے استصناع کا عرف عام ہے، اس میں اگر مدت مذکور نہیں ہوتی ہے تو وہ بھی عقدِ استصناع ہے۔(۱)

البتہ استصناع کے لئے چند شرائط کا پایا جانا ضروری ہے:

۱- وہ چیز قابل صنعت ہو۔

۲- اس کے اوصاف بیان کر کے اس کی تعیین کی جاسکتی ہو۔

۳- مٹریل کاریگر کی طرف سے ہو۔

۴- اس میں استصناع کا عرف ورواج ہو۔

۵- عقد کے وقت اس چیز کی جنس، نوع اور صفت کو اس طرح واضح کر دیا جائے کہ کوئی ابہام نہ رہے۔

۶- شئ مصنوع (تیار کی جانے والی چیز) کی تیاری کے لئے جو وقت لازمی ہو اس کو متعین کر دیا جائے، جس کا مقصد جلد از جلد شیء مصنوع کو فراہم کرنا ہو، کاریگر کا مہلت حاصل کرنے کی رقم سے نفع اٹھانا مقصود نہ ہو، یہ اگر چہ صاحبین کا قول ہے لیکن "مجلة الأحكام العدلية" نے نزاع کے باب کو بند کرنے کے لئے اسے ہی اختیار کیا ہے۔(۲)

---

(۱) فقه البيوع: ۵۸۵-۵۹۶، دار المعارف دیوبند

(۲) دیکھئے: سرخسی، المبسوط: ۱۵/۱۷، کاسانی، بدائع الصنائع: ۵/۳، مجلة الأحكام: ۷۶

استصناع اور سلم میں فرق

استصناع کی یہ نوعیت مدِنظر رکھتے ہوئے استنصاع اور سلم میں کئی فرق ہیں جو یہاں مختصراً بیان کئے جارہے ہیں:

۱) استصناع ہمیشہ ایسی چیز پر ہوتا ہے جسے تیار کرنے کی ضرورت ہو، جب کہ سلم ہر چیز کی ہوسکتی ہے خواہ اسے تیار کرنے کی ضرورت ہو یا نہ ہو۔

۲) سلم میں یہ ضروری ہے کہ قیمت مکمل طور پر پیشگی ادا کی جائے جب کہ استصناع میں یہ ضروری نہیں ہے۔

۳) سلم کا عقد جب یہ ایک مرتبہ ہوجائے تو اسے یک طرفہ طور پر منسوخ نہیں کیا جاسکتا جب کہ عقدِ استصناع کو سامان کی تیاری شروع ہونے سے پہلے منسوخ کیا جاسکتا ہے۔

۴) سپردگی کا وقت سلم میں بیع کا ضروری حصہ ہے جب کہ استصناع میں سپردگی کا وقت مقرر کرنا ضروری نہیں ہے۔

استصناع اور اجارہ میں فرق

یہ بات ذہن میں رہنی چاہئے کہ استنصاع میں تیارکنندہ خود اپنے خام مال سے چیز تیار کرنے کی ذمہ داری قبول کرتا ہے، لہٰذا یہ معاہدہ اس بات کو بھی شامل ہوتا ہے کہ اگر خام مواد تیارکنندہ کے پاس موجود نہیں ہے، تو وہ اسے مہیا کرے اور اس بات کو بھی کہ مطلوبہ چیز کی تیاری کے لئے کام کرے، اگر خام مواد گاہک کی طرف سے مہیا کیا گیا ہے اور تیارکنندہ سے صرف اس کی محنت اور مہارت مطلوب ہے تو یہ معاہدہ استصناع نہیں ہوگا، بلکہ اس صورت میں یہ اجارہ کا عقد ہوگا، جس کے ذریعہ کسی شخص کی خدمات ایک متعین معاوضہ کے بدلے میں حاصل کی جاسکتی ہے۔

جب مطلوبہ چیز کو بائع تیار کرلے تو اسے خریدار کے سامنے پیش کرے، فقہاء کے اس بارے میں مختلف نقطہ ہائے نظر ہیں کہ اس مرحلہ پر خریدار یہ چیز مسترد کرسکتا ہے

یا نہیں، امام ابو حنیفہ کا مذہب یہ ہے کہ خریدار وہ چیز دیکھنے پر اپنا خیارِ رؤیت استعمال کرسکتا ہے، اس لئے استصناع ایک بیع ہے اور جب کوئی شخص کوئی ایسی چیز خریدتا ہے جو اس نے دیکھی نہیں ہے تو دیکھنے کے بعد اسے سودا منسوخ کرنے کا اختیار ہوتا ہے، استصناع پر بھی یہی اصول لاگو ہوگا۔

لیکن امام ابو یوسفؒ فرماتے ہیں کہ اگر وہ (فراہم کردہ) فریقین کے درمیان عقد کے وقت طے شدہ اوصاف کے مطابق ہے تو خریدار اسے قبول کرنے کا پابند ہوگا اور وہ خیارِ رؤیت استعمال نہیں کرسکے گا، خلافتِ عثمانیہ میں فقہاء نے اسی نقطہ نظر کو ترجیح دی تھی اور حنفی قانون اسی کے مطابق مدون کیا گیا تھا، اس لئے کہ جدید صنعت وتجارت میں یہ بڑی نقصان کی بات ہوگی کہ تیار کنندہ نے اپنے تمام وسائل مطلوبہ چیز کی تیاری پر لگادیئے اس کے بعد خریدار کوئی وجہ بتائے بغیر سودا منسوخ کردے، اگرچہ فراہم کردہ چیز مطلوبہ اوصاف کے مکمل طور پر مطابق ہو۔(۱)

جن مسائل میں "مجلة الأحكام العدلية" نامی مجلس نے تیرہویں صدی میں جس میں علامہ شامی اور دیگر فقہاء شامل تھے انہوں نے خلافت عثمانیہ میں جن مسائل کے اندر مجلہ کی مجلس میں معروف قول کو چھوڑ کر ایک ایسے قول کو اختیار کیا جو معروف نہیں تھا ان مسائل میں ایک مسئلہ استصناع کا بھی ہے کہ انہوں نے امام ابو حنیفہ ؒ کے قول کے بجائے امام ابو یوسف ؒ کے قول کو اپنایا ہے

اور یہ وجہ بیان کی کہ پہلے زمانہ میں استصناع ہوتا تھا چھوٹے پیمانہ پر کسی نے منبر بنوالیا، کسی نے الماری بنوالی اور کسی نے فرنیچر بنوالیا اور اب جو استصناع ہو رہا ہے یہ بہت بڑے بڑے منصوبوں کا ہوتا ہے، کوئی مل لگاتا ہے تو اس کے لئے مشنیری کا پلانٹ لگاتا ہے اور یہ مشنیری کا پلانٹ کروڑوں روپیئے کا بنتا ہے، اب اگر کسی نے دوسرے کو آرڈر دے دیا کہ آپ میرے لئے چینی کا پلانٹ لگادو اور یہ استصناع ہوا، اب جس کو

(۱) دیکھئے: مجلہ دفعہ نمبر ۱۲۹۳ اور مقدمہ

آرڈر دیا ہوا تھا اس نے ہزاروں لاکھوں بلکہ لاکھوں سے بھی زیادہ پیسے خرچ کئے یا باہر سے چیزیں منگوائیں اور پلانٹ لگایا، پلانٹ لگانا کوئی آسان کام نہیں، اس نے جان جوکھوں میں ڈال کر پلانٹ تیار کیا جو کروڑوں روپیئے کا تھا، اور آپ کہتے ہیں کہ اب مشتری کو خیارِ رؤیت ملے گا اور مشتری نے آکر کہہ دیا کہ بھائی مجھے تو نہیں چاہئے تو کسی کی جان گئی، اس نے اپنی ساری پونجی اس پر صرف کردی اور اپنی جان لگادی، اور آپ نے وجہ بتائے بغیر جب کہ وہ تمام مواصفات کے مطابق تھا کہہ دیا کہ مجھے نہیں چاہئے تو یہ اتنا زبردست نقصان ہے جس کی وجہ سے صانع کا دیوالیہ ہوسکتا ہے۔

لہٰذا ان حضرات نے فرمایا کہ اس دور میں اس کے سوا کوئی چارہ نہیں کہ امام ابو یوسف رحمہ اللہ کے قول کو اختیار کر کے اسی پر فتوی دیا جائے کہ یہ عقدِ لازم ہے۔

اگرچہ ائمہ ثلاثہ، امام مالک، امام شافعی اور احمد بن حنبل ﷭ عقد استصناع کے جواز ہی کے قائل نہیں تھے، یعنی وہ اس کو عقد مانتے ہی نہیں تھے، امام ابو حنیفہ ﷫ مانتے تھے؛ لیکن خیارِ رؤیت کے قائل تھے، اب ضرورت ایسی شدید اختیار کرگئی اب مالکیہ، شافعیہ اور حنابلہ بھی نہ صرف حنیفہ کے قول پر بلکہ امام ابو یوسف ﷫ کے قول پر فتوی دینے پر مجبور ہیں، اور وہ حضرات بھی کہتے ہیں کہ ہاں، اس کے بغیر کوئی چارہ کار نہیں، ورنہ کوئی آدمی صنعت کا کام کرے گا ہی نہیں۔

اس لئے استصناع میں قواعدِ عام قواعد بیع سے ہٹا ہوا ہے اس کی چند وجوہ ہیں:

۱) اولاً اس حیثیت سے کہ یہ بظاہر بیع معدوم ہے؛ لیکن اس کو جائز قرار دیا گیا ہے۔

۲) دوسرے اس حیثیت سے کہ اس میں خیار رؤیت حاصل نہیں؛ بلکہ اصل اعتبار ان مواصفات کا ہے جو طے کئے گئے تھے کہ ان مواصفات کے مطابق چیز بنی ہے یا نہیں، بنی اگر اس کے مطابق ہے تو مشتری لینے پر مجبور ہے۔

۳) اور اس حیثیت سے کہ عقد استصناع میں تاجر پیشہ لوگوں کے لئے بڑی سہولت ہے، اسی وجہ سے اس عقد کو آج کل جو اسلامی بینک ہیں وہ بطور آلہ تمویل کے

استعمال کررہے ہیں۔

اور اس میں سلم سے زیادہ سہولت ہے؛ کیوں کہ سلم میں بہت سے شرائط ایسی ہیں کہ بسا اوقات عقد میں نہیں پائی جاتی، مثلاً ایک بہت اہم شرط جو متفق علیہ ہے کہ رب السلم کے ذمہ لازم ہے وہ عقد کے وقت پوری پوری قیمت ادا کردے، مبیع تو بعد میں ملے گی لیکن قیمت آج ادا کرنی ہے، تو سلم کے صحت کی بڑی شرائط میں یہ ہے کہ پوری پوری رقم ابھی ادا کردے، یہ نہیں کہہ سکتا کہ پیسے بعد میں دوں گا، یا کچھ پیسے بعد میں دوں گا، بلکہ پوری رقم ادا کرنی ہوگی اور دوسری شرائط تو الگ رہیں، لیکن استصناع میں اس قسم کی کوئی شرط نہیں ہے؛ کیوں کہ اس میں یہ ضروری نہیں کہ جس وقت فرمائش کرنے والے نے فرمائش کی ہے اس وقت پوری قیمت ادا کردے، بلکہ بعد میں بھی دے سکتا ہے، وصولیابی سے پہلے بھی دے سکتا ہے اور آج کل جتنے ٹھیکداری کے معاملات ہو رہے ہیں سب عقدِ استصناع ہیں۔(۱)

تاخیر کا معاوضہ

جیسا کہ پہلے اشارہ کیا گیا ہے کہ استصناع میں یہ ضروری نہیں ہے کہ سامان کی فراہمی کا وقت متعین کیا جائے، تاہم خریدار سامان کی فراہمی کے لئے زیادہ سے زیادہ مدت مقرر کرسکتا ہے، جس کا مطلب یہ ہوگا کہ اگر تیار کنندہ فراہمی میں متعین وقت سے تاخیر کردے تو خریدار اسے قبول کرنے اور قیمت ادا کرنے کا پابند نہیں ہوگا۔(۲)

یہ بات یقینی بنانے کے لئے کہ سامان مطلوبہ مدت میں فراہم کردیا جائے گا، اس طرح کے بعض جدید معاہدے ایک تعزیری شق پر مشتمل ہوتے ہیں، جس کے نتیجہ میں اگر تیار کنندہ فراہمی میں متعین وقت سے تاخیر کردے تو اس پر جرمانہ عائد ہوگا جس کا

---

(۱) انعام الباری دروس بخاری:، مفتی تقی عثمانی صاحب:۶/ ۱۸۵-۱۸۶، مکتبة الحراء، کراچی، فقه البیوع:۵۸۵-۵۹۶، دار المعارف دیوبند

(۲) ابن عابدین رد المحتار:۵/ ۲۲۵، وإن للاستعجال کان تفرغه غدا کان صحیحا

حساب یومیہ بنیاد پر کیا جائے گا، کیا شرعاً بھی اس طرح کی کوئی تعزیری شق شامل کی جاسکتی ہے، یا نہیں، اگرچہ فقہاء استصناع پر بحث کے دوران اس سوال پر خاموش نظر آتے ہیں ؛ لیکن انہوں نے اس طرح کی شرط کو اجارے میں جائز قرار دیا ہے، فقہاء فرماتے ہیں کہ اگر کوئی شخص اپنے کپڑوں کی سلائی کے لئے کسی خیاط کی خدمات حاصل کرتا ہے تو فراہمی کے حساب سے اجرت مختلف ہوسکتی ہے، مستأجر (جو کپڑے سلوانا چاہتا ہے) یہ کہہ سکتا ہے کہ اگر خیاط ایک دن میں یہ کپڑے تیار کردے تو وہ سو روپیئے اجرت دے گا، اور اگر وہ دو دن میں تیار کرتا ہے تو وہ اسی (۸۰) روپئے دے گا۔(۱)

اسی لئے فقہ اکیڈمی انڈیا کا اس حوالہ سے یہ فیصلہ ہے:

یہ بات درست ہے کہ عقد کے وقت ہی یہ شرائط لگائے کہ اگر بلڈر مقررہ وقت پر مکان تیار نہیں کرے گا تو خریدار کو خسارہ سے بچانے کے لئے حقیقی نقصان کے بقدر قیمت میں کمی کردے گا، کسی معقول عذر کے بغیر بلڈر تاخیر سے ہونے والے نقصان سے سرمایہ کاروں کو بچانے کی شکل یہ ہے کہ روزانہ کے حساب سے قیمت میں متعینہ رقم کے وضع کرنے پر عقد کے وقت ہی اتفاق کرلیا جائے۔

اگر واقعی عذر ہو تو بلڈر سے کوئی تاوان نہ لے، اگر کبھی وہ بددیانتی کی وجہ سے جس میں وہ طویل مدت کے لئے خریدار کی رقم سے استفادہ کا متمنی ہوتا ہے، جس میں وہ بعد میں کہتا ہے کہ وہ مکان تیار کر کے فراہم نہیں کرسکتا، جس کی وجہ سے خریدار کو نقصان ہوجاتا ہے، اس صورتحال سے بچانے کے لئے درج ذیل تدابیر اختیار کی جاسکتی ہیں:

۱۔شرطِ جزائی (تاخیر کے بدلے کی شرط)

یعنی عقدِ استصناع میں یہ شرط عائد کردی جائے کہ اگر بلڈر مقررہ وقت پر مکان تیار کر کے فراہم نہ کرسکا تو ہر دن کی تاخیر پر بلڈر اتنی اتنی رقم خریدار کو ادا کرے گا، بشرطیکہ حوالگی میں تاخیر غیر اختیاری حالات کی وجہ سے نہ ہوئی ہو، عصر حاضر میں وقت

---

(۱) ابن عابدین، ردالمحتار: ۳۱۱/۵

بہت ہی قیمتی ہوگیا ہے، بلڈر کی جانب سے وقت پر مکان کی حوالگی نہ ہونے کے سبب خریدار کو سخت مالی نقصان ہوتا ہے، شیخ الزرقاء شرط جزائی کی ضروت واہمیت کو ذکر کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

''اقتصادی سرگرمی میں وقت کی قیمت بہت زیادہ بڑھ گئی ہے اورمتعاقدین میں سے کسی ایک کے شرط کے مطابق اپنے وقت مقررہ پر فرائض کے نفاذ کو مؤخر کرنے یا ان سے رک جانے سے دوسرے فریق کو پہلے زمانے کی بہ نسبت آج زیادہ نقصان ہوتا ہے، اگر صانع وقت مقررہ پر کام انجام دینے میں تاخیر کردے تو آرڈر دینے والے کو نقصان برداشت کرنا پڑتا ہے، اور کبھی کبھی زبردست نقصان ہوجاتا ہے اوراس نقصان کا عوض یہ نہیں ہوسکتا کہ صانع کے خلاف فیصلہ کیا جائے کہ وہ اپنی اصلی ذمہ داری پوری کرے، اس لئے کہ یہ فیصلہ صاحب حق کے لئے اصل حق کا ضامن ہوتا ہے، اور اس میں تعطل اور نقصان کے ضرر کی تلافی نہیں ہوتی۔۔۔۔۔۔اس چیز نے لوگوں کی حاجت کو دو چند کردیا ہے، اس بات کے لئے کہ وہ اپنے معاملات میں اس فریق کے خلاف مالی ضمانت طے کریں جو اپنے وقت پر اپنی ذمہ داری کے نفاذ سے پیچھے ہٹ جائے، اس طرح کی شرائط کو فقہ اجنبی کی اصطلاح میں شرط جزائی کہتے ہیں''(۱)

شرط جزائی کی بنیاد اس اصول پر ہے کہ انسان اگر کوئی چیز اپنے اوپر لازم کرلے تو وہ چیز اس پر لازم ہوجاتی ہے، بعض نصوص میں اس جانب اشارہ کیا گیا ہے، اللہ تعالیٰ کا ارشاد گرامی ہے: **يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا أَوْفُوا بِالْعُقُودِ**(۲) (اے ایمان والو! معاہدوں کو پورا کرو)۔

---

(۱) فقہ المعاملات:۱/ ۲۹۳ (۲) المائدۃ:۲

تنظیم اسلامی کانفرس ماتحت بین الاقوامی فقہ اکیڈمی نے جدہ میں ہونے والی اپنی ساتویں کانفرس میں شرط جزائی کے متعلق درج ذیل تجویز منظور کی تھی:

"يجوز أن يتضمن عقد الاستصناع شرطا جزائيا بمقتضى ما اتفق فيه العاقدان ما لم تكن هناك ظروف قاهرة"(۱)

یہ بات جائز ہے کہ عاقدین کا جس بات پر اتفاق ہوگیا ہواس کے تقاضا کے مطابق عقد استصناع میں شرط جزائی شامل ہوجائے جب تک کہ وہاں غیراختیاری حالات نہ ہوجائیں۔

لہٰذا اگر بلڈر بد دیانتی کی وجہ سے مکان خریدار کے حوالہ کرنے کے بجائے کسی دوسرے شخص کوفروخت کرنا چاہے تو باہمی معاہدہ کے تحت طے شدہ شرط کے ذریعہ اس سے دی ہوئی رقم سے زیادہ رقم وصول کی جاسکتی ہے، اسی طرح اگر قانونی روکاوٹ کی وجہ سے کافی عرصہ خریدار کی رقم سے استفادہ کے بعد فلیٹ کی حوالگی سے معذرت کرے تو حقیقی نقصان کے بقدر رقم بلڈر سے وصول کرسکتا ہے۔

۲۔صلح

بلڈر خریدار سے رقم حاصل کرنے کے بعد اسے اپنے کاروبار میں صرف کرتا ہے اور سرمایہ کاری کے ذریعہ اس سے نفع حاصل کرتا ہے؛ لہٰذا اگر طویل عرصہ خریدار کی رقم سے استفادہ کے بعد بد دیانتی کرتے ہوئے بلڈر مکان دوسرے شخص کو فروخت کرنا چاہے تو باہم صلح کرتے ہوئے اپنی دی ہوئی رقم سے زائد رقم اس سے لینا جائز ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد گرامی ہے: "وَالصُّلْحُ خَيْرٌ"(۲)(صلح بہتر ہے)۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا کہ مسلمانوں کے

---

(۱) عقد الاستصناع وتطبيقاته المعاصرة للدكتر احمد بلخير: ۲۸

(۲) النساء: ۱۲۸

درمیان ہر صلح جائز ہے، سوائے اس صلح کے جو حرام کو حلال اور حلال کو حرام ٹھہرائے۔

اسی طرح ایک طویل عرصہ تک خریدار کی رقم سے استفادہ کے بعد قانونی دشواری کی بناء پر مکان کی حوالگی سے معذرت کا اظہار کرے تو اس عرصہ میں ہونے والی حقیقی نقصان کے بقدر زائد رقم بلڈر سے لی جاسکتی ہے۔

دور حاضر میں اکثر بلڈر مکان کی تعمیر میں ایک سال، دو سال یا اس سے زائد کی تاخیر کر دیتا ہے جس کی وجہ سے خریدار کو سخت نقصان ہوتا ہے، لہٰذا خریدار کے لئے جائز ہے کہ وہ بلڈر سے معاملہ کرتے وقت مکان کی حوالگی کی مدت متعین کرلے اور یہ بھی طے کرلے کہ اگر بلڈر متعینہ وقت میں تاخیر کرے گا تو ہر دن یا ہفتہ کے عوض ایک مخصوص رقم قیمت میں سے کم ہوجائیگی، کیونکہ ہمارے سماج میں بھی تاخیر پر جرمانہ عائد کرنے کا رواج ہے، عقد استصناع اور عقد اجارہ میں ایک گونہ مشابہت ہے کہ عقد استصناع بیع اور اجارہ دونوں سے مرکب ہے جیسا مذکور ہوا۔

ہدایہ میں ہے:

"لو قال: إن خطته اليوم فبدرهم وإن خطته غدا فنصف درهم ...... وقال ابو يوسف ومحمد: الشرطان جائز ان ففي أيهما خاط استحق فيه (۱)

کسی عذر کی وجہ سے مکان کی فراہمی میں تاخیر

البتہ اگر مکان کی تعمیر میں تاخیر غیر اختیاری حالات کی بناء پر ہوجائے تو اس صورت میں بلڈر سے تعمیر میں تاخیر کی وجہ سے ہونے والے نقصانات کا عوض حاصل کرنا جائز نہ ہوگا، مثلاً جنگ شروع ہوجانے کی وجہ سے بلڈر خام مال درآمد نہیں کرسکا یا کارخانہ میں آگ لگ جانے کی وجہ سے وہاں کے سارے اسباب جل کر ختم ہوجائیں تو

(۱) ہدایہ والعنایة على فتح القدير: ۹/ ۳۳، ۱۳۲، باب الاجارة على أحد الشرطين، اسلام اور جدید معاشی مسائل: ۵/ ۱۵٦، فتاوی قاسمیہ: کتاب البیوع، باب الاستصناع: ۱۹/ ٦۵۵

ایسے ہنگامی حالات کے سبب تعمیر میں ہونے والی تاخیر کا عوض حاصل کرنا جائز نہیں۔

چنانچہ علماء لکھتے ہیں:

''اگر عقد استصناع کے انعقاد کے بعد ایسے ہنگامی حالات طاری ہوجائیں جو اس کے نفاذ میں حائل ہوجائیں تو عقد استصناع کے لزوم کے قول پر بھی یہ اعذار قابل قبول ہوں گے مثلاً جنگ شروع ہوجائے جو صانع کو وہ خام مال درآمد کرنے سے روک دے جو ملک میں نہیں پائے جاتے اور جیسے یہ کہ کارخانہ میں آگ لگ جائے اور وہ اس میں کی ہر چیز کو جلا کر خاکستر کردے تو اس جیسے ہنگامی حالات دوسرے کی وجہ سے پیدا ہوئے ہوں یا وہ آسمانی ہوں وہ صانع کو عذر فراہم کردیتے ہیں اور آرڈر دینے والے کو انتظار یا معاملہ فسخ کرنے کا اختیار عطا کردیتے ہیں، ایسا اس لئے ہوتا ہے کہ یہ شریعت اپنی تشریعی ذمہ داریاں قدرت اور استطاعت کی بنیاد پر عائد کرتی ہے ''اللہ تعالی کسی نفس کو اس کی طاقت سے زیادہ کا مکلف نہیں بناتا''(۱)

وقت مقررہ پر مکان کی عدم تعمیر پر کرایہ کا حکم

فقہ اکیڈمی انڈیا کا فیصلہ ہے کہ مطلوبہ اوصاف کے ساتھ مکان تیار نہ ہونے کی حالت میں بلڈر کا کرایہ پر لینا درست نہیں ہے؛ البتہ حقیقی خسارہ کے بقدر مالی معاوضہ کی شرط عقد کے وقت ہی لگانا درست ہے۔

دراصل یہاں پر خسارہ کے بقدر مالی معاوضہ کا لینا یہ بروقت اپنے فرض کی ادائیگی نہ کرسکنے کی وجہ سے اپنے اوپر مالی تاوان کو لازم کرنے کے باب سے ہے اور اس سلسلہ میں ضابطہ یہ ہے کہ ہر وہ عقد جس کے اندر اصلی التزام دین نہ ہو تو اس میں تاوان کی شرط

(۱) بحوث العلماء العرب المقدمة للندة الفقهية الثالثة والعشرون:۳۶

صحیح ہے اور چونکہ اس صورت میں بلڈر کی ذمہ داری ہے اس لئے فرض کی ادائیگی میں کوتاہی کی وجہ سے اس کا اپنے اوپر مالی تاوان عائد کرنا درست ہے، حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: "**المسلمُونَ عِنْدَ شرُوطِهِمْ مَاوَافقَ الحقَّ**"(۱)

موافق حق شرطوں کے مسلمان پابند ہیں

اور کوئی شخص بھی اپنے اوپر ایسے مالی تاوان کو لازم کرسکتا ہے جو اس پر لازم نہ ہو؛

لہٰذا:

الف: ابھی مکان کی تعمیر شروع ہی نہیں ہوئی ہو۔

ب: مکان کی تعمیر ناقص ہوئی، ابھی قابل رہائش نہ ہوا ہو۔

ج: مکان کی تعمیر ایک حد تک مکمل ہوگئی ہو لیکن جو تفصیلات طے پائی تھیں، ان کے مطابق نہیں بن سکا ہو، ان تمام صورتوں میں بہ طور تاوان فروخت کردہ مکان کا مروجہ کرایہ بلڈر کا دینا اور خریدار کا لینا صحیح ہے، جو بطور تاوان کے ہے، جب کہ اس کی واقعی کوتاہی سے مکان تیار نہ ہوا ہو۔

بہر حال ان تینوں صورتوں میں حقیقی اجارہ نہیں ہے، بلکہ مالی تاوان کے باب سے ہے، اگر عقد کے وقت ہی اس کی شرط لگائی گئی تھی تو بلڈر اس کا پابند ہوگا، جیسا کہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی روایت گذری۔

اگر اس کی واقعی کوتاہی سے مکان تیار نہ ہوسکا ہو تو تینوں صورتوں میں بطور تاوان فروخت کردہ مکان کا بہ قدر نقصان کرایہ بلڈر کا دینا اور خریدار کا لینا صحیح ہے، کیوں کہ ہر آدمی کو اختیار ہے کہ اپنے اوپر ایسے مالی تاوان کو لازم کرلے جو اس پر لازم نہ ہو۔

البتہ یہ ضروری ہے کہ کرایہ کی مقدار حقیقی خسارہ کے بقدر ہو، کیوں کہ یہ حقیقی اجارہ نہیں ہے کہ اس میں دیکھا جائے کہ "شیءِ مستاجر" یعنی کرایہ پر لی ہوئی چیز اس جگہ

---

(۱) حاکم، المستدرك، حدیث نمبر: ۲۳۱۰، سنن دارقطنی، حدیث: ۲۸۹۳

مکان میں ہےاور کرایہ دار کوحوالہ کیا گیا کہ نہیں؟؛ عاقدین راضی ہے کہ نہیں؟ اور معقود علیہ یعنی منفعت معلوم ومتعین ہے کہ نہیں اور محل منفعت کی تحدید کی گئی ہے یا نہیں اور اس بات کو بیان کیا گیا ہے کہ نہیں کہ مکان کتنی مدت کے لئے کرایہ پر دیا جارہا ہےاور منفعت ایسی ہے کہ نہیں کہ لوگوں کے درمیان اس کی تحصیل کا رواج ہواور اگر وہ شئ منقول ہے تو کرایہ پر دینے والے کے قبضہ میں ہے یا نہیں؟ اجرت معلوم ومتعین ہے کہ نہیں اور اجرت جنس معقود علیہ سے تو نہیں اور ایجاب وقبول میں کوئی نامناسب شرط تو نہیں اور کرایہ پر لی ہوئی چیز میں مانع انتفاع کوئی عیب تو نہیں؟ اور کرایہ پر لی ہوئی چیز کرایہ دار کے لئے قابل دید ہے کہ نہیں ہے بلکہ یہ بروقت اپنے فرض کی ادائیگی نہ کرسکنے کی وجہ سے اپنے اوپر مالی تاوان کو لازم کرنے کے باب سے ہےاور اس سلسلہ میں ضابطہ یہ ہے کہ ہر وہ عقد جس کے اندر اصلی التزام دین نہ ہوتو اس میں تاوان کی شرط صحیح ہے۔(۱)

استصناع کی دوصورتیں

استصناع اور ٹھکیداری کی دوصورتیں ہیں:

ایک ٹھکیداری یہ ہوتی ہے کہ ٹھکیدار صرف کام اپنے ذمہ لیتا ہے؛ لیکن میٹیریل یعنی سامان اس کی طرف سے نہیں ہوتا مثلاً کسی ٹھکیدار سے کہا کہ تم یہ عمارت بنادو، اس میں معاہدہ کا ایک طریقہ یہ ہوتا ہے کہ ٹھکیدار کہتا ہے کہ میں بنادوں گا، گرچہ سامان سارا آپ کو دینا ہوگا، سیمنٹ خریدنا ہوتو آپ خرید لائیں، لکڑی خریدنی ہے تو آپ خرید لائیں گے، لوہا خریدنا ہے تو آپ خرید کے لائیں یا مجھے پیسے دیں تو میں خود خرید کے لاؤں۔

دوسری ٹھکیداری یہ ہے کہ عام چیزوں کی فراہمی ٹھکیدار کے ذمہ ہو مثلاً مستصنع کہے کہ یہ نقشہ ہے، یہ پیمائش ہے، اس قسم کا میٹیریل چاہئے اور یہ تیار شدہ شکل میں آپ ہمیں بناکے دیں تو یہ استصناع کا عقد ہے۔

اس وقت ساری دنیا میں یہ عقد چل رہا ہے، اب اگر یوں کہا جائے کہ عمارت

(۱) مکانات کی خرید وفروخت سے متعلق نئے مسائل، فقہ اکیڈمی انڈیا

ٹھکیدار بنا کر کھڑی کردے گا تو پھر مشتری کو خیار دیں کہ تم چاہوتو لو، چاہوتو نہ لو اور اس نے کہہ دیا مجھے نہیں چاہئے تو ٹھکیدار کو یہ اتنا زبردست ضرر لاحق ہوگا جس کی کوئی حد وحساب نہیں۔

لہٰذا اب مفتیٰ بہ قول یہی ہے اور اسی پر عمل ہے، اس کے سوا کوئی چارہ نہیں کہ اس استصناع کو عقد لازم قرار دیا جائے اور اس میں خیارِ رؤیت نہ ہو۔(۱)

بینکاری میں استصناع کی ایک جائز صورت

جب یہ بات ہے تو اس وجہ سے میں (مفتی تقی عثمانی صاحب) یہ کہہ رہا ہوں کہ اسلامی بینک اس طریقہ کار کو بھی اختیار کر سکتے ہیں؛ لہٰذا وہ اس طرح کرتے ہیں کہ آج کل جو تمویلی مالیاتی ادارے ہوتے ہیں، ان کے پاس جو لوگ پیسے لینے کے لئے آتے ہیں، ان میں اکثر تعداد ان لوگوں کی ہوتی ہے جو کسی منصوبہ کی تکمیل کے لئے پیسے مانگتے ہیں، مثلاً کسی شخص کو فلیٹ بنانے ہیں، اور اس کے ذہن میں یہ ہے کہ یہ فلیٹ بنا کر کرایہ پر دوں گا مگر اس کے لئے اس کو پیسے چاہئے، اب آج وہ بینک کے پاس جاتا ہے تو اس قسم کے کام کے لئے سود کے طور پر قرض دے دیا جاتا ہے، لہٰذا اگر سود کو ختم کیا جائے، تو کیا کیا جائے؟ کیا طریقہ کار ہو؟

اس میں ایک طریقہ کار استصناع کا ہے وہ شخص جس کو فلیٹ تعمیر کرنا ہے وہ بینک سے عقد استصناع کرے کہ آپ مجھے یہ فلیٹ بنا کر دے دیں، اب بینک خود تو نہیں بنا کر دے سکتا؛ لہٰذا وہ خود کسی دوسرے آدمی سے علاحدہ اپنے طور پر عقد استصناع کر لیتا ہے جیسے میں ایک فلیٹ بنانا چاہتا تھا، میں نے زید سے کہا کہ تو مجھے بنا کر دیدے میرے اور اس کے درمیان ایک عقد استصناع طے پایا گیا، اب زید نے الگ سے یہ استصناع

---

(۱) فقه البیوع: ۵۸۵-۵۹۶، دار المعارف دیوبند) مزید اس سلسلہ کے تفصیل کے لئے رجوع کیجئے: کتاب النوازل: ۱۱/۷۰-۷۶، نیز دیکھئے فتاوی قاسمیہ: کتاب البیوع، باب الاستصناع: ۱۹/۶۲۱

خالد کے سپرد کردیا، میرا اس سے کوئی تعلق نہیں، انہوں نے آپ سے عقد استصناع طے کرلیا کہ تم اسے ایک فلیٹ کا منصوبہ بنا کردو یہ خالد اصل میں ٹھکیدار ہے اور زید کا کام محض ایک مالیاتی ادارے کا ہے، ٹھیکداری نہیں ہے، تو یہ ایسے شخص کے پاس چلا گیا جو واقعی ٹھیکیدار ہے اور اس نے منظوری لے لی اور اس نے کہا کہ میں بنا کے دوں گا، اب ظاہر ہے کہ جب زید سے ٹھکیداری کا معاملہ کرے گا تو ٹھکیدار اس کو کہے گا کہ یہ پورے فلیٹ کا جو منصوبہ ہے، یہ میں آپ کو پانچ کروڑ روپیئے میں تیار کر کے دوں گا، اس میں موافقت ہوگئی، تو زید مجھ سے معاملہ کرے گا، کہے گا کہ میں آپ کو سوا پانچ کروڑ روپیئے میں تیار کر کے دوں گا اور جیسا کہ میں نے عرض کیا، کہ استصناع میں بیع سلم کی طرح پیسے پہلے دینا ضروری نہیں؛ لہٰذا میں نے پیسے پہلے نہیں دیئے اور زید نے پیسے پہلے دے کر وہ بنوالیا اور میں چھ مہینے کے بعد سال کے بعد، دو سال کے بعد جب آپس میں مدت مقرر ہو تو اس وقت اس کو سوا پانچ کروڑ ادا کروں گا، اس طرح بینک کا منافع بھی ہوگیا اور جو منصوبہ کی تمویل تھی وہ بھی شریعت کے مطابق ہوگئی۔

لیکن شرط یہ ہے کہ یہ دونوں عقد جو (میرے اور زید کے درمیان اور زید اور خالد کے درمیان ہوئے) ہیں ان دونوں کے درمیان کوئی ربط نہ ہو، دونوں کے علاقے ایک دوسرے سے ممتاز ہوں یعنی فرض کرو کہ خالد نے تکمیل کر کے نہ دی پھر بھی زید پر لازم ہوگا کہ میرے اور زید کے درمیان جو معاہدہ ہے زید اس کو پورا کرے۔(١)

الاستصناع المتوازی

آج کل کی اصطلاح میں اس کو استصناع المتوازی کہتے ہیں یعنی دونوں متوازی ہیں کہ ایک عقد استصناع ابتداء میں اصل مستصنع اور بینک کے درمیان ہوا اور دوسرا عقد بینک اور اصل صانع کے درمیان ہوا تو اس کو الاستصناع المتوازی کہتے ہیں۔

(١) اسلام اور جدید معاشی مسائل: ٤/ ٦٨- ٧٢، ادارہ اسلامیات، لاہور

جواز کی شرط

اس کے جواز کی شرط یہ ہے کہ دونوں عقد مسلسل منفصل ہوں، ایک دوسرے کے ساتھ مشروط نہ ہوں، ایک دوسرے پر موقوف نہ ہوں، ایک کی ذمہ داریاں دوسرے کی ذمہ داریوں کے ساتھ گڈمڈ نہ کی جائیں، یہ طریقہ جو استعمال کیا جاتا ہے اور جو آج کل فلیٹوں کی بکنگ ہورہی ہے، اخبار میں روز اشتہار آرہے ہیں، کہ ہم ایسا بنگلہ بنا کر دیں گے، ایسا فلیٹ بنا کر دیں گے، پہلے سے بکنگ کے پیسے لیتے ہیں اور پھر رفتہ رفتہ پیسے دیئے جاتے ہیں، اس کی فقہی تخریج استصناع ہے، اگر استصناع کو نہ مانا جائے تو کسی بھی صورت میں اس کے جواز کا کوئی راستہ نہیں؛ کیوں کہ فلیٹ ابھی وجود میں نہیں آیا، بیع اس کو نہیں کہہ سکتے، جب بیع نہیں کہہ سکتے تو جو پیسے لے رہا ہے اس کو ثمن نہیں کہہ سکتے پھر کس چیز کے پیسے لے رہا ہے اور یہ امانت اس لئے نہیں کہ اس کے ذمہ مضمون ہے اور ساتھ میں وہ اس کو خرچ بھی کرتا ہے، اگر کہو کہ قرض ہے امانت نہیں ہے تو قرض کے ساتھ بیع کی شرط لگی ہوئی ہے کہ مستقبل میں بیع کریں گے تو بیع **"البیع المشروط بالقرض"** ہوگئی تو یہ بھی درست نہیں؛ لہٰذا استصناع کے اور کسی قاعدہ پر یہ بیع، یہ محاورہ منطبق نہیں ہوتا۔(۱)

البتہ امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے نزدیک بنا کر حاصل کر کے مطلوبہ اوصاف کے مطابق دی جانے والی چیز کی حوالگی کی متعینہ مدت مہلت کے طور پر ذکر کرنا عقد استصناع میں درست نہیں؛ لیکن صاحبین کے نزدیک درست ہے چنانچہ علامہ کاسانی فرماتے ہیں:

"وجه قولهما أن العادية جارية بضرب الأجل فی الاستصناع، وإنما يقصد به تعجيل العمل لا تأخير المطالبة، فلا يخرج به عن كونه استصناعا" (۲)

---

(۱) اسلام اور جدید معاشی مسائل: ۴/ ۶۸-۷۲، ادارہ اسلامیات، لاہور

(۲) کاسانی: بدائع الصنائع: ۵/ ۳

صاحبین کے قول کی دلیل یہ ہے کہ عرف میں استصناع میں بھی مدت کی تعیین کی جاتی ہے، اور اس سے مقصد کام جلد کرانا ہوتا ہے، مطلوبہ موخر کرنا مقصود نہیں ہوتا، لہٰذا مدت مقرر کرنے میں وہ استصناع ہونے سے باہر نہ ہوگا۔

اور موجودہ دور میں صاحبین کے قول پر ہی فتوی ہے، اور حوالہ کرنے کے وقت کی تعیین لازمی ہونی چاہئے، تاکہ بعد میں کسی کا اختلاف اور جھگڑا نہ ہو اور لوگوں سے حرج ومشقت دور ہو۔

گھر بنانے میں استصناع

استنصاع کو مخصوص معاہدوں میں تمویل (Finance) کی سہولت فراہم کرنے کے لئے استعمال کیا جاسکتا ہے، خاص طور پر ہاؤس بلڈنگ فائنانس کے شعبے ہیں:

اگر کلائنٹ کے پاس اپنی زمین ہے اور وہ گھر کی تعمیر کے لئے تمویل چاہتا ہے تو تمویل کار اس کھلی زمین پر استنصاع کی بنیاد پر گھر تعمیر کردینے کی ذمہ داری قبول کرسکتا ہے اور اگر کلائنٹ کے پاس اپنی زمین نہیں ہے اور وہ زمین بھی خریدنا چاہتا ہے تو بھی تمویل کار یہ ذمہ داری قبول کرسکتا ہے کہ وہ اسے زمین کے ایسے قطعہ پر تعمیر شدہ گھر مہیا کرے گا جس کی تفصیلات پہلے سے طے کی گئی ہوں۔

چونکہ استصناع میں یہ ضروری نہیں کہ قیمت پیشگی ادا کی جائے اور یہ بھی ضروری نہیں کہ مبیع پر قبضہ کے وقت ادا کی جائے (بلکہ قیمت فریقین کے طے شدہ معاہدہ کے مطابق کسی وقت مؤجل ہوسکتی ہے) اس لئے فریقین جس طرح چاہیں قیمت کی ادائیگی کا وقت اس کے مطابق طے کیا جاسکتا ہے، قیمتوں کی ادائیگی قسطوں میں بھی ہوسکتی ہے۔

یہ بھی ضروری نہیں کہ تمویل کار گھر کی خود تعمیر کرے، بلکہ وہ کسی تیسرے فریق کے ساتھ متوازی استصناع کے معاہدے میں داخل ہوسکتا ہے، یا وہ کسی ٹھیکیدار کی خدمات بھی حاصل کرسکتا ہے (جو کلائنٹ کے علاوہ ہو) دونوں صورتوں میں وہ لاگت کا حساب لگا کر استصناع کی قیمت کا تعین اس انداز سے کرسکتا ہے کہ اس سے اسے لاگت پر

معقول منافع حاصل ہوجائے، اس صورت میں کلائنٹ کی طرف سے قسطوں کی ادائیگی عین اس وقت سے بھی شروع ہوسکتی ہے جب فریقین نے معاہدہ پر دستخط کئے ہیں، اور تعمیر کے دوران اور مکان کلائنٹ کے حوالہ کئے جانے کے بعد بھی جاری رہ سکتی ہے، قسطوں کی ادائیگی محفوظ بنانے کے لئے زمین یا مکان یا کسی اور جائیداد کا ملکیت نامہ آخری قسط کی ادائیگی تک تمویل کار کے پاس بطور توثیق کے رکھا جاسکتا ہے۔

تمویل کار کی یہ ذمہ داری ہوگی کہ وہ معاہدے میں طے شدہ بیانات کے بالکل مطابق مکان تعمیر کرے، کسی بھی فریق کی صورت ہر ایسا خرچہ جو اسے معاہدے کی شرائط کے مطابق بنانے کے لئے ضروری ہو، تمویل کار کو برداشت کرنا پڑے گا۔

استصناع کے ذریعے کو منصوبوں کی تمویل (Project financing) کے لئے بھی انہیں خطوط پر استعمال کیا جاسکتا ہے، اگر کوئی کلائنٹ اپنی فیکٹری میں ایئر کنڈیشن پلانٹ لگوانا چاہتا ہے اور پلانٹ تیار کرنے کی ضرورت ہے تو تمویل کار استصناع کے معاہدے کے ذریعے پہلے بیان کردہ طریقِ کار کے مطابق پلانٹ مہیا کرنے کی ذمہ داری قبول کرسکتا ہے، اس طرح استصناع کے معاہدے کو کسی پل یا شاہراہ کی تعمیر کے لئے بھی استعمال کیا جاسکتا ہے۔

جدید (BOT) معاہدات (خریدو، چلاؤ اور منتقل کرو) (Buy,Operate and Transfer) کو بھی استصناع کی بنیادوں پر تشکیل دیا جاسکتا ہے، اگر کوئی حکومت ہائی وے تعمیر کرنا چاہتی ہے تو وہ سڑک بنانے والی کمپنی کے ساتھ استصناع کا عقد کرسکتی ہے، اور قیمت کے طور پر مخصوص مدت تک شاہراہ کو چلانے اور ٹول (toll) حاصل کرنے کا اختیار دیا جاسکتا ہے۔(۱)

عقد استصناع میں بیعانہ ضبط کرنے کا حکم

استصناع کے معاملہ میں پیشگی حاصل کردہ رقم جو بطور بیعانہ لی جاتی ہے، طے شدہ

---

(۱) جدید معاشی مسائل ۵: ۱۵۴-۱۵۷

شرائط کے مطابق مال تیار ہوجانے کے بعد خریدار کے لینے سے انکار کی صورت میں صانع (آڈر لینےوالے) کے لئے وہ رقم شرائط کے مطابق ضبط کر کے اپنے استعمال میں لانا جائز ہے یا نہیں، ویسے تو احناف کے نزدیک بیعانہ ضبط کرنے کی اجازت نہیں، اب حنفی مسلک کے علماء کو عصرِ حاضر کی بین الاقوامی تجارت پر نظر رکھتے ہوئے غور کرنا ہے کہ عقد استصناع کا سارا مدار عرف وعادت اور تعامل ناس پر ہے اور مقامی، ملکی، بین الاقوامی مارکیٹ میں نقصان سے بچنے کے لئے پیشگی رقم لینے اور خریدار کی طرف سے انکار کی صورت میں پیشگی دی ہوئی رقم ضبط کرنے کا تعامل متعارف ہو چکا ہے، تو اس تعامل ناس کے پیش نظر امام احمد بن حنبل وغیرہ کے قول پر عمل کرنا جائز ہوگا، یہی دور حاضر کے مفکر اسلام حضرت مولانا تقی عثمانی مدظلہ کی رائے ہے کہ امام احمد بن حنبل ﷫ وغیرہ کے قول پر عمل کرتے ہوئے پیشگی رقم ضبط کرنے کی گنجائش ہے۔(۱)

عقدِ استصناع میں مکان پر قبضہ سے پہلے فروختگی

مکان کے خریدار کے لئے مکان پر قبضہ حاصل ہونے سے پہلے کسی دوسرے کے ہاتھ فروخت کرنا جائز نہیں ہے۔

اگر چہ استصناع کا اثر یہ ہوتا ہے کہ ذمہ میں ثابت ہونے والی چیز میں بنوانے والی کی ملکیت ثابت ہوجاتی ہے جیسا کہ علامہ کاسانی فرماتے ہیں:

”وأما حكم الاستصناع فهو ثبوت الملك للمستصنع في العين المبيعة في الذمة، وثبوت الملك للصنائع في الثمن ملكاغير تام“(۲)

بہر حال استصناع کا حکم تو فروخت کی جانے والی چیز میں بنوانے والے کی ملکیت کا ثبوت اور ثمن میں کاریگر کی ملکیت کا ثبوت ہے،

---

(۱) مستفاد از راسلام اور جدید معاشی مسائل: ۱۶۱/۴، ۱۶۲، فتاوی قاسمیہ: ۶۴۰/۱۹، باب الاستصناع

(۲) بدائع الصنائع: كتاب الاستصناع: ۳/۵

ایسی ملکیت کے طور پر جو لازم نہیں۔

چنانچہ فقہاء کی ان تمام جزئیات سے واضح ہے کہ خریدار کے لئے جائز نہیں کہ مکان کی تعمیر ہوئے بغیر اور اپنا مکان وصول کئے بغیر آگے کسی اور کو بیچ دے، اسی طرح اس کے لئے یہ بھی جائز نہیں کہ اگر اس نے دسویں منزل پر فلیٹ بک کرایا ہے اور تعمیری کام آٹھویں منزل تک پہنچا ہے تو دسویں منزل کا اپنا فلیٹ فروخت کر دے، کیونکہ جب تک وہ مکان وصول نہ کرے اس کی ملکیت متعین نہیں ہوتی، اور نہ ہی مکان اس کی ضمانت میں آئے گا، لہٰذا ایسی چیز کو بیچنا لازم آئے گا جو خارجی وجود کے اعتبار سے اس کی مملوکہ نہیں ہے، اور نہ ہی موجود ہے، جب کہ حضرت حکیم بن حزام ؓ سے روایت ہے کہ حضور اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا: "لَا تَبِعْ مَا لَيْسَ عِنْدَكَ" (۱)

اسی طرح عقد استصناع میں متعین سامان پر عقد نہیں ہوتا ہے، بلکہ ذمہ میں ثابت ہونے والے مطلوبہ اوصاف کے سامان پر عقد ہوتا ہے، اسی لئے تیار کرانے والا جب تک دیکھ کر اور مطلوبہ صفات کی تحقیق کر کے سامان اختیار نہ کر لے اس سامان میں اس کی ملکیت متعین نہیں ہوتی ہے، لہٰذا جب تک خریدار کا فلیٹ مکمل شکل میں تیار ہو کر متعین نہ ہو جائے، اس وقت تک وہ اس کو فروخت نہیں کر سکتا ہے، خواہ اس کی چہار دیواری کھڑی ہو گئی ہو، علامہ سمرقندی رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

"فإذا رآه المستصنع ــــ قال أبو يوسف: لا خيار له، لأنه مبيع في الذمة" (۲)

اگر تیار کرانے والا سامان کو دیکھ لے... تو امام ابو یوسف رحمہ اللہ کا قول ہے کہ اس کو اختیار حاصل نہیں ہوگا (اگر وہ مطلوبہ اوصاف کے مطابق ہے) اس لئے کہ اسے ذمہ میں ثابت ہو کر فروخت کیا گیا ہے۔

---

(۱) سنن النسائی: حدیث نمبر: ۴۶۱۳

(۲) سمرقندی، تحفۃ الفقہاء: ۲/ ۳۶۳، بیروت، دار الکتب العلمیۃ

نیز سامان کے مکمل اور مطلوبہ شکل میں آنے سے پہلے بیچنے میں ایک خرابی یہ ہے کہ ایسی چیز سے نفع اٹھانے والا ہوگا جو اس کی ضمانت میں داخل نہیں ہوئی ہے، جب کہ عبد اللہ بن عمر ﷺ سے روایت ہے کہ رسول کریم نے "**نهى عن ربح مالم يضمن**" (۱)۔ "ایسی چیز سے نفع اٹھانے سے منع فرمایا جو آدمی کی ضمانت میں نہ آئی ہو"۔

اور اس کا دوبارہ استصناع بھی نہیں ہوسکتا ہے، کیوں کہ اس صورت میں بھی ضمانت کے بغیر نفع حاصل کرنا مقصود ہے، اس لئے کہ خریدار اول خریدار دوم کو ہی بلڈر سے مکان حاصل کرنے کا ایجنٹ بنا رہا ہے، لہٰذا یہ استصناع در استصناع ہوا جو درست نہیں، کیوں کہ یہ عقد صوری ہے، اور مقصود بغیر ضمانت کے نفع اٹھانا ہے، اور اگر لفظ میں مربوط نہ ہو؛ بلکہ خریدار اول خریدار دوم سے مستقل طور پر مطلوبہ اوصاف کی فلیٹ تیار کرانے کا عقد کرے، تو یہ درست ہے، اس لئے کہ اس صورت میں دونوں مستقل عقد ہیں، کیوں کہ مکان تیار کر کے دینے کی ساری ذمہ داریاں خریدار اول کی ہیں نہ کہ بلڈر کی۔ (۲)

ٹھیکداروں کو رشوت دینا

بہت سے لوگ گورنمنٹ کے کام میں گتہ داری (ٹھیکیداری) کام کرتے ہیں، لیکن انہیں ان کاموں میں بڑی دشواریاں ہوتی ہیں، کہ ان کاموں کو لینے کے لئے آفسروں کو رشوت دینی پڑتی ہے، ٹھیکیداری کا کام تو اصلاً جائز ہے، لیکن اسے حاصل کرنے کے لئے افسروں کو رشوت دینا اور ان کا رشوت کو لینا، دونوں حرام ہیں، کیوں کہ شریعت نے رشوت لینے دینے کو حرام قرار دیا ہے، تاہم رشوت لینے اور دینے میں فرق ہے رشوت لینے والا تو بہر صورت گنہگار ہے، البتہ رشوت دینے والا اس وقت گنہگار ہوتا ہے جب ناحق کو حاصل کرنے، یا کسی حقدار کو محروم کرنے کی غرض سے رشوت دیں؛ البتہ

---

(۱) سنن النسائی، حدیث نمبر: ۴۶۲۹

(۲) چند اہم عصری مسائل: ۱/ ۲۸۳، مکتبہ دار العلوم دیوبند) (عقد استصناع سے متعلق بعض مسائل: ۳۳۔۳۴، ایفا پبلیکشنز، دہلی

اگر دفع ظلم اور اپنا حق وصول کرنے کے لئے دیں، تو ضرورۃً اس کی گنجائش ہے، لہٰذا جو مسلمان ٹھیکیدار رشوت دینے پر مجبور ہوں، ان کے لئے اس طرح کے معاملہ کی گنجائش ہے، اور ان کی آمدنی حلال ہے، اور وہ اپنی اس آمدنی سے حج وعمرہ اور صدقہ وخیرات بھی کر سکتے ہیں، البتہ مسلم وغیر مسلم ہر ایک کا یہ فریضہ ہے کہ وہ کرپشن کے آگے سرنگوں ہو جانے کے بجائے، اس کی مزاحمت کرے، اور سرکاری نظام میں ایمانداری وشفافیت لانے کی کوشش کرے، کیوں کہ کرپشن پورے ملک کو نقصان پہنچانے اور اجتماعی املاک کو لوٹنے کے مترادف ہے۔

ما فی سنن ابی داؤد: عن عبد الله بن عمرو قال: لَعَنَ رسولُ الله صلی الله علیه وسلم الرَّاشِی وَالمرْتَشِیْ"(۱)

ما فی بذل المجهود: فإذا أعطى ليتوصل به إلى حق أو يدفع عن نفسه ظلما فإنه غير داخل فی هذا الوعيد"(۲)

مسئلہ: غیر مسلموں کے عبادت خانہ کی تعمیر میں مسلمانوں کے لئے کام کرنے کی گنجائش ہے، بنابریں اجرت اور آمدنی حرام اور ناجائز نہیں ہوگی۔

وفی التاتارخانية: ولو آجر المسلم نفسه لذمی ليعمل فی الكنيسة فلا بأس به"(۳)

مسئلہ: فلیٹ تیار ہوگیا اور خریدار کو دکھا دیا گیا، یا کم سے کم وہ خاص زیر تعمیر فلیٹ دکھایا گیا تو اب بیچی جانے والی چیز متعین ہوگئی، اس صورت میں اگر معاہدہ ہوگیا تھا کہ قیمت بروقت ادا نہ کرنے کی صورت میں بیچنے والے کو معاملہ ختم کر دینے کا حق ہوگا تو بیچنے والا شخص اس کو کسی اور کے ہاتھ فروخت کر سکتا ہے۔(۴)

---

(۱) ابو داؤد: کتاب القضا، باب فی کراہیة الرشوة، حدیث نمبر: ۳۵۸۰

(۲) بذل المجهود: ۱۱/ ۳۰۶

(۳) البحر الرائق: ۸/ ۲۰۳

(۴) کتاب الفتاوی: ۹/ ۳۹۴

مسئلہ: خریدار کو تیار شدہ یا زیر تیاری فلیٹ دکھایا گیا اور معاہدہ میں یہ بات طے نہیں پائی تھی کہ قیمت وقت پر ادا نہ کرنے کی صورت میں بیچنے والے کو معاملہ کے رد کردینے کا اختیار ہوگا تو اب وہ یک طرفہ معاملہ کو ختم نہیں کرسکتا، البتہ شریعت کے دائرہ میں رہتے ہوئے اس پر دباؤ ڈال سکتا ہے کہ معاہدہ کے مطابق جلد سے جلد قیمت ادا کردے۔(۱)

خلاصہ کلام

۱) عقدِ استصناع شیء معدوم پر منعقد ہوتا ہے اور یہ عقد شرعی اصول اور قیاس کے تناظر میں شیء کے معدوم ہونے کی وجہ سے ناجائز ہونا چاہئے؛ لیکن شریعت نے اس عقد کو اصول اور قیاس سے مستثنیٰ کرکے ایک ضابطہ کے دائرہ میں رکھا ہے۔ اور وہ ضابطہ یہی ہے کہ جن چیزوں کے بارے میں لوگوں کے درمیان شیء معدوم پر عقدِ استصناع کا معاملہ کرنے کا عرف اور تعامل جاری ہوچکا ہو، ان تمام چیزوں میں عقدِ استصناع جائز اور درست ہے۔

۲) عقدِ استصناع اور عقدِ سلم دونوں میں شیء مبیع معدوم ہوتی ہے، مگر فرق یہ ہے کہ عقدِ سلم میں مسلم فیہ (مبیع) کی جنس کی اشیاء کا حلول مدت تک بازاروں میں ہر وقت دستیاب ہونا لازم ہے، مگر عقد استصناع میں شیء (مبیع) کا بازاروں میں موجود ہونا لازم نہیں ہے۔ اور عقدِ سلم میں مجلس عقد میں راس المال (ثمن اور قیمت) کا ادا کرنا لازم ہے۔ اور عقدِ استصناع میں لازم نہیں ہے، اسی طرح عقدِ سلم میں خیار شرط کا ثبوت نہیں ہوتا ہے؛ بلکہ بروقت عقد لازم ہوجاتا ہے اور عقدِ استصناع میں لازم نہیں ہوتا۔ اور اسی طرح عقدِ سلم میں مسلم فیہ (مبیع) کا مثلی اور ذوات الامثال میں سے ہونا لازم ہے اور عقدِ استصناع میں شیء (مبیع) کا ذوات الامثال میں سے ہونا لازم نہیں، نیز عقدِ سلم ایسی چیزوں میں

(۱) کتاب الفتاوی: ۹/ ۳۹۴

جائز ہے جن کا لوگوں کے درمیان تعامل ہے۔اور ایسی چیزوں میں بھی جائز ہے جن کا تعامل نہیں ہے، اس کے برخلاف عقدِ استصناع صرف ایسی چیزوں میں جائز ہے جن میں عقدِ استصناع کا معاملہ کرنا لوگوں کے درمیان میں تعامل ہے اور جن میں تعامل نہیں ہے ان میں جائز نہیں ہے۔

۳) معاملہ استصناع عقدِ بیع ہے یا وعدہ بیع ؟ تو اس سلسلہ میں امام حاکم شہید مروزی، امام محمد بن سلمہ، امام صفار، امام ابوالقاسم، ناصر الدین سمرقندی صاحبِ منثور وغیرہ کے نزدیک معاملہ استصناع عقد بیع نہیں ہے؛ بلکہ وعدہ بیع ہے۔ اور حضرات جمہور کے نزدیک معاملہ استصناع وعدہ بیع نہیں ہے؛ بلکہ نفس بیع ہے، دونوں فریق کے دلائل مقالہ میں مفصل موجود ہیں۔

۴) پہلے خریدار کا دوسرے خریدار کو اور اسی طرح دوسرے خریدار کا تیسرے خریدار کو نمونہ اور ڈیزائن دکھا کر معاملہ استصناع کے طور پر فروخت کرنا جائز اور درست ہے، تو ایسی صورت میں مالیاتی ادارہ عام طور پر درمیان کا خریدار ہوتا ہے، وہ اپنے کاریگروں سے مال بنوا کر خریدتا ہے، اور پھر اپنے بائروں کے ہاتھ نمونہ اور آرڈر کے مطابق فروخت کرتا ہے، اسی طرح بائر جس نے مالیاتی ادارہ سے معاملہ کیا ہے، تیار ہونے سے پہلے دوسروں کو وہی نمونہ دکھا کر کے استصناع کا معاملہ کرسکتا ہے؛ اس لئے کہ عقدِ استصناع کے جواز کا سارا مدار تعاملِ ناس پر ہے اور اسی طرح کا معاملہ کرنے کا ملکی اور بین الاقوامی مارکیٹوں میں تعامل ہو چکا ہے؛ اس لئے اس کے جواز میں کسی قسم کا تردد نہیں ہے۔

۵) جس طرح چھوٹی چھوٹی منقول چیزوں میں معاملہ استصناع جائز اور درست ہے، جیسا کہ جوتے، چپل، دھات کے برتنوں وغیرہ میں، اسی طرح بڑی بڑی منقول چیزوں میں بھی معاملہ استصناع جائز اور درست ہے، مثلاً بحری جہاز، ہوائی جہاز، چھوٹی بڑی گاڑیاں اور ٹرین کے ڈبے وغیرہ، جب ایسی چیزوں میں

سائز اور نمونہ وڈیزائن کے ساتھ آرڈر دے کر بنوانے کا تعامل ہو تو عقدِ استصناع کا معاملہ ایسی بڑی بڑی چیزوں میں بھی جائز اور درست ہے۔

۶) جس طرح چھوٹی بڑی منقولہ اشیاء میں سائز اور نمونہ کے ساتھ آرڈر دے کر استصناع کا معاملہ جائز اور درست ہے، اسی طرح غیر منقول عقار میں بھی جائز اور درست ہے۔

۷) عقدِ استصناع میں بیعانہ کب ضبط کر سکتے ہیں؟ جب ڈیزائن اور سائز اور طے شدہ شرائط کے مطابق مال تیار ہو جائے اس کے بعد بلا کسی خامی کے مستصنع (آرڈر دینے والا خریدار) لینے سے مکر جائے، تو پیشگی دی ہوئی بیعانہ کی رقم ضبط کرنے کی گنجائش ہے۔

۸) معاملہ استصناع اجارہ کب بن سکتا ہے؟ اگر مالیاتی ادارہ عقدِ استصناع کا معاملہ کرتے وقت سارے میٹیریل کاریگر کو دے دے اور کاریگر اسی مٹیریل سے شرائط کے مطابق مال بنا کر پیش کر دے تو یہ معاملہ عقد استصناع سے بدل کر عقدِ اجارہ بن جائے گا۔

۹) طے شدہ شرائط اور نمونہ کی خلاف ورزی پر نقصان کا بھگتان کس پر ہوگا؟ ایسی صورت میں نقصان کا بھگتان کاریگر کو برداشت کرنا پڑے گا، استصناع کی شکل میں اس نے اپنے میٹیریل سے جو مال بنایا ہے اور نمونہ اور ڈیزائن کے خلاف بنایا ہے، تو اس طرح مال کے خراب ہو جانے کا نقصان اسے خود برداشت کرنا پڑے گا۔ اور اگر میٹیریل مالیاتی ادارہ نے اپنی طرف سے پیش کر دیا ہے، تو ایسی صورت میں مالیاتی ادارہ کو اختیار ہے کہ اپنے میٹیریل کے مثل کاریگر سے وصول کر لے اور بنا ہوا مال کاریگر کے پاس چھوڑ دے اور چاہے بنا ہوا مال اسی حالت میں قبول کر لے، اگر اس مال کی قیمت میں کوئی کمی نہیں آتی ہے، تو پوری اجرت ادا کر دے۔ اور اگر مال کی قیمت میں کمی آتی ہے، تو اس مال کے وصول

کے ساتھ ساتھ کمی کے بقدر نقصان کی تلافی اسی کی اجرت میں سے کاٹ لے۔

۱۰) معاملہ استصناع کو منسوخ کرنے کی شکلیں: اگر طے شدہ شرائط کے مطابق معاملہ استصناع جانبین کے درمیان طے ہوجائے اور ابھی مال کی تیاری شروع نہیں ہوئی ہے، تو ابھی جانبین میں سے ہر ایک کو معاملہ منسوخ کرنے کا اختیار ہے۔ اور اگر طے شدہ شرائط کے مطابق معاملہ طے ہو چکا ہے، اور کاریگر نے اپنے میٹیریل کے ذریعہ سے مال کی تیاری شروع کردی ہے، مگر ابھی مال مکمل تیار نہیں ہوا ہے، تو ایسی صورت میں جمہور کے نزدیک آرڈر منسوخ کرنے کا اختیار ہے؛ لیکن حضرت امام ابویوسف کے نزدیک مال تیار ہوجانے کے بعد آرڈر کینسل کرنے کا حق نہیں ہے۔ اور اس سلسلہ میں امام ابویوسف کا آخری قول یہی ہے کہ طے شدہ شرائط کے ساتھ عقد استصناع منعقد ہوجانے کے بعد یہ عقد لازم ہوجاتا ہے، جانبین میں سے کسی کو بھی معاملہ منسوخ کرنے کا حق نہیں ہے۔ اور عقد ہوجانے کے بعد کاریگر مال بنانے کا پابند ہوجائے گا اور (مستصنع (آرڈر دینے والا (مال مصنوع) مبیع کو قبول کرنے کا پابند ہوجائے گا۔ اور آج کے زمانہ میں امام ابویوسف کا قول ہی زیادہ راجح ہے۔

۱۱) عقدِ استصناع میں مدت کی تعیین کا حکم کیا ہے؟ تو اس بارے میں راجح قول یہی ہے کہ عقدِ استصناع میں مدت متعین نہ کرے، تب بھی جائز ہے۔ اور مدت متعین کردے تب بھی جائز ہے اور مدت متعین کرنے کی وجہ سے عقد استصناع سلم میں تبدیل نہیں ہوگا۔

۱۲) عقدِ استصناع میں طے شدہ مدت سے تاخیر کے نقصان کا عوض وصول کرنا جائز ہے یا نہیں؟ عقدِ استصناع میں اگر جانبین کے درمیان اس طرح شرائط طے ہوجائیں کہ طے شدہ مدت کے اندر کاریگر مال تیار کرکے فراہم نہ کرے اور مالیاتی ادارہ نے جس خریدار سے آرڈر دے رکھا ہے وہ خریدار تاخیر کی وجہ

سے طے شدہ قیمت میں کل میں سے کاٹ کر کمی کرتا ہے، تو اس کمی کی تلافی کاریگر سے کی جائے گی، اگر بوقت عقد اس طرح کے شرائط طے ہو جائیں اور پھر کاریگر نے مال کی فراہمی میں تاخیر کر دی ہے، تو یومیہ یا ہفتہ کے حساب سے کمی کے نقصان کی تلافی اس کے مال یا اس کی اجرت میں سے کرنے کی گنجائش ہے۔(۱)

❁❁❁❁❁❁

(۱) فتاوی قاسمیہ، کتاب البیوع، باب الاستصناع: ۶۵۵-۶۵۶، اشرفی بک ڈپو دیوبند

مندر بنا کر دینا

بعض مرتبہ مکانات اور کثیر منزلہ عمارتوں کے بنانے میں برادرانِ وطن کی طرف سے آرڈر ہوتا ہے کہ ایک کمرہ یا مخصوص گوشہ ان کے عبادت خانے کے طور پر بنا دیں، اس کے تناظر میں یہ تفصیل لکھی جارہی ہے۔

عام اغراض میں استعمال کے لئے مکان بنانا

(۱) ایک صورت یہ ہے کہ غیر مسلم کے لئے مطلقاً کوئی ایسا گھر بنائے جو عام استعمال کا مکان ہو، جو عمومی رہائش یا کسی بھی ضرورت کے لئے استعمال ہوسکتا ہو، جس میں عمومی کرایہ کے طور پر مکان کا دینا یا اس طرح کے مکان کی تعمیر خواہ اس کا استعمال کسی بھی کام کے لئے ہو مندر بنانے کے لئے یا دیگر ضروریات یعنی ٹی وی کی دوکان وغیرہ کے لئے تو اس کی اجازت ہے، جب کہ وہ اس کی تعمیر اس خاص ہیئت پر نہ کی گئی ہو جو معصیت کی وجہ بنتا ہو۔

اس حوالے سے مفتی شبیر صاحب فرماتے ہیں:

> ''غیر مسلم کا مکان بنانا اور اس کے مکان کی ضروریات کو تعمیر کرنا محض اپنی مزدوری حاصل کرنے کے لئے مسلم ٹھیکیدار کے لئے جائز ہے، مگر جس جگہ وہ مندر بنائے گا، اس جگہ پر بھی اجرت لے کر تعمیر کرنے کی گنجائش ہے، ہاں البتہ مند کے اندر مجسمہ اور گنیش جی کے اعضاء اور اشوک کے لاٹ وغیرہ جانوروں کی صورت چہرہ سر وغیرہ بنانا جائز

نہیں ہے، اس لئے ان باتوں کا خیال رکھنا بہت ضروری ہے"۔(۱)

وجاز تعمير كنيسة(در مختار) وفی الشامية قال فی الخانية: ولو أجر نفسه ليعمل فی الكنيسة ويعمرہا لا بأس به، لأنه لا معصية فی عين العمل"(۲)

ولو أجر الذمی مسلما ليبنی له بيعة، أو كنيسة جاز ويطيب له الأجر"(۳)

اسی کے دیگر نظائر میں فقہ وفتاوی کی کتب میں مورتی اور مزاز پر کپڑا چڑھانے کے لئے بیچنا، کافر میت کو جلانے کے لئے سامان لکڑی اور دیگر اشیاء فروخت کرنا۔(۴)

اس میں تفصیل یہ ہے کہ اگر مورتی اور مزار پر چڑھانے کے لئے جو کپڑے بیچے جاتے ہیں اگر وہ مخصوص قسم کے کپڑے جو مورتی اور مزار پر ہی استعمال ہوتے ہیں، تو ان کی خرید وفروخت حرام ہے اور اگر وہ کپڑے عمومی جس کو مورتی یا مزار پر استعمال کیا جا رہا ہے تو اس کی فروخت حرام نہیں۔

اسی طرح اگر عبادت کی تعمیر یا ٹھیکیداری یا کرایہ پر دینے کی صورت میں اگر ان غیر مسلموں کی عبادت گاہوں کو ان کی مخصوص تعمیری شکل میں بنایا جاتا ہے تو حرام ہے، ورنہ عمومی تعمیر میں اگر یہ مورتی نصب کرتے ہیں یا دیگر حرام کام انجام دیتے ہیں تو ان کا اپنا گناہ ہے۔

اس کو مختلف مسائل سے سمجھا گیا کہ اگر لاؤڈ اسپیکر کے استعمال کو معصیت والے کاموں کے لئے دینا اس میں بھی یہی تفصیل ہے کہ لاؤڈ اسپیکر کا استعمال مختلف اغراض

---

(۱) مستفاد احسن الفتاوی: ۷/ ۳۰۹

(۲) شامی كتاب الحظر والإباحة، فصل فی البيع، زكريا: ۹/ ۶۵۲

(۳) ہندية: كتاب الإجارة، الباب السادس عشر، زكريا جديد: ۴/ ۴۸۷، فتاوی قاسمی: ۲۱/ ۴۷۵، مکتبہ زکریا دیوبند

(۴) دیکھئے: فتاوی قاسمیہ ۲۱/ ۴۷۵، مکتبہ زکریا دیوبند

میں ہوتا ہے، جن میں اچھے مقاصد بھی شامل ہیں ؛ لہٰذا لاوَڈ اسپیکر کو بطور کرایہ دینا جائز اور درست ہے، البتہ جو لوگ اس کا غلط استعمال کریں وہ گنہگار ہوں۔(۱)

مخصوص معصیت والے عبادت گاہوں کی شکل میں مکان بنانا

۲) مخصوص طور پر مندر کے چرچ کی ہیئت والی اور شکل عبادت گاہوں کے بنانے میں حصہ لینا، یا مندر کے بنانے میں مزدوری کرنا یا یا بعینہ ان عبادت گاہوں کے بنانے کے لئے ٹھیکہ پر لینا حرام ہے۔

جس کے تحت اس مسئلہ کا ذکر ہے لکڑی کے چھوٹے چھوٹے مندر بنا کر کوئی مسلمان فروخت کرے، یہ معصیت ہے، اس طرح کی لکڑیوں کے مندر بنا کر غیر مسلموں کے ہاتھ فروخت کرنا اس کو اپنا روزگار بنانا حرام ہے، اس لئے مندروں کی پوجا حرام تو اس عظیم گناہ میں تعاون بھی حرام اور معصیت ہے اور شریعت براہ راست معصیت پر تعاون کی اجازت نہیں دیتی: **وَتَعَاوَنُوا عَلَى الْبِرِّ وَالتَّقْوٰى وَلَا تَعَاوَنُوْا عَلَى الْاِثْمِ وَالْعُدْوَانِ**(۲)

ہاں البتہ بت یا مورتی وغیرہ کی تصویر خود بنانا حرام ہے، لیکن اگر تصویر ہندو اور غیر مسلم کاریگروں سے بنوائی جائے تو اسکا گناہ بنوانے والے پر نہ ہولا ؛ بلکہ بنانے والا خود اس کا ذمہ دار ہے، نیز اس سے حاصل ہونے والی آمدنی حرام نہیں ہوگی ، البتہ تعاون علی المعصیت کی وجہ سے مکروہ ہوگی:

إن بلالا قال لعمر بن الخطاب إن عمالك يأخذون الخمر والخنازير فى الخراج، فقال: لا تأخذوها منهم، ولكن ولوهم بيعها، وخذوا أنتم من الثمن"(۳)

---

(۱) فتاوی قاسمیہ: ۲۱/۱۵۷

(۲) المائدة: ۲

(۳) اعلاء السنن: كتاب البيوع، باب صرمة بيع الخمر والميتة، دار الكتب العلمية، بيروت: ۱۳۴/۱۴

رجل استأجر رجلا لیصور له صورا، أو تماثیل الرجال فی بیت أو فسطاط، فإنی أکره ذلك وأجعل له الأجر"(۱)

البتہ اگر کوئی کاریگر جا کر اس معصیت والے پروگرام میں رہتا ہے، مائک وغیرہ کی سیٹنگ کا کام انجام دیتا ہے وہ بھی معصیت کے ارتکاب کرنے والوں کے ساتھ برابر کا شریک ہوگا۔ اسی طرح فلم کی شوٹنگ کے لئے ہال کرایہ پر دینا جائز ہے، البتہ مخصوص گانے بجانے کے لئے ہال بنانا اور کرایہ پر دینا یہ حرام ہے۔(۲) اس لئے یہ بھی کہا گیا ہے کہ فوٹو گرامی وغیرہ کے کے کام کے لئے کرایہ پر مکان دینا درست البتہ نہ دے تو بہتر ہے۔(۳)

مزید تفصیل اور ائمہ کا اختلاف اور جواز اور عدم جواز کی وجہ اور راجح قول مندرجہ ذیل تفصیل کے ذیل میں ملاحظہ کیجئے۔

مندر کی تعمیر میں مزدوری کرنا

مندر وغیرہ کی تعمیر میں مزدوری کرنا تعاون علی المعصیۃ کی وجہ سے مکروہ وممنوع ہے اور اس کی اجرت بھی مکروہ ہے، اس لئے مسلمانوں کا مندر وغیرہ میں مزدوری سے گریز کرنا ضروری ہے۔

وعندهما یکره، لأنه إعانة علی المعصیة"(۴)

بینک کے لئے مکان کرایہ پر دینا

بینک ایک سودی کاروبار ہے، اس لئے اگر پہلے سے مقصد معلوم ہو تو خالص اس مقصد کے لئے مکان کرایہ پر دینا جائز نہ ہوگا، کہ یہ معصیت میں ایک طرح کا تعاون

---

(۱) هندیة:، کتاب الأجارة، الباب السادس عشر فی مسائل الشیوع---، ۴/۴۸۶، الفتاوی التاتارخانیة، زکریا: ۱۵/ ۱۳۰

(۲) دیکھئے فتاوی قاسمیہ: ۲۱/ ۵۷۳

(۳) فتاوی قاسمیہ: ۲۱/ ۵۷۹

(۴) الدر المتقی، کتاب الکراهیة، فصل فی الکسب، دار الکتب العلمیة، بیروت: ۴/ ۱۸۷

ہے، ہاں اگر یوں ہی کسی نے کرایہ پر مکان لیا اور بعد کو اس میں بینک قائم کر دیا تو اس پر گناہ نہیں ہے، یہ مسئلہ اوپر مذکورہ مسائل کے فرق کو واضح کرتا ہے۔

امام سرخسی فرماتے ہیں:

”لا بأس بأن يواجر دار من الذمى ليسكنها، فإن شرب فيها الخمر أو عبد فيها الصليب أو أدخل فيها الخنازير، لم يلحق للمسلم إثم فى شىء من ذلك، لأنه لم يواجرها لذلک، والمعصية فى فعل المستأجر، دون قصدرب الدار فلا اثم على رب الدار فى ذلك“۔

مسلمان ذمی کو کوئی گھر رہائش کے لئے دے اس میں کوئی مضائقہ نہیں، پھر اگر وہ اس میں شراب پیئے، صلیب کی کی پرستش کرے یا سور کو داخل کرے تو مسلمان کو ان کا کوئی گناہ نہ ہوگا، اس لئے کہ اس نے اس مقصد کے لئے نہیں دیا ہے، گناہ کرایہ دار کا عمل ہے اور اس کے اس عمل میں صاحب مکان کے ارادہ کو کوئی دخل نہیں ہے، اس لئے اس پر کوئی گناہ نہیں ہے۔(۱)

مفتی رشید احمد صاحب مذکورہ مسئلہ کے متعلق فرماتے ہیں:

”بیمہ یا بنکاری کے لئے مکان کرایہ پر دینا مکروہ تحریمی ہے، البتہ کافر کو کرایہ پر دینے میں کراہت تنزیہی ہے، کرایہ حلال مال سے ادائیگی کی شرط کے ساتھ عقد اجارہ کراہت میں کوئی فرق نہیں پڑتا، البتہ اس صورت میں حرام خوری سے بچا جائے گا، صرف عقد اجارہ کا گناہ ہوگا، کافر سے بھی سود اور بیمہ کی آمدنی سے کرایہ وصول کرنا حرام ہے“۔

---

(۱) جدید فقہی مسائل: ۱/ ۲۷۴

نیز مفتی رشید احمد صاحب یہ بھی فرماتے ہیں:

”بیمہ کمپنی میں کام کرنے والے ملازم سے اس کے مکان کے کرایہ کے طور پر حاصل شدہ کرایہ کی رقم بھی حرام ہے، اس کو کسی صورت میں بھی استعمال نہیں کیا جاسکتا، مالکین پر صدقہ کرنا واجب ہے“(۱)

البتہ مفتی تقی عثمانی صاحب مدظلہ العالی نے سودی بینک کے لئے مکان یا پلاٹ فروخت کرنے کے حکم کے سلسلہ میں فرماتے ہیں کہ چوں کہ بینک کے سرمایہ کی اکثریت حرام نہیں، اس لئے بیچنے کی گنجائش تو معلوم ہوتی ہے، لیکن کراہت تنزیہی سے بھی خالی نہیں۔

” وفی رد المحتار، قلت: وأفاد کلامهم أن ما قامت المعصية بعينه يكره بيعه تحريما، وإلا تنزيها، (قوله نهر) وعبارته وعرف بهذا لا يكره بيع ما لم تقم المعصية به كبيع الجارية المغنية به، والكبش النطوغ والحمامة الطيارة العصير والخشب ممن يتخذ منه المعازف“(۲)

جس بینک کا معاملہ سود پر مشتمل ہو اور سود ہی اس کی آمدنی کا ذریعہ ہو، جیسا کہ آج کل اکثر بینکوں کا معاملہ ایسا ہی ہے تو ایسے بینک کو بلڈنگ کرایہ پر دینا در پردہ معصیت پر تعاون ہے، اس لئے یہ غیر مناسب خلاف اولی اور مکروہ تنزیہی کے درجہ میں ہے اور چوں کہ سودی کاروبار فاعلِ مختار کا عمل ہے، جس میں مالک مکان کا کوئی دخل نہیں، اس لئے اس کا گناہ صرف کرایہ پر ہوگا، مالک مکان پر نہیں ہوگا، اور بلڈنگ کا کرایہ مالکِ مکان کے حق میں حرام نہیں ہوگا، اس لئے کہ وہ اپنے مال کی اجرت لے رہا ہے(۳)

---

(۱) احسن الفتاوی: ۷/ ۳۰۴، ۳۰۵

(۲) فتاوی عثمانی: ۳/ ۸۸

(۳) فتاوی قاسمیہ: ۲/ ۵۸۵

یہی رائے مفتی سلمان منصور پوری صاحب کی ہے، چنانچہ وہ اس حوالہ سے فرماتے ہیں:
بینک چلانے کے لئے اپنی جگہ کرائے پر دینا بکراہت جائز ہے، اور اس میں بینک جو سودی کاروبار کرتا تو وہ خود اس کا ذمہ دار ہے، مالک مکان اس کا ذمہ دار نہیں ہے۔

وجاز جارة بيت بسواد الكعبة، يتخذ بيت نار أو كنيسة أو بيعة أو يباع فيه الخمر (الدر المختار) وتحته في الشامية، هذا عنده أيضا، لأن الإجارة على منفعة البيت، ولهذا يجب الأجر بمجرد التسليم ولا بمعصية فيه، وإنما المعصية بفعل المستأجر، وهو مختار فينقطع نسبته عنه" (۱)

مسئلہ کی تفصیل:

اس مسئلہ کی تفصیل حضرت مولانا مفتی شعیب اللہ خان صاحب نے اپنی کتاب ''حرام کاروبار کے لئے اسلامی اجارہ'' میں لکھا ہے، جس میں تمام فقہاء کے اقوال کو ذکر کرنے کے ساتھ ساتھ امام اعظم رحمہ اللہ کی جانب حرام کاروبار کے لئے اسلام اجارۂ جواز کو غلط ثابت کر کے ان کے مسلک تحقیق پیش کی ہے، چنانچہ فرماتے ہیں:

حضرات فقہاء کرام میں امام اعظم رحمہ اللہ کے شاگرد ان رشید امام ابو یوسف رحمہ اللہ اور امام محمد رحمہ اللہ نیز امام الک رحمہ اللہ، امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ اور امام شافعی رحمہ اللہ وغیرہ ائمہ نے کسی حرام کام کے لئے کرایہ پر مکان دینے کو ناجائز قرار دیا ہے، چنانچہ فقہ حنفی کی مشہور کتاب درمختار میں یہ مسئلہ بیان کرتے ہوئے کہ یہود ونصاری ومجوس کی عبادت گاہوں کے لئے یا شراب بیچنے کے لئے مکان کرایہ پر دینا جائز ہے یا نہیں؟ لکھا ہے:

وقال لا ينبغي ذلك لأنه إعانة على المعصية وبه قالت الثلاثة" (۲)

---

(۱) شامی:۵۶۹/۹ (۲) درمختار مع الشامی:۳۹۲/۶

صاحبین نے فرمایا کہ یہ درست نہیں، کیوں یہ گناہ پر اعانت ہے
اور یہی تینوں ائمہ یعنی امام شافعی، امام مالک امام احمد بن حنبل رحمہم اللہ
کا مسلک ہے۔

امام اعظم رحمہ اللہ کے مذہب کی وضاحت:

یہ بات صحیح ہے کہ بعض فقہی کتابوں میں امام اعظم رحمہ اللہ کی طرف یہ بات منسوب کی گئی ہے کہ آپ نے حرام کاموں کے لئے مکان کرایہ پر دینا جائز قرار دیا ہے، چنانچہ درمختار اور ہدایہ میں ہے کہ آتش کدہ، مندر یا چرچ بنانے کے لئے گھر کرایہ پر دینا جائز ہے: "جاز إجارة بيت بسواد الكوفة" (۱)

لیکن یہ بات سمجھنا چاہئے کہ امام اعظم رحمہ اللہ کے اس قول میں جواز کے معنی کیا ہیں؟ کیوں کہ فقہاء کرام کے کلام میں لفظ "جواز" دو معنوں میں مستعمل ہوا ہے: (۱) ایک حلال ومباح ہونے کے معنی میں (۲) دوسرے کسی کام کے صحیح ومنعقد ہوجانے کے معنی میں اس سے قطع نظر کہ اس کام سے گناہ ہوگا یا نہیں؟

ولفظ "يجوز" تارة تطلق على معنى يحل وتارة تستعمل بمعنى يصح وتارة تصلح لهما" (۲)

اور فقہاء کے کلام میں لفظ جواز کے پہلے معنی کی طرح دوسرے معنی میں بھی بکثرت استعمال ہوا ہے۔

چنانچہ علامہ سرخسی رحمہ اللہ نے یہ جو فرمایا ہے:

"إذا استاجر الذمی من المسلم ليبيع فيه الخمر، لم يجز فلا ينعقد العقد عليه ولا أجر له عندهما وعند أبي حنيفة رحمه الله يجوز" (۳)

---

(۱) درمختار: ۶/۳۹۲، ہدایہ: ۴/۴۵۶

(۲) البناية: ۱/۲۰۵ (۳) مبسوط: ۱/۳۸

اگر مسلمان سے ذمی (کافر) نے شراب بیچنے کے لئے گھر کرایہ پر لیا تو امام ابو یوسف رحمہ اللہ وامام محمد رحمہ اللہ کے نزدیک جائز نہیں، کیوں کہ یہ گناہ ہے، پس اس پر معاملہ منعقد نہ ہوگا، اور نہ کرایہ ملے گا، اور امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے نزدیک یہ جائز ہے۔

اس میں امام سرخسی رحمہ اللہ نے امام ابو یوسف رحمہ اللہ اور امام محمد رحمہ اللہ کا مسلک بیان کرتے ہوئے فرمایا کہ یہ معاملہ منعقد نہ ہوگا، اس کے بالمقابل امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کا مسلک بیان کرتے ہوئے فرمایا کہ یہ آپ کے نزدیک جائز ہے، اس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہاں جواز کے معنی منعقد ہوجانے کے ہیں، نہ کہ حلال ومباح ہونے کے۔

پھر اس سے زیادہ واضح الفاظ میں امام اعظم رحمہ اللہ کے مسلک کو جائز اس معنی میں فرمایا کہ یہ معاملہ طے ومنعقد ہوجاتا ہے، اس سے قطع نظر کہ اس سے گناہ ہوتا ہے یا نہیں، پھر خلاصۃ الفتاوی میں نقل کیا گیا ہے ''کہ ایسے غیر شرعی کاموں کے لئے مکان کرایہ پر دینا امام اعظم رحمہ اللہ کے نزدیک ''یصح ویأثم'' کہ صحیح ہوجاتا ہے اور دینے والا گنہگار ہوتا ہے'' اسی طرح مفتی شفیع صاحب رحمہ اللہ نے بھی یہی مطلب بتایا ہے(۱) اسی طرح علامہ ظفر احمد عثمانی رحمہ اللہ نے بھی اس جگہ جواز کو ''معاملہ صحیح ومنعقد ہونے'' کے معنی میں لینا درست قرار دیا ہے۔(۲)

اس طرح یہ معلوم ہوا کہ امام اعظم رحمہ اللہ یہاں اس مسئلہ میں جائز اس معنی میں فرمایا ہے کہ یہ معاملہ طے ومنعقد ہوجاتا ہے، اس سے قطع نظر کہ اس سے گناہ ہوتا ہے یا نہیں، پھر خلاصۃ الفتاوی کے مطابق یہ بھی معلوم ہوا کہ ایسا معاملہ کرنے والا گنہگار بھی ہوتا ہے، لہٰذا سودی کاروبار یا کسی اور حرام کام کے لئے مکان کرایہ پر دینے سے یہ معاملہ طے ومنقعد ہوجاتا ہے مگر یہ دینے والا گنہ گار بھی ہوتا ہے۔

---

(۱) جواہر الفقہ: ۲/۴۴۵

(۲) اعلاء السنن: ۱۴/۴۱۷

جائز اور مباح کے معنی:

اگر جائز اور مباح کے معنی امام ابوحنیفہ ؒ کے یہاں مراد لیتے ہیں تو چند ایک شرطوں کے ساتھ:

۱۔ پہلی شرط سودی کاروبار یا کسی اور حرام کام کے لئے مکان کرایہ پر دینے والا اس نیت سے نہ دے کہ غیر شرعی وحرام کاروبار اس میں کیا جائے، اگر اس نیت سے دے گا تو امام صاحب ؒ کے نزدیک بھی جائز نہ ہوگا۔(۱)

۲۔ دوسری شرط یہ ہے کہ کرایہ پر دینے والے کو یہ معلوم نہ ہو کہ مکان کرایہ پر لینے والا اس میں حرام کاروبار کرے گا؛ لہٰذا اگر یہ معلوم ہو تو کرایہ پر مکان دینا جائز نہ ہوگا۔(۲)

۳۔ اس معاملہ کے جائز ہونے کی ایک شرط یہ بھی ہے کہ یہ معاملہ کافر سے ہو، مسلمان کو سودی کاروبار یا کسی حرام کام کے لئے مکان دکان کرایہ پر دینا جائز نہیں(۳)

۴۔ ایک شرط یہ ہے کہ سودی کاروبار یا کسی اور حرام کام کے لئے مکان کرایہ پر دینا وہاں جائز ہے جہاں اسلامی شعائر اور اعلام غالب وظاہر نہ ہوں بلکہ اعلام وشعائر کفر غالب ہوں، یہی وجہ امام اعظم ؒ کے نزدیک حرام کام کے لئے مکان کرایہ پر دینا جائز ہے وہیں بعض کتابوں میں تصریح ہے کہ یہ مسئلہ صرف سوادِ کوفہ (کوفہ کے گاؤں) کے لئے ہے، ورنہ جن حضرات نے ہر گاؤں میں اس کی اجازت دی ہے اسے بڑے بڑے ائمہ نے رد کیا ہے۔(۴)

---

(۱) دیکھئے: مبسوط للسرخسی: ۳۹/۱۶

(۲) در مختار: ۲۶۸/۴

(۳) الاشباہ والنظائر: ۵۳

(۴) مستفاد از: رسالہ حرام کاروبار کے لئے املاک اجارہ، مفتی شعیب اللہ خان صاحب مفتاحی دامت برکاتہم

ہاؤس فائنانسنگ کے چند طریقے

مکان انسان کی بنیادی ضرورت ہے، اس کے بغیر انسان کے لئے زندگی گزارنا مشکل بلکہ ناممکن ہے، قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

وَاللّٰهُ جَعَلَ لَكُمْ مِّنْ بُيُوْتِكُمْ سَكَنًا (۱)

اور اللہ تعالی نے تمہارے لئے تمہارے گھر رہنے کی جگہ بنایا ہے۔

اور نبی کریم ﷺ کا ارشاد گرامی ہے "**مِنْ سَعَادَةِ المرْءِ المسْلِمِ: المسْكَنُ الوَاسِعُ، وَالجارُ الصَّالِحُ، وَالمرْكَبُ الْهَنِئُ**" (۲) مسلمان کی سعادت مندی یہ ہے کہ اس کے پاس وسیع گھر، نیک پڑوسی، آرام دہ سواری حاصل ہو۔

آج کے دور میں ایک مناسب اور کشادہ مکان کے حصول کے لئے بہت سی مشکلات کا سامنا کرنا پڑتا ہے، اور خاص طور پر گنجان آبادی والے شہروں میں اور زیادہ مشکلات پیش آتی ہیں، وجہ اس کی یہ ہے کہ آج کی زندگی بہت پیچیدہ ہو چکی ہے، آبادی میں مسلسل اضافہ ہو رہا ہے، اور مہنگائی روز بروز بڑھ رہی ہے اور جو لوگ اپنے نئے مکان خریدنے یا بنوانے کی صلاحیت رکھتے ہیں ان کی تعداد بہت معمولی ہے۔

ان حالات کو دیکھتے ہوئے موجودہ دور میں بہت سے بڑے بڑے شہروں میں "ہاؤس فائنانسنگ" کے ادارے قائم ہو چکے ہیں، جو لوگوں کے لئے مکان خریدنے یا

---

(۱) النحل:۸۰

(۲) الأدب المفرد: باب الجار الصالح، حدیث:۱۱۶، اس کی سند صحیح ہے

بنوانے کی خدمات انجام دیتے ہیں، لیکن ان میں سے اکثر ادارے سودی نظام کے تحت کام کرتے ہیں، چنانچہ یہ ادارے ان مقاصد کے لئے اپنے گاہکوں کو قرضے فراہم کرتے ہیں اور پھر ان قرضوں پر ایک متعین شرح سے سود حاصل کرتے ہیں، جس شرح پر فریقین معاہدہ کرتے وقت اتفاق کر لیتے ہیں۔(۱)

چونکہ یہ معاملہ سود کی بنیاد پر کیا جاتا ہے جن کو اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب کریم میں منع کیا ہے، اس لئے کسی مسلمان کے لئے مناسب نہیں کہ وہ ایسا معاملہ کرے۔

ہوم لون کی جائز اور ناجائز صورت

بینک یا کوئی کمپنی مکان کے لئے قرض فراہم کرتی ہے اور دی ہوئی رقم سے زیادہ بطور سود کے وصول کرتی ہے تو یہ یقینی طور پر سود میں داخل ہے؛ کیوں کہ یہاں پیسوں کا تبادلہ پیسوں سے ہو رہا ہے اور ایسی صورت میں کسی ایک فریق کی طرف سے زائد ادائیگی سود کے دائرہ میں آجاتی ہے، اگر بینک خود مکان کو خرید لے اور اس پر قبضہ حاصل کر لے، پھر اسے نفع کے ساتھ ایک متعین قیمت پر فروخت کر دے تو یہ صورت جائز ہوگی اس کو شریعت کی اصطلاح میں ''مرابحہ'' کہتے ہیں، یعنی کسی چیز کو خرید کر زیادہ قیمت میں فروخت کر دینا، کیونکہ اس میں رقم کا تبادلہ سامان سے ہوتا ہے البتہ یہ ضروری ہے کہ ادھار خرید وفروخت کی صورت میں قیمت کی ادائیگی میں تاخیر ہو تو قیمت میں اضافہ کی شرط نہ لگائی جائے۔(۲)

ہاؤس فائنانسنگ کے چند جائز طریقے

اس مقصد کے لئے ہم اس مقابلہ میں چند شرعی طریقے بیان کریں گے اس کے جواز کے دلائل اور اور اس پر عمل کرنے کی صورت میں پیدا ہونے والے نتائج بھی پیش کریں گے۔

---

(۱) فتاوی عثمانی: ۳/۳۱۱، کتب خانہ نعیمیہ دیوبند، فتاوی رحیمیہ، باب الربا: ۵/۲۳۸

(۲) کتاب الفتاوی: ۱۰/۲۱۰ معاشی وتجارتی مسائل

اصل بات تو یہ ہے کہ اسلامی حکومت کی ذمہ داری ہے کہ وہ مندرجہ ذیل تین طریقوں میں سے کسی ایک طریقہ سے کسی کے مکان کی ضرورت پوری کرے۔

۱- اگر وہ شخص مستحق زکاۃ ہے تو پھر زکاۃ فنڈ سے اس کی مدد کرتے ہوئے اس کی ضرورت پوری کرے۔

۲- دوسرے یہ کہ صرف واقعی اخراجات کی بنیاد پر اس کو مکان فراہم کرے اور اس پر نفع کا مطالبہ نہ کرے

۳- تیسرے یہ کہ حکومت اس شخص کو قرض حسنہ فراہم کرے جس پر اس سے کسی نفع یا سود کا مطالبہ نہ کرے۔

ان تین طریقوں پر یا کسی ایک طریقہ پر عمل صرف اسی حکومت کے لئے ممکن ہے جس کے پاس ذرائع آمدنی اور وسائل بہت بڑی تعداد میں موجود ہوں۔

لہٰذا ان حالات میں ایسے طریقے اختیار کرنا ضروری ہے جس میں حکومت کو رہائش فراہم کرنے پر تبرع محض اختیار نہ کرنا پڑے اور نہ بھاری اخراجات برداشت کرنے پڑے اور وہ طریقے سود اور دوسرے ممنوعات شرعیہ سے بھی پاک ہوں۔

وہ مندرجہ ذیل طریقے ہیں:

(۱) بیع مؤجل

پہلا طریقہ یہ ہے کہ سرمایہ کار (کمپنی) مکان خرید کر اس کی مالک بن جائے پھر گاہک کو نفع کے ساتھ ادھار فروخت کردے اور پھر کمپنی گاہک سے عقد میں طے شدہ قسطوں کے مطابق قیمت وصول کرے اور اس میں نفع کا تناسب بیان کئے بغیر بھی ادھار فروختگی کا معاملہ کیا جاسکتا ہے، اس صورت میں نفع کے تناسب کی تعیین کا اختیار سرمایہ کار (کمپنی) کو ہوگا اور یہ بھی ممکن ہے کہ اس ادھار بیع کا معاملہ مرابحہ کے طریقہ پر کیا جائے اور عقد کے اندر اس کی صراحت کردی جائے کہ کمپنی اس مکان پر آنے والے واقعی اخراجات سے اس قدر زائد نفع گاہک سے وصول کرے گی۔

پھر مندرجہ بالا طریقے کی کئی ایک صورتیں ہوسکتی ہیں:

۱- یہ کہ اگر عقد کے وقت وہ مکان تیار موجود ہے پھر تو مندرجہ بالا طریقہ پر کمپنی وہ مکان خود خرید کر گاہک کو ادھار فروخت کردے،

۲- یہ کہ عقد کے وقت وہ مکان تیار موجود نہیں ہے؛ بلکہ کمپنی مکان تیار کرنا چاہتی ہے تو اس صورت میں یہ ہوسکتا ہے کہ کمپنی اسی گاہک کو مکان بنانے کے لئے اپنا وکیل مقرر کردے اس صورت میں تعمیر کمپنی ہی کی ملکیت میں ہوگی اور گاہک صرف کمپنی کے وکیل کے طور پر اس تعمیر کی نگرانی کرے گا اور تعمیر مکمل ہونے کے بعد کمپنی وہ مکان گاہک کو ادھار فروخت کردے گی۔

یہ تو وہ صورت ہے جس میں گاہک کمپنی کے ساتھ مکان خریدنے یا تعمیر کرنے میں کسی بھی قسم کے مالی اشتراک کی صلاحیت نہیں رکھتا۔

۳- البتہ اگر گاہک میں مکان کی خریداری یا تعمیری اخراجات میں نقد رقم لگا کر اشتراک کی صلاحیت موجود تو ہے، لیکن اس کے پاس اتنی رقم نہیں ہے کہ وہ اس رقم کے ذریعہ مکان خریدنے یا تعمیر کرنے پر آنے والے تمام اخراجات پورے کرسکے، اس لئے گاہک یہ چاہتا ہے کہ وہ اپنی رقم لگانے کے بعد جتنی رقم کی مزید ضرورت ہو صرف اتنی رقم وہ کمپنی سے طلب کرے جیسا کہ آج کل اکثر ہاؤس فائنانسنگ کمپنیوں میں یہی طریقہ رائج ہے تو اس کی صورت یہ ہے کہ کمپنی اور گاہک دونوں مل کر مشترک طور پر مکان خریدیں مثلاً اس مکان کی نصف قیمت گاہک ادا کرے اور نصف قیمت کمپنی ادا کرے اور اب یہ مکان دونوں کے درمیان نصف نصف اعتبار سے مشترک ہوجائے گا اور پھر کمپنی اپنا نصف حصہ قیمت خرید سے کچھ زیادہ قیمت پر گاہک کو ادھار فروخت کردے اور قسطوں میں اس سے قیمت وصول کرے۔

اور اگر گاہک پہلے خالی زمین خرید کر پھر اس میں تعمیر کرنا چاہتا ہے اور اس کے

پاس کچھ رقم موجود ہے، تو اس صورت میں زمین کی خریداری کی حد تک تو وہی طریقہ اختیار کیا جاسکتا ہے جو ہم نے اوپر مکان خریدنے کے سلسلہ میں بیان کیا وہ یہ کہ گاہک اور کمپنی دونوں مشترک طور پر زمین خرید لیں اور پھر کمپنی اپنا حصہ گاہک کو زیادہ قیمت پر ادھار فروخت کردے۔

اور اگر زمین پہلے سے گاہک کی ملکیت میں موجود ہے یا مندرجہ بالا طریقہ پر زمین اس کی ملکیت میں آچکی ہے اور اب گاہک اس زمین پر ہاؤس فائنانسنگ کے واسطہ مکان تعمیر کرنا چاہتا ہے (اور گاہک کے پاس کچھ رقم موجود ہے) تو اس صورت میں یہ ممکن ہے کمپنی اور گاہک دونوں مشترک طور پر اس کی تعمیر کریں مثلاً تعمیر پر آنے والے نصف اخراجات گاہک برداشت کرے اور نصف اخراجات کمپنی برداشت کرے، اس صورت میں وہ تعمیر گاہک اور کمپنی کے درمیان مشترک ہوجائے گی؛ لہٰذا جب تعمیر مکمل ہوجائے تو اس کے بعد کمپنی اپنا حصہ گاہک کو اپنا نفع لگا کر ادھار فروخت کردے اور شرعاً مشترک چیز کے ایک شریک کے لئے اپنا حصہ دوسرے شریک کو فروخت کرنا جائز ہے، البتہ کسی اجنبی کے ہاتھ فروخت کرنے کے بارے میں اختلاف ہے علامہ ابن عابدین رحمہ اللہ درالمختار میں فرماتے ہیں:

"ولو باع أحد الشريكين فى البناء حصته لأجنبى لا يجوز ولشريكه جاز" (۱)

"کسی عمارت میں دو شریکوں میں سے کسی ایک شریک کے لئے اپنا حصہ اجنبی کے ہاتھ فروخت کرنا جائز نہیں، البتہ اپنے شریک کے ہاتھ فروخت کرنا جائز ہے"۔

اور مندرجہ بالا صورت میں قیمت کی ادائیگی کی ضمانت کے طور پر کمپنی کے لئے جائز ہے کہ وہ گاہک سے رہن کا مطالبہ کرے، اور کمپنی کے لئے یہ بھی جائز ہے کہ وہ

(۱) الدر مع الرد: كتاب الشركة: ۳۰۰/۴، دارالفکر، بیروت

مکان کے کاغذات اپنے پاس بطور رہن رکھ لے۔

مندرجہ بالا طریقہ شرعاً بالکل بے غبار ہے، البتہ کمپنی اس قسم کے معاملات اس وقت تک نہیں کرتی جب تک کمپنی کو اس بات پر مکمل اعتماد نہ ہوجائے کہ جو مکان کمپنی خرید رہی ہے یا کمپنی جس مکان کی تعمیر کر رہی ہے گاہک اس مکان کو ضرور خرید لے گا؛ اس لئے کہ اگر کمپنی نے اپنی کثیر رقم خرچ کر کے اس مکان کو خرید لیا اور بعد میں گاہک نے اس کو خریدنے سے انکار کر دیا تو اس صورت میں صرف یہ نہیں کہ کمپنی کا نقصان ہوجائے گا؛ بلکہ پورا نظام ہی سرے سے ناکام ہوجائے گا۔

اور چونکہ مستقبل کی کسی تاریخ کی طرف نسبت کر کے فروختگی کا معاملہ (future sale) کرنا جائز نہیں؛ اس لئے مندرجہ بالا طریقہ کو کامیاب بنانے کی یہی صورت ہے کہ گاہک اس بات کی یقین دہانی کرائے کہ وہ اس مکان یا زمین کی خریداری یا تعمیر کے بعد کمپنی کے حصہ کو ضرور خرید لے گا۔

گاہک کی طرف سے کمپنی کے حصہ کو خریدنے کی یقین دہانی ایک وعدہ کی حیثیت رکھتی ہے، اور اکثر فقہاء کے نزدیک ''وعدہ'' قضاء لازم نہیں ہوتا؛ لیکن فقہاء کی ایک بہت بڑی تعداد ایسی ہے جو ''وعدہ'' کو دیانۃ اور قضاء دونوں طریقے سے لازم سمجھتی ہے، اور امام مالک رحمہ اللہ کا مشہور مذہب بھی یہی ہے تاکہ موعود لہ (جس سے وعدہ کیا گیا ہے) کسی مشقت میں نہ پڑ جائے۔

علامہ ابن عابدین شامی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

"وفی جامع الفصولين أيضا: لو ذكر البيع بلا شرط، ثم ذكر الشرط على وجه العدة جاز البيع، ولزم الوفاء بالوعد، إذ المواعيد قد تكون لازمة، فيجعل لازما لحاجة الناس" (۱)

---

(۱) ردالمحتار: باب البيع الفاسد، مطلب فی الشروط الفاسد إذا ذكر بعد العقد: ۱۳۵/۴

جامع الفصولین میں بھی یہ عبارت موجود ہے کہ

''اگر بائع اور مشتری بلا کسی شرط کے بیع کریں اور پھر شرط کو بطور وعدہ کے ذکر کریں تو بیع جائز ہوجائے گی اور اس وعدہ کو پورا کرنا لازم ہوگا، اس لئے کہ آپس کے باہمی وعدے بعض اوقات لازم ہوجاتے ہیں، لہٰذا یہاں بھی لوگوں کی ضرورت کی بناء پر لازم قرار دیا جائے گا''

بہر حال مندرجہ بالا عبارات فقہیہ کی بنیاد پر اس قسم کے وعدوں کو قضاء لازم قرار دینا جائز ہے۔ لہٰذا زیر بحث مسئلہ میں جس ایگریمنٹ پر دونوں فریق کے دستخط ہیں اس ایگریمنٹ کے مطابق گاہک نے جو یہ ''وعدہ'' کیا ہے کہ یہ زمین یا عمارت میں کمپنی کا جتنا حصہ ہے وہ اس حصہ کو خرید لے گا یہ ''وعدہ'' قضاء اور دیانۃ پورا کرنا لازم ہوگا۔

البتہ یہ ضروری ہے کہ کمپنی کے حصہ کی بیع اس وقت ہو جب وہ کمپنی اپنے حصے کی مالک بن جائے، اس لئے کہ ''بیع'' کو زمانہ مستقبل کی طرف منسوب کرنا (future sale) جائز نہیں، لہٰذا جب کمپنی اپنے حصے (زمین یا عمارت) کی مالک بن جائے اس وقت کمپنی مستقل ''ایجاب وقبول'' کے ذریعہ گاہک کے ساتھ بیع کا معاملہ کرے۔

(۲) شرکت متناقصہ

ہاؤس فائنانسنگ کا دوسرا طریقہ ''شرکت متناقصہ'' پر مبنی ہے، جو مندرجہ ذیل نکات پر مشتمل ہے:

۱- سب سے پہلے گاہک اور کمپنی ''شرکت ملک'' کی بنیاد پر مکان خریدیں گے، جس کے بعد وہ مکان مشترک ہوجائے گا، اور جس فریق نے اس کی خریداری میں جس تناسب سے رقم لگائی ہوگی، اس تناسب سے وہ اس مکان کا مالک ہوگا؛ لہٰذا اگر دونوں فریقوں نے نصف لگائی ہوگی تو وہ مکان دونوں کے درمیان آدھا آدھا ہوگا اور اگر ایک فریق ایک تہائی رقم لگائی اور دوسرے فریق نے دو تہائی رقم لگائی

تو وہ مکان اسی تناسب ہوجائے گا۔

۲- پھر کمپنی ماہانہ یا سالانہ کرایہ طے کر کے اپنا حصہ اس گاہک کو کرایہ پر دے دے گی۔

۳- پھر اس مکان میں کمپنی کا جتنا حصہ ہے، اس کو چند حصوں میں مثلاً دس برابر حصوں میں تقسیم کردیا جائے گا۔

۴- اس کے بعد فریقین آپس میں ایک متعین عرصہ (پیریڈ) طے کرلیں (مثلاً چھ ماہ یا سال کا عرصہ) پھر گاہک پر پیریڈ میں کمپنی کی کل ملکیت کے ایک حصہ کو اس کی قیمت ادا کر کے خرید لے گا، مثلاً اس مکان میں کمپنی کی کل ملکیت کے ایک حصے کو اس کی قیمت ادا کر کے خرید لے گا، مثلاً اس مکان میں کمپنی کا جو حصہ ہے اس کی قیمت دو لاکھ روپیئے ہے، پھر جب اس کو دس حصوں میں تقسیم کردیا تو ہر ایک حصہ کی قیمت بیس ہزار روپیئے ہوگی، لہٰذا گاہک ہر چھ ماہ بعد کمپنی کو بیس ہزار روپئے ادا کر کے اس کے ایک ایک حصہ کا مالک بنتا رہے گا۔

۵- گاہک جس قدر حصے خریدتا رہے گا، اسی حساب سے اس کی ملکیت میں اضافہ ہوتا چلا جائے گا، اور کمپنی کی ملکیت اس مکان میں کم ہوتی چلی جائے گی۔

۶- چونکہ گاہک نے کمپنی کا حصہ کرایہ پر لیا ہوا تھا، اس لئے جس قدر وہ کمپنی کے حصے خریدتا رہے گا اسی حساب سے کرایہ بھی کم ہوتا چلا جائے گا مثلاً اگر کمپنی کے حصہ کا ایک ہزار روپیئے طے ہوا تھا تو گاہک جس قدر حصے خریدے گا ہر حصہ کی خریداری کے بعد ایک سو روپیئے کرایہ کم ہوجائے گا، لہٰذا ایک حصے کی خریداری کے بعد کرایہ نو سو روپیئے ہوجائے گا اور دو حصوں کی خریداری کے بعد کرایہ آٹھ سو روپیئے ہوجائے گا۔

۷- حتیٰ کہ جب گاہک کمپنی کے دس کے دس حصے خرید لے گا تو وہ پورا مکان گاہک کی ملکیت ہوجائے گا اور اس طرح یہ شرکت اور کرایہ داری کے دونوں معاملے بیک وقت اپنے انتہا کو پہنچ جائیں گے۔

بہر حال ہاؤس فائنانسنگ کا مندرجہ بالا طریقہ تین معاملات پر مشتمل ہے:

۱- نمبر ایک فریقین کے درمیان شرکت ملک کا قیام۔

۲- نمبر دو کمپنی کے حصے کو گاہک کا کرایہ پر لینا،۔

۳- نمبر تین کمپنی کے حصے کو مختلف حصوں میں تقسیم کر کے گاہک کے ہاتھ ایک ایک کر کے فروخت کر دینا۔۔۔۔ان تین معاملات کو پہلے علاحدہ علاحدہ بیان کرنے کے بعد پھر مجموعی طور پر ہاؤس فائنانسنگ کے اس طریقہ کا جائزہ لیں گے۔

۱) جہاں تک پہلے مسئلہ کا تعلق ہے یعنی کمپنی اور گاہک کا مشترکہ طور پر مکان خریدنا تو شرعی لحاظ سے اس میں کوئی قباحت نہیں؛ اس لئے کہ اس خریداری کے نتیجے میں دونوں فریقوں کے درمیان ''شرکت ملک'' قائم ہوجائے گی اور اس ''شرکت ملک'' کے فقہاء نے مندرجہ ذیل تعریف کی ہے:

''شركة الملك هي أن يملك متعدد عينا أو دينا بإرث أو بيع وغيرهما''(۱)

''شرکت ملک'' یہ ہے کہ متعدد افراد وراثت یا بیع وغیرہ کے ذریعہ کسی چیز یا دین کے (مشترک طور پر) مالک بن جائیں۔(۲)

بہر حال، زیر بحث مسئلہ میں وہ مکان دونوں کے مشترکہ مال سے خریدنے کے نتیجہ میں اس کے اندر ''شرکت ملک'' وجود میں آ گئی ہے۔

۲) جہاں تک دوسرے معاملے کا تعلق ہے یعنی اس مکان میں کمپنی کے حصہ کو گاہک کا کرایہ پر لینا تو کرایہ داری کا یہ معاملہ بھی شرعاً جائز ہے، اس لئے مشترکہ چیز کو شریک کے علاوہ دوسرے کو کرایہ پر دینے کے جواز اور عدم جواز میں تو فقہاء کا اختلاف ہے، لیکن مشترک چیز کو شریک کے کرایہ پر دینے کے جواز پر فقہاء کا

---

(۱) كنز الدقائق: كتاب الشركة: ۱/ ۳۹۸، دار البشائر الاسلامية

(۲) تنوير الأبصار مع ردالمحتار: ۳/ ۲۶۴

کوئی اختلاف نہیں ہے۔

علامہ حصفکی رحمہ اللہ ''درمختار'' میں تحریر فرماتے ہیں:

''وتفسد (أی الإجارة) أیضا بالشیوع۔۔۔۔ إلا إذا اجر کل نصیبه أو بعضه من شریکه، فیجوز، وجوازه بکل حال'' (۱)

شرکت کی وجہ سے ''اجارہ'' فاسد ہوجاتا ہے، البتہ اگر مشترکہ چیز کا ایک شریک اپنا کل حصہ یا بعض حصہ دوسرے شریک کو اجارہ پر دے تو یہ جائز ہے، اور اس کی ہر صورت جائز ہے۔

۳) جہاں تک تیسرے معاملہ کا تعلق ہے کہ یعنی کمپنی کا اپنے مشترک حصہ کو گاہک کے ہاتھ ایک ایک حصہ کرکے فروخت کرنا تو یہ معاملہ بھی شرعاً جائز ہے؛ اس لئے اگر اس مکان کی زمین اور عمارت دونوں مبیع میں داخل ہیں تب تو بیع کے جواز میں کوئی اختلاف نہیں ہے، البتہ اگر اس مکان کی صرف عمارت مبیع میں داخل ہے، زمین داخل نہیں، تب اس عمارت کو شریک کے ہاتھ فروخت کرنا بالاجماع جائز ہے؛ لیکن کسی اجنبی کے ہاتھ فروخت کرنے کے جواز میں اختلاف ہے، چنانچہ علامہ ابن عابدین رحمہ اللہ ردالمحتار میں فرماتے ہیں:

''ولو باع أحد الشریکین فی البناء حصته لأجنبی، لا یجوز ولشریکه جاز'' (۲)

اگر کسی عمارت کے دو شریکوں میں سے ایک شریک اپنا حصہ کسی اجنبی کے ہاتھ فروخت کردے تو یہ بیع جائز نہیں، البتہ شریک کے ہاتھ فروخت کرنا جائز ہے۔

اور چونکہ زیر بحث مسئلہ میں وہ عمارت شریک ہی کے ہاتھ فروخت کی جاتی ہے،

---

(۱) الدر المختار، مطلب فی إجارة البناء: ۴۸/۶، دار الفکر، بیروت

(۲) ردالمحتار، کتاب الشرکة: ۳۳۰/۴

اس لئے اس کے جواز میں کوئی اختلاف نہیں۔

بہرحال، مندرجہ بالا تفصیل سے یہ ظاہر ہوگیا کہ یہ تینوں معاملات یعنی شرکت ملک اجارہ اور بیع ان میں سے ہر ایک فی نفسہ جائز ہے، اگر ان معاملات کو مستقل طور پر علاحدہ علاحدہ کیا جائے اور ایک معاملہ کے اندر دوسرے معاملہ کو مشروط نہ کیا جائے تو ان کے جواز میں کوئی غبار نہیں۔

البتہ اگر یہ معاملات فریقین کے درمیان کسی سابقہ معاہدہ اور ایگریمنٹ کے مطابق انجام پائیں تو اس میں "صفقة فی صفقة" کے اصول کی بنیاد پر یا ایک معاملہ کے اندر دوسرے معاملہ کے مشروط ہونے کی وجہ سے بظاہر ایسا لگتا ہے کہ "صفقة فی صفقة" ہونے کی وجہ سے یہ تینوں معاملات بھی ناجائز ہوجائیں گے۔

لیکن "صفقة فی صفقة" کی خرابی اس وقت لازم آئے گی جب ایک عقد کے اندر دوسرا عقد مشروط ہو، جب کہ زیر بحث مسئلہ میں فریقین آپس میں یہ وعدہ کرتے ہیں کہ وہ دونوں فلاں تاریخ کو عقد اجارہ کریں گے اور فلاں تاریخ کو عقد بیع کریں گے اور پھر یہ دونوں معاملات اپنے اپنے وقت پر کسی شرط کے بغیر منعقد ہوجائیں تو اس صورت میں "صفقة فی صفقة" کی خرابی باہر لازم نہیں آئے گی۔(۱)

❀❀❀❀❀❀

---

(۱) فقہی مقالات:۲/۲۲۱، اس مسئلہ کے لئے ملاحظہ کیجئے اسلام اور جدید معاشی مسائل، مفتی تقی عثمانی: ۵/۶۹، شرکت متناقصہ کی بنیاد پر ہاؤس فائنانسنگ، مزید ملاحظہ کیجئے، فتاوی دار العلوم زکریا، مرابحہ اور بینک کے احکام کا بیان:۵/۶۷۲، اسلامی بینکاری اور متفقہ فتوی کا تجزیہ، اسلام اور جدید معیشت وتجارت، شرکت ومضاربت عصر حاضر میں:۴۲۶، مولانا محمد عمران اشرف عثمانی، مکتبۃ معارف القرآن کراچی۔

اجارہ اور کرایہ داری کے احکام

انعقاد اجارہ کے لئے عاقدین یعنی اجیر اور مستأجر کا عاقل اور سمجھدار ہونا ضروری ہے، اسی وجہ سے اجارہ، مجنون اور صبی غیر ممیز کی طرف سے منعقد نہیں ہوتا، اجارہ فاسدہ جس میں مقتضائے عقد کے خلاف شرط لگانا مثلاً کرایہ پر لی ہوئی چیز میں جہالت یعنی وقت کا متعین نہ ہونا یا اجرت کا مجہول ہونا یعنی اجرت کی تعیین نہ کرنا یا کرایہ پر لی ہوئی چیز کا مشترک ہونا اور ان شریکوں میں سے کسی ایک کے اجازت کے بغیر کرایہ پر دیدینا ان صورتوں میں اگر اجارہ کرلیا تو اجرت مثل لازم ہوگی جب کہ اجرت متعین نہ ہوگی۔(۱)

کرایہ کے وصولی کے لئے ضروری ہے جس شئ کو کرایہ پر لیا جارہا ہے، وہ کرایہ دار کے قبضہ میں ہو اور جس وقت شئ ماجور کرایہ دار کے قبضہ میں آئے گی اس وقت سے کرایہ دار کے ذمہ اس کا کرایہ ادا کرنا لازم ہوگا، اس لئے اگر مالک عقد کے بعد کرایہ کا مطالبہ کرے اور اب تک مالک نے کرایہ دار کو اس شئ ماجور پر قبضہ نہیں دیا تو مالک کے لئے کرایہ کا مطالبہ کرنا جائز نہیں، کیوں کہ شئ ماجور پر قبضہ کرنے سے پہلے اس کی اجرت شرعاً لازم نہیں ہوتی۔

کرایہ داری میں ڈپازٹ کی شرعی حیثیت

آج کل بڑے شہروں میں مکانات کی کرایہ داری میں بھاری مقدار میں پیشگی رقم ڈپازٹ کے عنوان سے لینے کا معمول بن چکا ہے، اب اس میں کئی شکلیں ہوتی ہیں:

(۱) دررالأحکام: ۱/ ۵۱۳

الف) اگر ڈپازٹ کی رقم معمولی ہوتی ہے،تو ماہانہ کرایہ کی رقم زیادہ ہوتی ہے، اور جب کرایہ دار جائداد خالی کرتا ہے،تو مالک اسے ڈپازٹ کی رقم لوٹا دیتا ہے۔

ب) اگر ڈپازٹ کی رقم بھاری مقدار میں ہو،تو ماہانہ کرایہ کی رقم بہت معمولی ہوتی ہے، اور بہر صورت جب بھی جائداد خالی ہوتی ہے،تو مالک ڈپازٹ کی پوری رقم واپس کرنے کا ضامن ہوتا ہے۔

اگر ڈپازٹ کی رقم معمولی ہوتو ماہانہ کرایہ کی رقم زیادہ، اور اگر ڈپازٹ کی رقم بھاری مقدار میں ہوتو ماہانہ کرایہ کی رقم بہت معمولی۔ معاملہ کی یہ صورت شرعاً جائز نہیں ہونی چاہیے، کیوں کہ یہ "**کل قرض جر نفعا فھو ربا**" کے تحت داخل ہے۔ ڈپازٹ کی رقم رہن اور زرِ ضمانت ہے۔ڈپازٹ کی اس رقم کو مالکِ جائداد کے لیے استعمال کرنا جائز نہیں۔ یہی حضرت مولانا تقی عثمانی صاحب دامت برکاتہم کی رائے ہے، مروجہ پگڑی کا لین دین شرعاً جائز نہیں ہے،جس کے بارے میں فرماتے ہیں: ''یہ پگڑی کی صورت ہے اور حق استیجار کی بیع ہے، جو حقّ مجرد ہے اور حقوق مجردہ کی بیع شرعاً ناجائز ہے،اس لئے ایسا نیلام کرنا درست نہیں۔(۱)

صاحب احسن الفتاوی مفتی عبد الرشید صاحب فرماتے ہیں: اگر پگڑی دوکان کو بصورت رشوت یا رہن دی جاتی ہےتو مالک دکان اور کرایہ دار دونوں کے لئے ایسا کرنا جائز نہیں، اور اگر اجرت معجلہ کی صورت میں ہوتو کوئی قباحت نہیں۔(۲)

البتہ اس معاملہ کو شرعی جواز کے دائرہ میں لانے کے لیے یہ شکل اپنائی جاسکتی ہے کہ زرِ ضمانت کے طور پر دی جانے والی رقم کو پیشگی کرایہ قرار دیا جائے، اور مالک مکان یا دکان اس سے اپنے کرایہ کی متعینہ رقم بتدریج منہا کرتا جائے ، اس طرح کرنے سے مالک مکان ودکان اس رقم کا مالک بن جائے گا، اس کا استعمال اس کے لیے درست ہوگا،

---

(۱) فتاوی عثمانی، کتاب الاجارۃ: ۳/۴۰۶، کتب خانہ نعیمیہ دیوبند

(۲) احسن الفتاوی: ۷/۳۰۲

اور اس کی زکوۃ بھی اس پر واجب ہوگی، نیز کرایہ کی رقم پیشگی وصول ہونے کی وجہ سے مکان یا دکان کے مروجہ کرایہ میں کمی کرنا یہ بھی شرعاً جائز ہوگا، جیسے نقد اور ادھار بیع میں قیمتوں کا تفاوت جائز ودرست ہے، برخلاف اس کے کہ ڈپازٹ اور زرِ ضمانت کو قرض کے حکم میں قرار دے کر مالک اور کرایہ دار کو یہ تلقین کرنا کہ وہ اس قرض کی بنا پر مروجہ کرایہ میں کمی بیشی نہ کریں، محلِ غور ہے، کیوں کہ مشاہدہ یہ ہے کہ عام طور پر کرایہ داری کے معاملات میں یہی ہوتا ہے کہ جس قدر زرِ ضمانت زیادہ دیا جاتا ہے، کرایہ کم رکھا جاتا ہے، اور زرِ ضمانت کے کم ہونے کی صورت میں کرایہ زیادہ متعین کیا جاتا ہے، اور ظاہر ہے معاملہ کی یہ صورت شبہ ربا سے خالی نہیں۔

۱۔ ڈپازٹ کی اس رقم کو اگر قرض قرار دیا جاتا ہے، تو مالک مکان ودکان پر اس کی زکوۃ واجب نہیں، البتہ واپس ملنے کی صورت میں کرایہ دار پر اس کی زکوۃ واجب ہوگی، اور گذشتہ سالوں کی زکوۃ بھی ادا کرنی ہوگی۔

أما في حاشية الطحطاوي على مراقي الفلاح: وزكاة الدين على أقسام: فمنه قوي ووسط وضعيف، فالقوي وهو بدل القرض ومال التجارة إذا قبضه، وكان على مقر ولو مفلسا أو على جاحد عليه بينة زكاة لما مضى (١)

۲۔ اور اگر اسے رہن قرار دیا جاتا ہے، تو اس کی زکوۃ نہ مالک مکان ودکان پر واجب اور نہ کرایہ دار پر، کیوں کہ شی مرہون کی زکوۃ نہ تو راہن پر لازم ہوتی ہے اور نہ مرتہن پر، اس لیے کہ راہن کی ملک ہے مگر قبضہ نہیں، اور مرتہن کا قبضہ ہے مگر ملک نہیں، حالانکہ وجوبِ زکوۃ کے لیے ملکِ تام کا ہونا ضروری ہے۔

ولا في مرهون (وقوله:)ولا في مرهون (أي لا على

---

(١) الدر المختار مع الشامية: ۱۸۵/۳، ۱۸۴، مطلب في زكاة المبيع

المرتهن لعدم ملك الرقب ولا على الراهن لعدم اليد (۱)

۳- اور اگر اسے پیشگی کرایہ قرار دیا جاتا ہے، تو اس کی زکوۃ مالک مکان ودکان پر واجب ہوگی، کیوں کہ وہ اس رقم کا مالک بھی ہے اور قابض بھی۔

الزكاة واجب على العاقل البالغ المسلم إذا ملك نصابا ملكا تاما وحال عليه الحول (۲)

مفتی سلمان منصوری صاحب فرماتے ہیں کہ اگر پگڑی کو پیشگی کرایہ کے طور پر لیا جائے تو اس میں شرعاً کوئی اشکال نہیں، اور اگر بطور ضمانت یہ رقم لی جائے تو خالی کرتے وقت وہ رقم کرایہ دار کو واپس کرنا ہوگا (۳) اسی رائے کو مفتی کفایت اللہ صاحب نے کفایت المفتی : ۳۳۹/۷ میں، مفتی شبیر صاحب نے ایضاح النوادر : ۱۰۹/۱ میں اور صاحبِ فتاوی رحیمیہ نے ۵۵۱/۶ میں اختیار کیا ہے۔ اور یہی رائے جواز کی صاحب فتاوی زکریا کی بھی ہے اور انہوں نے اس کو حقوق کی بیع میں شامل کر کے حقوق کی بیع کے جواز پر بے شمار دلائل دیئے ہیں، ان کی یہ عبارت قابل غور ہے:

''پگڑی بھی حقوق ومنافع کی خرید وفروخت کی ایک قسم ہے، اس کا رواج اب تو شہر سے گاؤں تک ہو چکا ہے، خصوصیت سے بڑے اور مرکزی شہروں میں اس کا چلن ہے، بعض علاقوں میں اس کو ''سلامی'' بھی کہتے ہیں، عربی زبان میں اسکے لئے ''جلسۃ'' اور زیادتر ''خلو'' کا لفظ استعمال ہوتا ہے۔

کسی مکان یا دکان کو جب کرایہ پر دیا جاتا تو مالکِ مکان یا دکان کرایہ دار سے ماہانہ اجرت کے سوا کچھ رقم یک مشت حاصل کرتا ہے، اس رقم کی ادائیگی کے بعد کرایہ دار اس بات کا حقدار ہو جاتا ہے کہ وہ تاحیات اس میں رہے، کرایہ دار کے لئے بھی ایک

(۱) التنوير وشرحه مع الشامي: ۱۸۰/۳

(۲) الهداية: ۱۶۵/۱

(۳) کتاب النوازل: ۳۰۶/۱۲

دشواری یہ تھی کہ بعض اوقات اس کے لئے باعث مشقت ہوسکتا تھا، مثلاً کسی نے کرایہ کی عمارت میں دکان لگائی کاروبار جم گیا، اب اگر مالکِ دکان اسے خالی کرنے کا مطالبہ کرے تو یہ صورت حال اس لئے بڑی آزمائش بن جاتی ہے اور اس معاشی نقصان کی تلافی شاید ممکن نہ ہو، اس لئے قاضی مجاہدالاسلام قاسمی تحریر فرماتے ہیں۔

”اگر عرف کی خاموش زبان کو الفاظ کا جامہ پہنایا جائے تو اس کا مطلب یہ سمجھ میں آتا ہے کہ جس مالک نے کرایہ پر لگانے کے وقت پگڑی لی، اس نے گویا اپنا حقِ مالکانہ برقرار رکھتے ہوئے حق سکونت فروخت کردیا اور یہ حق کرایہ دار کا ایسا حق ہے کہ اس سے مالک مکان چھین نہیں سکتا، کرایہ دار کے وارثوں میں بھی یہ حق منتقل ہوگا اور کرایہ دار اس حق کو فروخت بھی کرسکتا ہے“(۱)

علامہ ابن نجیم مصری کا بھی نقطہ نظر جواز کا ہے، چنانچہ فرماتے ہیں کہ سلطان غوری نے ”غوریہ“ میں ”جملون“ کی دو کانوں کی خود تعمیر کی اور پھر تجار کو حق خلو کے ساتھ سکونت عطا کی اور ہر دوکان کے لئے ایک مقدار مقرر کردی جس کو سلطان نے ان سے وصول کیا اور وقف کی دستاویز میں اس کو لکھ دیا۔(۲) یہی بات فتاوی شامی میں بھی ہے۔(۳)

مجمع الفقہ الاسلامی جدہ نے بھی پگڑی کے لینے کو جائز قرار دیا ہے، اپنے چوتھے سیمنار (منعقدہ: ۱۸/تا ۲۳ جمادی الاخری ۱۴۱۸ھ مطابق ۱۱/فروری ۱۹۸۸ء) البتہ اگر مدت اجارہ کے ختم ہونے سے پہلے مالک اپنی ملک کو واپس لینا چاہتا ہے تو مستاجر مالک سے مدت اجارہ کے اختتام تک کرایہ دار کو اس جائداد سے نفع اٹھانے کا جو حق حاصل ہے،

---

(۱) مجلہ فقہ اسلامی: ۱/ ۸۳، اسلامک فقہ اکیڈمی، انڈیا

(۲) الاشباہ والنظائر میں یا فتاوی زکریا میں اصل عبارت دیکھ لیں: ۱/ ۲۸۶-۲۹۱، تحت القاعدۃ، المادۃ محکمۃ، ادارۃ الفرقان

(۳) فتاوی شامی: ۴/ ۵۲۱-۱۲۲=۱۲۳، تفصیل کے لئے دیکھے فتاوی زکریا: باب بیع الحقوق: ۵/ ۱۶۳ تا ۳۲۰، المکتبۃ الاشرفیہ دیوبند

اس کے عوض میں مالک کرایہ دار کو ایک معین رقم ادا کرے گا تو یہ بدل الخلو شرعاً جائز ہے، اس لئے کہ ''بدل الخلو'' یہ رقم اس رضا کارانہ دست برداری کا معاوضہ ہے جس کے تحت کرایہ دار، جس منفعت کا خود حقدار تھا اس کو مالک کے حق میں چھوڑ رہا ہے، لیکن اگر کرایہ داری کی مدت ختم ہوگئی تھی، اور عقد اجارہ کی تجدید صراحتاً یا عقدہ اجارہ کے شرائط کے تحت طریقہ سے ضمناً نہیں ہوئی تھی، تو اس صورت میں بدل الخلو (پگڑی) کے طور پر کوئی رقم لینا جائز نہیں، اس لئے کہ مدت اجارہ ختم ہونے پر کرایہ دار کا حق ختم ہوگیا، اب مالک اس جائداد کا زیادہ حقدار ہے۔

اسی طرح اس موضوع پر اسلامک فقہ اکیڈمی انڈیا نے دوسرے فقہی سمینار (منعقدہ: ۱۹۸۹ء بمقام ہمدرد سمینار ہال دہلی) میں بڑی بحث وتمحیص کے بعد پگڑی کے صحیح حل پر تجاویز پیش کی جس کا خلاصہ یہ ہے:

۱- مالک مکان زرِ ضمانت وڈپازٹ کے نام پر کرایہ دار سے جو پیشگی رقم وصول کرتا ہے بہتر یہ ہے کہ اس کو محفوظ رکھا جائے، اگر مالک اس کو خرچ کر دے تو وہ اس بات کا ضامن ہوگا کہ کرایہ داری کی مدت ختم ہوتے ہی وہ رقم کرایہ دار کو فوراً واپس کر دے۔

۲- اگر کوئی مکان یا دکان کرایہ پر دی جائے، اور مالک مکان مروجہ ''پگڑی'' کے نام پر ماہوار کرایہ کے علاوہ بھی رقم کرایہ دار سے وصول کرے تو سمجھا جائے گا کہ مالک مکان نے بحیثیت مالک اپنے مکان کو کرایہ دار سے واپس لینے کے حق سے دست برداری کا عوض وصول کرلیا ہے، یہ رقم اس کے لئے اس حق کے عوض ہونے کی بنیاد پر جائز ہوگی، آئندہ اگر مالک مکان کرایہ دار سے مکان واپس لینا چاہے تو کرایہ دار کو اس کا حق ہوگا کہ وہ مکان خالی کرنے کا عوض جس پر ہر دو فریق راضی ہوجائیں مالک مکان سے وصول کرے اور اسی طرح میں کرایہ دار دوسرے کرایہ دار کے حق میں باہمی طے شدہ رقم کے عوض اپنے اس حق سے جو

اس نے اصل مالک سے عوض دے کر حاصل کیا تھا دست بردار ہوسکتا ہے۔

۳- مالک مکان نے پگڑی لئے مکان بغیر کرایہ پر دیا اور اجارہ کی مدت اصل معاہدہ میں مقرر نہیں کی گئی ہو تو اس صورت میں مالک مکان کو حق ہوگا کہ جب چاہے مکان خالی کرالے؛ البتہ مالک کو چاہئے کہ خالی کرانے کا نوٹس اور خالی کرانے کی تاریخ کے درمیان اتنی مہلت دے جو مقامی حالات کے پیش نظر مناسب ہو اور جس میں مالک اور کرایہ دار کو کوئی خاص ضرر لاحق نہ ہو اور کرایہ دار کو بھی چاہئے کہ اس مناسب مہلت میں مکان خالی کردے۔

پٹہ (اجرت) دوامی کی صورت

☆ اگر کوئی شخص زمین کو متعین مدت اور متعین اجرت کے ساتھ کرایہ پر لے تو عرفِ عام میں کو اس کو پٹہ کہا جاتا ہے، اگر اس میں اجارہ کی تمام شرائط کامل طریقہ سے پائی جائیں تو اس کے جواز میں کوئی شبہ نہیں ہے اور یہ معاملہ مدتِ اجارہ ختم ہونے سے یا زمیندار یا کرایہ دار کی موت واقع ہونے سے ختم ہوجاتا ہے، پھر کرایہ دار کو اپنا قبضہ برقرار رکھنے کا کوئی حق نہیں ہوگا۔

☆ پٹہ کی دوامی صورت یہ ہوتی ہے کہ کوئی شخص حکومت یا کسی وقف ادارے یا بیت المال یا کسی کی شخصی ملکیت سے کوئی زمین متعین کرایہ کے ساتھ لے لے، اس عقد میں زمیندار کرایہ دار کے نام پر لکھ کر دے دیتا ہے کہ یہ زمین ہمیشہ ہمیش کے لئے کرایہ دار کو دی جارہی ہے، جس کے بعد کرایہ دار اور زمیندار اس بات سے بخوبی واقف رہتے ہیں کہ زمین پر اب ملکیت تو زمیندار کی رہے گی؛ لیکن اس کو ہمیشہ کے لئے استعمال کرنے کا حق کرایہ دار کے پاس ہی رہے گا، اور یہ معاملہ زمیندار یا کرایہ دار میں سے کسی ایک کی موت سے بھی ختم نہیں ہوتا؛ بلکہ استعمال کا یہ حق ایک نسل کے بعد دوسری نسل کی طرف منتقل ہوجاتا ہے، اور زمیندار کرایہ دار سے اس زمین کو کبھی بھی اس کی رضامندی کے بغیر واپس نہیں

لے سکتا، فقہائے متأخرین نے جن صورتوں میں پٹہ دوامی کی اجازت دی ہے، وہ صورتیں درج ذیل ہیں:

۱- جس زمین یا مکان کو پٹہ دوامی کے طور پر دیا گیا ہے، وہ عقد شروع ہی سے پٹہ دوامی کے طور پر دیا گیا ہو، اور کرایہ دار کو مالک نے اس امر کی یقین دہانی کرادی ہو کہ کرایہ دار کا قبضہ اس پر سے ختم نہیں کیا جائے گا۔

۲- کرایہ دار نے مالک کی اجازت سے قبضہ ختم نہ کرنے کی یقین دہانی کے بعد، اس زمین پر اپنا روپیہ اور محنت لگائی ہو اور کوئی مستقل پائیدار عین قائم کر دی ہو، مثال کے طور پر زمین ہموار کر کے اس میں کوئی کنواں یا نہر، یا حوض یا عمارت وغیرہ تعمیر کر لی ہو۔

۳- پٹہ دوامی اوقاف کی زمین میں ہو یا یہ زمین بیت المال کی ملکیت ہو، یا ایسی کرایہ کی زمین میں بھی پٹہ دوامی کیا جا سکتا ہے جس میں مالک نے کرایہ دار کو قبضہ ختم نہ کرانے کی یقین دہانی کروا کر پٹہ دوامی لکھ دیا ہو، جس کی بنیاد پر اس نے اس زمین پر کوئی پائیدار عین تعمیر کر لی ہو، ان شرائط کے ساتھ زمین کو پٹہ دوامی پر دینا شرعاً جائز ہے، اور کرایہ دار کا قبضہ اس وقت تک ختم کرنا جائز نہ ہوگا جب تک کہ وہ مندرجہ ذیل شرائط کی پابندی نہ کرے۔

الف) جائداد کا متعین کرایہ یا بٹائی کا حصہ پابندی سے ادا کرتا ہے۔

ب) کرایہ دار یا کاشتکار کے لئے لازم ہے کہ وہ زمین کی وہ اجرت ادا کرتا ہے جو اس وقت اس جائداد کی عرف ورواج میں ہو یعنی اجرت مثل ادا کرتا رہے، اگر اس جائداد کا کرایہ معاملہ کرنے کے بعد بڑھ جائے تو کرایہ دار کے لئے بھی لازم ہوگا کہ وہ بھی اس جائیداد کا کرایہ بڑھا دے اور عرف ورواج کے مطابق کرایہ ادا کرتا رہے، لیکن یہاں اس بات کا خیال رکھنا ضروری ہے کہ جائداد کی اجرت مثل میں اس حالت کا اعتبار کیا جائے گا جو کرایہ دار کے اس زمین میں عمل

اور تصرف کرنے سے پہلے تھی، مثال کے طور پر ایک کرایہ دار نے زمین دس ہزار (10,000) روپیئے کرایہ پر لی، بعد میں ایسی ہی حالت وصفت والی زمین کا کرایہ بارہ ہزار (12,000) روپیہ ہوگیا تو اب کرایہ دار کے لئے اس زمین کا کرایہ بارہ ہزار (12,000) روپیئے ہی ادا کرنا ضروری ہوگا، کاشتکار یا کرایہ دار کے عمل سے اس زمین کے کرایہ میں اگر کوئی اضافہ ہوا ہے تو اس کا اجرتِ مثل میں اعتبار نہیں کیا جائے گا، بلکہ اس عمل اور تصرف سے پہلے کی حالت کا اعتبار کرتے ہوئے اجرتِ مثل کا تقرر ہوگا۔

ج) کاشتکار یا کرایہ دار اس زمین کو تین سال تک معطل نہ چھوڑے۔

اگر شرائط مذکورہ میں سے کسی شرط کی خلاف ورزی کی گئی تو کرایہ یا کاشتکار کا اس زمین پر سے دائمی حق استعمال ختم ہوجائے گا، اور اگر اس نے ان شرائط کی پابندی کی تو اس کا اس جائداد پر دائمی حق استعمال ثابت ہوجائے گا اور اس کے انتقال کے بعد یہی حق اس کے ورثاء کی طرف منتقل ہوجائے گا، لیکن یہاں اس بات کی وضاحت ضروری ہے کہ پٹہ دوامی میں جائداد پر جو دائمی ''حق'' کرایہ دار کو ملتا ہے، اور اس کے انتقال کے بعد اس کے ورثاء کی طرف منتقل ہوجاتا ہے، وہ ملکیت کیساتھ نہیں ہوتا؛ بلکہ ملکیت تو درحقیقت اصل مالک کی ہی رہتی ہے اور اس زمین یا جائداد کو استعمال کرنے کا حق پٹہ دوامی میں کرایہ دار کو ملتا ہے، اس کے انتقال کے بعد یہی حق ورثاء کی طرف منتقل ہوتا ہے، چونکہ پٹہ دوامی میں ملکیت نہیں ہوتی؛ بلکہ ''حق'' ہوتا ہے، اس لئے کرایہ دار کے انتقال کے بعد فقہاء کے نزدیک یہ حق ورثاء میں سے صرف لڑکوں کو ملے گا، لڑکیوں اور دوسرے ورثاء کو یہ حق منتقل نہیں ہوگا، جب کہ بعض فقہاء کے نزدیک لڑکے نہ ہونے کی صورت میں لڑکی اور اگر وہ نہ ہو تو حقیقی باپ بھائی کو اور وہ بھی نہ ہو تو حقیقی ہمشیرہ کو اور وہ بھی نہ ہو تو ماں کو حق دیا جائے گا۔

نوٹ: پٹہ دوامی کی صورت چوں کہ اصل ضابطہ اجارہ اور فقہاء کی ذکر کردہ تصریحات

کے مطابق نہیں ہے؛ اس لئے فقہاء نے اجارہ کی اس صورت کو ناجائز کہا ہے، البتہ علامہ شامی رحمہ اللہ نے مختلف فقہاء کی عبارتیں اس صورت کے عدم جواز پر نقل کی ہیں، پھر ''قنیہ'' سے اس کا جواز ثابت کیا ہے، اور اس کے جواز کی تائید میں امام خصاف رحمہ اللہ کی عبارت پیش کی ہے چونکہ فقہاء کی عبارات اس مسئلہ میں مختلف ہیں اور ان کے درمیان اضطراب پایا جاتا ہے؛ اس لئے ان عبارتوں کے درمیان اس طرح کی تطبیق دی جائے گی کہ جن عبارتوں سے پٹہ دوامی کا عدم جواز ثابت ہوتا ہے، ان کا مطلب یہ سمجھا جائے گا کہ چونکہ پٹہ دوامی کی عمومی نوعیت عام شرعی ضابطوں کے خلاف ہے، اس لئے یہ صورت ناجائز ہوگی، اور جن عبارتوں سے پٹہ دوامی کا جواز ثابت ہوتا ہے، ان کا مطلب یہ سمجھا جائے گا کہ ان سے مراد وہ خاص صورتیں جن کو اوپر بیان کیا گیا؛ اس لئے اگر ان خاص خاص صورتوں کے مطابق پٹہ دوامی کو اختیار کیا جائے تو جائز طریقہ کار کی وجہ سے وہ مستثنیٰ ہوگی، اور فقہاء کرام کے فتوی کے مطابق جائز ہوگی۔(۱)

حضرت مفتی رشید احمد صاحب لدھیانوی رحمہ اللہ نے احسن الفتاوی (۷/ ۳۴۴) میں تفصیل سے ذکر کیا ہے، وہ درج ذیل ہے:

۱) مالک بوقت عقد مستاجر کو پٹہ دوامی لکھدے کہ یہ زمین ہمیشہ کے لئے کرایہ پر دی جارہی ہے۔

۲) کرایہ دار اس زمین میں تعمیر وغیرہ کرلے۔

۳) معاہدہ میں طے ہو کہ جب اس جیسی زمینوں کا کرایہ بڑھے گا تو اس کا بھی کرایہ بڑھے گا، یعنی اجرتِ مثل واجب ہوگی اور اس میں معیار زمین کی اصل حالت کو بنایا جائے گا جو قبل الاجارہ تھی، موجودہ حالت کو نہیں (جو مستاجر کی اصلاح ودرستگی کے بعد بنی ہے)۔

---

(۱) مجموعہ رسائل عابدین: ۲/ ۱۵۴، اسلام کا قانون اجارہ: ۳۹۰

۴) کرایہ دار پابندی سے کرایہ ادا کرتا رہے۔

۵) کرایہ دار زمین کو ۳ سال تک معطل نہ چھوڑے۔

۶) اوقاف کی زمینوں میں پٹہ دوامی پر دینا اسی وقت جائز ہوگا جب کہ انہیں آباد کرنے اور اس سے معتد بہ مقدار میں نفع حاصل کرنے کے لئے اس کے علاوہ کوئی اور شکل نہ ہو۔

۷) یہ کسی بھی طرح سے وقف کے لئے مضر اور مخل نہ ہو۔

اگر مستاجر ان شرائط کی پاسداری کرے تو اس کا حق قرار بحال رہے گا، اور وراثت میں بھی منتقل ہوگا؛ لیکن بحیثیت ملک نہیں؛ بلکہ بحیثیت استحقاق ہوگا، اسی لئے یہ انتقال قواعد میراث کی بنیاد پر نہ ہوگا۔

اگر مستأجر ان شرائط کی پاسداری نہیں کرتا تو مالک یا متولی وقف کو اس سے قبضہ ختم کرنے کا حق رہتا ہے۔

یہی بات مفتی جعفر صاحب ملی نے فقہی وفکری واصلاحی مقالات ومضامین میں کہی ہے۔(۱)

پٹہ دوامی میں حق وراثت کا مسئلہ

مفتی سلمان منصور پوری پٹہ دوامی میں حق وراثت کے جاری ہونے کے حوالہ سے فرماتے ہیں:

''کرایہ داری کے بارے میں اصل تو یہی ہے کہ مالک یا کرایہ دار کے انتقال کے بعد یہ معاملہ خود بخود ختم ہوجائے اور آگے معاملہ جاری کرنے کے لئے از سر نو عقد کی ضرورت پڑتی ہے، لیکن طویل مدتی کرایہ دار میں عرفاً کرایہ دار کے وارثین کو حق کرایہ داری حاصل ہوتا

(۱) فقہی وفکری واصلاحی مقالات ومضامین، مفتی جعفر ملی، ۳۸۵، جامعہ اسلامیہ اشاعت العلوم، اکل کنواں نندربار، مہاراشٹر

ہے، اس لئے کرایہ دار کے انتقال کے بعد اس حق میں اس کے سبھی ورثاء حصہ دار ہوں گے"۔(۱)

مفتی سلمان منصوری مدظلہ نے اپنی کتاب النوازل میں ادارہ الفقہیہ جمیعۃ علماء ہند کا اہم فیصلہ، مورخہ: ۲۱=۲۳/رجب ۱۴۳۴ھ بمقام "شیخ الہند" دیوبند نقل کیا ہے، جو طویل مدتی کرایہ داری میں حق میراث کو واضح کرتا ہے۔(۲)۔

اسلامی اصول کی روشنی میں کرایہ دار کو مالک کے درجہ میں نہیں رکھا جاسکتا ھے؛ لیکن ہندوستان جیسے غیر اسلامی مما لک میں جہاں بہت سی صورتوں میں کرایہ دار کو قانونی پشت پناہی حاصل ہوتی ہے، اور مالک بآسانی اپنی ملکیت کرایہ دار سے خالی کرانے کا اختیار نہیں رکھتا، جیسا کہ طویل مدتی کرایہ داری میں یہ بات بالکل واضح ہے، نیز بعض صورتوں میں کرایہ دار کی وفات کے بعد اس کے وارثین کی حق تلفی کی صورت بھی سامنے آسکتی ہے، ان تمام پہلوؤں کو پیشِ نظر رکھتے ہوئے فقہی اجتماع درج ذیل تجاویز منظور کرتا ہے:

۱) کرایہ دار کو شرعی اصول کی روشنی میں حقیقی مالک کے درجہ میں نہیں رکھا جاسکتا، بلکہ وہ صرف کرایہ داری کے زمانہ میں اس ملکیت سے انتفاع کا حق رکھتا ہے، بیع وشراء کا حق نہیں رکھتا۔

۲) اگر کرایہ داری کی مدت متعین ہو تو مقررہ وقت گزرنے پر عقد اجارہ خود بخود ختم ہوجائے گا، اب یا تو مالک سے صراحتاً یا دلالۃ مطالبہ کیا جائے یا مالک کے مطالبہ پر جائداد خالی کردی جائے، اس صورت میں مالک کی مرضی کے بغیر کرایہ دار کا جبری قبضہ جائز نہیں ہے؛ بلکہ صریح ظلم ہے۔

۳) طویل مدتی کرایہ داری کی وجہ سے اگرچہ کرایہ دار کو مالکانہ حقوق حاصل نہ ہوں گے،

---

(۱) کتاب النوازل: ۱۲/ ۳۴۲

(۲) حوالہ سابق

لیکن بعض صورتوں میں جیسے پٹہ دوامی یا اس کے مشابہ؛ کرایہ داروں کو حق قرار حاصل ہوگا، اور مالک کو بلا کسی عذر شرعی کے معاملہ فسخ کرنے کا اختیار نہ ہوگا۔

۴) جن صورتوں میں کرایہ دار کو شرعاً کرایہ داری برقرار رکھنے کا استحقاق ہو ان صورتوں میں اس کی وفات کے بعد تمام ورثاء کو یہ استحقاق رہے گا، کسی ایک وارث کو یہ حق نہ ہوگا کہ وہ اپنے نام کرایہ داری منتقل کرا کے دوسروں کو محروم کردے

۵) نیز اس صورت میں اگر حق اجارہ داری سے دستبرداری کے بدلہ کوئی معاوضہ حاصل کیا جاسکتا ہے تو اس میں حسب اصول شرع تمام ورثاء حق دار ہوں گے۔(۱)

خلاصہ: اس تحریر کا یہ ہے کہ اوقاف میں تو حق دوام فقط ایسے ورثاء کی طرف منتقل ہوگا جو وقف کو آباد کرنے، اس کے منافع کو برقرار رکھنے یا اس کو بڑھانے کی صلاحیت رکھتے ہوں ظاہر ہے کہ عموماً یہ نرینہ اولاد میں ہوگا، اِلَّا یہ کہ کسی کی مؤنث اولاد بھی اس معیار پر پوری اترے، جب کہ شخصی املاک میں مستاجر کی ضرورت ہی اپنی آئندہ نسل تک اس اجارہ کے فوائد کو باقی رکھنے کی ہے، اس لئے شخصی املاک میں تمام ورثاء باعتبارِ میراث شریک ہوں گے۔

فتاوی دار العلوم زکریا: ۵/ ۳۳۲ میں اس مسئلہ پر بحث کے بعد خلاصہ میں جواہر الفقہ کے اس قول کی تردید ہے جس میں فقط اولاد ذکور کی طرف حق دوام منتقل ہونے کا حکم ہے، اس سلسلہ میں بھی ہمارا خیال یہی ہے کہ جواہر الفقہ میں اس مسئلہ کی دونوں جہتیں، شخصی املاک اور اوقاف کو الگ الگ کر کے نہیں دیکھا گیا، اور غور کرنے سے وہی نتیجہ نکلتا ہے، جو ہم نے سابق میں ذکر کیا۔(۲)

کسی سے مکان کرایہ پر لے کر آگے دوسرے کو کرایہ پر دینا

عربی میں اس کو ''اجارہ علی الاجارہ'' کہا جاتا ہے، جس کا مطلب یہ ہے کہ مستاجر

---

(۱) فقہی اجتماعات کے اہم فیصلے وتجاویز: ۸۰، ۸۱

(۲) فتاوی دار العلوم زکریا: ۵/ ۳۳۲ تا ۳۳۴، بیع الحقوق کا بیان

کسی شخص سے کوئی چیز کرایہ پر لینے کے بعد پھر آگے کسی دوسرے کو کرایہ پر دیدے اس کی تفصیل یہ ہے کہ ایک شخص نے مثلاً کسی سے مکان کرایہ پر لیا، پھر مستاجر نے موجر کی اجازت سے اسی مکان کو کسی شخص کو کرایہ پر دے دیا، اب اگر اس ذیلی اجارہ (Sub Leasing) میں اصل عقد کے برابر یا اس سے کم کرایہ طے کیا جائے اور موجر (Lessor) نے اس عقد کی اجازت بھی دے دی تو یہ ذیلی اجارہ تمام فقہاء کرام کے نزدیک بالاتفاق جائز ہے، اور اگر موجر نے ذیلی اجارہ کی اجازت نہیں دی تو تمام فقہاء کرام کے نزدیک بالاتفاق یہ عقد (Contract) جائز نہیں ہوگا، اور اگر اس ذیلی اجارہ میں مستاجر نے آگے کسی اور شخص کو اصل عقد سے زیادہ کرایہ پر دیا تو اس صورت کے جواز میں حضرات فقہاء کرام رحمہم اللہ کی آراء میں اختلاف ہے، حضرت امام شافعی رحمہ اللہ اور حضرت امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ اور دوسرے فقہاء کرام رحمہم اللہ کے نزدیک مستاجر کے لئے یہ کرایہ وصول کرنا جائز ہے، جب کہ امام اعظم ابوحنیفہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ مستاجر کے لئے مستاجر ثانی (Sublessee) سے اصل عقد سے زیادہ کرایہ وصول کرنا دو صورتوں کے ساتھ جائز ہوگا:

۱) پہلی صورت یہ ہے کہ مستاجر جب کسی چیز کو کرایہ پر لے تو اس شیٔ ماجور میں اپنی جانب سے کسی عین کا اضافہ کردے، مثلاً زمین کرایہ پر لیا تو اس میں نہر کھدوادے یا کنواں کھدوادے، یا اس زمین میں کوئی عمارت تعمیر کرادے، یا اس زمین کے ساتھ کوئی اور اپنی زمین ملادے، پھر اسے دوسرے کرایہ دار پر دے تو اب اس صورت میں مستاجر اول، مستاجر ثانی سے اصل عقد سے زیادہ کرایہ وصول کرسکتا ہے، اور اس کا یہ اضافی کرایہ وصول کرنا جائز ہوگا۔(۱)

۲) دوسری صورت حنفیہ کے نزدیک اس عقد کے جائز ہونے کی یہ ہے کہ جس چیز کو کرایہ پر لیا گیا ہے، اور اس کا کرایہ جس کرنسی میں طے ہوا ہے، مستاجر آگے کسی

---

(۱) کتاب النوازل: ۱۲/ ۳۳۹

اور کو اس کے علاوہ کسی اور کرنسی میں کرایہ دیدے مثلاً زید نے زمین کرایہ پر لی اور پاکستانی روپیئے میں کرایہ طے کیا گیا، اب زید اگر عمرو کو یہی زمین اضافی کرایہ کے ساتھ دینا چاہتا ہے تو وہ پاہندوستانی کرنسی کے علاوہ کسی اور کرنسی مثلاً ریال، ڈالر یا پاؤنڈ وغیرہ میں کسی اور کو کرایہ پر دیدے اور اضافی کرایہ وصول کرلے، یہ بالاتفاق جائز ہوجائے گا، حضرات حنفیہ کے نزدیک ان دونوں صورتوں میں جواز کی علت یہ ہے کہ مستاجر جب روپیئے کے بدلے ڈالر (Dollar) یا پاؤنڈ (POUND) دے تو اختلافِ جنس کی وجہ سے اس طرح کرایہ پر دینا اضافی رقم کا وصول کرنا جائز ہوجاتا ہے، اسی طرح اگر شئ ماجور میں کسی عین کا اضافہ کردیا گیا تو اضافی کرایہ اضافی عین کے مقابلہ میں ہوجائے گا، اور بقیہ کرایہ اصل کرایہ (Rent) کے بدلہ میں ہوجائے گا، اس لئے یہ عقد جائز ہوگا، حضرات حنفیہ نے اس معاملہ میں سود سے بچنے کے لئے انتہائی احتیاط سے کام لیا ہے، اللہ تعالیٰ سودی معاملات سے ہماری حفاظت فرمائے۔(۱)

مالک مکان کا سال یا مہینہ میں کرایہ بڑھانا

اگر کرایہ داری کا معاملہ سالانہ طے کیا گیا ہے، تو درمیان سال میں مالک کو کرایہ بڑھانے کا اختیار نہیں ہے، اور اگر سالانہ معاملہ نہیں ہے؛ بلکہ ماہ بماہ معاملہ ہوتا ہے، تو مالک کو حق ہے کہ وہ کرایہ بڑھانے کا مطالبہ مہینہ شروع ہونے سے قبل کرے، اس طرح سالانہ معاملہ کی صورت میں سال شروع ہونے سے پہلے کرایہ دار سے اضافہ کا مطالبہ کرسکتا ہے، اب کرایہ دار کو اختیار ہے چاہے وہ نیا کرایہ منظور کرے یا دوکان خالی کردے۔(۲)

---

(۱) درر الحکام شرح مجلة الأحکام: ۱/۶۱۷، المادة: ۵۸۷، اسلام کا قانون اجارہ: ۵۲۷

(۲) کتاب النوازل: ۱۲/۳۳۷-۳۳۸

دوکان کے سامنے اشیاء فروخت کرنے پر کرایہ

☆ دکاندار کا اپنی دکان کے سامنے اشیاء فروخت کرنے والے سے وہاں کھڑے ہونے کی اجرت لینا جائز نہیں؛ کیوں کہ دکان کے سامنے کی جگہ تو عام استعمال کے لئے ہوتی ہے، دکاندار کی ملکیت میں نہیں ہوتی، اور کرایہ صرف اپنی ملکیت کی اشیاء کا وصول کرنا جائز ہے، ہاں اگر وہ جگہ دکاندار کی ذاتی ملکیت میں ہے تو پھر کرایہ وصول کرسکتا ہے۔(۱)

عمارت کی مرمت کا خرچہ مالک بلڈنگ پر

عمارت کی مرمت سے متعلق خرچہ مالک بلڈنگ پر لازم ہوگا، البتہ اگر عرف میں مستاجر پر لازم ہو تو عرف کا اعتبار ہوگا، یا کاغذات میں شرائط میں متأجر پر لازم کیا ہو تب بھی مستاجر پر لازم ہوگا اور بلڈنگ میں رہائش پذیر تمام لوگوں پر برابر تقسیم ہوگا۔(۲)

مکان خالی کرنے کے عوض مالک سے رقم کا مطالبہ

بسا اوقات کوئی شخص کسی سے اس کا مکان یا دکان کرایہ پر لیتا ہے، جس میں مدتِ کرایہ داری بھی باہمی رضامندی سے طے ہوتی ہے، مثلاً معاملہ کرتے وقت یہ طے پاتا ہے کہ کرایہ داری کا یہ معاملہ صرف پانچ سال تک کے لئے ہے، اور اس کے بعد مالک کو اپنے مکان یا دکان کے خالی کرانے کا اختیار حاصل ہوگا تو کرایہ دار پر اس معاہدہ کا پاس ولحاظ رکھنا واجب ہے، کیوں کہ معاہدہ شکنی گناہ کبیرہ ہے، مگر عام طور پر یہ دیکھنے میں آیا ہے کہ کرایہ دار اس معاہدہ کی خلاف ورزی کرتے ہوئے وقت پر مکان یا دکان خالی نہیں کرتا، شرعاً اس کا یہ عمل گناہ کبیرہ کا ارتکاب ہے، یا خالی کرنے پر راضی تو ہوتا ہے مگر خالی عوض مالک سے کسی رقم کا مطالبہ کرتا ہے اور مالک مجبوری میں اسے یہ رقم دے بھی دیتا ہے، کرایہ دار کے لئے اس رقم کا وصول کرنا حلال نہیں ہے: **وَلَا تَأْكُلُوْا اَمْوَالَكُمْ**

---

(۱) دررالحکام: ۱/ ۹۸، اسلام کا قانون اجارہ: ۴۴۰

(۲) دیکھئے فتاوی دارالعلوم زکریا: ۵/ ۶۷۴

بَيۡنَكُمۡ بِالۡبَاطِلِ(۱) اپنے مالوں کو آپس میں باطل طریقے سے نہ کھاؤ۔ بلکہ یہ مردار اور خنزیر کی طرح قطعی حرام ہے، جو شخص خدا، رسول اور آخرت کی جزاوسزا پر ایمان رکھتا ہو وہ ایسی حرام خوری کا ارتکاب نہیں کرسکتا، البتہ پگڑی کی رقم دی ہوئی تھی تو اس کا لینا درست ہے۔(۲)

گورنمنٹ کواٹرس کرایہ پر دینے کا مسئلہ

گورنمنٹ کے ادارے دوطرح کے ہوتے ہیں۔فوجی محکمہ جات، سول محکمہ جات۔ دونوں اداروں کا اپنے ملازمین کو گورنمنٹ کوارٹرز مہیا کرنے کا طرز جدا ہے اس لئے شرعی حکم میں بھی فرق ہوگا۔

فوجی محکمہ جات

فوجی محکمہ جات اپنے ملازمین کو جو کوارٹرز مہیا کرتے ہیں وہ بطور عاریت کے ہوتے ہیں کیونکہ متعلقہ محکمہ ان سے کسی قسم کا کرایہ یا مکان الاؤنس وصول نہیں کرتا بلکہ انہیں رہائشی سہولیات دینے کا ذمہ دار ہوتا ہے۔ چنانچہ فوجی محکمہ جات کا اپنے ملازمین کے ساتھ شرعاً اعارہ کا معاملہ ہوتا ہے۔اس صورت میں ملازم گورنمنٹ کوارٹر کسی کو کرایہ پر تو دینے کا شرعاً مجاز ہی نہیں۔باقی رہا یہ سوال کہ کسی کو عاریت پر دینے کا مجاز ہے یا نہیں؟

مستعیر کو معیر کی تقیدات کا لحاظ رکھنا اور اس کی پابندی کرنا لازم ہے، تجاوز جائز نہیں ورنہ وہ ضامن ہوگا، چنانچہ فوجی ملازم شرعاً عاریت پر بھی کوارٹر کسی کو دینے کا مجاز نہیں۔

لہٰذا چونکہ فوجی محکمہ جات کا اپنے ملازمین کے ساتھ اعارہ مقید ہوتا ہے، چنانچہ فوجی ملازم متعلقہ محکمہ کی قیود وشرائط کا پابند ہے ان سے تجاوز نہیں کرسکتا، اس لئے کسی دوسرے کو عاریت پر دینے کا مجاز نہیں۔

---

(۱) سورة البقرة:۱۸۸

(۲) اہم مسائل جن میں ابتلاء عام ہے:۶/۴/۲۳، کتاب الاجارہ

سول محکمہ جات

سول محکمہ جات کا اپنے ملازمین کے ساتھ شرعاً اجارہ کا معاملہ ہوتا ہے، چنانچہ ملازمین مکان الاؤنس کے نام سے کرایہ کٹواتے ہیں اور بحیثیتِ کرایہ دار کے رہائش پذیر ہوتے ہیں۔ اجارہ کا معاملہ بھی مقید ہوگا قیود وشرائط کے ساتھ یا مطلق ہوگا، اگر یہ اجارہ مقیدہ ہوتو مستاجر کو ان تقییدات کا پابند ہونا ہوگا۔ چنانچہ اگر یہ شرط لگائی کہ کسی کو کرایہ پر نہیں دے سکتا تو مستاجر کرایہ پر دینے کا مجاز نہیں۔ سول محکمہ جات کا اجارہ اسی شق میں داخل ہے اور گورنمنٹ کا ملازم کو کرایہ دار ٹھہرانے کی اجازت نہ دینا اس پر قرینہ ہے۔ چنانچہ ملازم نے کرایہ پر دیا تو اس سے حاصل شدہ آمدنی حلال نہیں، بدون نیت ثواب اس کا تصدق واجب ہے۔ لیکن اجارہ مطلق ہوتو مستاجر کرایہ پر دینے کا مجاز ہے مگر اس میں دو باتوں کا خیال رکھنا ضروری ہے۔

۱) اول کرایہ دار اور ثانی کرایہ دار کے طرز استعمال میں کوئی تفاوت وفرق نہ ہو مثلاً لوہار بڑھئی وغیرہ نہ ہو جس کا پیشہ مکان کی عمارت کو متاثر کرے۔

۲) دوسرا اجارہ اسی قدر کرایہ پر واقع ہو جس قدر پر پہلا ہوا تھا یا اس سے کم پر ہوتو اجرت کے حلال طیب ہونے میں بھی کوئی تردد نہیں۔ اگر زیادہ پر واقع ہوتو اس کی دو صورتیں ہیں ایک یہ کہ اول کرایہ دار نے اپنی طرف سے کوئی زیادتی مکان وغیرہ میں کردی ہے مثلاً مکان میں فرش کر دیا ہے یا الماری لگا دی ہے یا اسی قسم کی اور کوئی چیز بڑھا دی ہے تو اجرت کی زیادتی بھی حلال ہے، دوسری صورت یہ کہ کچھ زیادتی نہیں کی بلکہ بجنسہ اسی طرح مکان وغیرہ کرایہ پر دے دیا جس طرح اور جس ہیئت سے خود لیا تھا تو زیادتی اس کے لئے حلال طیب نہیں ہے۔(۱)

اجارہ منسوخ کرنے پر رقم ضبط کر لینے کا حکم

رقم کو ضبط کرنا بیع عربون کے مشابہ ہے اور یہ ناجائز ہے؛ ہاں البتہ اگر مثلاً

(۱) تفصیلی دلائل کے لئے دیکھئے فتاویٰ بینات: ۲۴۸/۴

شادی خانہ کرایہ والے مثلاً اگر بکنگ کے لئے کچھ فیس مقرر کرلیں اور وہ رقم نا قابل واپسی ہومثلاً جو کاغذی کاروائی ٹیلی فون کا خرچہ، دفتر کا خرچہ وغیرہ اس سے پورا کیا جاتا ہو تو یہ رقم واپس نہیں ہوگی جیسے بچے کے داخلہ کی فیس ہوتی ہے، جو نا قابل واپسی ہوتی ہے۔

داخلہ فیس کے جواز کی دلائل ملاحظہ ہو۔(۱)

مستاجر پر مرمت کی شرط لگانے کا حکم

بعض کتبِ فقہ مثلاً خلاصہ، بزازیہ اور شرح مجلہ وغیرہ کی عبارت سے معلوم ہوتا ہے کہ مستاجر پر کچھ ذمہ داری عائد کرنے کی شرط جائز اور درست ہے، اگر چہ نوعیت کچھ مختلف ہے، بالخصوص جب کہ اجارہ کے مسائل کا دارو مدار اکثر عرف و عادت پر ہوتا ہے، نیز زمانہ کی مصلحتوں کو بھی بالکلیہ نظر انداز نہیں کیا جاسکتا، اس لئے مصلحت کے پیش نظر کچھ ذمہ داری مستاجر پر بھی عائد کردی جائے تو عقد نہ فاسد ہوگا۔

"وعمارة الدار وتطيينها وإصلاح ميزابها على الآجر،
أما تسييل ماء الحمام وتفريعه على المستأجر"(۲)

زراعت پر لی ہوئی زمین کا فسخ اجارہ

اگر کسی شخص نے کسی سے بطور زراعت زمین لی ہو اور مدتِ اجارہ ختم ہوجائے یا فسخ ہوجائے اور کھیتی تیار ہونے میں کچھ وقت باقی ہو تو مستاجر کو اجازت ہے کہ وہ کھیتی تیار ہونے کے بعد زمین واپس کرے، کیوں کہ پہلے واپس کرنے میں مستاجر کو نقصان ہے؛ لیکن اس میں اس بات کا خیال رکھنا ضروری ہے کہ جتنا وقت فسخِ اجارہ یا اختتام اجارہ کے بعد گذرے گا اس کی اجرت مثل ملے گی اور کرایہ دار کے ذمہ واجب ہوگی اور اس میں فریقین کی رعایت ہے، موجر کی رعایت تو اس طرح ہے کہ اس کو زمین کی اجرت مثل ملے گی

---

(۱) امدادالاحکام: ۳/۵۶۶،۶۰۶، امدادالاحکام: ۳/۴۰۲

(۲) خلاصة الفتاوى: ۳/۱۴۸، الفصل التاسع فيما يتعلق على الآجر، وفيما على المستاجر، فتاوی زکریا: ۵/۶۴۲

اور کرایہ دار کی رعایت اس طرح ہے کہ اس کھیتی کے تیار ہونے تک کی مہلت مل جائے گی؛ البتہ اگر فریقین میں سے کسی کا انتقال ہوجانے کی وجہ سے معاملہ فسخ ہوا ہے تو پھر کرایہ دار طے شدہ اجرت ہی دے گا، اور اگر یہ عقد اجارہ علی العمل ہو یعنی کسی شخص کو کوئی کام کرنے کے لئے اجرت پر رکھا گیا ہو اور پھر اجارہ کو منسوخ کر دیا گیا ہو تو چوں کہ اجارہ میں تنسیخ جانبین کی رضامندی سے ہوتی ہے کوئی فریق تنہا اپنی مرضی سے اجارہ کو ختم نہیں کرسکتا تو ایسی صورت میں جانبین کو یہ چاہئے کہ وہ فسخِ اجارہ کرتے ہوئے ایک دوسرے مفادات (Interest) کو سامنے رکھے۔(۱)

کاشت کی زمین کے چند شرائط

۱) زمین کا قابل کاشت ہونا۔

۲) کرائے پر دی جانے والی زمین میں کاشت کی جانے والی چیز کی تعیین۔

۳) کتنی مدت کے لئے کرایہ پر لیا جا رہا ہے اس کی تعیین۔

۴) متعینہ مدت کی اجرت کی تعیین، اگر ان میں سے کوئی ایک شرط بھی نہ پائی جائے تو اجارہ ارض (زمین کا اجارہ) فاسد ہوجائے گا، مثلاً: زمین کے اجارہ کے وقت مدتِ اجارہ طے نہ ہوئی یعنی یہ طے نہ ہوا کہ اس زمین کو کتنی مدت کے لئے اجارہ پر لیا جا رہا ہے، یا اس کی اجرت غیر متعین رہی تو پھر جہالت کی وجہ سے عقد فاسد ہوجائے گا، اسی طرح زمین میں کیا کاشت کی جائے گی، اس کی تعیین بھی ضروری ہے عدم تعیین کی بناء پر اجارہ فاسد ہوگا، ہاں! اگر مستاجر کو اختیار دے دیا گیا کہ جو اس کا من چاہے کاشت کرے اس صورت میں عقد درست ہوگا؛ لیکن اگر کسی نے نہ تعیین کی نہ تعمیم تو پھر یہ عقد فاسد ہوجائے گا۔(۲)

---

(۱) المبسوط:۱۵/۷۹

(۲) بدائع الصنائع:۶/۲۰/۲۱

دلالی کے احکام (۱)

واضح رہے کہ اس موضوع پر ''الوساطۃ التجاریۃ'' نامی کتاب ہے، ترجمہ، تلخیص، ضروری اور کثیر الوقوع مسائل سے استفادہ کیا گیا، فقہ حنفی کو نمایاں طور پر پیش کیا گیا، اس عنوان سے متعلق ذکر کردہ عربی مراجع سے ہم نے براہ راست استفادہ نہیں، مطالعہ کے دوران محسوس ہوا کہ مقالہ نگار نے سعودیہ عربیہ کے عظیم مفتی بکر ابوزید کی نگرانی کے علاوہ ازخود بھی مطبوعات ومخطوطات کی کافی ورق گردانی کی ہے، اصابت رائے اور مختلف دلالی کے شعبوں کا انہوں نے جائزہ لیا ہے، اس لئے ہم نے مزید تعب اٹھانے میں خاص فائدہ نہیں سمجھا، واللہ اعلم۔

زمین یا کسی اور چیز کی خرید وفروخت میں دلال کا بائع اور مشتری دونوں سے کمیشن لینا، اس شرط کے ساتھ جائز ہے کہ دلال۔ بائع اور مشتری میں سے کسی کا وکیل بن کر مبیع کی خرید وفروخت نہ کرے؛ بلکہ دونوں کے درمیان سعی وکوشش اور دوڑ دھوپ کرے اور وہ دونوں خود آپس میں خرید وفروخت کریں تو ایسی صورت میں چونکہ عرف ورواج دونوں سے کمیشن لینے کا ہے؛ اس لئے اس صورت میں دلال کے لئے، دونوں سے کمیشن لینا جائز اور درست ہوگا۔ (۲)

---

(۱) Brokerage

(۲) شامی: ۹/۵۷، درسی وتعلیمی اہم مسائل جن میں ابتلاء عام ہے، ۳۳۶، مفتی محمد جعفر ملی رحمانی، دارالافتاء جامعۃ اسلامیہ اشاعت العلوم اکل کواں، مہاراشٹر، انڈیا

دلال اور سمسار کے معنی

لغوی معنی: عرف میں دلال اور سمسار دونوں لفظ متعارف ومشہور ہیں، ''سمسار'' سمسرہ سے ماخوذ ہے، اور ''سمسرہ'' تجارت ہی کا دوسرا نام ہے، یہ عجمی لفظ ہے، چونکہ اہل عرب کا زیادہ تر تجارتی معاملہ عجمیوں سے ہوتا تھا، اسی اختلاط کا اثر تھا کہ اہل عرب کے یہاں بھی تاجروں کو سمسار کہا جانے لگا۔ جیسا کہ احادیث میں آگے آرہا ہے۔

اصطلاحی معنی: وہ شخص جو بائع اور مشتری کے درمیان واسطہ بن کر خرید وفروخت میں مدد کرے یا سی کا دوسرا نام دلال ہے، اس لئے یہ بائع اور مشتری کو مبیع کی خرید وفروخت کی طرف متوجہ کرتا ہے:

"والسمسرة اصطلاحا: هی التوسط بين البائع والمشتری، والسمسار هو البذی يدخل بين البائع والمشتری متوسطا لإمضاء البيع وهو المسمى "الدلال" لأنه يدل المشتری السلع، ويدل البائع على الأثمان" (۱)

دلال اور کمیشن ایجنٹ کا مطلب

دلال کا لفظ دو معنی میں استعمال ہوتا ہے:

۱) وہ دلال جس کے ساتھ اجارہ کا عقد نہیں ہوتا، البتہ کام کرنے پر وہ اجرت کا حقدار ہوتا ہے۔

۲) وہ دلال جس کے ساتھ بائع یا مشتری کا عقد ہوتا ہے، اور عقد کے مطابق کام کرنے کا پابند بھی ہوتا ہے اور اجرت کا حقدار ہوتا ہے، آج کل اس کو ''کمیشن ایجنٹ'' بھی کہتے ہیں، کبھی یہ دونوں لفظ ایک دوسرے کے معنی میں بھی استعمال ہوتے ہیں۔ (۲)

---

(۱) موسوعة: ۱۰/ ۱۵۲، اجارہ اور اس کی جدید صورتوں کے احکام: ۹۱، مفتی زید احمد آباد، متعلم تدریب الافتاء، جامعہ علوم القرآن جمبوسر، گجرات

(۲) اجارہ اور اس کی جدید صورتوں کے احکام: ۹۱، مفتی زید احمد آباد، متعلم تدریب الافتاء، جامعہ علوم القرآن جمبوسر، گجرات

دلالی کی مشروعیت

تجارت میں دلالی بلا اختلاف مسلمانوں کے درمیان روز اول ہی سے مشروع رہی ہے، یہ دلالی کا پیشہ دور رسالت اور قرون صحابہ اور خیر القرون میں رائج اور جاری وساری رہا ہے، قیس بن ابی غرزہ سے مروی ہے:

"کنا فی عهد رسول الله صلى الله عليه وسلم نسمى السماسرة، فمرّ بنا رسول الله فسمانا باسم هو أحسن منه، فقال: يا معشر التجار: إن البيع يحضره اللغو والحلف فشوبوه بالصدقة" (۱)

حضرت قیس بن ابی غرزہ سے روایت ہے کہ عہد رسالت میں ہم لوگوں (سوداگروں) کو سماسرہ (یعنی دلال) کہتے ہیں۔ پھر رسول اللہ ﷺ ہمارے پاس تشریف لائے تو آپ نے ہمارا پہلے سے بہتر نام تجویز فرمایا۔ آپ نے ہمیں مخاطب کرتے ہوئے فرمایا: اے تاجرو! تجارت میں بیکار باتیں اور قسما قسمی ہوتی ہے لہذا اپنی تجارت کو صدقہ کے ساتھ ملاؤ۔

اور ایک روایت میں ہے:

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا قافلہ والوں سے آگے جا کر نہ ملو، اور شہری دیہاتی کے لئے بیع نہ کرے، طاوس کا بیان ہے کہ میں نے ابن عباس رضی اللہ عنہ سے پوچھا، شہری دیہاتی کے لئے نہ بیچے، اس کا کیا مطلب ہے، انہوں نے جواب دیا کہ دلالی نہ کرے۔

"لا تلقوا الركبانَ، ولا يبع حاضر لبادٍ" قال: فقلتُ

---

(۱) ابوداؤد: كتاب البيوع والإجارات، باب في التجارة يخالطها الحلف واللغو، حدیث: ۳۳۲۶، ۳۳۲۷

لابن عباس : ما قوله " لا يبع حاضر لبادٍ؟، قال: لا يكون له سِمْسَارٌ"(۱)

علامہ ابن حجر کہتے ہیں : اس کا مفہوم یہ ہے کہ " أنه يجوز ان يكون سمسارا فی بیع الحاضر للحاضر" یعنی شہری کا شہری کے لئے دلالی کرنا جائز ہے۔(۲)

امام بخاری ؒ نے دلالی کی اجرت کے سلسلہ میں ایک باب باندھا ہے، اس میں حضرت ابن عباس ؓ کا اور دیگر تابعین کے آثار دلالی کے جواز کے سلسلہ میں بیان کئے ہیں: فرمایا ہے: دلالی کی اجرت: ابن سیرین، عطاء، ابراہیم، حسن دلالی کی اجرت کے لینے میں کوئی حرج نہیں سمجھتے، ابن عباس ؓ فرماتے ہیں: اس طرح کہنے میں کوئی حرج نہیں " بعْ هٰذَا الثوب ، فَمَا زَادَ عَلَى كَذَا وَ كَذَا فَهُوَ لَكَ" (اس کپڑے کو فروخت کرو اور اتنے اتنے پر جو زائد ہو وہ تمہارے لئے ہوگا) اور ابن سیرین ؒ فرماتے ہیں اگر یہ کہے: 'بعه بكَذَا فما كَانَ مِنْ رِبْحٍ فلكَ أو بَيْنِيْ وبينكَ فلا بأسَ به' اس کو فروخت کرو جو بھی نفع ہوگا تو وہ میرے اور تمہارے درمیان مشترک ہوگا۔(۳)

حضرت ابن عباس ؓ کا قول ابن ابی شیبہ نے موصولا اسی طرح عطاء ابن عباس کی روایت سے نقل کیا ہے:

" أنه كان لا يري بأسا أن يعطى الرجلُ الرجلَ الثَّوبَ فيقولُ: بِعهُ بِكَذَا و كذا فما ازددتَ فلك" (۴)

ابن سیرین ؒ کے یہ بھی الفاظ منقول ہیں:

---

(۱) بخاری: باب ہل يبيع حاضر لباد بغير أجر، وہل يعينه أو ينصحه، حدیث: ۲۱۵۸

(۲) فتح الباری: ۴/ ۴۵۲

(۳) فتح الباری: ۴/ ۴۵۱

(۴) مصنف ابن ابی شیبہ: كتاب البيوع والأقضية، باب فی الرجل يدفع إلى الرجل الثوب، فيقول: بعه فما ازدادت فلك، حدیث نمبر: ۴۳۸

"لا بأس بأجر السمسار إذا اشتری یدا بید" (۱)

دلالی کی اجرت میں کوئی حرج نہیں جب ہاتھ در ہاتھ یہ خرید وفروخت ہو۔

اور حضرت عطاء رحمہ اللہ کے بھی موصولا الفاظ منقول ہیں:

"سألت عطاء عن السمسرۃ؟ فقال: لا بأس بها" (۲)

اس طرح دلالی کا جواز اور اس پر عمل اس وقت سے آج تک چلا آرہا ہے۔

البتہ بعض تابعین سے یہ جو منقول ہے کہ انہوں نے دلالی کے عمل کو مکروہ کہا ہے، تو اس کی مخصوص صورتیں ہیں، اس قبیل سے مصنف ابن ابی شیبہ کی روایت ہے حضرت حماد رحمہ اللہ سے ہے "أنه کان یکرہ أجر السمسار إلا بأجل معلوم" (۳) وہ سمسار کی اجرت کو مدت معلوم کے علاوہ مکروہ سمجھتے تھے"۔ تو یہاں پر انہوں نے دلالی کو ناجائز اس کی مدت کے معلوم نہ ہونے کی صورت میں کہا ہے یا حضرت سفیان ثوری رحمہ اللہ سے جو مروی ہے: "أنه کان یکرہ السمسرۃ" (۴) یہ کراہت تنزیہی پر محمول ہے؛ چونکہ اس میں لغویات، قسم وغیرہ پائے جاتے ہیں۔

علامہ ابن حجر رحمہ اللہ امام بخاری رحمہ اللہ کے اس عنوان "باب أجر السمسار" کے تحت فرماتے ہیں، مصنف اس باب کے ذریعہ ان کا رد کرنا چاہتے ہیں جو اس کے کراہت کے قائل ہیں۔ (۵)

دلالی کی صورتیں

دلالی کیا مطلقا جائز ہے، کیا دلالی کا عمل زمانے کے ساتھ مقید ہے، یا عمل کی

(۱) مصنف ابن أبی شیبه: کتاب البیوع والأقضیة فی أجر السمسار، حدیث نمبر: ۲۱۰۷

(۲) المصنف ابن أبی شیبه: ۶/۵۷۸، کتاب البیوع والأقضیة فی أجر السمسار، حدیث نمبر: ۲۱۰۷

(۳) مصنف ابن أبی شیبه: کتاب البیوع والأقضیة، باب أجر السمسار، حدیث: ۲۱۰۵

(۴) مصنف ابن أبی شیبه، حدیث: ۲۱۰۹

(۵) فتح الباری: ۴/۴۵۱

تکمیل کے ساتھ مربوط ہے؟ اگر عمل کے ساتھ دلالی مربوط ہے تو تھوڑے عمل کے ساتھ یا کثیر عمل کے ساتھ مربوط ہے۔

دلالی کے عمل کی دوصورتیں ہیں

۱۔ جو دلالی زمانے کے ساتھ محدود ہوتی ہے، اس میں مدت معلوم ہوتی ہے مثلاً ایک مہینہ ہوتی ہے، اس میں مدت کے ختم ہونے پر دلالی ختم ہوجاتی ہے خواہ اس میں نتیجہ حاصل ہو یا نہ ہو۔

۲۔ یہ ہے کہ دلالی کا عمل کام کے ختم ہونے کے ساتھ ختم ہوجائے مثلاً کوئی شخص کسی گھر کے فروخت کرنے کا دلال بنائے، تو فروخت کے ہوتے ہی دلال کا کام ختم ہوجائے گا، اس میں زمانہ کی تحدید نہیں ہوگی۔

اس سلسلہ میں تین قول ہیں:

۱) دلالی کے مطلقاً جواز کا ہے، خواہ یہ زمانہ کے ساتھ محدود ہو یا عمل کے ساتھ خواہ یہ عمل تھوڑا ہو یا زیادہ۔

یہ قول حضرت ابراہیم نخعی، ابن سیرین، عطاء وغیرہ سے منقول ہے جیسا کہ گذرا، اس سلسلہ میں احناف، اور مالکیہ کا مشہور قول اور شوافع کا ظاہری قول اور حنابلہ کا بھی یہی مذہب ہے۔

اس حوالہ سے احناف کا مسلک یہ ہے کہ دلالی زمانہ کے ساتھ محدود ہوکر جائز ہے اور عمل کے ساتھ بھی اور بزازیہ میں ہے: "السمسار والمنادی۔۔۔ وما لا يقدر فيه الوقت، ولا مقدار العمل لما كان للناس به حاجة جاز" (۱)

اس لئے بھی پہلے جو احادیث گذر چکی ہیں اس میں مطلقاً دلالی کے جواز کا قول ہے۔

۱۔ اگر عمل کے ساتھ دلالی کو ناجائز قرار دیا جائے تو اس صورت میں دلالی اور کمیشن

---

(۱) الفتاوی البزازیہ مع الهندية: ۴۰

کے عمل پر پابندی عائد ہوجائیگی، اور ہر شخص اپنے کام خود انجام نہیں دے سکتا، یا تو اس وجہ سے کہ وہ خود اس کام کو اچھی طرح انجام نہیں دے سکتا، یا اس وجہ سے کہ اس میں اس کام کے انجام دینے کی قدرت ہی نہیں ہے، یا اس کی مشغولیات کی وجہ سے وہ یہ کام کرنا نہیں چاہتا۔

بہت سارے علماء نے حاجت اور ضرورت کا اعتبار کیا ہے، اس سلسلہ میں جو بھی جہالت اور دھوکہ ممکن ہے اس سے صرف نظر کرلیا گیا ہے، اسی سلسلہ میں وہ عبارت ہے جس کو علامہ ابن عابدین شامی ؒ نے احناف کے عمل کے ساتھ دلالی کے جواز پر لکھا ہے:

> ''حاوی میں ہے، محمد بن مسلمہ سے دلال کی اجرت کے متعلق پوچھا گیا تو فرمایا: مجھے یہ امید ہے اس میں کوئی حرج نہیں، گرچہ کہ اصل میں یہ عمل فاسد ہے، لوگوں کے بکثرت تعامل کی وجہ سے، اس سلسلہ میں سے بہت ساری چیزیں ناجائز ہیں جن کو ضرورت کی وجہ سے جائز قرار دیا گیا ہے''۔(۱)

۲- اس کے علاوہ دلالی کے عمل کا لوگوں میں رائج اور متعارف ہونے اور دلالوں کے اس پیشہ کے اختیار کرنے اور اس پیشہ میں ان کی مہارت اور ان کی اس حوالہ سے محنت اور وقت کے صرف کرنے کی وجہ سے یہ کام اہم ہوچکا ہے۔

۳- اصل معاملات میں جواز ہے، اِلَّا یہ کہ اس کے خلاف کوئی ممانعت کی دلیل آجائے، اور یہ دلالی بھی ایک معاملہ ہے، اس لئے وہ بھی جائز ہوگی۔

۴- قیاس کا تقاضا بھی یہی ہے دلالی کا عمل جائز ہو، چونکہ جن عقود اور معاملات میں دلالی کا عمل ہوتا ہے جیسے خرید وفروخت اور کرایہ داری تو اس میں اصل مالک کا کسی کو نائب بنانا اجرت دے کر اور بغیر اجرت کے جائز ہے تو اسی طرح دلالی بھی

---

(۱) حاشیہ ابن عابدین: ۶/ ۶۳

جائز ہونا چاہئے "فتح الوساطة فيها قياس على صحة النيابة" (۱)

جس طرح اجارہ وقت کی تحدید کے ساتھ جائز ہے اسی طرح عمل کی تحدید کے ساتھ بھی جائز ہے تو دلالی بھی ایسے ہی جائز ہونا چاہئے۔

مقید بالزمان (زمانہ کے ساتھ محدود) دلالی کی صورت

اہل علم کا اس سلسلہ میں کوئی اختلاف نہیں ہے کہ وقت کے ساتھ محدود دلالی کا عمل یہ اجارہ کے قبیل سے ہے، اس میں دلال اجیر خاص ہوتا ہے، جس صورت میں مالکِ اجیر (دلال) کو اپنے کام کے لئے مخصوص کرلیتا ہے یا وہ اجیر مشترک ہوتا ہے، چنانچہ فقہاء کرام نے زمانے کے ساتھ محدود دلالی کو اجارہ شمار کیا ہے، احناف اور مالکیہ، حنابلہ اور شوافع کا ظاہری مذہب یہی ہے۔

چنانچہ علامہ سرخسی دلالی کے باب کے تحت فرماتے ہیں:

"وإن استأجره- أي السمسار- يوما إلى الليل بأجر معلوم ليبيع له أو يشتري له فهذا جائز" (۲)

اگر دلال کو ایک دن رات تک اجرت متعینہ پر لے کر اس کے لئے کوئی فروخت کرے یا بیچے تو یہ جائز ہے۔

بروکریج (Brokerage)

۱) دلال اپنے اجرت اور کمیشن بائع (بیچنے والا) اور مشتری (خریدنے والا) سے واضح طے کرلیں۔

۲) دلال خریدار (Purchaser) کو دھوکہ دیکر یعنی گھٹیا چیز اچھی اور معیاری ظاہر کرکے نہ بیچیں۔

۳) بولی لگانے والا خریدنے کی نیت سے بولی لگائے محض قیمت بڑھانے کے لئے

---

(۱) المغنی: ۴۶۶/۵

(۲) المبسوط: ۱۱۵/۱۵

اور دوسرں کو اس میں پھنسانے کی غرض سے نہ ہو جیسا کہ آج کل بہت سی دکانوں میں ایجنٹ آپس میں ملے ہوئے ہوتے ہیں، اس طرح کا کام کر کے کوئی دلال اجرت حاصل کرتا ہے تو یہ ناجائز ہے۔

۴) اگر دلال اجرتِ مثلی وصول نہ کرے؛ بلکہ بیع کی قیمت پر فیصد کے تناسب سے اجرت وصول کرے تو یہ بھی جائز ہے۔(۱)

دلالی کی اجرت متعین کرنا

دلالی (Commission Agent) کی صورت یہ ہوتی ہے کہ بائع دلال سے کہے کہ تو جو سامان بیچے گا اس کی قیمت کا دو فیصد یا ایک فیصد تجھے ملے گا، اس طرح کی دلالی، اجرت متعین کر کے کی جاوے تو مفتی بہ قول کے مطابق جائز ہوگی۔(۲) یہی بات امداد الاحکام میں ہے، اگر چہ اس صورت کو عالمگیریہ نے ذخیرہ سے حرام لکھا ہے، اور شامی نے بھی تاتارخانیہ سے حرمت نقل کی ہے؛ لیکن محمد بن سلمہ سے اس میں گنجائش نقل کی ہے، اور حضرت مولانا تھانوی ؒ نے بھی اس طرح کمیشن کو جائز کہا ہے، یہی رائے حضرت مولانا خالد سیف اللہ رحمانی صاحب کی ہے۔(۳)

صاحب فتاوی زکریا فرماتے ہیں: آج کل کمیشن ایجنٹ کا معاملہ تعامل ناس اور عرف کی وجہ سے جائز اور درست ہے، اس لئے یہ تمام معاملات جائز اور درست ہونا چاہئے۔(۴)

فتاوی شامی میں ہے:

---

(۱) ردالمحتار علی الدر المختار، کتاب الإجارة، باب الإجارة الفاسدة، درسی وتعلیمی اہم مسائل جن میں ابتلاء عام ہے ۴۰۹، مفتی محمد جعفر ملی رحمانی، دار الافتاء جامعۃ اسلامیہ اشاعت العلوم اکل کواں، مہاراشٹر، انڈیا

(۲) امداد الفتاوی: ۳/ ۳۶۳ بعض احکام دلال، اور اسی طرح امداد الأحکام: ۳/ ۵۸۹

(۳) کتاب الفتاوی ۱۰/ معاشی وتجارتی مسائل،

(۴) فتاوی زکریا، کرایہ داری کے مسائل کا بیان: ۵/ ٦٦٠

وفی الحاوی: سئل محمد بن سلمة عن أجرة السمسار فقال: أرجو أنه لا بحأس به ،وإن كان فی الأصل فاسدا، لكثرة التعامل وكثير من هذا غير جائز، فجوزوه لحاجة الناس إليه كدخول الحمام۔(۱)

اور ایک جگہ اس کی مزید تفصیل کرتے ہوئے مولانا خالد سیف اللہ رحمانی صاحب فرماتے ہیں:

''ایجنٹ کی حیثیت اصل میں وکیل اور دلال کی ہوتی ہے، اور وکالت کی اجرت لی جاسکتی ہے تو اگر وہ بیچنے والے کے لئے کام کرہا تھا، تو صرف اسی سے اجرت لے سکتا ہے، خریدار سے نہیں، ہاں! اگر کوئی ایجنسی اسی بات کے لئے قائم ہو کہ وہ تاجر اور گاہک دونوں کے لئے کام کرتی ہو تو وہ دونوں ہی سے اجرت لے سکتی ہے، علامہ شامی رحمہ اللہ نے اس پر تفصیل سے گفتگو کی ہے:

"۔۔۔۔فتجب الدلالة على البائع أو المشتری أن عليهما بحسب العرف" (۲)

فتاوی محمودیہ میں ہے: دونوں طرف سے دلالی جائز ہے، جب کہ عرف ہو، اصالۃً دلالی کا معاملہ ناجائز ہے، مگر حاجت اور عرف کی بناء پر فقہاء نے اجازت دی ہے، اور یہ اجازت اپنے عموم کی حیثیت سے یک طرفہ اور دو طرفہ سب کو شامل ہے۔(۳)

نظام الفتاوی میں ہے:

''اگر کوئی شخص دونوں کا کام کرتا ہے تو الگ الگ کام ہونے کی بناء

---

(۱) ردالمحتار: ۹/۸۷، کتاب الاجارة، مطب فی أجرة الدلال

(۲) ردالمحتار: ۴/۴۲

(۳) فتاوی محمودیہ: ۱۶/ ۶۱۷، باب اجرة الدلال والسمسار، جامعہ فاروقیہ

پر دونوں سے اس کے ممیز (علاحدہ) عمل کی اجرتِ متعارفہ لے سکتا ہے"(۱)

محمود الفتاوی میں ہے:

"اگر دونوں طرف سے دلالی لینے کا عرف ورواج ہوتو درست ہے ورنہ نہیں"(۲)

احسن الفتاوی میں ہے:

"دلالی کی اجرت جانبین سے جائز ہے"(۳)

عام طور پر بازار میں یہ یہی نوعیت رہ گئی کہ گاڑی کا مالک اپنے سے، مالک مکان اپنے مستری سے، بلڈر اپنے مزدور سے کہتا ہے کہ فلاں سامان دوکان سے لا، صاحب دکان اس کو کمیشن یا انعام دیتا ہے، کبھی قیمت بڑھا دیتا ہے، بسا اوقات کہہ دیا جاتا ہے کہ اتنا فیصد تمہیں دیا جائے گا، ظاہر ہے کہ وہ خریدار مالک مکان کا وکیل ہے، میکانک گاڑی کا نمائندہ ہے، البتہ مزدور خود ایسے سامان اپنے سے لاکر فروخت کرلیا کرے، صاف طور پر مالک کو بتلا دے، بازار سے زیادہ قیمت لے کر مالک دکان والے کو اپنی طرف سے بغیر پیشگی طے شدہ معاہدہ کے دے تو کوئی حرج نہیں معلوم ہوتا، یا اپنے تعلقات کی بناء پر کم قیمت میں سامان لگائے اور اپنی اجرت زائد مانگ لے۔

زمین کی دلالی

پراپٹی ڈیلنگ آفس کے توسط سے آفس والا زمینوں کے خرید وفروخت کا کاروبار کرتا ہے، چنانچہ زمین فروخت کنندہ اس کے پاس کاغذات یا گھروں کی چابیان لے آتے ہیں، جب کوئی خریدار آتا ہے تو آفس والا دونوں کے مابین خرید وفروخت

---

(۱) نظام الفتاوی: ۱/ ۲۹۷

(۲) محمود الفتاوی: ۳/ ۸۵

(۳) احسن الفتاوی: ۷/ ۲۷۲، تفصیل کے لئے دیکھئے، فتاوی دار العلوم زکریا: ۵/ ۶۷۰، کرایہ داری کے مسائل کا بیان

کا کام انجام دیتا ہے۔

یہ آفس والے زمینوں کی خرید وفروخت کرنے والوں کی تلاش میں رہتے ہیں، یا کبھی اخبارات وغیرہ کے ذریعے خرید وفروخت شدہ زمین کی اطلاع آتی ہے۔

جب خرید وفروخت مکمل ہوجاتی ہے تو دلال اجرت کا مستحق ہوتا ہے، اگر کسی زمین کے فروخت کرنے میں کئی ایک دلال ہوں تو جس کے ہاتھ وہ زمین فروخت ہوگی وہ دلال صرف اجرت کا مستحق ہوگا۔

جب خرید وفروخت مکمل ہوجاتی ہے تو دلال بائع اور مشتری کے جانب سے وثیقہ اور دستاویز لکھتا ہے، جس پر طرفین اور گواہوں کے دستخط ہوتے ہیں۔

زمین کی قیمت دلال وصول کرتا ہے، یا کبھی اڈوانس لے لیتا ہے، یا کبھی اپنے نام سے چیک وصول کرتا ہے یا خریدنے والے کے نام سے، ان تمام صورتوں میں کوئی ایسا دستاویز اور وثیقہ ہونا چاہئے جس میں دلال کے پیسے حوالہ کرنے کی بات ہو اور یہ وثیقہ اور دستاویز طرفین کے تعلق سے تمام معلومات اور ان کی اور گواہوں کی دستخط اور زمین کی نوعیت، محل وقوع، اجرت کی مقدار، مدت اور اجرت کے دینے یا توفی الفور یا قسطوں میں یہ ساری چیزیں اس میں درج ہوتی ہیں اور ڈیلنگ آفس کی جانب سے اس پر دستخط ہوتے ہیں۔

چونکہ اس دستاویز کی طرفین کے درمیان اختلاف کی صورت میں ضرورت ہوتی ہے، اس لئے نہایت باریک بینی کے ساتھ اس کی تدوین وترتیب ہونی چاہئے۔

فجوزوه لحاجة الناس إليه (١)

ادارۃ المباحث الفقہیہ جمعیۃ علماء ہند کے گیارہویں فقہی اجتماع میں ''کمیشن'' اور اس کے مروجہ شکلوں کے بارے میں جو تجویز پاس ہوئی وہ درج ذیل ہے:

زمین کی خرید وفروخت میں مروجہ کمیشن دونوں فریقوں سے بھی لینا جائز ہے،

---

(١) كتاب الجار، باب الإجارة الفاسدة، مطلب فى اجر الدلال

بشرطیکہ کمیشن لینے والا دونوں کے درمیان طے کرانے اور کاغذات تیار کرانے پر کمیشن لے، جیسا کہ مروج ہے، اور اگر کسی ایک ہی فریق کا وکیل بن کے کام کرے گا تو صرف اسی سے اجرت لینے کا حق دار ہوگا اور یہ پورا معاملہ جھوٹ اور فریب سے پاک صاف ہونا چاہئے۔

اسی مسئلہ کے متعلق وضاحت فرماتے ہوئے حضرت مولانا اشرف علی تھانوی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ جب اس اجرت کا جواز ثابت ہوگیا اور اس کے شرائط میں سے تعیین اجر ہے اور تعیین کی یہ بھی ایک صورت ہے اس لئے جائز معلوم ہوتا ہے، پھر آگے فرماتے ہیں اور یہ ارفق للناس (لوگوں کے لئے سہولت کا باعث) ہے۔(۱)

دلال کو کن تصرفات کی اجازت ہے؟

دلالی میں دلال سامان کی تشہیر اور متعاقدین کی قربت وغیرہ کا ذریعہ بنے گا۔

البتہ دلالی کے سامان میں دلال کو خرید وفروخت کی اجازت نہیں ہوگی، چونکہ دلالی کا عمل اس کو شامل نہیں ہوتا ہے۔

ہاں البتہ اگر عاقد مالک فروخت کا بھی اس کو مالک بناتا ہے یا کسی جگہ دلال فروخت کا بھی ذمہ دار ہوتا ہے تو یہ تصرف صریح الفاظ کے ذریعہ یا عرف ودلالت کے ذریعہ درست ہوگا، یہ عقد دلالی کی وجہ سے اس کو خرید وفروخت کی اجازت نہیں ہوگی، جس صورت میں دلالی کے ساتھ خرید وفروخت کا مالک ہوگا تو اس صورت میں وہ دلال اور وکیل دونوں ہوگا۔

فقیہ المالکی ابیانی نے کہا ہے:

”وسألته عن السمسار يبيع الثوب بعد الاستقصاء وبذل المجهود من قبل أن يشاور صاحبه هل يجوز بيعه

(۱) ملخص امداد الفتاوی: ۳/ ۳۲۳، جارہ اور اس کی جدید صورتوں کے احکام: ۹۳، مفتی زید احمد آباد، متعلم تدریب الافتاء، جامعہ علوم القرآن جمبوسر، گجرات

أم لا؟ وهل يكون لصاحب الثوب أن يرد البيع أم لا؟ فقال لي: لا يجوز البيع إلا بإذن صاحبه إلا أن يكون صاحبه فوض إليه ذلك"(۱)

میں نے ان سے دلال کے بارے میں پوچھا جو تحقیق کے بعد اور کوشش کے بعد کپڑے والے سے پوچھے بغیر کپڑے کو بیچ دیتا ہے تو اس کا یہ بیچنے کا عمل درست ہے یا نہیں؟ کیا کپڑے والے کو اس معاملہ کو لوٹانے کا اختیار ہوتا یا نہیں؟ تو مجھ سے فرمایا: فروخت کی اجازت بغیر مالک کی اجازت کے حاصل نہیں ہوسکتی، ہاں البتہ اگر مالک نے فروخت کی اجازت دی تو اس کی اجازت ہوگی۔

دلال کی ذمہ داریاں

دلالی کے معاملہ میں بھی دلال سے متعلق چند ایک امور ہوتے ہیں جیسے خرید وفروخت والے معاملہ میں خرید وفروخت کرنے والے سے چند ایک امور متعلق ہوتے ہیں: ، مشتری سے قیمت کو لینا، ادھار کا مدت کے آجانے پر مطالبہ کرنا، مشتری کو مبیع (فروخت کردہ چیز) سپرد کرنا، عیب یا استحقاق (حقدار نکل آنے) کی صورت میں فروخت کردہ چیز کو واپس لینا، اور اجارہ کی صورت میں محل منفعت کو مستأجر کے سپرد کرنا، اس سے اجرت حاصل کرنا، اور اس سے تلف شدہ اشیاء کی مرمت کا مطالبہ کرنا، اور پانی بجلی وغیرہ کے بقیات وغیرہ کی ادائیگی کا مطالبہ کرنا وغیرہ۔

کیا اس طرح کے کچھ حقوق دلال کو بھی عائد ہوتے ہیں جس کو انجام دینا اس کے لئے ضروری ہوا کرتا ہے؟

یا تو دلال اس عقد دلالی میں وکیل ہوگا یا وکیل نہیں ہوگا؟ اگر دلال کی حیثیت وکیل کی سی ہے تو اس کا حکم وکیل کا حکم ہوگا، وکالت سے متعلق احکام یہ وکالت سے تعلق رکھتے ہیں۔ وہ بھی ان تمام امور کو انجام دے گا۔ فتاوی ہندیہ میں ہے اجرت علی العمل

(۱) مسائل السماسرة للإبياني: ۱۴

(کام پر اجرت) کے حوالہ سے کہا گیا:

" أن الإجارة إذا وقعت على عمل فكل ماكان من توابع ذلك العمل ولم يشترط ذلک فی الإجارة على الأجير، المرجع فيه العرف" (۱)

اگر اجارہ کسی ایسے کام سے متعلق ہوتا ہے کہ جس میں جو کچھ بھی ہوتا ہے اس کام کے تابع ہوتا ہے اور وہ چیز اجارہ میں اجیر پر مشروط نہیں ہوتی تو اس سلسلے میں عرف مرجع ہوگا۔

معالم القربة فی الحسبة علی الدلالین میں ہے فرماتے ہیں: " ولا يقبض ثمن السلعة من غير أن يؤكله صاحبها فی القبض " (۲) سامان کی قیمت کو وہ اس کے بغیر مالک کے سا وکیل بنائے قبضہ نہیں کرسکتا۔

اس سلسلہ میں خلاصہ جو ہے کہ یہ امور بھی دلالی میں کسی عرف یا شرط کے تحت داخل ہوتے ہیں تو اس کو کرنا ہوگا، اگر عرف اور شرط کے اعتبار سے عقد میں داخل نہیں ہوتے تو اس دلالی کے معاملہ میں یہ حقوق دلال سے متعلق نہیں ہوں گے۔

دلال کا اپنے مالک کی خلاف ورزی کرنا

کبھی دلال کے تصرفات مالک کے حق میں ہوتے ہیں، مثلاً مالک نے اس کو ادھار بیچنے کا دلال بنایا؛ لیکن اسی قیمت پر کوئی فی الفور لینے والا مل جائے، اس نے ایک ہزار میں کسی کو اجرت پر دینے کے لئے کہا، اس کو دو ہزار میں اجرت پر لینے والا مل جائے یا اس کو کسی چیز کے پچاس میں خریداری کرنے کے لئے کہا، وہی چیز اس کو چالیس میں مل جائے۔

دلال عقد کے نافذ کرنے کا وکیل ہو، اس کو اس کے برخلاف انجام دیا تو اس میں

---

(۱) الفتاوی الهندیة: ۴۵۵/۴

(۲) معالم القربة: ۲۱۶

وکیل پر مؤکل کی خلاف ورزی کرنے کے احکام جاری ہوں گے، جیسا کہ احکام الوکالۃ میں یہ تمام تفصیلات لکھی ہوئی ہیں۔

اگر دلال عقد کے نفاذ کا وکیل ہو، اور عقد دلال کے عمل سے بہترین طریقہ سے انجام پائے، تو کیا دلال اجرتِ معلومہ کا صرف مستحق ہوگا؟ یا اس کو اضافی چارچس ملیں گے یا تصرف اور عمل کے مطابق اس اجرت میں کمی ہوگی۔

تو اس صورت میں ظاہری بات یہ ہے کہ دلال اسی اجرت کا مستحق ہوگا جس اجرت کی اولاً تعیین ہوئی ہے، اگر وہ دونوں مقدار اجرت میں تبدیلی کرتے ہیں، تو ان کو اس کا استحقاق ہے، چونکہ یہ تبدیلی دونوں کی رضامندی سے حاصل ہوئی ہے۔

کتاب المعاملات میں ہے:

"وإذا عين المالك للدلال ثمنا فباع بأكثر منه فالزيادة للمالك وليس للدلال سوى أجرته، وإذا باع بأقل توقف نفاذ البيع على إجازة المالك، فإن أجازه نفذ واستحق الدلال الأجرة، وإلا بطل ولا أجر له"(۱)

اگر دلال کے لئے مالک نے قیمت متعین کردی، دلال نے اس سے زیادہ میں فروخت کیا، تو زیادتی مالک کے لئے ہوگی، دلال کو صرف اجرت ملے گی، اگر کم میں بیچے تو بیع مالک کی اجازت پر موقوف ہوگی، اگر وہ اس کی اجازت دیتا ہے تو بیع نافذ ہوگی، دلال اجرت کا مستحق ہوگا، ورنہ بیع باطل ہوجائے اور دلال کو اجرت نہیں ملے گی۔

دلالی والی شیء میں شفعہ کا حق

اگر دلال کو شیء دلالی میں حق شفعہ ہے تو اس کا حق شفعہ دلالی کی وجہ سے ساقط نہیں ہوگا؟

حنابلہ نے اس مسئلہ کی صراحت کی ہے کہ اس کا شفعہ دلالی کی وجہ سے ساقط

(۱) المعاملات للأبی الفتح: ۴۱۶

نہیں ہوگا، مرداوی کہتے ہیں:

"وإن دلّ علی المبیع، أی صار دلالا، وھو السفیر فی البیع، فھو علی شفعته قولا واحدا" (۱)

اگر کسی نے مبیع کی دلالی کی یعنی وہ دلال بن گیا تو وہ شخص فروخت کرنے میں سفیر ہے، یہ اپنے حق شفعہ پر باقی وبرقرار رہے گا۔

اس لئے اسکا دلالی کا عمل یہ اس کے حق شفعہ کے ساقط کرنے پر دلالت نہیں کرتا، حق شفعہ پہلے ثابت ہوگا، پھر اس کے بعد اس کی رضامندی سے ساقط ہوگا، اس نے فروخت کا ارادہ ہی اس لئے کیا ہے کہ ہوسکتا ہے وہی اس کو خریدنا چاہتا ہو۔ اور حق شفعہ بیع اور فروخت سے ہی ثابت ہوتا ہے۔

دلالوں کی پاٹنرشپ

اگر ایک کام میں کئی ایک دلال پاٹنر ہوتے ہیں، یعنی ہر حاصل ہونے والے کام میں وہ مشترکہ طور پر کام کرتے ہیں، پھر منافع کو آپس میں تقسیم کر لیتے ہیں تو اس شراکت اور پاٹنرشپ میں دو قول ہیں:

پہلا قول: یہ شرکت جائز اور درست ہے:

یہ مذہب احناف اور مالکیہ کا ہے جس میں شرکت ابدان ہوتی ہے، چونکہ یہ عمل اور صنعت وایجاد میں شرکت ہوتی ہے، اور اس میں دلالی ہوتی ہے، یہ حنابلہ کا بھی مسلک ہے، جب کہ ان دلالوں میں کوئی دلال عقد کا وکیل بھی ساتھ میں نہ ہو، چونکہ یہ شرکت ابدان میں داخل ہے۔ اور اس کے احکام علاحدہ ہیں۔

علامہ ابن تیمیہ دلالوں کی شرکت کی دونوں صورتوں کو بیان کرنے کے بعد فرماتے ہیں:

"ومحل الخلاف ھو فی شرکة الدلالین التی فیھا عقد،

---

(۱) الانصاف: ۲۷۱/۶

فأما مجرد النداء والعرض وإحضار الديون فلا خلاف في جوازه" (۱)

اس حوالہ سے محل خلاف اس بات میں ہے کہ عقد میں دلالوں کی شرکت کا مطلب محض نداء لگانا، سامان کو پیش کرنا اور قرض کو لانا وغیرہ ہوتا ہے، تو اس طرح کی دلالی میں شرکت کے جواز میں کوئی اختلاف نہیں ہے۔

شاید یہ تفصیل اس بات پر مبنی ہے کہ مالکیہ نے شرکت ابدان میں یہ شرط رکھی ہے کہ جس سامان میں وہ عمل کر رہے ہیں وہ ایک ہو، اگر وہ علاحدہ سامان ہیں تو پھر اس کی شرکت درست نہیں۔

اس حوالہ سے درست قول یہی ہے کہ دلالوں کی پارٹنر شپ مطلقا جائز ہے۔ شرکۃ الابدان مشروع ہے، جیسا کہ عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی روایت میں ہے فرماتے ہیں:

"اشتركت أنا وسعد وعمار، يوم بدر، فيما نصيب، فلم أجي أنا وعمار بشي واحد وجاء سعد برجلين" (۲)

میں سعد اور عمار بدر کے حصہ کے سلسلہ میں شریک ہوئے، میں اور عمار کچھ نہیں لائے اور سعد دو آدمی لے کر آئے۔

نبی کریم ﷺ نے ان کے اس عمل کو درست و باقی رکھا، امام احمد کہتے ہیں، یعنی نبی کریم نے ان کو آپس میں شریک بنایا "أشرك بينهم النبي ﷺ" (۳)

فیصد اور پرسنٹیج پر دلالی

پرسنٹیج (فیصدی) پر دلالی یعنی دلال مثلاً بیچے جانے والے سامان کے حساب

---

(۱) الاختيارات الفقهيه: ۱۴۶، ۱۴۷

(۲) ابن ماجة، كتاب التجارات، باب الشركة والمضاربة، حدیث نمبر: ۲۲۸۸

(۳) المغنی: ۵/۵، ۶

سے اجرت مقرر کرے ہر سو میں سے ایک حصہ متعین کرے جیسا کہ بعض دلالیوں میں ایسا ہی ہوتا ہے، مثلاً بعض دلال سو میں ڈھائی پرسنٹ منافع لیتے ہیں۔

پرسنٹیج پر دلالی کے حوالہ سے علماء کا اختلاف ہے۔

پہلا قول جواز کا ہے۔اس کے قائل مالکیہ ہیں، حنابلہ کا مسلک بھی یہی ہے۔

اس سلسلہ میں اصل استدلال حدیث ابن عمر سے ہے۔

کہ نبی کریم ﷺ نے اہل خیبر سے ان کے پھل اور کھیتی کے پیداوار کے ایک حصہ پر معاملہ کیا تھا" عَامَلَ أَہلَ خیبرِ بشطرٍ ما یَخرُجُ منہَا من ثمرٍ أوْ زرعٍ"(۱)

چونکہ دلال جس میں دلالی کا عمل کرتا ہے، اس میں اجرت بڑھتی ہے، تو حاصل ہونے والے منافع کا پرسنٹیج لینا جائز ہوگا، جیسے مزارعت وغیرہ میں۔

دوسرا قول: پرسنٹیج پر دلالی کے عدم جواز کا ہے، کہ اگر پرسنٹیج پر عمل کرتے بھی ہیں تو دلال اجر مثل کا مستحق ہوگا۔

یہ احناف، مالکیہ اور شوافع کا مذہب ہے، اس کو علامہ ابن حجر نے ابن ثور کی جانب منسوب کیا ہے۔

اس حوالہ سے احناف کی عبارت فتاوی ہندیہ میں اس طرح ہے:

"وفی الدلال والسمسار أجر المثل، وما تواضعوا علیہ، أن من کل عشر دنانیر کذا، فذلک حرام علیہم"(۲)

کہ دلال کو اجر مثل ملے گا، اور جو انہوں نے یہ طے کیا ہے کہ ہر دس دینار میں اتنا حصہ تو یہ حرام ہے۔

---

(۱) مسلم: کتاب المساقاة، باب المساقاة والمعاملۃ بجزء من الثمر والزرع، حدیث نمبر: ۱۵۵۱

(۲) الفتاوی الہندیۃ: ۴/۴۵۰

بہر حال پرسنٹیج پر دلالی کے عدم جواز کا قول یہ دلالی میں اجرت کی جہالت کی وجہ سے ہے، چونکہ دلال یہ جانتا ہے کہ یہ چیز کتنے میں فروخت ہوگی، یہ قیمت کے بڑھنے سے اجرت بھی بڑھائے گا، اور قیمت کے گھٹنے سے منافع بھی گھٹیں گے۔

ظاہر بات یہ ہے کہ پرسنٹیج پر اجارہ درست ہے، یہی بات راجح ہے، چونکہ اجرت بالآخر معلوم ہو جائے گی، اس لئے فروخت تو ثمن معلوم پر ہی ہوگا، ثمن کے اعتبار سے اجرت بھی معلوم ہو جائے گی، جس کی وجہ سے سپردگی کے وقت جہالت باقی نہیں رہے گی۔

اہل خیبر نے نبی کریم ﷺ سے آدھی پیداوار پر جو معاملہ کیا تھا یہ حدیث اس پر دلالت کرتی ہے، البتہ اجرت کی زیادتی کمی یہ اس کے عمل اور کوشش کی وجہ سے ہے چونکہ زیادتی قیمت سے اس کی اجرت بھی بڑھتی ہے۔

اسی لئے موجودہ زمانہ میں دلال عموماً فیصد کے اعتبار سے اپنی دلالی متعین کرتا ہے اس میں جہالت ہوتی ہے، کیوں کہ عاقدین کے درمیان طے ہونے والا ثمن اور اس کا نفع غیر مجہول ہوتا ہے اور اسی وجہ سے بعض حضرات نے اس کو ناجائز کہا ہے؛ لیکن غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ جہالت مفضی اِلی النزاع نہیں ہے، بلکہ اس کے برعکس معین دلالی طے کرنا مفضی اِلی النزاع ہو سکتا ہے، اس طرح کہ اگر چیز کم دام میں فروخت ہو تو اس صورت میں مالک یہ چاہے کہ جتنی دلالی طے ہوئی تھی اس سے کم دے اور دلال چاہے کہ جتنی طے ہوئی تھی اتنی ہی وصول کرلے؛ لیکن اجرت اگر فیصد کے حساب سے طے کر دی جاوے تو جتنی فیصد سے بنتی ہوگی (چاہے چیز کم قیمت پر فروخت ہو یا زیادہ قیمت پر) اس اعتبار سے طے ہونے والی دلالی پر فریقین راضی ہوں گے اور دینے والے پر کوئی بوجھ بھی نہیں ہوگا۔(۱)

---

(۱) جارہ اور اس کی جدید صورتوں کے احکام: ۳۰۹، مفتی زید احمد آباد، متعلم تدریب الافتاء، جامعہ علوم القرآن جمبوسر، گجرات

متعین قیمت سے زائد دلال کے لئے؟

اگر فروخت کنندہ ایک قیمت بیان کرتا ہے مثلاً دس درہم اور جو اس سے زائد ہوں گے وہ اس کے لئے تو اہل علم کے اس حوالہ سے دوقول ہیں:

پہلا قول: یہ صحیح نہیں ہے، یہاں دلال اجرت مثل کا مستحق ہوگا، اس کو ابن حجر نے جمہور کا قول کہا ہے۔(۱)

ابن قدامہ نے اس قول کو امام شافعی رحمہ اللہ کی جانب منسوب کیا ہے۔

تمام سلف سے بھی اس کی کراہت منقول ہے جن میں ابراہیم النخعی، حماد، حسن، طاؤس وغیرہ داخل ہیں۔

اس کی وجہ یہ ہے کہ یہاں اجرت غیر معلوم ہے، یہ وجود اور عدم دونوں کا احتمال رکھتی ہے، یعنی اگر زیادہ میں بیچے گا تو اس کی اجرت ملے گی اور اگر وہ اسی قیمت پر فروخت کرتا ہے تو اس کو کوئی اجرت نہیں ملے گی۔

دوسرا قول: یہ عقد صحیح ہے۔

یہ حضرت ابن عباس اور دیگر ائمہ سلف سے منقول ہے، جن میں ابن سیرین، قتادہ، شعبی، شرح، عطاء سے منقول ہے اور حنابلہ کا یہی مذہب ہے۔

امام بخاری نے ابن عباس رضی اللہ عنہ کا تعلیقا یہ قول ذکر کیا ہے، اس کو عبد الرزاق، ابن ابی شیبہ اور بیہقی نے موصولا نقل کیا ہے

بہر حال اس صورت میں اگر وہ شخص اس کو مستحق زیادتی کے ساتھ بیچتا ہے تو وہ اپنے لئے اجرت کو حاصل کرتا ہے، اگر اس کو اسی قیمت پر بیچتا ہے تو اس کو کچھ بھی حاصل نہ ہوگا، چونکہ اس نے زیادتی کو لینے کے لئے کہا تھا، اس کو کوئی زیادتی حاصل نہیں ہوئی، تو یہ مضارب کے نفع نہ حاصل کرنے کی طرح ہوگیا "کالمضارب إذا لم یربح" (۲)

---

(۱) فتح الباری: ۴/۴۵۱

(۲) المغنی: ۵/۴۹۴

خلاصہ کلام یہ ہے کہ بعض لوگوں نے اس صورت کے جائز ہونے میں یہ شرط لگائی ہے کہ وہ لوگوں کو اس وقت یہ بتلائے کہ سامان کی قیمت اتنی ہے جو بیان کردہ سے زائد ہے تاکہ اس میں سے جہالت ختم ہوجائے:

"أن یعلم الناس فی ذلک الوقت أن ثمن السلعة یساوی أکثر مما سمی له حتی یندفع الجهل"(۱)

لیکن راجح قول اس کے عدم جواز کا ہے، کام پورا ہوجائے گا، تو دلال اس صورت میں اجرِ مثل کا مستحق ہوگا، خواہ اس نے بیان کردہ قیمت میں بیچا ہو یا زائد میں، تاکہ دلال کا کام بیکار نہ ہوجائے۔

کیوں کہ اس معاملہ میں کبھی نزاع بھی ہوسکتا ہے، اگر ثمن بہت زیادہ بڑھ جائے، یعنی وہ بیان کردہ قیمت سے بہت زیادہ میں بیچے، اس طرح کی بعض صورتیں دیکھنے کو آتی ہیں، جس وقت تھوڑے ہی دن میں سامان کی قیمت بڑھ جاتی ہے؛ بلکہ چند ایک گھنٹوں میں، اس کی وجہ سے یہ نزاع کا باعث ہوسکتا ہے، جس کی وجہ سے دلوں میں برائی آتی ہے، شریعت دلوں کی ناراضگی کو ختم کرنا چاہتی ہے۔

دلال کو بیان کردہ قیمت سے زائد کا ایک حصہ دینا

اس کی صورت یوں ہوتی ہے، اصل مالک دلال کو ایک قیمت بتاتا ہے، اور دلال کی اجرت بیان کردہ قیمت کے زائد کا ایک جزء بتاتا ہے، جیسے کہے: اس کو دس میں بیچو اور جو زائد قیمت ہو وہ میرے اور تمہارے درمیان ہو۔

اس مسئلہ میں بھی گذشتہ مسئلہ کا اختلاف جاری ہوگا۔

امام بخاری نے تعلیقا دلال کی اجرت کے باب میں ابن سیرین سے دونوں مسئلوں کا جواز منقول ہے، فرماتے ہیں:

"وقال ابن سیرین، إذا قال: بعه بکذا فما کان من ربح

(۱) فتح الباری: ۴/۴۵۱

فلك أو بينكم وبينكن فلا بأس به" (۱)

ابن سیرین رحمہ اللہ کہتے ہیں: جب کہے اس کو اس طرح بیچو، جو بھی منافع ہوں گے میرے اور تمہارے درمیان مشترک ہوں گے تو اس میں کوئی حرج نہیں ہے۔

ایسا ہی قول زہری سے منقول ہے:

احناف، مالکیہ نے اس عقد کے عدم صحت کی صراحت کی ہے، اور اس کو فاسد قرار دیا ہے، اگر اس پر عقد ہو جائے اور عمل مکمل ہو جائے، احناف نے اس سلسلہ میں دو قول ذکر کئے ہیں:

پہلا قول: امام ابو یوسف رحمہ اللہ کا ہے، اگر اس کو متعین مقدار سے زیادہ پر بیچتا ہے تو اس کو اجر مثل ملے گا، جس میں نصف سے زائد نہیں دیا جائے گا، اگر وہ اس کو اسی مقرر کردہ قیمت پر بیچتا ہے تو اس کو کوئی اجرت نہیں ملے گی، یا فروخت ہی نہیں کیا تو اس کو کچھ اجر نہیں ملے گا، چونکہ مالک نے مثل قیمت پر بیچنے کی صورت میں اجرت نہ دینے کی بات کہی ہے، اگر وہ کچھ نہ بیچے تو اس کو کچھ نہ ملے گا، اس لئے کہ اجرت بیع کے مقابلہ میں ہوتی ہے، اس کے مقدمات کے مقابلہ میں نہیں ہوتی۔

دوسرا قول: امام محمد بن حسن رحمہ اللہ کا ہے، اس کو دونوں صورتوں میں اجر مثل ملے گا، خواہ وہ کتنی ہی کیوں نہ ہو؛ اس لئے کہ اس نے عقد کے اعتبار سے عمل کیا ہے، تو وہ اجر مثل کا مستحق ہوگا۔ "فيستحق أجر المثل" (۲)

یہاں پر راجح اور ظاہر قول یہی ہے کہ یہ عقد اجرت کے مجہول ہونے کی وجہ سے صحیح نہیں ہے، چونکہ یہ وجود اور عدم کا احتمال رکھتا ہے، اگر عمل مکمل ہوتا ہے تو وہ اجر مثل کا مستحق ہوتا ہے، خواہ اس نے متعین قیمت پر بیچا ہو یا زیادہ کے ساتھ، اگر اس نے بیچا ہی

---

(۱) فتح الباری: ۴۵۱/۴

(۲) عیون المسائل: ۲۴۱/۲

نہیں تو اس کو کچھ بھی اجرت نہیں ملے گی، چونکہ عمل مکمل ہی نہیں ہوا ہے۔

دلال اجرت کا مستحق کب ہوگا؟

۱۔ اگر دلالی زمانہ کے ساتھ محدود ہے تو دلال کے اپنے آپ کو سپرد کرنے سے وہ اجرت کا مستحق ہوگا، اور یہ اجرت مدت پوری ہونے پر ملے گی، جب دلال نے پوری مدت اپنے آپ کو حوالہ کیا تو اس کو مکمل اجرت ملے گی خواہ کام کرے یا نہ کرے۔

۲۔ اگر دلالی عمل کے ساتھ محدود ہو، اس میں اجرت کام کے مکمل ہونے پر ملے گی۔

اس صورت میں دلال دلالی کے کام کے مکمل ہونے پر اجرت کا مستحق ہوگا، اگر کسی دلال نے دو اشخاص کے درمیان عقد میں دلالی کی، تو یہاں دلالی خرید وفروخت کے حصول سے ہوگی، اس لئے اگر دلال نے کام کیا، اور نداء لگانے اور گاہک تلاش کرنے میں جد وجہد کی اور اس چیز کی حفاظت بھی کی، لیکن عقد مکمل نہیں ہوا؛ تو وہ شخص اجر کا مستحق نہیں ہوگا، چونکہ عرفاً عمل پورا ہوا ہی نہیں، عمل کے ساتھ محدود دلالی جعالہ کی طرح ہوگی، اس میں کام کے مکمل ہونے پر اجرت کا مستحق ہوگا، جنہوں نے اس کو اجارہ شمار کیا ہے انہوں نے بھی عمل اور کام کی تکمیل پر اجرت کے استحقاق کو بتلایا ہے۔

عقود الدریہ میں ہے: **"والأجر مقابل بالبيع دون مقدماته كالسعی"**(۱)

اجرت بیع کے مقابل ہوتی ہے، اس کے مقدمات کے مقابل نہیں جیسے کوشش کرنا۔

کام مالک یا دوسرے دلال سے؟

اگر دلال نے عمل کیا، لیکن عقد کی تکمیل اس سے نہیں ہوئی، بلکہ اس کے مالک یا دوسرے دلال سے ہوئی تو دلال اول کسی چیز کا مستحق ہوگا؟

اس مسئلہ کو کئی ایک فقہاء نے بیان کیا ہے، کہ اگر کسی شخص نے اپنا مال دلال کو بیچنے کے لئے دیا، اس نے اس کو فروخت نہیں کیا، اس کو دوسرے دلال نے لیا یا مالک

---

(۱) العقود الدرية: ۲/ ۱۲۳

نے خود لے کر اس کو بیچ دیا تو کیا دلال اول اجر کا مستحق ہوگا یا نہیں؟

اس سلسلہ میں کئی ایک قول ہیں:

پہلا قول: یہ اجر کا مستحق نہیں ہوگا۔

دوسرا قول: یہ اپنی محنت ومشقت کے بقدر اجرت کا مستحق ہوگا۔

یہ دونوں قول احناف اور مالکیہ کے ہیں اور احناف کے یہاں پہلا قول معتبر ہے۔

تیسرا قول: اگر دوسرے نے پہلے کے تشہیر سے فائدہ اٹھایا ہے تو دلالِ اول اجرت کا مستحق ہوگا ورنہ نہیں۔

چوتھا قول: اگر پہلے شخص کو محروم کرنے کا ارادہ ہو تو وہ اجر کا مستحق ہوگا ورنہ نہیں۔

احناف کے دلائل یہ ہیں:

مجمع الضمانات میں ہے:

"وسئل بعضهم عمن قال للدلال: اعرض ارضی علی البیع وبعها ولك أجر كذا، فعرض ولم يتم البيع، ثم أخذ دلالا باع: للدلال الأول أجر بقدر عمله وعنائه، وقال أبو الليث: هذا قياس، ولا أجر له استحسانا، إذ أجر المثل يعرف بالتجار، وهم لا يعرفون لهذا الأمر اجرا، وبه نأخذ" (۱)

بعض لوگوں سے اس شخص کے متعلق پوچھا گیا جس نے دلال سے کہا: میری زمین کو فروخت کرنے لئے پیش کرو اور اس کو بیچ دو، تم کو اتنی اجرت ملے گی، اس نے پیش کیا، لیکن فروختگی مکمل نہیں ہوئی، پھر اس کو دوسرے دلال نے لے کر بیچ دیا تو پہلی دلال کو اس کی محنت اور تھکاوٹ کے بقدر اجرت ملے گی اور ابو اللیث کہتے ہیں: یہ قیاس

(۱) مجمع الضمانات: ۵۴

کا تقاضا ہے، اور استحسانا اس کو اجرت نہیں ملے گی، اجر مثل کی معرفت تاجروں سے ہوتی ہے، اس کو یہ اجر شمار نہیں کرتے، اس قول کو ہم اختیار کرتے ہیں۔

اس سلسلہ میں جیسا کہ احناف کا بھی ماننا ہے کہ دلال اول اگر اس نے فروخت نہیں کیا ہے تو اس کو اجرت نہیں ملے گی، اس لئے کہ اجرت عقد وفروخت کے مقابل میں ہوا کرتی ہے، جیسا کہ اس حوالہ سے عرف وعادت ہے، رہی اس حوالہ سے یہ بات دوسرے نے پہلے کی تشہیر سے فائدہ اٹھایا، تو یہ بات درست نہیں، اس لئے کہ دلال بھی مال کے پیش کرنے اور متعاقدین کو قریب کرنے کے حوالہ سے مختلف ہوتے ہیں، اس لئے اسی کا اعتبار ہوگا جس کے ہاتھوں بیع مکمل ہوئی، اس لئے دلالی کا عمل اسی سے مکمل ہوا ہے۔

ہاں اگر دونوں کے درمیان شرط ہو، یا وہاں یہ عرف ہو کہ دلال کو خواہ اس کے ذریعہ عقد مکمل گرچہ نہ ہوا ہو وہ اجرت کا مستحق ہوگا تو اس پر عمل کیا جائے گا۔

دلالی میں عقد فاسد ہو جائے تو دلال کی اجرت کا حکم

دلالی کے عقد میں فساد چند ایک امور کی وجہ سے ہوتا ہے، اجرت کے معلوم نہ ہونے کی وجہ سے یا فروخت کردہ چیز کے مجہول ہونے کی وجہ سے، یا عقد میں شرط فاسد ہونے کی وجہ سے، یا عقد میں حرام عوض کا تذکرہ ہو وغیرہ۔

اگر کام کی تکمیل کے بعد عقد فاسد ہو جاتا ہے تو اس سلسلہ میں علماء نے اختلاف کیا ہے کہ دلال کو اجرت کیا ملے گی اس سلسلہ میں دو قول ہیں:

پہلا قول اس کو مطلقاً اجرت مثل ملے گی، خواہ اس عقد میں اجرت متعین کی گئی ہو یا نہ کی گئی ہو، خواہ اجرت مثل بیان کردہ اجرت سے زائد ہو یا کم ہو۔

یہی قول احناف میں سے امام زفر کا اجارہ فاسدہ کے سلسلہ میں ہے، اس میں اجر مثل واجب ہوتا ہے، پھر فرمایا: "وعند زفر یزاد ویجب بالغا ما بلغ" (۱) امام

(۱) بدائع الصنائع: ۶/ ۲۶۶۲

زفر کے یہاں اس کو اجرمثل ملے گا خواہ اس کی مقدار کتنی بھی ہو۔

اسی کے قائل مالکیہ اور شوافع ہیں۔

دوسرا قول یہ ہے کہ جب عقد فاسد ہو چکا تو دلال کو اجرت مثل ملے گی، یہ بیان کردہ اجرت سے زائد نہیں ہوگی۔

یہ امام ابوحنیفہ اور صاحبین کا قول ہے:

فتاوی ہندیہ میں ہے:

”فالفاسد یجب فیه أجر المثل، ولا یزاد علی المسمی، إن سمی فی العقد مالا معلوما، وإن لم یسم یجب أجر المثل بالغا مابلغ“(۱)

عقد فاسد میں اجرمثل واجب ہوگی، متعین سے زائد نہ ہوگی، جب کہ عقد میں اجرت متعین رہی ہو، اگر اجرت متعین نہیں تھی تو اجرمثل جہاں تک بھی ہو دینا پڑے گا۔

احناف نے یہ تذکرہ کیا ہے کہ دلال اجرت مثل کا مستحق ہوگا جو بیان کردہ اجرت سے بڑھ کر نہ ہوگی۔

اس سلسلہ میں قول راجح یہی ہے اگر عقد فاسد ہو جائے تو دلال کو اجرت مثل ملے گی، چونکہ اجرت عقد کے فاسد ہونے سے فاسد ہو جاتی ہے یہی شوافع حنابلہ مالکیہ کا قول ہے:

چنانچہ شوافع کی مغنی المحتاج میں ہے:

”وتستقر فی الإجارة الفاسدة، سواء أقدرت بعمل أم بمدة، أجرة المثل، سواء أكانت أكثر من المسمی أم لا، بما یستقر به المسمی فی الصحیحة“(۲)

---

(۱) الفتاوی الهندیة: ۴۳۹/۴

(۲) مغنی المحتاج: ۳۵۸/۲

اجارہ فاسد میں خواہ وہ اجارہ مدت کے ساتھ محدود ہو یا کام کے ساتھ اس میں اجرت مثل ملے گی، خواہ اجر مثل متعین کردہ قیمت سے زیادہ ہو یا نہ ہو۔

اجرت کے لئے دلالی والی چیز کو روکے رکھنا

اگر دلال اپنی اجرت کے لئے دلالی والی چیز یا قیمت کو روکے رکھتا ہے تو کیا یہ جائز ہے یا نہیں؟

فقہاء نے اس کا تذکرہ یوں کیا ہے اجیر سامان کو اجرت کے حاصل کرنے کے لئے روکے رکھتا ہے تو اس حوالہ سے فقہاء کے دو قول ہیں:

پہلا قول: اجیر کو اجرت کے لئے اس چیز کو روکے رکھنے کا حق نہیں، یہ احناف کا اس اجیر کے سلسلہ میں مذہب ہے جس کا اس دلالی والی چیز میں اسکے عمل کا کوئی اثر نہ ہو اور یہی ایک شوافع کا مسلک اور حنابلہ کا مذہب ہے۔

احناف کی اس حوالہ سے ہدایہ کی عبارت ہے:

"وکل صانع لیس لعمله أثر فی العین، فلیس له أن یحبس العین للأجر کالحمال والملاح"(۱)

ہر صنعت کار جس کے عمل کا چیز میں کوئی اثر نہ ہو، اس کو عین شیء کو اجر کے لئے روکے رکھنے کا کوئی حق نہیں ہوگا جیسے قلی اور کشتی راں ہے۔

اور فتاوی ہندیہ میں ہے کہ دلال بھی اسی قبیل سے ہے جسکا انہوں نے یوں تذکرہ کیا ہے "لیس لفعل السمسار أثر فی العین، ومن لا أثر لعمله فی العین لا یملک الحبس بالأجر"(۲) جس دلال کے کام کا اس چیز میں کوئی اثر نہ ہو تو وہ بطور اجر کے اس چیز کو روک نہیں رکھ سکتا۔

---

(۱) الهداية: ۲۴۳/۳

(۲) الفتاوی الهندية: ۱۵/۴ے

اگر دلالی میں عقد فسخ ہوجائے تو اجرت کا حکم

اگر دلالی والی چیز میں عقد فسخ ہوجائے تو یہ عقد کا فسخ ہونا متعاقدین کے اختیار سے ہوگا یا کسی دوسرے سبب معتبر سے ہوگا۔

اگر یہ فسخ عاقدین کے اختیار سے ہوتو اس میں دلال اجرت کا مستحق نہ ہوگا؛ چونکہ وہ کام کے ختم ہونے سے اجرت کا مستحق ہوتا۔

اگر یہ فسخ کسی سبب معتبر سے ہو یعنی کسی عیب کی وجہ سے سامان کو واپس کر دیا جاتا ہے یا اس کا کوئی دوسرا مستحق نکل آتا ہے، فقہاء کے دلال کی اجرت کے سلسلہ میں دو قول ہیں، پہلا قول: دلال اجرت کا مستحق نہ ہوگا، اگر اس نے اجرت لی ہے تو اس کو واپس کرے گا، دوسرا قول: وہ اجر کا مستحق ہوگا، اگر اس نے اجرت نہیں لی ہے تو اس کا مطالبہ کیا جائے گا۔

مدونہ (امام مالک رحمہ اللہ کی تصنیف) میں ہے جس وقت حضرت امام مالک سے دلال کی اجرت کے سلسلہ میں پوچھا گیا جب کہ مبیع کو سامان میں عیب کی وجہ سے واپس کردیا گیا ہو۔ کہتے ہیں: " أرى : أن يرد الجعل ، ولا جعل له إذا لم ينفذ البيع " (۱)۔میری رائے یہ ہے کہ وہ اجرت کو واپس کرے اگر بیع نہیں ہوئی ہے تو اس کو اجرت نہیں ملے گی۔

دوسرا قول: اگر دلالی والی چیز میں عقد فسخ ہوجائے تو دلال اجرت کا مستحق ہوگا، اگر دلال نے اجرت نہیں لی ہے تو وہ اجرت کو لے گا خواہ عقد قضاء قاضی سے فسخ ہوا ہو یا کسی دوسرے طریق سے، ہاں اگر جس چیز میں دلالی ہوئی ہے اس میں اگر عقد بالکل ہی نہ ہو جیسے مبیع آزاد ہو یا وقف شدہ شیء ہو تب وہ اجرت کا مستحق نہیں ہوگا۔

یہ احناف کا مذہب ہے اور مالکیہ کا بھی ایک قول یہی ہے:

احناف نے اس کی تصریح جامع الفصولین میں کی ہے:

---

(۱) المدونة: ۳۵۳/۴

"لو استحق المبيع، أو رد بعيب بقضاء أو بغير لا يسترد۔ البائع۔الدلالية، ولو انفسخ البيع، إذ لم يظهر أن البيع لم يكن، فلا يبطل عمله"

اگر مبیع کا استحقاق نکل آتا ہے یا مبیع کو قضاء قاضی یا اس کے بغیر لوٹا دیا جاتا ہے تو بائع دلالی کی اجرت کو واپس نہیں لے سکتا، جب تک یہ بات ظاہر نہ ہو کہ بیع سرے سے ہوئی ہی نہیں تب تک اس کا عمل باطل نہ ہوگا۔

پھر فرمایا:

"لو تبين أن المبيع كان حرا أو وقفا يسترد، إذ العقد لم ينعقد"(۱)

اگر یہ بات معلوم ہو کہ مبیع آزاد یا وقف شدہ شئ ہے تو مبیع کو واپس کر دیا جائے گا، اس لئے کہ عقد منعقد ہی نہیں ہوا ہے۔

اس حوالہ سے راجح قول یہی ہے کہ جس صورت میں عقد فسخ ہو جائے گا تو دلال کو اجرت واپس کرنی ہوگی، چونکہ یہ بیع کے بدلے دلالی کی اجرت ہے اور بیع ٹوٹ چکی اگر یہ عقد کا ٹوٹنا سابقہ سبب کی وجہ سے ہے تو کام پورا ہوا ہی نہیں۔

عیب کی وجہ سے دلالی کا باطل ہونا

اگر دلال میں کوئی عیب جس کی وجہ سے وہ دلالی کا کام انجام نہ دے سکتا ہو، یا اس کی منفعت اتنی کم ہو جاتی ہو جس کی وجہ سے اس کی اجرت بھی کم ہوتی ہے، یعنی اس کو بالکل بیٹھا دینے والا مرض ہو جائے، یا گونگا پن ہو جائے جس کی وجہ سے وہ نداء اور آواز وغیرہ نہیں لگا سکتا، تو جس صورت میں عقد وساطۃ (دلالی) عمل کے ساتھ محدود ہے تو وہ دلالی فاسد ہو جائے گی۔

اگر یہ عقد وساطۃ زمانہ کے ساتھ مقید ہے تو چونکہ یہاں دلال ہی مقصود بالذات

---

(۱) جامع الفصولین: ۲/ ۱۵۳

ہے،تو یہاں عقد فسخ ہوجائے گا، اور گذرے ہوئے دنوں کے عمل کی اجرت کا وہ مستحق ہوگا۔

یہ مسئلہ اجیر (کرایہ پر لئے ہوئے شخص) کے مثل ہے، یعنی اگر اس کو عیب لاحق ہوتا ہے جس سے اس کی منفعت فوت ہوجاتی یا اس میں خلل واقع ہوتا ہوتو مستاجر کو عقد کو فسخ کرنے کا اختیار ہوگا، اجیر کو فسخ سے قبل گذرے ہوئے دن کی تنخواہ ملے گی۔

❁❁❁❁❁❁

کمیشن ایجنٹ

جو شخص کمیشن ایجنٹ ہے اگر وہ کسی کمپنی، ادارے یا کسی شخص کا ملازم ہے اور وہ شخص اپنی کمپنی یا ادارے یا اپنے مالک کو اپنے کمیشن کی اطلاع دیئے بغیر کمیشن پر خریداری کرتا ہے تو اس کا یہ کمیشن لینا اور دکاندار یا کسی فرد کا کمیشن دینا دونوں جائز ہیں۔

اور اگر کمیشن ایجنٹ آزاد ہے اور وہ کسی کا ملازم نہیں ہے یا وہ شخص ملازم تو ہے؛ لیکن ملازمت کے مقررہ اوقات کے علاوہ بھی کمیشن لے کر کام کرتا ہے تو پھر اس کی دو صورتیں، اگر اس کمیشن ایجنٹ نے کسی دکاندار، ادارے یا کسی فرد سے کمیشن طے نہیں کیا تو ایسی صورت میں اس کمیشن ایجنٹ کا کمیشن طے کئے بغیر لینا دینا دونوں ناجائز ہیں، ناجائز ہونے کی وجہ یہ ہے کہ اجارہ کے صحیح ہونے کی بنیادی شرط یہ ہے کہ اجارہ میں اجرت کا متعین اور معلوم ہونی ضروری ہے اور یہاں اجرت متعین نہیں؛ اس لئے اس کا بغیر طے کئے کمیشن لینا اور دینا دونوں جائز نہیں ہے۔ لیکن اگر دوکاندار یا کوئی فرد اس ایجنٹ سے یہ طے کرلے کہ تمہیں فلاں کام پر اتنے فیصد کمیشن دوں لا پھر یہ ایجنٹ وہ کام کردے تو اب اس ایجنٹ کا یہ طے کردہ کمیشن لینا اور دوسرے شخص کا کمیشن دینا دونوں جائز ہیں؛ لیکن اس کا جواز چند شرائط کے ساتھ مشروط ہے:

۱) کمیشن پر جو کام جارہا ہے وہ کام بنیادی طور پر جائز ہو۔

۲) کمیشن ایجنٹ صحیح مال فراہم کرے یا جو کام اسکے سپرد کیا گیا ہے اس کو صحیح طریقہ سے پایہ تکمیل تک پہنچائے۔

(۳) کمیشن دینے والا اس چیز کی قیمت بڑھا کر نہ صول کرے؛ بلکہ اپنی طرف سے کمیشن کی رقم ادا کرے، اس کا مطلب یہ ہے کہ کمیشن دینے والے جب کسی چیز کوفروخت کرتے ہیں تو جتنی رقم کمیشن میں دینی ہوتی ہے، اس شئ کی قیمت میں اتنی ہی رقم کا اضافہ کردیتے ہیں، یہ صورت درست نہیں ہے، اس لئے ضروری یہ ہے کہ کمیشن دینے والا کمیشن اپنی طرف سے ادا کرے، اور کمیشن کی رقم کو اس شیء کی قیمت میں شامل نہ کرے۔

"كذافي ردالمحتار: وفي الحاوي سئل محمد بن مسلمة عن أجرة السمسار، فقال ك ارجو أنه لا بأس به، وإن كان في الأصل فاسدا لكثرة التعامل وكثير من هذا غير جائز ن فجوزوه لحاجة الناس إليه كدخول الحمام (۱)

ردالمحتار میں ہے کہ محمد بن مسلمہ سے ایجنٹ کی اجرت کے بارے میں سوال کیا گیا تو انہوں نے فرمایا کہ امید ہے کہ اس میں کوئی حرج نہ ہو، اگرچہ اپنی اصل کے اعتبار سے یہ فاسد ہونا چاہئے ،لیکن کثرت تعامل کی وجہ سے یہ جائز ہے، اور اس جیسے اور دوسرے مسائل بھی ناجائز ہے ،لیکن اسکے جواز کی اجازت لوگوں کی حاجات کے پیش نظر دی گئی ہیے، جیسا کہ حمام کی اجرت اصل کے اعتبار سے جائز نہیں ہے؛ لیکن اس کو بھی لوگوں کی حاجت کی وجہ سے جائز قرار دیا گیا ہے۔

نیز اس سلسلہ میں یہ اصول یادرکھنا چاہئے کہ فقہاء احناف کے یہاں کسی چیز کی فروخت اسی وقت درست ہوتی ہے جب کہ وہ چیز بیچنے والے کے قبصہ میں آگئی ہو "نهى النبي صلى الله عليه وسلم عن الطعا أن يباع حتى يقبض" (۲)

---

(۱) شامی: ۲/ ۶۳

(۲) بخاری، باب بيع الطعام قبل أن يقبض، كتاب البيوع ،حدیث: ۲۰۲۸

جس چیز سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے منع فرمایا وہ یہ ہے کہ کھانے کی اشیاء کو قبضہ سے پہلے بیچا جائے۔

اس لئے اگر کمیشن ایجنٹ یہ کہہ دے کہ مال فلاں کمپنی والے سے لے آؤ، اور کمپنی والے سے کہہ دے کہ تم اس کو اتنا مال دیدو اور قیمت خریدار سے لے کر کمپنی کو ادا کرے اور درمیان کا نفع (Profit) خود رکھ لے تو اس صورت میں چونکہ اس نے قبضہ کئے بغیر مال فروخت کیا ہے، اس لئے یہ صورت جائز نہیں ہے، اس کے جائز ہونے کی صورت یہی تھی کہ وہ کمپنی سے پہلے خود یا کسی کو اپنا وکیل بنا کر مال پر قبضہ کرے اور پھر گاہک کو مال فراہم کرے۔

کبھی کمیشن ایجنٹ یہ کام بھی کرتے ہیں کہ کسی کو گاہک بنا کر تاجر کے پاس لاتے ہیں جس پر تاجر اس کو کچھ رقم جو کہ پہلے سے طے شدہ ہوتی ہے، ادا کرتے ہیں یہ صورت بھی جائز ہے۔(۱)

حضرت مولانا خالد سیف اللہ رحمانی دامت برکاتہم فرماتے ہیں: موجودہ دور میں کمیشن ایجنٹ کا کاروبار کافی بڑھ گیا ہے، تھوڑے تھوڑے فرق کے ساتھ کی مختلف شکلیں ہوتی ہیں، لیکن مجموعی طور پر دو نوعیت کے کاروبار کئے جاتے ہیں

(۱) کمیشن ایجنٹ دوسرے سے مال خرید کر گاہکوں کو فروخت کرتا ہے اور اس میں اس کی منفعت اس طرح ہوتی ہے عموماً کمپنی سے چیز اسے کم قیمت پر مل جاتی ہے، حقیقۃً گاہک بھی کمپنی کا رخ کرتا اسے اتنی ہی قیمت میں مال ملتا، جتنے میں وہ کمیشن ایجنٹ سے خریدتا ہے، دراصل کمیشن ایجنٹ مخصوص کمپنی یا ادارے کے ساتھ فیصد کے حساب سے نفع طے کر کے اس کے اموال فروخ کرنے کا ذمہ لیتا ہے جسے (Sale Agent) کہا جاتا ہے۔

---

(۱) جدید معاشی نظام میں اسلامی قانونِ اجارہ: ۱۱۶ تا ۱۱۸، ڈاکٹر مولانا محمد زبیر اشرف عثمانی (پی ایچ ڈی)، ادارۃ المعارف کراچی

فقہی اعتبار سے اس صورت کی تخریج یہ ہے کہ کمیشن ایجنٹ خود کمپنی سے مال خرید کر دوسرے گاہکوں کو فروخت کرتا ہے۔

اس میں قابل توجہ پہلو یہ ہے کمیشن ایجنٹ اسطرح کے اموال پر خود براہ راست یا اپنے وکیل کے توسط سے قبضہ کر لے، پھر آگے فروخت کرے؛ تاکہ یہ بیع درست ہو سکے، کیوں کہ احناف کے یہاں بیع قبل القبض ممنوع ہے۔

(۲) کمیشن ایجنٹ صرف گاہکوں کو اپنی مخصوص کمپنی یا فرم سے سامان خریدنے کی ترغیب دیتا ہے، اس صورت میں بھی اس کا نفع فیصد کے اعتبار سے طے ہوتا ہے، یہ بھی شرعی اعتبار سے جائز ہے، اس لئے یہ اس کی محنت وترغیب کی اجرت ہے، جس کے جائز نہ ہونے کی کوئی وجہ نہیں (ملخص از جدید فقہی مسائل: ۳۸۷، اجارہ اور اس کی جدید صورتوں کے احکام: ۹۹، مفتی زید احمد آباد، متعلم تدریب الافتاء، جامعہ علوم القرآن جمبوسر، گجرات) یہ دوسری صورت دلال کی ہے۔

کمیشن ایجنٹ کی اجرت کا جواز

کمیشن کی اجرت کے متعلق دو امور قابل غور ہیں (۱) اجرت کی جہالت (۲) اجرت کا جزءِ عمل ہونا (یعنی قفیز طحان کی صورت)۔

اجرت کی جہالت

پہلی بات کے تعلق سے حضرت مولانا مفتی تقی عثمانی صاحب دامت برکاتہم فرماتے ہیں کہ تعیین اجرتِ کی ایک شکل یہ ہے کہ کوئی اجرت مقرر کر لی جائے کہ تمہیں پانچ ہزار روپیئے دیں گے تو اس کو سبھی جائز کہتے ہیں؛ لیکن عام طور پر اس طرح اجرت متعین ہوتی؛ بلکہ فیصد کے حساب سے مقرر کی جاتی ہے کہ جتنے میں تم بیچو گے اس کا دو فیصد تم کو ملے گا، آج کل کی اصطلاح میں اس کو کمیشن ایجنٹ بھی کہتے ہیں، یعنی تم سامان بیچو گے اس کی قیمت کا دو فیصد تمہیں ملے گا، یا ایک فیصد ملے گا تو اجرت فیصد کے حساب سے مقرر کی جاتی ہے۔

بعض حضرات نے اس طرح فیصد اجرت طے کرنا ناجائز کہا ہے کہ یہ عمل کی اجرت ہے اور سمسار (کمیشن ایجنٹ) کا عمل ثمن کی کمی بیشی سے کم اور زیادہ نہیں ہوتا، متعین چیز ہزار میں بکے یا سو میں دونوں میں محنت تو یکساں صرف ہوگی، لہٰذا ثمن کی مقدار سے مربوط کر کے اس کا فیصد بطور اجرت طے کرنا بعض حضرات کے نزدیک جائز نہیں۔

لیکن اس میں بھی مفتی بہ قول یہ ہے کہ ایسا کرنا جائز ہے، علامہ شامی نے متأخرین حنفیہ سے نقل کیا ہے کہ اس کی وجہ یہ ہے کہ اجرت ہمیشہ کی مقدار کے مطابق ہو یہ ضروری نہیں ہے، بلکہ عمل کی قدر و قیمت اور عمل کی حیثیت کے لحاظ سے بھی اجرت میں فرق ہوجاتا ہے، اس کی مثال علامہ شامی ؒ نے اس طرح دی ہے ایک شخص چمڑے میں سوراخ کرتا ہے اور ایک شخص موتی میں سوراخ کرتا ہے، دونوں میں زیادہ فرق نہیں؛ لیکن موتی کے اندر سوراخ کرنے والے کے عمل کی قدر و قیمت زیادہ ہے، اس لیے وہ زیادہ اجرت لیتا ہے، اس طرح اگر کمیشن ایجنٹ کی مساعی سے کمپنی کو زیادہ نفع ہوتا ہو تو کمیشن ایجنٹ کے عمل کی قدر و قیمت زیادہ ہے؛ لہٰذا اس میں فیصد کے تناسب سے اجرت مقرر کی جاسکتی ہے اور یہی مناسب ہے۔

مثلاً کوئی شخص کمیشن پر گاڑیوں کی خرید وفروخت کا ایجنٹ ہے، مہنگی اور سستی دونوں طرح کی گاڑیاں فروخت کرنے یا کروانے کی محنت میں زیادہ فرق نہیں ہوتا؛ مگر اس کے عمل سے مہنگی گاڑی کے مالک کو زیادہ فائدہ ہوا، اس اعتبار سے اس کے عمل کی قدر و قیمت زیادہ ہے لہٰذا وہ اس سے زیادہ اجرت لے سکتا ہے (۱)۔ یہ صورت قفیز طحان کے معنی پر مشتمل جو کہ دراصل احناف کے یہاں ناجائز ہے، البتہ متاخرین نے ایسی متعدد صورتوں کو عرف اور تعامل ناس کی وجہ سے درست قرار دیا ہے۔ (۲)

---

(۱) ماخوذ جدید معاشی مسائل: ۲/ ۲۰۰، ۲۰۱

(۲) اجارہ اور اس کی جدید صورتوں کے احکام: ۱۰۲

کمیشن ایجنٹ کے متعلق ادارۃ المباحث الفقہیہ کی تجاویز

ادارۃ المباحث الفقہیہ جمیعۃ علماء ہند کے گیارہویں فقہی اجتماع میں کمیشن اوراس کی مروجہ شکلوں کے بارے میں جوتجاویز پاس ہوئیں وہ درج ذیل ہیں۔

(الف) موجودہ دور میں کمیشن ایسا لفظ ہے جو اپنی نوعیتوں کے اعتبار سے مختلف معانی پر منطبق ہوتا ہے، کہیں کمیشن کا اطلاق دلالی، اجارہ یا جعالہ پر کیا جاتا ہے اور کہیں ابتداء تبرع یا احسان پر اور کہیں صریح رشوت پر؛ لہٰذا نہ تو ہر طرح کے کمیشن کو جائز کہنا صحیح ہے، اور نہ ہی ہر طرح کے کمیشن پر عدم جواز کا اطلاق درست ہے؛ بلکہ اصل حقیقت کو پیش نظر رکھ کر حکم شرعی متعین کیا جائے گا۔

(ب) جن صورتوں میں کمیشن دلالی یا جعالہ کی دائرے میں آتا ہے ان میں جواز کے لئے درج ذیل شرطوں کا لحاظ ضروری ہوگا:

(۱) کمیشن کسی واجبی ذمہ داری کا عوض نہ ہو، یعنی ایسے کام کا عوض نہ ہو جو عامل پر پہلے سے واجب ہو۔

(۲) کمیشن کسی مباح عمل کا عوض نہ ہو جو عامل پر پہلے سے واجب ہو۔

(۳) کمیشن کی تعیین اور لین دین باہمی رضامندی سے ہو اور کسی قسم کا جبر و دباؤ نہ ہو۔

(۴) کسی مباح عمل کے عوض میں ہی کمیشن کا لین دین ہو۔

(۵) کمیشن ایسا متعین ہو جو بعد میں فریقین کے درمیان نزاع کا سبب نہ بنے، خواہ ایک متعینہ رقم ہو یا فیصد کے حساب سے۔

(۶) کمیشن کا پورا عمل دھوکہ دہی اور جبر و اکراہ سے خالی ہو اور فریقین سے اجرت کی مقدار مخفی نہ ہو۔

(ج) زمین کی خرید وفروخت میں مروجہ کمیشن دونوں فریقوں سے بھی لینا جائز ہے، بشرطیکہ کمیشن لینے والا دونوں کے درمیان معاملہ طے کرانے کا اور کاغذات وغیرہ تیار کرانے پر کمیشن لے جیسا کہ مروجہ ہے اور اگر کسی ایک ہی فریق کا وکیل بن

کے کام کرے گا توصرف اسی سے اجرت لینے کا حق دار ہوگا، اور یہ پورا معاملہ جھوٹ اورفریب سے پاک وصاف ہونا چاہئے۔

(د) کارپینٹر اور پلمبر وغیرہ (اجیر مشترک) اگر سامان سمیت کام کرنے کا ٹھیکہ لیتے ہیں اور خود ہی دکان دار سے سامان خرید کر لگاتے ہیں تو اس صورت میں دکاندار انہیں جو کمیشن دے گا اسے لینے کی گنجائش ہے؛ کیوں کہ وہ خود اپنے لئے خریداری کررہے ہیں، اور مستاجر کے وکیل نہیں ہے، اور اگر کارپینٹر وغیرہ صرف کام کرنے کا اجیر ہو، سامان اس کے ذمہ نہ ہو اور مالک خود سامان خرید کر لادے ،تو اس صورت میں اجیر کے لئے دکان دار سے کمیشن لینا جائز نہیں ہے؛ کیوں کہ اس میں اجیر کا کوئی عمل نہیں پایا گیا۔

اگر اجیر مشترک نے صرف کام کا ٹھیکہ لے رکھا ہے اور سمان اس کے ذمہ میں نہیں تو دکان سے سامان لانے پر اس اجیر کے لئے بطور جعالہ کمیشن لینے کی گنجائش ہے۔

(ھ) اسکول میں داخلہ کرانے پر اگر کوئی کدوو کاوش کی گئی ہو، مثلاً کاغذات کی خانہ پری وغیرہ تو اس کی مناسب اجرت لینے کی گنجائش ہے، لیکن اگر کسی عمل کے بغیر محض اپنی وجاہت کی بنیاد پر کوئی شخص اسکول میں داخلہ کرانے کا معاوضہ لے تو رشوت میں داخل ہو کرنا جائز ہوگا۔

(و) عام طور پر یہ بات دیکھنے میں آتی ہے کہ تعلیمی ادارے اپنا مقررہ نصاب یا ڈریس وغیرہ خاص دکان سے خریدنے کا طلبہ کو پابند کرتے ہیں اور اس پر دکاندار سے کمیشن لیتے ہیں تو یہ کمیشن ان کے لئے جائز نہیں ہے۔

(ز) اجیر خاص یعنی منیجر وغیرہ کمپنی کے امین ووکیل ہوتے ہیں؛ لہٰذا ایسا شخص کمپنی کے لئے اگر کوئی سامان خریدے تو دکاندار سے جو کمیشن ملے گا وہ اجیر خاص کا حق نہیں؛ بلکہ کمپنی کا حق ہے؛ لہٰذا اسے کمپنی میں جمع کرانا ضروری ہے اور مالک کی اجازت

کے بغیر خود استعمال کرنا جائز نہیں، اس مقصد کے لئے بلوں میں ہیرا پھیری میں سراسر دھوکہ ہے جو قطعاً حرام ہے۔

(ح) فرم کے متعلق ملازم کو کسی مال کے مطلوبہ معیار کی توثیق کے لئے جسے آرڈر پاس کرنا کہتے ہیں اس پر کمیشن لینا جائز نہیں ہے، کیوں کہ یہ رشوت میں داخل ہے۔

(ط) سرکاری ٹینڈروں کی منظوری کے لئے متعلقہ افسران کا کمیشن لینا بلاشبہ رشوت ہے اور ٹینڈر بھرنے والوں کے لئے اس کا عام حالات میں دینا بھی جائز نہیں ہے؛ البتہ اگر اس کام کے بغیر کام نہ چلے تو دینے کی گنجائش ہے، بشرطیہ کے ٹینڈر کے شرائط کے مطابق سامان وغیرہ لگادیا جائے۔

(ی) مختلف اشیاء کی فروختگی اور اس کی تشہیر پر کمپنیاں اپنے متعلقہ افراد کو جو کمیشن دیتی ہیں وہ جائز ہے۔

(ک) دواساز کمپنیاں اپنی دواؤں کی ترویج کے لئے ڈاکٹروں کو بلا مطالبہ کچھ انعام دیتی ہوں اور ڈاکٹر اس دوا کو مفید سمجھ کر تجویز کرتے ہوں تو اس کی گنجائش ہے، لیکن ڈاکٹر کے لئے اس کا مطالبہ کرنا درست نہیں، اسی طرح میڈیکل اسٹور کو خاص مقدار میں دواؤں کی فروختگی پر کمپنیوں کی طرف سے جو انعام دیا جائے اس میں بھی کوئی حرج نہیں، کیوں کہ یہ یا تو حط ثمن کے دائرہ میں آتا ہے یا انعام کے۔

(ل) آج کل معالجین کی طرف سے مختلف بہانوں سے کمیشن لینے کے رواج کی وجہ سے علاج گراں سے گراں تر ہوجارہا ہے، جس کی وجہ سے عوام سخت پریشان ہیں، جب کہ مریض کے لئے مفید تر دوا تجویز کرنا، حسب ضرورت ٹیسٹ تجویز کرنا، کسی اور معالج یا اسپتال کو ریفر کرنا معالج کی ذمہ داری ہے، لہٰذا اس کا لیب، اسپتال، میڈیکل اسٹور اور وہ معالج جس کو ریفر کیا گیا ہے، وغیرہ سے کمیشن لینا جائز نہیں ہے۔

(م) اسی طرح معالجین کا بلاضرورت ٹیسٹ لکھنا یا غیر معتبر لیب کی طرف رہنمائی کرنا

دھوکہ دہی اور خیانت کی بنیاد پرنا جائز ہے۔

(ن) اگر کسی نے الٹرا ساؤنڈ یا لیب کی دکان کھولی ہے اور مارکیٹ کی موجودہ صورت حال میں اس کے لئے ڈاکٹروں کو متعینہ کمیشن دیئے بغیر اپنا سینٹر یا دکان چلانا مشکل ہو تو ایسی صورت میں اس کے لئے مجبوراً ڈاکٹروں کو متعینہ کمیشن دینے کی گنجائش ہوگی، لیکن ڈاکٹر کے لئے اس کا لینا جائز نہ ہوگا۔

(س) آٹو، ٹیکسی اور گاڑی والے مخصوص ہوٹلوں تک مسافروں کو لے جانے پر جو کمیشن ہوٹل والوں سے لیتے ہیں، وہ جعالہ میں داخل ہو کر جائز ہوگا؛ بشرطیکہ اس میں جھوٹ اور دھوکہ نہ ہو۔(۱)

اجرت علی الوکالۃ

وکیل کسی چیز میں غیر (مؤکل) کا نائب بن کر کام کرتا ہے، تو اور یہ شرعاً درست بھی ہے، اس کے لئے حسبِ شرائط اجارہ اپنے عمل پر مؤکل سے اجرت لینے پر شرعاً کوئی قباحت نہیں، یہ بھی اجارہ علی العمل کی ایک شکل شمار ہوگی۔

البتہ اس کے لئے ضروری ہے کہ عقد وکالت میں اجرت کی شرط طے پائی ہو، یا ایسے شخص کو وکیل بنایا گیا ہو جو اجرت کے ساتھ کام کرنے میں مشہور ہو۔

صاحب ہدایہ فرماتے ہیں:

”کل عقد جاز أن یعقده الإنسان بنفسه جاز أن یؤکل به غیره؛ لأن الإنسان قد یعجز عن المباشرة بنفسه علی اعتبار بعض الأحوال، فیحتاج إلی أن یؤکل به غیره، فیکون بسبیل منه دفعا للحاجة“(۲)

---

(۱) فقہی اجتماعات کے اہم فقہی فیصلے اور تجاویز، گیارہواں اجتماع، حیدرآباد بحوالہ: اجارہ اور اس کی جدید صورتوں کے احکام: ۱۰۵-۱۰۶

(۲) ہدایہ: ۱۸۵/۳

وہبہ زحیلی فرماتے ہیں:

اتفق الفقهاء على أن الوكالة قد تكون بغير أجر وقد تكون بأجر فقد ثبت عن النبی صلی الله علیه وسلم الأمران، حيث وكلّ أنيسا فی إقامة الحد۔۔۔ وأيضا كان يبعث عماله لقبض الصدقات ويجعل لهم عمالة"(۱)

اجرت علی الکفالۃ (ضمانت اور گارنٹی پر اجرت)

حصول قرض پر ضمانت کا ایک طریقہ یہ ہے کہ کوئی تیسرا شخص اداءِ دین کی ضمانت لے لے اور یہ ذمہ داری قبول کرلے کہ مدیون (اصیل) اگر دین ادا کرنے سے قاصر رہا تو میں دین ادا کروں گا، اس قسم کی ضمانت کو (کفالہ) کہا جاتا ہے، کیا اس طرح کی کفالت پر اجرت لینا درست ہے؟

آج کل بینک کے ذریعہ یہ کام لیا جاتا ہے، یعنی مشتری کی جانب سے بائع کو اس بات کی یقین دہانی کرانے کے لئے مشتری اس کا ثمن ادا کردے گا، بینک کی گارنٹی (کفالت) پیش کی جاتی ہے۔

البتہ بینک اس وقت تک دین کی ادائیگی کی گارنٹی نہیں دیتا جب تک مکفول لہ (وہ شخص جس کی طرف سے بینک گارنٹی دے رہا ہے) بینک کو متعین اجرت ادا نہ کرے اور یہ اجرت کبھی دین کی مقدار کے لحاظ سے متعین کی جاتی ہے، مثلاً تین فیصد یا چار فیصد اور کبھی کسی اور طرح سے متعین کی جاتی ہے۔

اس کو فقہی حیثیت سے اس پر غور کیا جائے تو یہ معلوم ہوتا ہے کہ ہمارے اکابر علماء اور مفتیان کرام کے فتاوی اور تحقیقات اس میں مختلف ہیں:

حضرت مفتی محمد تقی عثمانی صاحب دامت برکاتہم العالیہ نے اس کی تحقیق یوں پیش فرمائی کہ ''کفالہ'' ایک عقد تبرع ہونے کے اعتبار سے قرض کی طرح ہے، یعنی کفالہ

---

(۱) موسوعة فقهية: ۹۰/۴۵

(گارنٹی) اور قرض دونوں عقد تبرع ہے، جس طرح قرض پر نفع لینا جائز نہیں اسی طرح گارنٹی پر اجرت لینا بھی جائز نہیں۔(۱)

حضرت مفتی رضاء الحق صاحب دامت برکاتہ نے بھی اسے عقد تبرع مان کر اس پر اجرت لینے کو جائز کہا ہے:

"والكفالة عقد تبرع كالنذر لا يقصد به سوى ثواب الله أو رفع الضيق عن الحبيب فلا يبالى بما التزم فى ذلك.....فكان مبناها التوسع (۲)

حضرت مولانا خالد سیف اللہ رحمانی دامت برکاتہم اسی مسئلہ کے متعلق وضاحت کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ یہ عقد تبرع ہے، البتہ شیخ وہبہ زحیلی کے قول کے مطابق مجبوری میں کفالہ کی اجرت دینے کی اجازت نقل فرمائی ہے۔(۳)

الكفالة عقد تبرع وطاعة يثاب عليها الكفيل--- ولو قام المكفول له بتقديم شيء من المال للكفيل بية أو بدية جاز؛ ليكن إن شرط الكفيل تقديم مقابل أو أجر على كفالته وتعذر على المكفول عنه تحقيق مصلحته من طريق المحسنين المتبرعين جاز له دفع الأجر للضرورة أو الحاجة العامة (۴)

---

(۱) ماخوذ از فقہی مقالات ۱/۹۶، بحوالہ اجارہ اور اس کی جدید صورتوں کے احکام: ۱۰۵-۱۰۶، مفتی زید احمد آباد، متعلم تدریب الافتاء، جامعہ علوم القرآن جمبوسر، گجرات

(۲) فتح القدیر: ۷/۱۷۰، ماخوذ از فتاوی دار العلوم زکریا: ۵/۶۹۹

(۳) جدید فقہی مسائل: ۴/۱۷۱

(۴) الفقہ الاسلامی و أدلتہ: ۵/۵۰، بحوالہ اجارہ اس اس کی جدید صورتوں کے احکام: ۱۰۹

مکانات کے لئے سودی قرض کے احکام

قرآن وحدیث میں جن گناہوں کی سخت مذمت کی گئی ہے، غالبا کفر کے بعد سود، ان میں سرفہرست ہے،سود کے باب میں نہ صرف سود لینے کومنع کیا گیا، بلکہ سود دینے والے کاروبار کولکھنے والے اورسودی معاملہ پر گواہ بننے پر بھی لعنت کی گئی اور آپ ﷺ نے فرمایا:

عن جابر رضی الله عنه : لَعَنَ رسولُ اللهِ صلى الله عليه وسلم : آكِلَ الرِّبَا ومُؤْكِلَهُ وَكَاتِبَهُ وَشَاهِدَيْهِ وقال: ہُمْ سَوَاءٌ (۱)

اسی طرح فرماتے ہیں: "ما حرم أخذه، حرم إعطائه" (۲) ''جس چیز کا لینا حرام ہے،اس کا دینا بھی حرام ہے''۔

اس میں کوئی اختلاف نہیں کہ جس طرح سود لینا حرام ہے، اسی طرح اصولی طور پراس کا دینا بھی حرام ہے،لیکن ایک قابل توجہ پہلو یہ ہے کہ سود لینا حرام لعینہ ہےاورسود کا دینا حرام لعینہ کی اصطلاحی ''ضرورت'' (انتہائی درجہ کی مجبوری) میں ہوتی ہے، جیسا کہ فقہی قاعدہ ہے: "الضرورات تبيح المحظورات" یعنی جن پر مقاصد خمسہ

---

(۱) مسلم، کتاب المساقاة، باب لعن آكل الربا ومؤ كله، حدیث نمبر: ۳۰۹۳، ابوداؤد: کتاب البيوع، باب في آكل الربا مؤ كله، حدیث نمبر: ۳۳۳۳

(۲) الأشباه والنظائر : ۱/۴۴۹، قاعدہ: ۱۴

یعنی حفظ دین، حفظ نفس، حفظ نسل، حفظ مال اور حفظ عقل کا حاصل ہونا موقوف ہو۔(۱)

لیکن جو چیزیں حرام لغیرہ ہیں، اصطلاحی ''حاجت'' کے تحت بھی ان کی گنجائش پیدا ہوجاتی ہے، اور حاجت سے مراد وہ چیزیں ہیں، جو شریعت کے مقاصد خمسہ کو حاصل کرنے میں شدید مشقت سے بچاتی ہیں۔(۲)

اس سے قیاس کیا جاسکتا ہے کہ ربا کے بارے میں یوں تو لینا اور دینا دونوں ہی حرام ہیں، لیکن دونوں کی نوعیت میں کسی قدر فرق ہے، گو اس سلسلہ میں فقہاء کے یہاں صراحتا اس کا ذکر کم ملتا ہے، لیکن فقہاء احناف نے ''قنیۃ'' کے حوالہ سے ذکر کیا ہے **"ویجوز للمحتاج الاستقراض بالربح"** اور حاجت مند شخص کے لئے نفع دے کر قرض حاصل کرنا جائز ہے۔

اور علامہ ابن نجیم مصری نے اس کو ''حاجت کے ضرورت کے قائم مقام ہونے'' سے متعلق قاعدہ کے تحت ذکر کیا ہے اور ان کے سیاق وسباق سے مراد ہے کہ یہاں ''محتاج'' سے حاجت اصطلاحی ہے، حاجت بمعنی ضرورت نہیں۔(۳)

خود فقہاء نے بیع بالوفاء اور اس طرح کے جو بعض معاملات کو جائز قرار دیا ہے، اس سے بھی اس کو تقویت پہنچتی ہے، کہ جب حیلہ کے ذریعہ تعامل کی بناء پر قرض پر زائد رقم لینے کی اجازت دی جاسکتی ہے تو مشقت کے مواقع میں قرض سے زائد رقم ادا کرنے کی اجازت بدرجہ اولی ہوگی، البتہ اس بات کی وضاحت مناسب ہوگی کہ راقم الحروف (مولانا خالد سیف اللہ رحمانی دامت برکاتہم) کے نزدیک قرض پر نفع حاصل کرنے کے لئے کسی بھی قسم کا حیلہ اختیار کرنا جائز نہیں، یہ حرام سے بچنے کا راستہ اختیار کرنا نہیں؛ بلکہ نعوذ باللہ حرام کو حلال کرنے کی کوشش ہے اور حضرت عمر ﷜ کے ارشاد **"دعو الربا**

---

(۱) الموافقات للشاطبی: ۲/ ۳۲۴

(۲) الموافقات للشاطبی: ۲/ ۳۲۴

(۳) الأشباہ والنظائر: ۱/ ۲۹۴

والریبة" کے تحت اس سے بچنا بھی ضروری ہے۔

موجودہ دور میں عالم اسلام کے فقہاء اور ارباب افتاء نے عام طور پر اس مسئلہ سے تعرض نہیں کیا ہے اور اس سلسلہ میں کوئی گنجائش نہیں رکھی ہے، لیکن غیر مسلم مما لک خاص کر ہندوستان کے علماء نے بعض مواقع پر سودی قرض حاصل کرنے کی اجازت دی ہے، اور اس کی وجہ ظاہر ہے، مسلم اکثریت مما لک میں اسلامی مالیاتی اداروں کے قیام کے بھر پور مواقع ہیں، حکومت کی قرض اسکیموں سے استفادہ بھی آسان ہے، اور قانون کی باگ ڈور مسلمانوں کے ہاتھوں میں ہے، اس لئے ایسے قانون بنائے جا سکتے ہیں، جو شریعت اسلامی سے متصادم نہ ہوں، غیر مسلم اکثریت مما لک کی صورتِ حال اس سے مختلف ہے، بہت سے ملکوں میں اب تک اسلامی اصولوں کے مطابق بینک اور انشورنس کی اجازت نہیں دی گئی ہے، مسلمان اس موقف میں نہیں ہیں کہ وہ اپنے حسب منشاء قانون بنوا سکیں، بعض اوقات مسلمانوں کے ساتھ اقتصادی ترقی کی سہولتوں میں تعصب برتا جاتا ہے، مسلمانوں کو بہت سی دفعہ ایسے لوگوں کے ساتھ معاملہ کرنا پڑتا ہے، جو غیر مسلم ہیں اور جو سود کی حرمت کو تسلیم نہیں کرتے، تعلیم اور ملازمت کے مواقع میں بھی ان کے ساتھ امتیاز برتا جاتا ہے، یہ وہ صورت حال ہے جس کو پیش نظر رکھنا ضروری ہے، اور یہ ایک حقیقت ہے کہ جیسے اختلاف زمان کی وجہ سے احکام بدلتے ہیں، اختلاف مکان کی وجہ سے بھی احکام میں تغیر واقع ہوتا ہے، اس لئے ہم دیکھتے ہیں کہ دار الاسلام اور دار الکفر کے درمیان متعدد احکام میں فقہاء نے فرق کیا ہے، چنانچہ استاذ گرامی مولانا مفتی محمود حسن گنگوہی (سابق صدر مفتی دار العلوم دیو بند) ایک سوال کے جواب میں فرماتے ہیں:

> اگر گزارہ کی کوئی صورت نہ ہو تو محتاج کے لئے بقدر ضرورت سودی قرض لینے کی گنجائش ہے۔(۱)

---

(۱) فتاوی محمودیہ: ۱٦/ ۳۰۱، ۳۰۲

اور ایک سوال کے جواب میں فرماتے ہیں:

''پس اگر جان کا قوی خطرہ ہے یا عزت کا قوی خطرہ ہے، نیز اور کوئی صورت اس سے بچنے کی نہیں مثلاً: نہ جائیداد کی فروخت ہوسکتی ہے، نہ روپیہ بغیر سود کے مل سکتا ہے، تو ایسی حالت میں زید شرعاً معذور ہے، اور اگر ایسی ضرورت نہیں؛ بلکہ کسی اور دنیوی کاروبار کے لئے ضرورت ہے، یا روپیہ بغیر سود کے مل سکتا ہے یا جائیداد فروخت ہوسکتی ہے تو پھر سود قرض لینا نہیں، کبیرہ گناہ ہے''۔(۱)

دار العلوم دیوبند کے ایک سابق صدر مفتی حضرت الاستاذ مولانا مفتی نظام الدین اعظمی مکان کے لئے سودی قرض حاصل کرنے سے متعلق ایک سوال کے جواب میں فرماتے ہیں:

''اگر حالات تحریر کئے ہوئے صحیح ہیں تو واقعی یہ حاجت صحیح اور احتیاج صحیح ہے اور ایسی حالت میں اگر بغیر سود کے قرض نہ ملے تو شریعت مطہرہ نے بوجہ ضرورت اور حسب ضرورت بینک سے سودی قرض بھی لے لینے کی اجازت دی ہے''۔(۲)

بعض اوقات رقم موجود ہوتی ہے؛ لیکن اگر کوئی بڑا سرمایہ لگا کر کاروبار کرتا ہے تو حکومت کے قوانین کی وجہ سے پکڑ کا اندیشہ ہوتا ہے، ایسی صورت میں مسلمان کیا کرے، حضرت مفتی صاحب نے فرمایا:

''مثلاً اپنے جائز روپیئے سے بھی بڑا کاروبار کرنے میں قانونِ حکومت کی وجہ سے قانونی گرفت ہو کر اپنا جائز روپیہ کالاشمار ہو کر قابل ضبطی وغیرہ ہو رہا ہو تو قانونی رو سے اور اپنے حلال روپیے کو

---

(۱) فتاوی محمودیہ: باب الربا: ۱۶/۳۰۶

(۲) منتخبات نظام الفتاوی: ۱/۱۸۷

بچانے کے بقدر مجبوری میں بقدر ضرورت حکومت وقت سے قرض لے لینے کی گنجائش ہوجاتی ہے‘‘(۱)

خلاصہ یہ ہے کہ عام حالات میں سودی قرض حاصل کرنا ناجائز ہے،لیکن اگر کوئی ایسا کام درپیش ہو، جو اصطلاحی اعتبار سے حاجت کے دائرہ میں آتا ہو یعنی اگر مطلوبہ چیز حاصل نہ ہوتو وہ لوگوں کے لئے شدید مشقت کا باعث ہوجائے اور اس کے حصول کے لئے سودی قرض کے علاوہ اور کوئی راستہ نہ ہوتو ایسی صورت میں سودی قرض لینے کی گنجائش ہے،البتہ ضروری ہے کہ یہ عمل بھی کراہت خاطر سے ہو؛ تاکہ گناہ کی شناعت ذہن میں باقی رہے اور اس کے ساتھ استغفار کا بھی اہتمام کیا جائے،لہٰذا ان وضاحتوں کے بعد سودی قرض سے زمین یا مکان خریدنے کی بابت جواب یہ ہے:

۱- جن لوگوں کے پاس اتنی رقم موجود ہو کہ وہ بقدر ضرورت وسعت کا مکان خرید کرسکیں یا کچھ ایسی چیزیں موجود ہوں،جن کو فروخت کر کے اتنی قیمت حاصل کی جاسکتی ہو ان کے لئے سودی قرض لینا جائز نہیں۔

۲- جن لوگوں کو افراد یا اداروں سے غیر سودی قرض مل سکتے ہیں، ان کے لئے بھی اس مقصد کے تحت سودی قرض لینا جائز نہیں۔

۳- اگر اسلامی بینک مکان مرابحۃ اقساط پر فروخت کرتے ہوں یا شرکت متناقصہ کے اصول پر فروخت کرتے ہوں اور یہ سہولت خریدار کو حاصل ہو، اگرچہ عام بینکوں کے مقابلہ میں گاہک کو زیادہ پیسے دینے پڑیں، پھر بھی سودی قرض لینے کی اجازت نہیں، کیوں کہ حلال چیز کا زیادہ پیسوں میں حاصل ہونا بھی ارزاں قیمت میں حرام کے حاصل ہونے سے بہر حال بہتر ہے۔

۴- اگر ذاتی مکان میسر نہ ہو، اتنی رقم نہ ہو کہ مکان خرید سکے، نہ کوئی اور ایسی شئ موجود ہو، جس کو بیچ کر اتنی رقم حاصل کی جاسکتی ہو تو اپنی رہائش کے لئے جتنی مکانیت کا

---

(۱) منتخبات نظام الفتاوی:۱/۱۸۹

مکان ضروری ہو، اتنے کو خرید کرنے کے لئے سودی قرض حاصل کرنے کی گنجائش ہے، لیکن ضروری ہے کہ دل سے اسے برا سمجھے، اپنے اس عمل پر استغفار کرے اور جلد سے جلد اس قرض کو ادا کر دینے کی کوشش کرے۔

محقق و مدلل مسائل میں ہے:

اگر کسی شخص کو رہنے کے لئے بقدر ضرورت ایسا مکان دستیاب ہے جس میں وہ ہر موسم میں اپنی اور اپنے گھر والوں کی موسمی تکلیفوں سے حفاظت کر سکتا ہے، اس کے باوجود وہ بینک سے سودی قرض لیتا ہے جس میں اسے قرض سے زائد رقم ادا کرنی پڑتی ہو تو اس کا یہ عمل درست نہیں ہے، کیوں کہ یہ سودی معاملہ ہے، جس کی حرمت کتاب وسنت سے واضح طور پر ثابت ہے۔(۱)

حقیقت یہ ہے کہ مسلمان آپس میں مل کر ایسی سوسائٹی قائم کر سکتے ہیں اور ایسے اسلامک بینک کو ترقی دے سکتے ہیں جو مکان کی خریدی کو آسان اور سستا بنائے، کیوں کہ ہاؤس فائنانسنگ کے بنیادی طور پر دو طریقے ہیں: ایک یہ کہ فائنانس کمپنی ایک مکان خرید کر نفع کے ساتھ خریدی مکان کے خواہش مند شخص کو فروخت کر دے ایسی صورت میں اگر اس نے اپنے طور پر گاہک سے قیمت طے کی تو یہ بیع مساومہ مؤجل ہوگی اور اگر پہلی قیمت ذکر کر کے اپنا نفع واضح کر دے، تو بیع مرابحہ مؤجل ہوگی، اور یہ دونوں صورتیں جائز ہیں، دوسری صورت وہ ہے جس کو اس دور کے علماء فقہ نے شرکت متناقصہ کا نام دیا ہے، جس کا حاصل یہ ہے کہ کمپنی گاہک کے اشتراک کے ساتھ مکان خرید لے، اپنا حصہ گاہک کو کرایہ پر دے اور اس کو مختلف یونٹوں میں تقسیم کر کے فی یونٹ قیمت مشخص کر دے اور باہمی معاہدہ کے تحت جیسے جیسے گاہک ان یونٹوں کو خرید کرتا جائے اس کا شیئر بڑھتا جائے اور کمپنی کا کم ہوتا جائے اور ظاہر ہے کہ کمپنی کا شیئر جتنا کم ہوتا جائے گا اس کا حق کرایہ بھی اتنا ہی کم ہوتا جائے گا، یہاں تک کہ بالآخر گاہک پورے یونٹس خرید

---

(۱) محقق و مدلل جدید مسائل: ۴۲۵/۲

کر لے گا اور پورے مکان کا حق کرایہ بھی اتنا کم ہوتا جائے گا، اس پر بعض فقہی اشکالات پائے جاتے ہیں، لیکن ہمارے عہد کے اسلامی معاشیات کے ماہرین تقریباً اس کے جواز پر متفق ہو چکے ہیں۔

یہ دونوں قابلِ عمل صورتیں ہیں، جس کو نہ صرف اسلامی بینک انجام دے سکتا ہے، بلکہ چند مسلمان سرمایہ کار مل کر اس مقصد کے لئے کمپنی کی تشکیل کر سکتے ہیں، اور یہ دونوں صورتیں پوری طرح قابل عمل بھی ہیں۔

کرنے کا کام صرف یہ ہے کہ یہ مالیاتی ادارے اپنے نفع کے تناسب کو کم کرنے پر راضی ہو جائیں، کم نفع لے کر زیادہ تجارت کے اصول پر عمل کریں، اس طرح مسلمان سودی قرض کی لعنت سے نجات پا سکتے ہیں اور انہیں اس لعنت سے بچانے میں انشاء اللہ ان سرمایہ کاروں کو اجر وثواب ملے گا۔(۱)

---

(۱) سہ ماہی بحث ونظر، فقہی تحقیقات: مکان کے لئے سودی قرض، مولانا خالد سیف اللہ رحمانی دامت برکاتہم: ۵۵-۶۵

قرض لینے کے آداب واحکام

معاشرہ قرض کے لینے اور ادا کرنے میں عجیب بے اعتدالی کا شکار ہوتا جارہا ہے خواہشات ورسومات کے لئے قرض لیا جاتا ہے، خواہشات ورسومات کی وجہ سے ادائیگی میں تاخیر کی جاتی ہے، جائز قرض ہی بلاعذر شرعی مذموم ہے، لیکن یہاں تو بینک کے سود میں ڈوپ چکے ہیں، نیندیں حرام ہوچکی ہیں، صحت بگڑتی جارہی ہیں، جائیداد ڈوپ چکی، مگر فورخت کر کے قرض ادا کرنا نہیں چاہتے، آخرت یاد ہے نہ مرنے کے بعد رشتہ داروں کی بے وفائی وبے حسی، اہمیت کے پیشِ نظر مضمون خاصا طویل ہوگیا، اکابرینِ امت کے معمولات وواقعات، ان کی طرزِ زندگی اور طریقہ معاملات سے بہت رہبری ملے گی۔

کن مجبوریوں میں قرض لے سکتا ہے؟:

۱) جہاد میں جانے کے لئے۔

۲) کسی مسلمان کے کفن دفن کے لئے۔

۳) نکاح کے لئے۔

۴) اپنے بھوکے بچوں کو کھلانے کے لئے۔

جیسا کہ روایت میں ہے:

عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

”قرض دار جب مقروض مرجائے تو قیامت کے دن اس کے قرض کی ادائیگی اس سے ضرور کرائی جائے گی سوائے اس کے کہ اس نے

تین باتوں میں سے کسی کے لیے قرض لیا ہو، ایک وہ جس کی طاقت جہاد میں کمزور پڑ جائے تو وہ قرض لے کر اپنی طاقت بڑھائے تا کہ وہ اللہ تعالی کے اور اپنے دشمن سے جہاد کے قابل ہو جائے، دوسرا وہ شخص جس کے پاس کوئی مسلمان مر جائے اور اس کے پاس اس کے کفن دفن کے لیے سوائے قرض کے کوئی چارہ نہ ہو، تیسرا وہ شخص، جو تجرد (بغیر شادی کے رہنے) سے اپنے نفس پر ڈرے، اور اپنے دین کو مبتلائے آفت ہونے کے اندیشہ سے قرض لے کر نکاح کرے، تو اللہ تعالی ان تینوں کا قرض قیامت کے دن ادا کر دے گا "**فإن الله يقضي عن هؤلاء يوم القيامة**" (۱)

قرض مانگنے سے دکھ ہونے پر نصرتِ الٰہی

بصرہ میں ایک عابد وزاہد شخص اسماعیل رحمہ اللہ رہا کرتے تھے، ان کی مالی حالت انتہائی شکستہ تھی، مگر اپنی فطری قناعت کے سبب کبھی کسی کے سامنے دست سوال دراز نہیں کرتے تھے، شیخ اسماعیل رحمہ اللہ کی تین بیٹیاں تھیں، جس رات چوتھی بیٹی حضرت رابعہ رحمۃ اللہ علیہا پیدا ہوئیں شیخ اسماعیل کی بے سروسامانی کا یہ عالم تھا کہ چراغ چلانے کے لئے گھر میں تیل تک نہیں تھا، حضرت رابعہ رحمۃ اللہ علیہا کی والدہ نے شوہر سے کہا کہ وہ کسی پڑوسی سے کچھ قرض لے لیں، شیخ اسماعیل رحمہ اللہ نے اپنی ذات کے لئے کبھی کسی کے آگے ہاتھ نہیں پھیلایا تھا، مگر جب شریک حیات نے بار بار کہا تو آپ رات کی تاریکی میں گھر سے نکل کھڑے ہوئے اور پڑوسی کی آواز نہیں سنی، شیخ اسماعیل رحمہ اللہ کچھ دیر تک دروازہ کھلنے کے انتظار میں کھڑے رہے؛ مگر جب پڑوسی کے قدموں کی چاپ تک سنائی نہیں دی تو آپ خاموشی کے ساتھ لوٹ آئے، حضرت رابعہ رحمۃ اللہ علیہا کی والدہ نے شوہر کو خالی ہاتھ آتے دیکھا تو پریشان لہجہ میں کہا: کیا پڑوسی نے مدد کرنے سے انکار کر دیا؟ کہاں کی مدد، اس نے تو دروزاہ تک نہیں کھولا، شیخ

---

(۱) سنن ابن ماجة، باب ثلاث من أدن فيهن قضى، حدث: ۲۴۳۵۔

اسماعیل رحمہ اللہ نے افسردہ لہجے میں فرمایا، بڑی حیرت کی بات ہے، حضرت رابعہ رحمۃ اللہ علیہا کی والدہ نے اس طرح کہا جیسے انہیں شوہر کی بات پر یقین نہ آیا ہو، آپ کو حیرت کیوں ہے؟ شیخ اسماعیل رحمہ اللہ نے فرمایا: جو لوگ ایک درزازے کو چھوڑ کر دوسرے دروازے پر دستک دیتے ہیں انکا یہی حال ہوتا ہے، یہ کہہ کر آپ اپنے کمرے میں چلے گئے، شیخ اسماعیل رحمہ اللہ بہت دیر تک بستر پر لیٹے ہوئے کروٹیں بدلتے رہے، آپ کو پڑوسی کے رویے پر بہت دکھ ہوا، اس کے ساتھ ہی اس بات کا بھی نہایت قلق ہوا کہ آپ اس کے دروازے پر کیوں گئے تھے؟ یہ ذہنی کشمکش بہت دیر تک جاری رہی اور پھر اسی عالم میں نیند آ گئی۔

شیخ اسماعیل رحمہ اللہ نے حضور اکرم ﷺ کو خواب میں دیکھا، رسالت مآب ﷺ فرما رہے تھے، اسماعیل! اپنے بے سروسامانی کا غم نہ کرو، تیری یہ بچی اپنے وقت کی بہت بڑی عارفہ ہوگی، اور اس کی دعاؤں سے میری امت کے بہت سے افراد بخشے جائیں گے، تجھے لازم ہے کہ حاکم بصرہ عیسی زادان کے پاس جا اور اس سے کہہ دے کہ وہ مجھ پر ہر رات سو بار اور شب جمعہ چار سو بار درود بھیجتا تھا؛ مگر گذشتہ جمعہ کی رات اس نے میری بارگاہ میں درود کا تحفہ نہیں بھیجا، اس لئے اسے چاہئے کہ وہ کفارے کے طور پر میرے قاصد کو چار سو دینار ادا کرے۔

جب شیخ اسماعیل رحمہ اللہ نیند سے بیدار ہوئے تو سرور کائنات ﷺ کے دیدار کی لذت سے سرشار تھے، پھر صبح ہوتے ہی آپ نے اپنا پورا خواب ایک کاغذ پر تحریر کیا اور حاکمِ بصرہ کے دربان کو دے دیا۔

عیسی زادان اس وقت اپنے دربار میں بیٹھا ہوا تھا، جب شیخ اسماعیل رحمہ اللہ کا خط دیکھا تو بے قرار ہو کر اپنی نشست پر کھڑا ہو گیا اور دربان سے مخاطب ہو کر بولا، ''وہ معزز و محترم شخص کہاں؟ دربان سے کیا وجہ سے حاکم بصرہ نے جواب کے انتظار میں محل کے دروازہ پر کھڑا ہے، دربان نے عرض کیا، عیسی زادان تیز قدموں کے ساتھ محل کے دروازے پر پہنچا اور شیخ اسماعیل رحمہ اللہ کے ہاتھوں کو بوسہ دے کر کہنے لگا، آپ کے طفیل مجھے سرکار دو عالم

ﷺ نے یاد فرمایا اور میری غلطی کی معافی کا سبب پیدا ہوا، اللہ آپ کو جزائے خیر دے، یہ کہہ کر حاکم بصرہ نے خلوص وعقیدت کے ساتھ شیخ اسماعیل رحمہ اللہ کو چار سو دینار دے دیئے، اور اسی خوشی میں اس نے دس ہزار دینار دوسرے فقراء پر تقسیم کئے۔(۱)

رونے سے قرض کی ادائیگی کا غیبی انتظام

ایک بزرگ ہمیشہ مقروض رہتے تھے، عادت یہ تھی کہ ضرورت میں قرض لے لیا اور جب فتوحات ہوئیں تو ادا کر دیا، ساری عمر قرضہ میں گذری، حتی کہ خاتمہ کے وقت بھی مقروض تھے، اور یہ کوئی بزرگی کے منافی نہیں ہے، کیوں کہ بزرگوں کے یہاں مہمان آتے ہیں، جب ان کے پاس کچھ نہیں ہوتا ہے تو قرض لے کر ان کی مہمان نوازی کرتے ہیں، پس لوگوں نے اس حالت میں آکر تقاضہ کرنا شروع کر دیا کہ ہم نے آپ کو بزرگ سمجھ کر قرضہ دے دیا تھا، اب ادا کیوں نہیں کیا تو منہ ڈھانک کر پڑے رہے، اتنے میں ایک لڑکا حلوہ بیچتا ہوا نکلا اور اس نے آواز دی، انہوں نے اس کو بلوایا اور پوچھا کہ تیرے پاس کتنا حلوا ہے، غرض وہ دو روپیہ کا تھا، آپ نے سب خرید لیا اور جتنے لوگ تقاضے کے لیے بیٹھے تھے، ان سب کو کھلا دیا، حلوا فروض نے دام طلب کئے تو یہ جواب دیا کہ دام ہوتے تو میرے پاس یہ براءت کیوں نظر آتی، تو بھی ان میں ہی بیٹھ، لوگوں نے اور بھی لتاڑا کہ اس بچے پر بھی آپ نے ظلم کیا، اگر ہمیں پہلے سے یہ معلوم ہوتا ہرگز اس کا حلوا نہیں کھاتے، ان کا یہ فعل لوگوں کو برا معلوم ہوا، اس لڑکے نے یہ حال دیکھ کر رونا شروع کیا کہ میرا استاذ مجھے مار ڈالے گا، تھوڑی دیر گذری تھی کہ ایک شخص سینی میں کچھ روپے اور حلوہ والے کے دام علیحدہ ایک کاغذ میں لپٹے ہوئے لے کر حاضر ہوا، وہ روپے سب قرض خواہوں کو تقسیم کئے تو اسی قدر تھے جس میں سب قرض خواہوں کو قرضہ وصول ہوجائے، غرض سب کو بے باق کر دیا، کسی نے ان سے پوچھا کہ حضرت کیا بات تھی،

(۱) سفیران حرام بحوالہ قرض سے احتیاط کیجئے، ۱۱۳، حضرت مولانا اعجاز احمد صاحب گوپا گنجی، مکتبۃ البلاغ، دیوبند سہارنپور۔

انہوں نے فرمایا کہ جب لوگ قرض طلب کرنے آئے اور مجھ کو تنگ کیا تو میں نے حق تعالیٰ کی جناب میں عرض کیا کہ اے اللہ! ان کا قرضہ ادا کر دیجئے، میں نے آپ ہی کے واسطہ سے قرض لیا تھا، وہاں سے جواب ملا کہ ہمارے پاس خزانہ میں تو کچھ کمی نہیں؛ مگر تمہارے یہاں کوئی رونے والا نہیں، بس، میں نے سوچا کہ کسی کو رلاؤں، لہٰذا میں نے اس حلوے والے کو منتخب کرلیا، اسی کے متعلق مولانا روم فرماتے ہیں:

تانہ گرید کودکی حلوا فروش
بحر بخشائیش نمی آید بجوش
تانہ گرید طفل کے جوشد لبن
تا نہ گرید ابر کے خندد چمن(۱)

نیک کام کے لئے قرض میں برکت

حضرت مولانا عاشق الٰہی میرٹھیؒ لکھتے ہیں کہ: آب وہوا اور اکابر کے عدم پسندیدگی کی وجہ سے (ندوہ کی مدرسی چھوڑ کر) میرٹھ واپسی ہوئی اور کچھ روپیہ قرض لے کر ۱۳۱۸ھ میں خیر المطابع کے نام سے مطبع کھولا، آگے لکھتے ہیں کہ اتنا نفع ہوا کہ جس سے قرض ادا ہوگیا، اور مجھ پر حج بھی فرض ہوگیا اور ۱۷/رجب ۱۳۲۱ھ کو مع اپنی والدہ کے حج کے سفر کے لئے روانہ ہوگیا۔(۲)

مجبوری اور نیک کام کے لئے قرض لینا

حضرت عبداللہ بن جعفر بن ابی طالب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ مقروض کے ساتھ ہوتا ہے، یہاں تک کہ اس کا قرض ادا ہوجائے، بشرطیکہ یہ قرض کسی برے کام کے لئے نہ لیا گیا ہو:

(۱) فضائل صوم وصلاۃ: ۷۴، حضرت تھانویؒ، ترتیب حضرت منشی عبدالرحمن خان بحوالہ قرض سے احتیاط کیجئے، ۱۱۸، حضرت مولانا اعجاز احمد صاحب گوپا گنجی، مکتبۃ البلاغ، دیوبند سہارنپور۔

(۲) مقدمہ ارشاد السلوک: ۶ بحوالہ قرض سے احتیاط کیجئے، ۱۱۹، حضرت مولانا اعجاز احمد صاحب گوپا گنجی، مکتبۃ البلاغ، دیوبند سہارنپور۔

"إن الله مع الدائن حتى يقضي دينه، ما لم يكن فيما يكره الله" (۱)

سنن ابن ماجہ کی اسی روایت میں ہے کہ حدیث کے راوی عبد اللہ بن جعفر اس حدیث کی بناء پر ہمیشہ مقروض رہتے، فرماتے کہ میں چاہتا ہوں کہ میرا کوئی دن اور کوئی رات ایسی نہ گذرے جس میں اللہ تعالی کی معیت یعنی خاص عنایت مجھے نصیب نہ ہو، ان کے حالات میں ذکر کیا گیا ہے، یہ بہت سخی تھے، اس لئے بھی ہمیشہ مقروض رہتے تھے۔ (۲)

قرض کا غیبی انتظام

محمد بن حامد رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ امام احمد بن خضرویہ کے پاس بیٹھا ہوا تھا، ان کی حالت نزع کی تھی اور پچانویں سال کی ان کی عمر تھی، ان کے اصحاب میں سے کسی نے ایک مسئلہ پوچھا، ان کی آنکھوں سے آنسو جاری تھے، فرمایا: بیٹے! میں تو ایک دروازہ پچانوے سال سے کھلوا رہا تھا، اب اس کے کھلنے کا وقت آیا ہے، نہیں معلوم کہ سعادت کے ساتھ کھلتا ہے، یا شقاوت کے ساتھ اور اب تمہارے (مسئلہ کے) جواب کا وقت نہیں ہے، اتنے میں ان کے قرض خواہ آئے اور ان پر سات سو دینار کا قرضہ تھا، فرمانے لگے: اے اللہ! تو نے رہن قرض کا وثیقہ بنایا ہے اور ان لوگوں کا وثیقہ لینا چاہتا ہے (یعنی میری جان پر انہیں بھروسہ تھا) اور تو نے فرمایا ہے کہ مجھ سے دعا کرو میں قبول کروں گا، میرا قرضہ ادا کردے اور میرے قرض خواہوں کو مجھ سے راضی کردے، تو سب باتوں پر قادر ہے، اسی وقت کسی نے دروازہ کھٹکھٹایا اور کہا کہ احمد کے قرض خواہ کہاں ہیں، وہ لوگ اس کے پاس گئے، ان سب کا قرضہ اس نے ادا کیا اور ان کی روح پرواز کرگئی۔ (۳)

---

(۱) سنن ابن ماجه، باب من أدان دينا وهو ينوي، حديث: ۲۴۰۹۔

(۲) معارف الحدیث ۱۰۰ بحوالہ قرض سے احتیاط کیجئے ۱۲۰، حضرت مولانا اعجاز احمد صاحب گوپا گنجی، مکتبۃ البلاغ، دیوبند سہارنپور۔

(۳) صالحین کے آنسو، ۲۳۵، از مولانا عبد الغنی طارق، لاہور، بحوالہ قرض سے احتیاط کیجئے، ۹۹، حضرت مولانا اعجاز احمد صاحب گوپا گنجی، مکتبۃ البلاغ، دیوبند سہارنپور۔

حضرت یحییٰ بن معاذ کے قرض کا غیب سے انتظام

آپ عام طور پر حاجیوں، فقیروں، حاجت مندوں اور عالموں پر خرچ کرتے تھے ،اس طرح کئی ہزار آپ کے ذمہ قرض ہوگیا اور قرض خواہوں نے تنگ کرنا شروع کر دیا، خواب میں رسول اللہ ﷺ کی زیارت کی ،آپ ﷺ نے فرمایا کہ: یحییٰ تنگ دل نہ ہو، خراسان میں جاؤ، وہاں ایک شخص نے تمہارے لئے روپیہ جمع کر رکھا ہے،عرض کیا کہ وہ شخص کہاں ملے گا اور کون ہے؟ آپ نے فرمایا: کہ تم شہر بشہر وعظ کرتے چلے جاؤ، جس طرح تم کو کہا گیا ہے اس طرح اس شخص کو بھی خواب میں مطلع کر دیا جائے گا، چنانچہ آپ حسب ارشاد نبوی ﷺ وعظ کرتے کرتے نیشاپور پہنچے، وہاں کئی لوگوں نے آپ کا قرض ادا کرنے کی خواہش کی ؛ مگر آپ نے انکار کر دیا اور فرمایا کہ میرا قرض ایک ہی شخص ادا کرے گا؛ کیوں کہ جناب نبی کریم ﷺ نے ایک ہی شخص کی طرف اشارہ فرمایا ہے۔

نیشاپور کے بعد آپ بلخ پہنچے، پھر وہاں سے ہری پہنچے، وہاں ایمر ہری کی لڑکی نے آپ کا قرض ادا کیا، اور کہا میں اتنے دونوں سے تمہارے انتظار میں تھی۔(۱)

حضرت عائشہ کا مقروض ہونا

روایت کیا گیا ہے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا قرض لے لیا کرتی تھیں، آپ سے کہا گیا کہ آپ کو قرض کی کیا ضرورت ہے؟ فرمایا کہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا ہے کہ جس پر قرض ہو اور اس کی نیت دینے کی ہو تو اللہ تعالیٰ کی مدد اس کے ساتھ ہوتی ہے، تو میں چاہتی ہوں کہ اللہ کی مدد میرے ساتھ رہے۔(۲)

محمد بن علی رضی اللہ عنہ کا مقروض رہنا

محمد بن علی رضی اللہ عنہ بھی قرض لیتے رہتے تھے، ان سے عرض کیا گیا کہ آپ

---

(۱) تذکرۃ الاولیاء: اردو، ۱۹۲، بحوالہ قرض سے احتیاط کیجئے ،۱۰۱، حضرت مولانا اعجاز احمد صاحب گوپا گنجی، مکتبۃ البلاغ، دیوبند سہارنپور۔

(۲) تنبیہ الغافلین :۳۵۹، بحوالہ قرض سے احتیاط کیجئے ،۱۲۱، حضرت مولانا اعجاز احمد صاحب گوپا گنجی، مکتبۃ البلاغ، دیوبند سہارنپور۔

قرض کیوں لیتے ہیں، جب کہ آپ کے پاس مال رہتا ہے، فرمایا کہ حضور پاک ﷺ نے فرمایا ہے کہ اللہ تعالیٰ مقروض کے ساتھ رہتا ہے، یہاں تک کہ اس کا قرض ادا ہوجائے، تو میں چاہتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ میرے ساتھ رہیں، اس لئے میں ہمیشہ مقروض رہتا ہوں۔(۱)

حضرت امام احمد بن حنبل قرض لینے سے راضی نہ ہوئے

تاریخ اسلام کے حوالہ سے محدث کبیر حضرت علامہ مولانا حبیب الرحمن الاعظمی نوراللہ مرقدہ لکھتے ہیں: قید بلاقیدِ سن علی بن جہم کی زبانی یہ واقعہ منقول ہے کہ ہم جب مکہ میں سفیان ابن عیینہ کے پاس مقیم تھے، تو ایک بار کئی دنوں تک امام احمد رحمہ اللہ کو نہیں دیکھا، ہم دریافت حال کے لئے ان کے قیام گاہ پر آئے، دروازہ بند تھا، جب کھلوایا تو دیکھا کہ ان کے جسم پر نہایت پھٹے پرانے کپڑے ہیں، ہم نے پوچھا کہ یہ کیا قصہ ہے؟ امام احمدؒ نے فرمایا کہ میرے کپڑے چوری ہوگئے ہیں، ہمارے پاس کچھ اشرفیاں تھیں، ہم نے عرض کیا کہ اگر منظور ہو تو یہ اشرفیاں نذر ہیں اور اگر یہ منظر نہ ہو تو قرض رہیں گی، انہوں نے دونوں سے انکار کیا، تب میں نے کہا کہ میں کچھ لکھوانا چاہتا ہوں، آپ اجرت لے کر لکھ سکتے ہیں؟ انہوں نے کہا: ہاں، اس کے بعد میں نے ایک دینار نکالا تو انہوں نے فرمایا کہ مہربانی فرما کر ایک کپڑا خرید کر آدھا آدھا پھاڑ کر دیجئے کہ تہبند اور چادر کا کام دے اور کپڑے کے دام دینے کے بعد جو بچ جائے وہ لاکر مجھے لاکر دیجئے، میں نے ایسا ہی کیا۔(۲)

ابراہیم ادہم رحمہ اللہ قرض لینے کا ارادہ کرکے بہت روئے

عیسی بن حازم کہتے ہیں کہ حضرت ابراہیم بن ادہم رحمہ اللہ جب جہاد کے لئے تشریف

(۱) تنبیہ الغافلین: ۳۵۹، بحوالہ قرض سے احتیاط کیجئے، ۱۲۱، حضرت مولانا اعجاز احمد صاحب گوپا گنجی، مکتبۃ البلاغ، دیوبند سہارنپور۔

(۲) مقدمہ مسند احمد، طبع جدید، ۲۷، المجلۃ المآثر: ۴۲، شمارہ ۳، جلد: ۱۰، بحوالہ قرض سے احتیاط کیجئے، ۱۰۲، حضرت مولانا اعجاز احمد صاحب گوپا گنجی، مکتبۃ البلاغ، دیوبند سہارنپور۔

لے جاتے تو اپنے ساتھیوں سے دو شرطیں لگاتے ، ایک یہ کہ خدمت میں کروں گا، دوسرے یہ کہ اذان میں دوں گا، ایک مرتبہ ان کے ساتھیوں نے کہا کہ ہم نے جہاد پر جانے کا ارادہ کرلیا ہے، اگر آپ ہمارے کھانے سے کھائیں تو ہمیں خوشی ہوگی، انہوں نے فرمایا کہ شاید اللہ تعالیٰ ایسا کردے، میں فلاں سے قرض لے لوں گا، تاکہ دوسرں پر بوجھ نہ بنوں، پھر سجدہ میں گر پڑے اور روئے ، اس قدر روئے کہ آنسوان ان کے رخساروں پر بہنے لگے، پھر فرمایا کہ ہائے افسوس۔۔۔ میں نے خدائے تعالیٰ کو چھوڑ کر بندوں کی طرف رجوع کیا، اب میں خدا کی طرف متوجہ ہوتا ہوں، بندوں کے سامنے ذلت اٹھانے کے بعد۔

پھر دریا کی طرف چلے گئے، اور دریا میں پاؤں لٹکا کر فرمانے لگے، اے اللہ! جو کچھ میرے دل میں اس سے پہلے آیا تھا، وہ میری غلطی اور نادانی کی وجہ سے تھا، اگر تو مجھے اس پر سزا دے تو میں اس کا مستحق ہوں، اور اگر تو مجھے معاف کردے تو شان والا ہے، ایسا بھی کرسکتا ہے، اور تو میری ضرورت کو جانتا ہے، میری ضرورت پوری فرما، پھر ان کے دل میں یہ بات آئی کہ وہ دائیں طرف دیکھیں، جب دائیں طرف دیکھا تو تقریباً چارسو دینار پڑے تھے، اس میں سے ایک دینار لیا اور اپنے ساتھیوں کے پاس آئے اور سفر شروع کردیا۔(۱)

ہڈیاں نکل آئیں مگر قرض نہیں لیا

حضرت ابو حازم مکی تابعی رحمہ اللہ ایک دن ایک قصاب کی دکان پر سے جس کے پاس نہایت عمدہ گوشت تھا، آپ کا گذر ہوا اور گوشت کی طرف دیکھا، قصاب نے کہا کہ: لے لیجئے، بہت عمدہ ہے، آپ نے فرمایا کہ: میرے پاس دام نہیں ہے، دکاندار نے کہا: میں آپ کو قرض دیتا ہوں، آپ نے فرمایا کہ میں اپنے آپ کو قرض دیتا ہوں، دکاندار

---

(۱) حلیہ،۸/۶، صالحین کے آنسو: ۱۰۶ بحوالہ قرض سے احتیاط کیجئے ، ۱۰۴، حضرت مولانا اعجاز احمد صاحب گوپا گنجی ،مکتبۃ البلاغ، دیوبند سہارنپور۔

نے کہا کہ: تبھی تو آپ کی ہڈیاں نکل آئیں،فرمایا کہ: پھر بھی قبر کے کیڑوں کے لئے کافی ہے۔(۱)

حضرت سفیان ثوری کا بغیر قرض کے فاقہ

طبقات امام شعرانی رحمہ اللہ میں لکھا ہے کہ آپ بھوک برداشت کر لیتے ؛مگر قرض نہ لیتے اور یہ فرماتے کہ یہ لوگ اسے چھپائیں گے نہیں ؛ بلکہ ان میں سے ایک شخص شام کو نکلے گا اور کہے گا کہ کل سفیان ثوری آیا اور اس نے قرض لیا۔(۲)

قرض ادا کرنے کا اہتمام کیجئے؟

آدمی اگر کسی سے قرض لے تو قرض کی ادائیگی کا اہتمام ضرور کرے،اس لئے کہ قرض کی عدم ادائیگی پر سخت وعیدیں وارد ہوئی ہیں، یہاں اس سلسلہ میں احادیث نبویہ اور صحابہ کے عمل کو پیش کرتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے قرض کی ادائیگی پر امت کو کس قدر ابھارا ہے،اور صحابہ کرام نے بھی ادائیگی قرض کا اہتمام کس قدر کیا ہے؟

عبادت قرض اور گناہ کی معافی

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ نبی اکرم ﷺ سے نقل کرتے ہیں کہ آپ ﷺ نے فرمایا جو شخص روزانہ دوسو مرتبہ سورہ اخلاص پڑھے،اس کے پچاس سال کے گناہ معاف کردیئے گئے، ہاں البتہ اگر اس پر قرض ہوگا،تو وہ معاف نہیں ہوگا۔

"إلا أن يكون عليه دين"(۳)

قرض کی ادائیگی کا انتظام کئے بغیر مرجانا

اور حضرت ابوموسی رضی اللہ عنہ نبی کریم ﷺ سے نقل کرتے ہیں کہ آپ ﷺ نے فرمایا کبیرہ گناہ کہ جن سے اللہ نے منع فرمایا ہے اللہ کے نزدیک ان کے بعد عظیم ترین گناہ کہ

(۱) تذکرۃ الاولیاء:۴۹،حوالہ سابق:۱۰۴

(۲) برکات روحانی،ترجمہ طبقات شعرانی:۱۳۳،حوالہ سابق:۱۰۵

(۳) سنن الترمذی،باب ماجاء فی سورۃ الاخلاص،حدیث:۲۸۹۸،امام ترمذیؒ نے اس روایت کو غریب کہا ہے۔

جس کا مرتکب ہو کر بندہ اللہ سے ملے یہ ہے کہ کوئی شخص اس حالت میں مرے کہ اس پر قرض کا بوجھ ہو اور اس نے اپنے پیچھے اتنا مال نہ چھوڑا ہو جس سے اس کا قرض ادا ہو جائے "أن یموت رجل وعلیه دین" (۱)

رسول اللہ ﷺ مقروض کی نماز جنازہ نہیں پڑھاتے

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ ایک دن نبی کریم ﷺ کے سامنے ایک جنازہ لایا گیا تاکہ آپ ﷺ اس کی نماز پڑھیں آپ ﷺ نے جنازہ لانے والوں سے دریافت فرمایا کہ کیا تمہارے اس ساتھی پر قرض بھی ہے؟ لوگوں نے جواب دیا کہ ہاں، آپ ﷺ نے پھر پوچھا کہ کیا یہ شخص اپنے قرض کی ادائیگی کے بقدر مال چھوڑ گیا ہے جواب دیا گیا کہ نہیں آپ ﷺ نے فرمایا تو پھر تم لوگ اس کی نماز جنازہ پڑھ لو میں نہیں پڑھوں گا، "صلوا علی صاحبکم "حضرت علی رضی اللہ عنہ نے یہ سن کر کہا کہ یا رسول اللہ ﷺ اس کے قرض کی ادائیگی میں اپنے ذمہ لیتا ہوں اس کے بعد آنحضرت ﷺ آگے بڑھے اور اس کی نماز جنازہ پڑھی۔ایک روایت میں جو اسی مضمون کی منقول ہے (مگر اس کے الفاظ اس سے مختلف ہیں) یہ الفاظ بھی نقل کئے گئے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے فرمایا کہ اللہ تعالی تمہاری جان کو دوزخ کی آگ سے اسی طرح نجات دے جس طرح تم نے اپنے ایک مسلمان بھائی کی جان کو قرض کے بوجھ سے نجات دی (یاد رکھو) جو بھی مسلمان بندہ اپنے مسلمان بھائی کا قرض ادا کرے گا اللہ تعالی قیامت کے دن اس کی جان کو نجات دے گا:

"لیس من عبد مسلم، یقضی عن أخیه دینه إلا فكك الله رهانه یوم القیامة" (۲)

---

(۱) سنن ابی داود، باب فی التشدید فی الدین، حدیث: ۳۳۴۲، ابن الملقن نے تحفة المحتاج میں کہا ہے کہ: اس کو ابوداود نے ذکر کیا ہے اور اس کی تضعیف نہیں کی ہے، اس کی سند کے تمام رجال ثقہ ہیں سوائے ایک شخص کے اور وہ ابوعبداللہ قرشی ہیں، جن کے احوال معلوم نہیں۔

(۲) مشکاۃ المصابیح، الفصل الثانی، حدیث: ۲۹۲۰

اور ایک دوسری حدیث میں ہے: حضرت سلمہ بن اکوع کہتے ہیں کہ ہم لوگ رسول کریم ﷺ کی مجلس میں حاضر تھے کہ ایک جنازہ لایا گیا، صحابہ نے آپ ﷺ سے عرض کیا کہ جنازہ کی نماز پڑھ لیجئے آپ ﷺ نے فرمایا: کہ اس پر قرض تو نہیں ہے، صحابہ نے کہا کہ نہیں، چنانچہ آپ ﷺ نے اس کی نماز جنازہ پڑھی۔ پھر ایک اور جنازہ لایا گیا تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ اس پر قرض تو نہیں؟ عرض کیا گیا کہ: ہاں ہے، آپ ﷺ نے فرمایا: یہ کچھ چھوڑ کر بھی مرا ہے یا نہیں؟ صحابہ نے عرض کیا کہ تین دینار اس نے چھوڑے ہیں یہ سن کر آپ ﷺ نے اس کی نماز جنازہ پڑھی پھر ایک تیسرا جنازہ لایا گیا آپ ﷺ نے پوچھا کہ اس پر قرض تو نہیں ہے صحابہ نے عرض کیا کہ ہاں تین دینار اس پر قرض ہیں آپ ﷺ نے فرمایا کہ یہ کچھ چھوڑ کر بھی مرا ہے یا نہیں عرض کیا گیا کہ کچھ نہیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا تو پھر تم اپنے ساتھی کی نماز جنازہ پڑھ لو، ابوقتادہ نے جب یہ سنا تو کہا کہ یارسول اللہ آپ ﷺ اس کی نماز جنازہ پڑھ لیجئے اس کا قرض میں ادا کر دوں گا تب آپ ﷺ نے اس کی نماز جنازہ پڑھی **"علی دینه یا رسول الله، فصلی علیه"** (۱)

فتوحات کا زمانہ اور میت کا قرض

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ اللہ کے رسول ﷺ کے ابتدائی زمانہ میں جب کوئی مومن فوت ہو جاتا درآنحالیکہ اس کے ذمہ قرض بھی ہوتا تو آپ دریافت فرماتے کہ اس ترکہ میں قرض کی ادائیگی کی گنجائش ہے؟ اگر کہتے ہیں کہ جی ہاں تو آپ اس کی نماز جنازہ ادا فرماتے اگر نفی میں جواب ملتا تو آپ فرماتے کہ اپنے ساتھی کی نماز جنازہ خود ہی ادا کرو پھر جب اللہ نے آپ پر فتوحات فرمائیں تو آپ نے فرمایا میں مسلمانوں کی جانوں سے بھی زیادہ ان کے قریب ہوں لہذا جو مر جائے اور اس کے ذمہ دین ہو تو اس کی ادائیگی میرے ذمہ ہے اور جو مال چھوڑ کر مر جائے تو وہ مال اس کے

---

(۱) صحیح البخاری، باب من تکفل عن میت دینا، حدیث: ۲۲۹۵۔

وارثوں کا ہے۔"فمن توفی وعلیه دین فعلی قضاءہ، ومن ترك مالا فهو لورثه"(۱)

امام نووی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ "میت کا قرض ادا کرنا آپ ﷺ کی خصوصیات میں سے تھا، آج حاکم وقت پر اس طرح کا قرض ادا کرنا ضروری نہیں۔(۲)

سارے کام چلاتے مگر قرض ادا نہیں کرتے

حکیم الامت حضرت تھانوی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: بعض لوگ قرض میں گڈ مڈ کرتے ہیں کہ کسی کا روپیہ لے کر ایسا بھولتے ہیں کہ گویا دینے کا نام نہیں، قرض ادا کرنے کی فکر نہیں، اسی واسطہ مسلمانوں میں ہمدردی نہیں رہی، جن کے پاس ضرورت سے زیادہ روپیہ موجود ہے اور چاہتے ہیں کہ کسی کو قرض دے دیں مگر کس کو دیں؟ لوگ قرض لے کر دینے کا نام ہی نہیں لیتے، اس لئے قرض بے سودی آج کل نہیں ملتا، کیوں کہ اس کی ادا کرنے کی فکر ہی نہیں ہوتی، ہاں! بنیوں کا قرض خوب یاد رہتا ہے: کیوں کہ وہ پہلے ہی لکھوا لیتے ہیں اور سودی قرض خوب دل کھول کر دیتے ہیں جس کا انجام یہ ہوتا ہے کہ دو تین سال میں سود در سود ملا کر ایک ہزار کے چار ہزار وصول کر لیتے ہیں، بس اس سے سب خوش ہیں، **استغفر الله العظیم**، اگر لوگوں کو بے سودی قرض کا بھی اہتمام ہوتا تو آپس میں مسلمانوں سے روپیہ مل جاتا کرتا اور مسلمانوں کی جائیدادیں ہندوؤں میں نہ پہنچیں۔(۳)

بلا مجبوری کے لئے ہوئے قرض کو اللہ بھی معاف نہیں کرے گا

حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ جب حضرت ابوعبیدہ بن جراح رضی اللہ عنہ کی نماز جنازہ پڑھانے کے لئے کھڑے ہوئے تو فرمایا اے لوگو! تم اللہ کے سامنے اپنے گناہوں

(۱) سنن ابن ماجة، باب من ترک دینا أو ضیاعا، حدیث:۲۴۱۵۔

(۲) قرض سے احتیاط کیجئے، ۴۲، حضرت مولانا اعجاز احمد صاحب گوپا گنجی، مکتبۃ البلاغ، دیوبند سہارنپور۔

(۳) خطبات حکیم الامت، جلد:۱۵/ ۴۹۲، بحوالہ قرض سے احتیاط کیجئے، ۴۶، حضرت مولانا اعجاز احمد صاحب گوپا گنجی، مکتبۃ البلاغ، دیوبند سہارنپور۔

سے توبہ کرو؛ کیوں کہ جو بندہ بھی گناہوں سے توبہ کر کے اللہ کے سامنے حاضر ہوگا تو اس کا اللہ پر حق ہوگا کہ اللہ اس کے سارے گناہ معارف کرے؛ لیکن قرض معاف نہیں کرے گا، وہ تو ادا ہی کرنا ہوگا؛ کیوں کہ بندہ اپنے قرضہ کے بدلے میں گروی رکھ دیا جاتا ہے۔(۱)

جہنم کے پُل پر پوچھا جائے گا تم پر قرضہ کتنا تھا؟

حضرت ابوامامہ ؓ نے فرمایا: جہنم پر ایک بڑا پل ہے جس سے پہلے سات چھوٹے پل ہیں، ان میں سے درمیان والے پُل پر حقوق العباد کا فیصلہ ہوگا، چنانچہ ایک بندہ کو لایا جائے گا، جب وہ درمیان والے پل پر پہنچ جائے گا، تو اس سے پوچھا جائے گا تم پر کتنا قرضہ تھا، وہ اپنے قرضے کا حساب لگانے لگے گا، پھر حضرت ابوامامہ ؓ نے یہ آیت پڑھی **وَلَا يَكْتُمُونَ اللّٰهَ حَدِيثًا** (۲) یعنی اللہ تعالیٰ سے کسی بات کا خفاء نہ کر سکیں گے، پھر وہ بندہ کہے گا اے میرے رب! مجھ پر اتنا قرضہ تھا، اللہ تعالی فرمائیں گے، اپنا قرضہ ادا کرو، وہ کہے گا کہ میرے پاس تو کوئی چیز نہیں ہے اور مجھے معلوم بھی نہیں کہ میں کس چیز سے قرضہ اتار سکتا ہوں، پھر فرشتوں سے کہا جائے گا کہ اس کی نیکیاں لے لو، چنانچہ اس کی نیکیاں لے کر قرض خواہوں کو دی جاتی رہیں گی، یہاں تک کہ اس کے پاس ایک نیکی بھی باقی نہیں رہے گی، جب اس کی تمام نیکیاں ختم ہو جائیں گی، تو کہا جائے گا مطالبہ کرنے والوں کے گناہ لے کر اس پر ڈال دو۔

چنانچہ مجھے یہ بات پہنچی ہے کہ بہت سے لوگ پہاڑوں کے برابر نیکیاں لے کر آئیں گیا ور اپنے حقوق کا ان سے مطالبہ کرنے والوں کو ان سے نیکیاں لے کر دی جاتی رہیں گی، یہاں تک کہ ان کی ایک بھی نیکی باقی نہیں رہے گی، پھر مطالبہ کرنے والوں کے

---

(۱) حیاۃ الصحابہ: ۳/ ۵۲۴، بحوالہ قرض سے احتیاط کیجئے، ۴۲، حضرت مولانا اعجاز احمد صاحب گوپا گنجی، مکتبۃ البلاغ، دیو بند سہارنپور۔

(۲) سورہ ۴۲

گناہ ان پرڈالے جائیں گے، یہاں تک کہ وہ گناہ پہاڑوں کے برابر ہوجائیں گے۔(۱)

حضور ﷺ قرض ادا کرنا

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ایک دیہاتی نبی کے پاس آیا اور آپ سے دین کا مطالبہ کیا جو آپ کے ذمہ تھا اس نے آپ کے ساتھ سختی کا معاملہ کیا حتی کہ یہ کہا میں تمہیں تنگ کروں گا اور نہ میرا قرض ادا کرو۔ آپ کے صحابہ نے اسے ڈانٹا اور کہا تجھ پر افسوس ہے تجھے معلوم نہیں کہ تو کس سے گفتگو کررہا ہے۔ کہنے لگا کہ میں تو اپنا حق مانگ رہا ہوں تو نبی نے فرمایا حق مانگنے والے کے ساتھ کیوں نہیں ہوتے (اس کی حمایت کیوں نہیں کرتے) پھر خولہ بنت قیس کے پاس کسی کو بھیجا اور یہ فرمایا کہ اگر تمہارے پاس کھجور ہوتو ہمیں قرض دیدو جب ہماری کھجور آئے گی تو ہم ادائیگی کردیں گے کہنے لگی جی ہاں میرے والد آپ پر قربان اے اللہ کے رسول۔ راوی کہتے ہیں کہ خولہ نے کھجور قرض دی پھر آپ نے دیہاتی کا قرضہ ادا کیا اور اسے کھانا کھلایا پھر اس نے کہا کہ آپ نے میرا حق پورا دیا اللہ آپ کو پورا دے تو نبی نے فرمایا یہی لوگ بہترین ہیں وہ امت کبھی پاک نہ ہوگی جس میں ناتواں وکمزور اپنا حق بغیر مشقت کے وصول نہ کرسکے "أولئك خيار الناس، إنه لا قدّست أمة لا يأخذ الضعيف فيها حقه غير متعتع"۔(۲)

حقوق کی ادائیگی کا بے مثال واقعہ

حضرت عبداللہ بن مبارک رحمہ اللہ نے ایک بار ملک شام میں کسی شخص سے قلم مستعار لیا، اتفاق سے قلم اس شخص کو واپس کرنا بھول گئے، جب مرو پہنچے، تو قلم پر نظر پڑی مرو سے شام پھر واپس آئے اور قلم صاحبِ قلم کو واپس کیا، مرو سے شام سیکڑوں میل دور ہے،

---

(۱) حیاۃ الصحابہ: ۹۴۹/۳، بحوالہ قرض سے احتیاط کیجئے، ۴۲، حضرت مولانا اعجاز احمد صاحب گوپا گنجی، مکتبۃ البلاغ، دیوبند سہارنپور۔

(۲) سنن بن ماجۃ، باب لصاحب الحق سلطان، حدیث:۲۴۲۶

اورپھر یہ واقعہ اس زمانہ کا ہے جب رسل رسائل (پیغام رسانی) کے ذرائع صرف گھوڑے اور اونٹ اور خچر ہوتے تھے۔(۱)

ایک درہم ادا کرنے کے لئے افریقہ پہنچے

یحییٰ اندلسی رحمہ اللہ (اندلس جو کسی وقت میں علم وفن کا خصوصیت سے علم حدیث کا مرکز تا، حافظ ابن ابن عبدالبر اور علامہ حمیدی اور شیخ اکبر جیسی شخصتیں وہاں کی مٹی سے پیدا ہوئیں) حدیث پاک کا درس دیتے تھے، اور بے شمار اشخاص ان سے استفادہ کرتے تھے، ایک دن یحی اندلسی نے پڑھانے کی طویل چھٹی کردی، طلباء نے معلوم کیا کہ حضرت اتنی لمبی چھٹی جس کی مدت بھی متعین نہیں کس بناء پر کی گئی، انہوں نے فرمایا: مجھے افریقہ کے آخری کنارے پر شہر قیروان جانا ہے، عرض کیا کہ حضرت کیوں؟ وہاں جانا بڑا ہی مشکل ہے، بڑے بڑے جنگل ہیں، زہریلے جانور ہیں، فرمایا کہ ایک بقال کے میری طرف ساڑھے تین آنے یعنی ایک درہم ہے، ان کو ادا کرنے کے لئے جارہا ہوں، لوگوں نے عرض کیا کہ حضرت ایک درہم ہی تو ہے، فرمایا: مجھے حدیث پہنچی ہے، اور پھر اپنی سند کے ساتھ حدیث پڑھی کہ ایک لاکھ، ایک لاکھ، ایک لاکھ، ایک لاکھ، یعنی چھ لاکھ نفل صدقہ ادا کرنے میں اتنا ثواب نہیں جتنا ایک درہم حق والے کا ادا کرنے میں ثواب ہے، اللہ تعالیٰ ہمیں بھی حقوق ادا کرنے والا بنائے۔(۲)

حضرت عبداللہ بن ابی حدرد رضی اللہ عنہ نے چادر بیچ کر قرض ادا کیا

حضرت عبداللہ بن ابی حدرد اسلمی رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ ان کے ذمہ ایک یہودی کے چار درہم قرض تھے، ان یہودی نے اس قرض کے وصول میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے مدد لینی چاہی اور یوں کہا کہ اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم میرے اس آدمی کے ذمہ چار درہم قرض ہیں اور مجھ پر

(۱) سیرت صحابہ، ۳/ ۱۸ ۳، بکھرے موتی: ۳/ ۴۷، بحوالہ قرض سے احتیاط کیجئے، ۵۲، حضرت مولانا اعجاز احمد صاحب گوپا گنجی، مکتبۃ البلاغ، دیوبند سہارنپور۔

(۲) اسلام میں امانتداری کی حیثیت اور مقام، ۳۰، وعظ حضرت مولانا افتخار الحسن کاندھلویؒ، بحوالہ قرض سے احتیاط کیجئے، ۵۲، حضرت مولانا اعجاز احمد صاحب گوپا گنجی، مکتبۃ البلاغ، دیوبند سہارنپور۔

غالب آچکے ہیں، یعنی میں کئی مرتبہ ان سے تقاضہ کر چکا ہوں، لیکن یہ مجھے دیتے نہیں، نبی ﷺ نے مجھ سے فرمایا کہ اس کا حق ادا کرو میں نے عرض کیا اس ذات کی قسم جس نے آپ کو حق کے ساتھ بھیجا ہے مجھے ادائیگی کی قدرت نہیں ہے نبی ﷺ نے فرمایا کہ اس کا حق ادا کرو میں نے کہا قسم ہے اس ذات کی جس نے آپ کو حق کے ساتھ بھیجا ہے میں اس پر قدرت نہیں رکھتا البتہ مجھے معلوم ہوا ہے کہ آپ ہمیں خیبر کی طرف بھیجنے والے ہیں امید ہے کہ ہمیں وہاں سے مال غنیمت حاصل ہوگا تو واپس آ کر قرض اتار دوں گا نبی ﷺ نے پھر فرمایا کہ اس کا حق ادا کرو نبی ﷺ کی عادت مبارکہ یہ تھی کہ جب تین مرتبہ کسی کام کے لیے کہہ دیتے تو پھر اصرار نہ فرماتے تھے۔ یہ دیکھ کر میں اسے بازار کی طرف نکلا میرے سر پر عمامہ اور جسم پر ایک تہبند تھا میں نے سر سے عمامہ اتارا اور اسے تہبند کی جگہ باندھ لیا اور تہبند اتار کر اس سے کہا یہ چادر مجھ سے خرید لو اس نے وہ چادر درہم میں خرید لی اسی اثنا میں وہاں سے ایک بوڑھی عورت کا گذر ہوا اور کہنے لگی کہ اے نبی ﷺ کے صحابی تمہیں کیا ہوا میں نے اسے سارا واقعہ سنایا اس پر وہ کہنے لگی کہ یہ چادر لے لو یہ کہہ کر اس نے اپنے جسم سے ایک زائد چادر اتار کر مجھ پر ڈال دی۔(۱)

کفر اور قرض سے پناہ

حضرت ابوسعید ؓ کہتے ہیں کہ میں نے رسول کریم ﷺ کو یہ کلمات فرماتے سنا ہے۔ دعا (**اعوذ بالله من الكفر والدين**)۔ یعنی میں اللہ سے پناہ مانگتا ہوں کفر اور قرض سے۔ ایک شخص نے یہ سن کر عرض کیا کہ یا رسول اللہ! کیا آپ نے کفر کو قرض کے برابر کر دیا۔ آپ ﷺ نے فرمایا ہاں۔ اور ایک روایت میں یہ دعا منقول ہے۔ دعا (**اللهم انى اعوذبك من الكفر والفقر**)۔ یعنی اے اللہ! دونوں میں تیری

---

(۱) مسند احمد، حديث أبى حدرد الأسلمى، حدیث: ۱۵۴۸۹، حياة الصحابة، قصة المرأة المخزومية، ۳۲۹/۲، مؤسسة الرسالة، بيروت۔

پناہ مانگتا ہوں کفر سے اور فقر سے۔ یہ سن کر ایک شخص نے عرض کیا کہ کیا کفر اور فقر برابر ہو سکتے ہیں؟ آپ ﷺ نے فرمایا: ہاں!۔(۱)

حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ کے قرض کی ادائیگی

حضرت عبدالرحمن بن کعب رضی اللہ عنہ مفرماتے ہیں: حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ مال جمع کرنے کے عادی نہیں تھے، موقع بہ موقع قرض لے کر بھی خرچ کرنے میں دریغ نہ کرتے تھے، نوبت یہاں تک پہنچی کہ قرض ان کی ساری جائیداد سے بڑھ گیا، حضرت ﷺ سے درخواست کی کہ آپ قرض خواہوں سے کچھ قرض معاف کرنے کی سفارش کردیں؛ مگر نبی کریم ﷺ نے سفارش کرنے کے بجائے ان کی ساری جائیداد قرض میں فروخت کردی اور ان کے لئے ایک پائی بھی نہ بچی۔(۲)

حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ کے والد کے قرض کی ادائیگی

حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ جنگ جمل کے موقع پر میرے والد حضرت زبیر رضی اللہ عنہ نے مجھے بلایا اور فرمایا کہ مجھے نظر آرہا ہے کہ عنقریب میں مظلومی کی حالت میں قتل کردیا جاؤں گا، مجھے سب سے زیادہ فکر قرضے کی ہے، کیا میرا قرضہ ادا کر کے میرے مال میں سے کچھ بچ سکتا ہے، پھر فرمایا: برخودار، میرا مال بیچ کر میرا قرضہ ادا کرو، ان پر اتنا قرضہ اس لئے چڑھ گیا تھا کہ اگر کوئی آدمی امانت کے طور پر رکھنے کے لئے ان کے پاس مال لاتا تو حضرت زبیر رضی اللہ عنہ فرماتے: (امانت نہیں بلکہ) اسے قرض سمجھو؛ کیوں کہ اس کے ضائع ہونے کا ڈر ہے، حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: میں نے ان کے قرضے کا حساب کیا تو دو کروڑ دو لاکھ پایا، حضرت حکیم بن حزام رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ اگر تم اس کی ادائیگی سے عاجز ہوجاؤ تو مجھ سے مدد حاصل کرلینا، لیکن عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ نے کسی سے مدد نہ لی اور اپنے والد کی جائیداد

---

(۱) سنن ابن ماجة، باب لصاحب الحق سلطان، حدیث:۲۴۲۶۔

(۲) مشكاة المصابيح، الفصل الثاني، حدیث:۲۹۱۸۔

فروخت کر کے اعلان کر دیا کہ جس کا حضرت زبیر ﷺ پر قرضہ ہو وہ ہم سے وصول کرنے آجائے، حضرت عبداللہ بن جعفر ﷺ پہنچ گئے، اوران کے حضرت زبیر ﷺ پر چار لاکھ تھے، انہوں نے حضرت عبداللہ بن زبیر ﷺ سے کہا کہ اگر آپ چاہیں تو میں قرضہ چھوڑ دوں (یعنی معاف کر دیتا ہوں) انہوں نے جواب دیا کہ نہیں، پھر انہوں نے کہا کہ: اچھا میرے قرضے کو سب سے آخر میں رکھ لو، حضرت عبداللہ بن زبیر ﷺ نے جواب دیا کہ نہیں (بہر حال) حضرت عبداللہ بن زبیر ﷺ جب قرضے کی ادائیگی سے فارغ ہو گئے تو حضرت زبیر ﷺ کے دوسرے صاحبزادے میراث کی تقسیم کا مطالبہ کرنے لگے، حضرت عبداللہ بن زبیر ﷺ نے جواب دیا کہ میں اسے فی الحال تمہارے درمیان تقسیم نہیں کروں گا، یہاں تک کہ متواتر چار سال حج کے موقع پر اعلان کرلوں کہ جس کا (والد محترم) حضرت زبیر ﷺ پر قرضہ ہو تو وہ ہمارے پاس آئے تا کہ ہم اس کا قرضہ چکادیں، چنانچہ حج کے موقع پر چار سال تک برابر اعلان کرتے رہے، جب چار سال گزر گئے تو انہوں نے حصہ داروں میں مال تقسیم کر دیا۔(۱)

سمندر پار ہزار دینار قرض کی ادائیگی

حضرت ابو ہریرہ ﷺ کہتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ بنی اسرائیل میں سے ایک شخص نے دوسرے شخص سے ہزار دینار قرض مانگے اس شخص نے گواہ طلب کیے قرض مانگنے والا کہنے لگا کہ اللہ تعالی شہادت کے لیے کافی ہے وہ کہنے لگا کہ اچھا کسی کی ضمانت دے دو قرض مانگنے والے نے جواب دیا کہ اللہ ہی ضمانت کے لیے کافی ہے اس نے کہا کہ تم سچ کہتے ہو یہ کہہ کر ایک معین مدت کے لیے اس نے اسے ایک ہزار اشرفیاں دے دیں روپیہ لینے والا روپیہ لے کر بحری سفر کو نکلا اور اپنا کام پورا کر کے

---

(۱) حکایات صحابہ: ۳۷، بحوالہ قرض سے احتیاط کیجئے، ۶۴ حضرت مولانا اعجاز احمد صاحب گوپا گنجی، مکتبۃ البلاغ، دیو بند سہارنپور۔

واپس ہونے کے لیے جہاز کی تلاش کی تا کہ مقررہ مدت کے اندرقرض ادا کر دے لیکن جہاز نہ ملا مجبوراایک (کھوکھلی (لکڑی کے اندراس نے اشرفیاں بھریں اورقرض خواہ کے نام ایک خط بھی اس میں رکھ کرخوب مضبوط منہ بند کر کے دریا میں لکڑی ڈال دی اور کہنے لگا کہ الٰہی تو واقف ہے کہ میں نے فلاں شخص سے ہزار اشرفیاں قرض مانگی تھیں اور جب اس نے ضمانت مانگی تھی تو میں نے کہہ دیا تھا کہ اللہ تعالی ضمانت کے لیے کافی ہے وہ تیری ضمانت پر راضی ہو گیا تھا پھراس نے گواہ طلب کیے تھے اور میں نے کہہ دیا تھا کہ اللہ ہی شہادت کے لیے کافی ہے وہ تیری شہادت پر رضامند ہو کر مجھے روپیہ دے دیا تھا اب میں نے جہاز کی تلاش میں بہت کوشش کی تا کہ روپیہ اس کو پہنچا دوں لیکن جہاز مجھے نہ ملا اب میں یہ اشرفیاں تیرے سپرد کرتا ہوں یہ کہہ کراس نے وہ لکڑی سمندر میں ڈال دی اورلکڑی پانی میں ڈوب گئی لکڑی ڈال کر وہ واپس آ گیا اور واپسی میں بھی جہاز کی جستجو کرتا رہا تا کہ اپنے شہر کو پہنچ جائے۔

اتفاقاایک روزقرض خواہ دریا پر یہ دیکھنے کو گیا کہ شاید کوئی جہاز میرا مال لایا ہو (جہاز تو نہ ملا وہی اشرفیاں بھری ہوئی لکڑی نظر پڑی (یہ گھر کے ایندھن کے لیے اس کو لے آیا لیکن توڑنے کے بعد مال اور خط برآمد ہوا کچھ مدت کے بعد قرض دار بھی آ گیا اور ہزار اشرفیاں ساتھ لایا اور کہنے لگا اللہ کی قسم میں برابر جہاز کی تلاش میں کوشش کرتا رہا تا کہ تمہارا مال تم کو پہنچا دوں لیکن اس سے پہلے جہاز نہ ملا قرض خواہ نے دریافت کیا کہ تم نے مجھے کچھ بھیجا تھا؟ قرض دار کہنے لگا کہ ہاں بتاتا ہوں چونکہ اس سے پہلے مجھے جہاز نہ ملا تھا اس لیے میں لکڑی میں بھر کر روپیہ بھیج دیا تھا قرض خواہ کہنے لگا تو بس جو مال تم نے لکڑی میں بھر کر بھیجا تھا وہ اللہ تعالی نے تمہاری طرف سے مجھے پہنچا دیا لہٰذا تم کامیابی کے ساتھ اپنے یہ ہزار دینار واپس لے جاؤ، **"فإن الله قد أدى عنك الذي بعثت في الخشبة، فانصرف بالألف الدينار راشدا"** (۱)

---

(۱) صحیح البخاری، کتاب الکفالۃ، حدیث:۲۲۹۱۔

حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی قرض کی پوری ادائیگی

جابر سے روایت ہے کہ عبداللہ شہید ہوئے اور اہل وعیال اور قرض چھوڑ گئے، میں نے قرض خواہوں سے درخواست کی کہ کچھ قرض معاف کردیں، ان لوگوں نے انکار کیا تو میں نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں پہنچا، اور ان لوگوں سے سفارش کی درخواست کی، ان لوگوں نے ماننے سے انکار کیا تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ ہر قسم کی کھجوروں کو علیحدہ علیحدہ رکھو، عذق بن زید کو ایک طرف، لین کو دوسری طرف اور عجوہ الگ رکھو، پھر ان قرض خواہوں کو بلاؤ یہاں تک کہ میں تمہارے پاس آؤں، چنانچہ میں نے ایسا ہی کیا، پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تشریف لائے اور کھجور کے ڈھیر پر بیٹھ گئے اور ہر شخص کو ناپ کر دینے لگے، یہاں تک کہ پورا قرض ادا کردیا اور کھجور اسی طرح رہی، جیسے پہلی تھی گویا کسی نے اس کو ہاتھ نہ لگایا تھا ”وبقي التمر كما هو، كأنه لم يمس“ (۱)

قرض کی ادائیگی کے لئے مال روکو

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ اگر میرے پاس احد پہاڑ کے برابر سونا ہو تو تین دن گذرنے نہ پائیں گے کہ میں سارا سونا تقسیم کردوں گا، ہاں قرض ادا کرنے کے لئے روکوں گا'' (کیوں کہ قرض کا ادا کرنا ضروری ہے)''وعندي منه شيء إلا شيء ارصده لدين'' (۲)

مرض الوفات میں حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کا قرض کی فکر

حضرت معیقب حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے اخراجات کا وکیل تھا، مرض الموت میں وہ خبر (خیر وعافیت) کو گیا، فرمایا: بتاؤ، ہمارا تمہارا حساب کیسے ہو؟ کہا: آپ میرے پچیس درہم کے قرضدار ہیں، مگر میں نے خوشی سے یہ قرض معاف کردیا، فرمایا: میں نہیں چاہتا کہ دنیا سے قرض کا بوجھ لے کر جاؤں، کہا: حضور! میں تو اس زیارت کو

---

(۱) بخاری، باب الشفاعة في وضع الدين، حدیث: ۲۴۰۵۔

(۲) بخاری، باب أداء الدين، حدیث: ۲۳۸۹۔

آخری زیارت سمجھ رہا ہوں، پچیس درہم کے لئے مجھ کو مجوب نہ کیجئے، کیا میرا اتنا بھی اعتبار نہیں کہ میں نے دل سے ایک خفیف سی رقم چھوڑی ہے، فرمایا: یہ سچ ہے مگر جس ملک میں جارہا ہوں، وہاں کا توشہ اسی طرح تیار کیا جاتا ہے کہ کسی کا حق لے کر وہاں نہ جانا چاہئے، یہ کہہ کر آپ نے حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا (اپنی صاحبزادی) سے پچیس درہم منگوائے اور معیقب کو دے دیئے۔(۱)

وصیت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو

انتخاب خلیفہ کی اہم ذمہ داریوں سے فراغت کے بعد (یعنی مرض الموت میں آپ نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو اپنا خلیفہ منتخب کیا، اس کے بعد حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو بلا کر فرمایا کہ میرے بعد بیت المال کا جو قرض میرے ذمہ ہے اسے ادا کرنا۔(۲)

فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کا انتقال کے وقت قرض کی فکر کرنا:

۲۳ ہجری ذی الحجہ کے مہینے میں آپ کی شہادت ہوئی، اپنے بیٹے عبداللہ کو بلا کر کہا، مجھ پر کس قدر قرض ہے، معلوم ہوا کہ چھیاسی ہزار درہم، فرمایا: میرے متروکہ سے ادا ہوسکے تو بہتر ورنہ خاندان عدی یا کل قریش سے ادائیگی قرض کی درخواست کرنا، آخر ان کا مسکونہ مکان امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے خرید لیا اور ان کا قرض ادا کردیا گیا۔(۳)

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی قرض کی ادائیگی

حضرت عمران رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ جب حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو ضرورت پیش آئی تو بیت المال سے نگراں کے پاس آتے، اوراس سے ادھار لے لیتے ہیں، بعض دفعہ آپ تنگدست ہوتے او رقرض واپس کرنے کا وقت آجاتا تو بیت المال کا نگراں آکر

---

(۱) تاریخ اسلام کے ناقابل فراموش واقعات: ۶۱، بحوالہ قرض سے احتیاط کیجئے، ۴۷، حضرت مولانا اعجاز احمد صاحب گوپا گنجی، مکتبۃ البلاغ، دیوبند سہارنپور۔

(۲) تاریخ اسلام: ۱/ ۱۵۰، از شاہ معین الدین ندویؒ۔

(۳) تاریخ اسلام کے ناقابل فراموش واقعات: ۸۷، بحوالہ قرض سے احتیاط کیجئے، ۵۷، حضرت مولانا اعجاز احمد صاحب گوپا گنجی، مکتبۃ البلاغ، دیوبند سہارنپور۔

ان سے قرض ادا کرنے کا تقاضہ کرتا اوران کے پیچھے پڑ جاتا، آخر حضرت عمر رضی اللہ عنہ قرض کی ادائیگی کی کہیں سے کوئی صورت بناتے، بعض دفعہ ایسا ہوتا کہ آپ کو وظیفہ ملتا تو اس سے قرض ادا کردیتے۔(۱)

مسلم بن عقیل کا قرض کی ادائیگی کی وصیت کرنا

جب ابن زیاد نے حضرت مسلم بن عقیل کو قتل کرنے کا حکم دیا تو مسلم بن عقیل نے کہا: ''مجھے وصیت کرنے کی مہلت دو، ابن زیاد نے مہلت دی تو انہوں نے عمر بن سعد (بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ) سے کہا کہ میرے اورآپ کے درمیان قرابت ہےاور میں اس قرابت کا واسطہ دے کر کہتا ہوں کہ مجھے تم سے ایک کام ہے، جو راز ہے، میں تنہائی میں بتلاسکتا ہوں، عمر بن سعد نے اس کو سننے کی ہمت نہ کی، ابن زیاد نے کہا کہ کچھ مضائقہ نہیں، تم سن لو، ان کو علاحدہ کرکے مسلم بن عقیل نے کہا کہ کام یہ ہے کہ میرے ذمہ سات سو درہم قرض ہیں، جو میں نے کوفہ کے فلاں آدمی سے لئے تھے، وہ میری طرف سے ادا کردو۔(۲)

حضرت علی رضی اللہ عنہ کا قرض جائیداد بیچ کر ادا کیا گیا

ابوجعفر رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ اگرچہ انتقال کے وقت حضرت علی رضی اللہ عنہ کی سالانہ آمدنی ایک لاکھ درہم تک پہنچ گئی تھی، لیکن شہادت کے دن آپ پر ستر ہزار درہم تھے، میں نے لوگوں سے پوچھا کہ آپ پر اتنا زیادہ قرض کیسے ہوگیا، تو جواب ملا، بات یہ تھی کہ آپ کے وہ دوست واحباب اور رشتہ دار جن کا مال غنیمت میں باقاعدہ حصہ مقرر نہیں تھا، آپ کے پاس آکر سوال کرتے تو آپ انہیں مرحمت فرماتے جاتے تھے، آپ کی وفات کے بعد حضرت حسن رضی اللہ عنہ نے آپ کی جائیداد بیچ کر قرض ادا کیا اور ہر سال حضرت علی رضی اللہ عنہ سے سو غلام آزاد کرادیا کرتے تھے، حضرت حسن کے بعد

---

(۱) اخرجہ ابن سعد جلد، ۳/۱۹۹، حیاۃ الصحابہ: ۲/۳۸۳، بحوالہ قرض سے احتیاط کیجئے، ۵۷ حضرت مولانا اعجاز احمد صاحب گوپا گنجی، مکتبۃ البلاغ، دیوبند سہارنپور۔

(۲) شہید کربلا، از مفتی محمد شفیع صاحبؒ: ۱۴۴، بحوالہ قرض سے احتیاط کیجئے، ۵۷ حضرت مولانا اعجاز احمد صاحب گوپا گنجی، مکتبۃ البلاغ، دیوبند سہارنپور۔

حضرت حسین ﷜ اس سنت کو زندہ رکھے رہے، یہاں تک کہ شہید ہو گئے، پھر بعد میں یہ سنت جاری نہ رہ سکی۔(۱)

حضرت ابوایوب انصاری ﷜ کے قرض کی ادائیگی

حضرت ابو یوسف انصاری ﷜ بصرہ تشریف لائے اور حضرت عبداللہ بن عباس ﷜ کے مہمان ہوئے، آپنے اپنا مکان حضرت ایوب علیہ السلام کے لئے خالی فرمادیا اور کہا کہ جس طرح آپ (ہجرت کے موقع پر) آنحضرت ﷺ کے ساتھ معاملہ فرمایا تھا ، اب میں آپ کے ساتھ ویسا ہی معاملہ کروں گا، پھر پوچھا کہ آپ پر کتنا قرض ہے؟ حضرت ابوایوب انصاری ﷜ نے فرمایا کہ بیس ہزار، چنانچہ حضرت عبداللہ بن عباس ﷜ نے ۴۰ درہم عطا فرمایا اور ساتھ ہی بیس غلام کو دے کر فرمایا کہ جو بھی سامان ہے وہ بھی آپ ہی کی ملکیت ہے۔(۲)

معینہ مدت سے پہلے مطالبہ کرنا

قرض خواہ مدت معینہ سے پہلے طلب کرسکتا ہے؛ البتہ بلاضرورت طلب کرنے کی صورت میں وعدہ خلافی کا گناہ ہوگا۔(۳)

لکھنے لکھانے کی ذمہ داری

حضرت مولانا مفتی عبدالرحیم لاجپوری ﷫ فرماتے ہیں کہ یہ لین دین کا معاملہ لکھوانا قرض لینے والے کے ذمہ ہے، جو دراصل اس کی طرف سے ایک طرح کا اقرارنامہ ہے۔(۴)

---

(۱) مکارم الاخلاق: ۲۰۷، بحوالہ قرض سے احتیاط کیجئے، ۷۶ حضرت مولانا اعجاز احمد صاحب گوپا گنجی، مکتبۃ البلاغ، دیوبند سہارنپور۔

(۲) مکارم الاخلاق: ۱۷۹، اللہ سے شرم کیجئے، ۱۸۱، بحوالہ قرض سے احتیاط کیجئے، ۷۷ حضرت مولانا اعجاز احمد صاحب گوپا گنجی، مکتبۃ البلاغ، دیوبند سہارنپور۔

(۳) احسن الفتاوی: ۱۷۶/۷، بحوالہ قرض سے احتیاط کیجئے، ۱۳۶، حضرت مولانا اعجاز احمد صاحب گوپا گنجی، مکتبۃ البلاغ، دیوبند سہارنپور۔

(۴) فتاوی رحیمیہ: ۵۳/۱۰، بحوالہ قرض سے احتیاط کیجئے، ۱۳۶، حضرت مولانا اعجاز احمد صاحب گوپا گنجی، مکتبۃ البلاغ، دیوبند سہارنپور۔

تحریری شہادت کے ساتھ قرض لینے کی ایک یادگار تحریر

حضرت مولانا مناظر احسن گیلانیؒ کہ ابن حوقل جو کہ چوتھی صدی ہجری کا مصنف اور سیاح ہے، لکھتا ہے:

"رأيتُ صكًا كُتب بدين على محمد بن أبى سعد ون بأودغشت، وشهد عليه العدل بالدين وأربعين ألف دينار"۔

ترجمہ: ابن حوقل کہتا ہے کہ میں نے ایک چک اور دغشت میں دیکھا جو محمد بن ابی سعدون کے قرض کے متعلق تھا، جس پر عادل گواہوں کی گواہیاں ثبت تھیں، رقم جو چک میں مندرج تھی، اس تعداد ۴۲ ہزار اشرفیاں تھیں۔(۱)

قدرت کے باوجود قرض کی عدم ادائیگی پر شدت

اگر قدرت کے باوجود قرض کی ادائیگی میں تاخیر کی جاتی ہے تو اس سلسلہ میں سخت وعیدیں وارد ہوئی ہیں، مقروض سے شدت سے مطالبہ کیا جا سکتا ہے، مقروض کو سفر سے روکا جا سکتا ہے، مقروض کو قید کیا جا سکتا ہے جب کہ وہ مقدر اتنی ہو اس کو قید کیا جا سکتا ہو، زبردستی اس کے مال سے قرض کی ادائیگی کی جا سکتی ہے۔، تاخیر سے ہونے والے نقصان کا مطالبہ کیا جا سکتا ہے۔قدرت کے باوجود قرض کی عدم ادائیگی کو ظلم کہا گیا ہے۔

اس کو نبی کریم ﷺ نے حرام قرار دیا ہے کہ وسعت اور کشادگی کے باوجود بھی ادائیگی میں تاخیر کرے'' نبی کریم ﷺ کا ارشادگرامی ہے: **"مطل الغنى ظلم"** (۲) مالدار کی تاخیر حرام ہے۔

---

(۱) ہزار سال پہلے: ۱۲۰، از مولانا مناظر احسن گیلانی، بحوالہ قرض سے احتیاط کیجئے، ۱۳۶، حضرت مولانا اعجاز احمد صاحب گوپا گنجی، مکتبۃ البلاغ، دیوبند سہارنپور۔

(۲) مسلم: باب تحریم مطل الغنی، حدیث: ۱۵۶۴

اس لئے اگر کوئی شخص کسی عذر کی وجہ سے تاخیر کرتا ہے تو وہ تاخیر کرنے والا شمار نہ ہوگا اسی لئے علامہ نووی فرماتے ہیں:

"ولو كان غنيا ولكنه ليس متمكنا من الأداء لغيبة المال أو لغير ذلك، جاز له التاخير إلى الإمكان، وهذا مخصوص من مطل الغنى، أو يقال: المراد بالغنى، المتمكن من الأداء فلا يدخل هذا فيه"(۱)

قدرت کے باوجود ادائیگی میں تاخیر

حافظ ابن حجر فرماتے ہیں: "يحرم على الغنى القادر أن يمطل بالدين بعد استحقاقه" (۲) ''مالدار کے لئے استحقاق کے بعد قرض میں تاخیر حرام ہے''۔

ایسے شخص سے سختی کے ساتھ قرض کی ادائیگی کا مطالبہ کیا جاسکتا ہے:

''حضرت شرید ﷛ سے مروی ہے کہ جناب رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: ''مالدار کا ٹال مٹول کرنا اس کی شکایت اور اسے قید کرنے کو حلال کردیتا ہے''۔ "لَيُّ الْوَاجِدُ يَحِلُّ عِرْضَهَ وَعُقُوْبَتَهُ" (۳)

مقروض سے مطالبہ میں شدت کرنا

اگر قدرت کے باوجود مقروض ادائیگی میں ٹال مٹول کرتا ہے تو صاحب حق اور قرض خواہ کو مطالبہ میں سختی اور حق کے وصول میں اصرار کرنا درست ہے، جس کی وجہ سے مقروض دباؤ میں آکر بجلد ادائیگی کرسکتا ہے۔

"إذا كان المدين مماطلا فى الوفاء مع قدرته عليه، فإنه

---

(۱) شرح صحيح مسلم: ۲۲۷/۱۰

(۲) فتح البارى: ۴۶۵/۴

(۳) مسند احمد، مسند الشريد بن الثقفى، ابن ماجة، كتاب الصدقات، باب الحبس فى الدين والملازمة، حديث نمبر: ۲۴۲۷

یجوز لصاحب الحق أن یتشدد فی المطالبة بإغلاظ القول، والإلحاح فی طلب استیفاء الحق، مما عساه یؤدی إلی استجابة المدین للطلب"(۱)

ابن قدامہ مقدسی اور ایک جگہ فرماتے ہیں:

"وإذا امتنع الموسر عن قضاء الدین فلغریمه۔۔۔۔الإغلاظ له بالقول، فیقول: یا ظالم، یامعتدی ونحو ذلك، لقول رسول اللهﷺ:"لی الواجد یحل عرضه وعقوبته"(۲)

مقروض کوسفر سے روکنا

قرض خواہ کو تاخیر کرنے والے مقروض کو سفر سے روکنا بھی جائز ہے تا کہ اپنا کامل حق وصول کر سکے، یہی قول عام فقہاء احناف، مالکیہ، شوافع اور حنابلہ کا ہے۔

ایک تو اس وجہ سے کہ یہ دین حال (فی الفور قابل ادائیگی قرض) ہے، سفر کرنے سے قرض خواہ اس قرض کا فی الفور مطالبہ نہیں کر سکتا، اس سے اپنے حق کو کامل وصول کرنے کے لئے اس کو سفر سے روکنا درست ہے۔

دوسری وجہ یہ ہے کہ جب بغیر کسی عذر کے قرض کی ادائیگی میں تاخیر کرنے والے مقروض کو حبس اور قید کی اجازت ہے تو بدرجہ اولی اس کو سفر پر جانے سے روکنے کی اجازت ہوگی، لیکن چونکہ قید میں رکھنا یہ سفر سے کم تر ہے۔

مقروض کو عدم ادائیگی پر قید کرنا

مقروض اگر بغیر کسی عذر کے ادائیگی میں تاخیر کرتا ہے تو اس کو قید بھی کر سکتے ہیں، ''حضرت شرید رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ جناب رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: ''مالدار کا ٹال مٹول کرنا اس کی شکایت اور اسے قید کرنے کو حلال کر دیتا ہے''۔

---

(۱) المغنی: ۵۰۱/۴

(۲) المغنی: ۵۰۱/۴

"لیُّ الوَاجِدِ یُحَلُّ عِرْضَهُ وَعُقُوبَتَهُ" (۱)

اس حدیث سے مقروض کے تاخیر اور عدم ادائیگی پر سزا دینے کا جواز معلوم ہوتا ہے، قید کرنا بھی ایک قسم کی سزا ہے، اس لئے مقروض کو سزا دینا جائز ہے "فجاز معاقبة المدين" (۲)

اور ایک روایت میں ٹال مٹول کرنے والے مقروض کو قید کرنے کا ذکر ہے، ابوداؤد کی روایت ہے۔ ہرماس بن حبیب جو گاں کے رہنے والے تھے اپنے والد سے اور وہ ان کے دادا سے روایت کرتے ہیں کہ میں اپنے کسی مقروض کو حضور کی خدمت میں لے کر حاضر ہوا حضور نے فرمایا کہ اس کے ساتھ لگے رہو، پھر مجھ سے فرمایا کہ اے بنی تمیم کے بھائی تم اپنے قیدی سے کیا چاہتے ہو:

"أَتَيْتُ النَّبِيَّ بِغَرِيْمٍ لِيْ، فَقَالَ لِيْ: ثُمَّ مَرَّ بِيْ آخرَ النَّهَارِ، فَقَالَ: "مَا فَعَلَ أَسِيْرُكَ يَا أَخَا بَنِيْ تَمِيْمٍ" (۳)

ابن ماجہ کی حاشیہ میں قرض کے سلسلہ میں قید کے احکام مذکور ہیں:

"المحبوس فی الدین لا یخرج لصوم رمضان ولا لعیدین ولا لجمعة ولا لصلاة الجماعة، ولا یحج فریضة، ولا لحضور جنازة بعض أهله ولو أعطى كفيلا بنفسه، ولهذا قالوا ينبغي أن يكون موضعا خشنا ولا بسط له فراش، ولا وطأ، ولا يدخل له أحد ليستأنس به" (۴)

---

(۱) مسند احمد، مسند الشريد بن الثقفي، ابن ماجة، كتاب الصدقات، باب الحبس فی الدین والملازمة، حدیث نمبر: ۲۴۲۷

(۲) فتح الباری: ۱۰۰/۵

(۳) ابو داؤد، باب فی الحبس فی الدین وغیرہ، حدیث نمبر: ۳۶۲۹

(۴) ابن ماجة، ۱۷۷، حاشیہ: ۳، بحوالہ قرض سے احتیاط کیجئے، ۹۴، حضرت مولانا اعجاز احمد صاحب گوپا گنجی، مکتبۃ البلاغ، دیوبند سہارنپور۔

ترجمہ: قرض کے سلسلہ میں قید ہوئے شخص کو موقع نہیں دیا جائے گا کہ باہر نکلے، رمضان کے روزے کے لئے اور عید کی نماز کے لئے اور نہ جمعہ کی نماز کے لئے اور نہ پنج وقتہ جماعت میں شرکت کے لئے اور نہ اپنے گھر کے کسی کی نماز جنازہ میں شرکت کے لئے، اگرچہ اپنے بدلے کوئی ضامن پیش کرے اور یہ اس وجہ سے فقہاء کرام نے فرمایا ہے کہ ایسے قیدی کے رہنے کی جگہ کھردری ہو، (آرام دہ نہ ہو) اور نہ اس کے لئے باقاعدہ گدہ وبستر بچھایا جائے اور نہ ہی کوئی شخص اس کے پاس دل بہلانے کے لئے جائے۔

تنبیہ: غور فرمائیں کہ گنجائش ہوتے ہوئے ٹال مٹول کرنے والے کے لئے کتنے سخت احکام ہیں۔(۱)

کتنی مقدار قرض پر مقروض کو قید کیا جائے گا؟

علماء اور فقہاء نے مطلقاً بغیر کسی مقدار کے بتائے ہوئے قرض کی وجہ سے مقروض کو قید کرنے کی اجازت مرحمت کی ہے، بعض لوگوں نے صراحتا یہ بات بتلائی ہے کہ مقروض کو تھوڑے سے قرض کی وجہ سے بھی قید کیا جاسکتا ہے، چنانچہ علامہ سرخسی فرماتے ہیں:

"ویحبس الرجل فی الدرھم وفی أقل منه' لأن مانع الدرھم ومادونه ظالم" (۲)

کسی شخص کو ایک درہم یا اسی سے بھی کم پر قید کیا جاسکتا ہے، چونکہ ایک درہم یا اس سے کم کو روکے رکھنے والے سب برابر ہیں۔

علامہ کاسانی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

---

(۱) قرض سے احتیاط کیجیے، ۹۵، حضرت مولانا اعجاز احمد صاحب گوپا گنجی، مکتبۃ البلاغ، دیوبند سہارنپور

(۲) المبسوط: ۹۰/۲۰

"أما سبب وجوب الحبس فھو الدین قل أو کثر"(۱)

قید کے وجوب کا سبب بنے گا خواہ قرض کم ہو یا زیادہ۔

کب تک مقروض کو قید میں رکھا جائے گا؟

عام فقہاء نے قرض کی ادائیگی تک بغیر تعیین مدت کے مقروض کو مقید کرنے کو جائز کہا ہے:

علامہ زیلعی کہتے ہیں:

"وابد حبس موسر؛ لأن الحبس جزاء الظلم، فإذا امتنع من إیفاء الحق مع القدرة علیه خلده فی الحبس"(۲)

وسعت والے کو قید کیا جائے گا؛ چونکہ یہ ظلم کی سزا ہے، اگر حق کی ادائیگی کی قدرت کے باوجود ادائیگی سے رک جائے تو ہمیشہ کے لئے اس کو مقید کردیا جائے گا۔

ہدایہ میں مقروض کو قید رکھنے کی مدت بتائی گئی ہے، قاضی اپنے حساب سے لوگوں کے احوال کے اعتبار سے قرض کی عدم ادائیگی کی وجہ سے جب تک چاہے قید رکھ سکتا ہے

"وإذا ثبت الحق عند القاضی وطلب صاحب الحق حبس غریمه لم یعجّل بحبسه وأمره بدفع ما علیه، فإن امتنع حبسه فی کل دین لزمه، یحسبه شھرین أو ثلاثة الخ، والصحیح أن التقدیر مفوض إلی رأی القاضی لاختلاف أحوال الأشخاص فیه"(۳)

ترجمہ: یعنی قاضی کے یہاں جب حق ثابت ہوجائے اور حقدار

---

(۱) بدائع الصنائع: ۱۷۳/۷

(۲) تبیین الحقائق: ۱۸۱/۴

(۳) ہدایہ: ۱۳۷/۳، بحوالہ قرض سے احتیاط کیجئے، ۹۵، حضرت مولانا اعجاز احمد صاحب گوپا گنجی، مکتبة البلاغ، دیوبند سہارنپور۔

مقروض کو قید کرنے کا مطالبہ کرے تو قاضی جلدی نہ کرے ؛ بلکہ ادائیگی کا حکم کرے، اسکے باوجود ادا نہ کرے تو اب اسکے بعد جیل میں ڈال دے، کسی نے کہا: دو مہینہ کے لئے، کسی نے کہا: تین مہینہ کے لئے، کسی نے کہا: چار مہینہ کے لئے، لیکن صحیح یہ ہے کہ یہ مقدار قاضی کی رائے کے اوپر موقوف ہے کیوں کہ ہر شخص کا حال الگ رہتا ہے۔

علامہ ابن سیرین ؒ مدت دراز تک جیل میں

علامہ ابن سیرین ؒ اپنے زمانہ کے بہت بڑے محدث، فقیہ، علم تعبیر رؤیا کے ماہر اور انتہائی متقی اور پرہیز گار بزرگ تھے، ایک دفعہ شدت احتیاج کی وجہ سے تنگدست ہو کر مقروض ہو گئے اور قرض ادا نہ کر سکنے کی وجہ سے مدت تک جیل میں رہے۔

مؤرخین نے آپ کے قید ہونے کا سبب یہ لکھا ہے کہ ایک مرتبہ آپ نے بغرض تجارت چالیس ہزار درہم کا تیل خریدا، تیل مشکیزوں میں تھا، اتفاق سے ایک مشکیزہ میں مرا ہو چوہا ملا، آپ نے فرمایا ہو سکتا ہے کہ یہ چوہا معصرہ یعنی تیل کے ذخیرہ میں مرا ہو، چنانچہ آپ نے سارا کا سارا تیل (نجس قرار دے کر) بہا دیا اور تیل کی قیمت ادا نہ کر سکنے کی وجہ سے مقروض ہو گئے، اور مدت تک جیل میں رہے۔(۱)

تاخیر کرنے والے مقروض کے اموال کو منجمد کرنا

اس کو اکثر فقہاء ناجائز کہتے ہیں، اس لئے کہ قرض خواہ مطالبہ کر کے یا حاکم کو شکایت کر کے اپنے حق کو وصول کر سکتا ہے، تو اس کے مال کو منجمد کرنے کی کوئی ضرورت نہیں، لیکن راجح قول یہ ہے کہ ٹال مٹول کرنے والے مقروض کے اموال بقدر ادائیگی قرض کے منجمد کئے جا سکتے ہیں، تا کہ وہ ان اموال کو چھپا نہ سکے۔

---

(۱) سیر اعلام النبلاء: ۴/ ۶۱۳، بحوالہ قرض سے احتیاط کیجئے، ۹۶، حضرت مولانا اعجاز احمد صاحب گوپا گنجی، مکتبۃ البلاغ، دیوبند سہارنپور۔

زبردستی قرض کی ادائیگی

مقروض کے مال سے زبردستی قرض کی ادائیگی اگر موجودہ مال، مقروض مال کے جنس سے ہوتو ایسی صورت میں قاضی جبراً اس کے اس مال سے قرض کی ادائیگی کرے گا، اکثر فقہاء احناف، شوافع اور مالکیہ اور احناف کا یہی مسلک ہے:

چنانچہ ''ملتقی الابحر'' میں ہے: ''فإن كان له أي المديون من جنس الدين أداه الحاكم منه'' (۱) اگر مقروض کے یہاں قرض کی جنس سے مال ہوتو اسی سے حاکم قرض کی ادائیگی کرے گا۔

اگر مقروض کے یہاں مال قرض کے جنس سے نہ ہوتو اس کو فروخت کر کے اس کے ذریعہ حاکم قرض کی ادائیگی کرے گا۔

امام قدوری کہتے ہیں:

> ''لا حجر في الدين--- وإن كان له أي ''المدين'' مال لم يتصرف فيه الحاكم، ولكن يحبسه أبدا حتى يبيعه في دينه، فإن كان له دراهم ودينه دراہم قضاها القاضي بغير أمره، وإن كان دينه دراهم وله دنانير باعها القاضي في دينه'' (۲)

ادائیگی قرض میں تاخیر اور تاخیر کی وجہ سے نقصان کا عوض

فقہاء متاخرین کی اس سلسلہ میں آراء موجود نہیں ہیں، سوائے بدر الدین قرافی کے یہ ادائیگی قرض میں تاخیر یا تاخیر کی وجہ سے ہونے والے نقصان کے لینے کو ناجائز کہتے ہیں، معاصرین میں سے بہت سارے فقہاء نے تاخیر اور تاخیر کے نقصان کی وجہ سے اس کا عوض لینے کو جائز کہا ہے، جن میں مصطفی احمد الزرقاء شامل ہیں۔

---

(۱) ملتقى الابحر: ۴۴۲/۲

(۲) مختصر القدوری: ۲۰/۲، ۲۱

لیکن دیگر فقہاء نے ادائیگی قرض میں تاخیر یا اس کی وجہ سے ہونے والے نقصان کے عوض کے لینے کو ناجائز کہا ہے مجمع الفقہ الاسلامی جدہ کا بھی یہی فیصلہ ہے:

"إذا تأخر المشتري المدين في دفع الاقساط عن الموعد المحدد فلا يجوز إلزامه أي زيادة عن الدين فلا يجوز الزامه أيّ زيادة عن الدين بشرط سابق بدون شرط؛ لأن ذلك ربا محرم"

حضرت مولانا تقی عثمانی صاحب کی بھی یہی رائے ہے جس کا تذکرہ ان کے مقالہ "أحكام بيع التقسيط" میں موجود ہے۔

اس کے علاوہ دیگر معاصر فقہاء جن میں استاذ زکی الدین شعبان،، ڈاکٹر محمد زکی عبدالبر، ڈاکٹر نزیہ کمال حماد، ڈاکٹر رفیق المصری وغیرہ شامل ہیں۔

ناجائز ہونے کی دلیل یہ ہے کہ تاخیر پر زیادتی یہ ربا اور سود ہے، اگر چہ کہ ربا میں تاخیر پر زیادتی مشروط ہوتی ہے، یہاں مشروط نہیں ہوتی لیکن زیادتی لی جاتی ہے ضرور۔

اور اللہ عزوجل کا ارشاد گرامی ہے: "**وَإِن تُبْتُمْ فَلَكُمْ رُؤُوسُ أَمْوَالِكُمْ لاَ تَظْلِمُونَ وَلاَ تُظْلَمُونَ**"(۱) اس میں بتایا گیا سود کے طور پر جو اموال دیئے گئے اس کے اصل مال کو تو واپس لیا جاسکتا ہے، سود کی شکل میں منافع واپس نہیں لئے جاسکتے۔

اور چونکہ حدیث میں فرمایا گیا: "**لي الواجد يحل عرضه وعقوبته**" یعنی تاخیر کی وجہ سے مقروض کو پیش کیا جائے گا اور اس کو سزا دی جائے گی، "**يحل ماله**" اس کی وجہ سے اس کا مال حلال ہوجائے گا ایسے نہیں کہا گیا۔

اس کے علاوہ قرض میں تاخیر کا یہ مسئلہ اس دور کا جدید مسئلہ نہیں ہے، بلکہ اس قسم کی تاخیر دور رسول اور بعد کے ادوار میں بھی ہوا کرتی تھی، لیکن کہیں احادیث میں تعویض

---

(۱) البقرة:۲۷۹

مالی کا حکم موجود نہیں ہے نہ صحابہ اور تابعین سے تعویض مالی کے سلسلہ میں احکام مذکور ہیں۔

اور تاخیر پر تعویض مالی میں ایک قسم کا ربا ہے اور ربا حرام ہے اور اگر تاخیر میں تعویض مالی کو جائز کہتے ہیں تو پھر سود کا دروازہ کھل جائے گا۔

اس لئے اس حوالہ سے راجح قول یہی ہے کہ قرض کی ادائیگی میں تاخیر پر تعویض مالی کو جائز قرار نہ دیا جائے۔

تقاضے سے بچنے کے لئے موبائیل بند کرنا

قرض کی ادائیگی میں ٹال مٹول کرنا شرعاً ظلم ہے، اس کے لئے جو بھی طریقہ اختیار کیا جائے گا وہ درست ہوگا، لہٰذا قرض خواہ کو پریشان کرنے کی غرض سے موبائیل کو اس طرح سیٹ کرنا کہ قرض خواہ کا رابطہ نہ ہوسکے، درست نہیں ہے، اگر مہلت کی ضرورت ہے تو صاحب معاملہ سے پوری بات کر کے مہلت حاصل کرلے۔(۱)

❁❁❁❁❁❁❁

(۱) از مفتی سلمان منصور پوری، ندائے شاہی، ص: ۲۰، ستمبر، ۲۰۰۶ء، بحوالہ قرض سے احتیاط کیجئے، ۹۲، حضرت مولانا اعجاز احمد صاحب گوپا گنجی، مکتبۃ البلاغ، دیوبند سہارنپور۔

قرض دینے کے آداب واحکام

مطالبہ قرض کا طریقہ

اسلام نے صاحب حق یعنی قرض خواہ سے مطالبہ کیا ہے کہ وہ قرض کے مطالبہ کے حوالے سے نرمی سہولت سے کام لے،قرض دار پر تنگی نہ کرے، تا کہ دلوں کی صفائی اور اخوت ایمانی باقی و برقرار رہے، چونکہ سہولت کے ساتھ قرض کے مطالبہ کی وجہ سے قرض دار کے دل میں قرض خواہ کے تعلق سے بہی خواہی پیدا ہوگی۔

اللہ عز وجل کا ارشاد گرامی قرض خواہ کو مطالبہ میں نرمی اختیار کرنے کے حوالے سے ہے:

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اتَّقُوا اللهَ وَذَرُوْا مَا بَقِيَ مِنَ الرِّبَا إِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ" (١)

اگر کوئی شخص اپنے بھائی کو معاف کرتا ہے، معروف اور بھلے طریقے سے اس کی پیروی کرنا اور بہترین طریقے سے ادائیگی کرنا ہے۔

علامہ قرطبی رحمہ اللہ کہتے ہیں:

"هذه الآية حض من الله تعالى على حسن الاقتضاء من الطالب وحسن القضاء من المؤدى" (٢)

---

(١) البقرة:١٧٨

(٢) الجامع لأحكام القرآن:٢/٢٥٥

اس آیت میں اللہ تبارک وتعالی نے قرض خواہ سے بہترین طریقے
سے مطالبہ اور مقروض کو بہترین طریقے سے ادائیگی کی تعلیم دی ہے۔

مقروض کو مہلت دینا

مقروض کو اداء دین کے لئے اس قدر مہلت دی جائے کہ وہ بآسانی ، بغیر کسی مشقت کے قرض کی ادائیگی کر سکے، یعنی اگر کوئی شخص ادائیگی دین پر قدرت رکھتا ہے، لیکن اس کے حوالے سے کلفت اور مشقت ہو سکتی ہے تو اس کو ادائیگی دین کے لئے تاخیر اور مہلت دی جائے گی۔

یعنی مقروض قرض کی ادائیگی کی فی الحال پوزیشن میں نہیں ہے، تو قرض خواہ مطالبہ میں مہلت سے کام لے، حضرت جابر بن عبداللہ ﷛ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا" رَحِمَ اللهُ امْرًا سَمْحًا إِذَا بَاعَ وَإِذَا اشْتَرٰى وَإِذَا اقْتَضٰى "(۱)
''اللہ عز وجل خرید وفروخت اور مطالبہ میں چشم پوشی سے کام لینے والے پر رحم کرے''۔

اور ایک روایت میں ہے:

جابر بن عبداللہ ﷛ روایت کرتے ہیں کہ ان کے والد جنگ احد میں شہید ہوئے اور ان پر قرض تھا، تو قرض خواہوں نے اپنے حقوق کے تقاضا میں سختی برتی، میں نبی ﷺ کے پاس آیا تو نبی ﷺ نے ان قرض خواہوں سے فرمایا کہ میرے باغ کا پھل لے لیں اور میرے والد کا باقی قرض معاف کردیں، لیکن ان لوگوں نے انکار کیا تو آپ ﷺ نے میرا باغ ان لوگوں کو نہ دیا اور مجھ سے فرمایا کہ ہم تمہارے پاس صبح کے وقت آئیں گے، جب صبح کو آپ ﷺ تشریف لائے، تو باغ میں گھومے اور پھل میں برکت کی دعا کی پھر میں نے ان پھلوں کو کاٹ لیا اور ان کا سارا قرض ادا کر دیا اور میرے پاس کچھ کھجوریں بچ گئیں۔

---

(۱) بخاری: کتاب البیوع، باب السهولة والسماحة فی الشراء والبیع، حدیث نمبر: ۲۰۷۶

معینہ مدت پوری ہونے پہلے جبراوصولیابی

مقروض کے افلاس کی حالت میں اس کو قرض کی واپسی پر مجبور کرنا جائز نہیں۔(۱)

قرض میں تخفیف کرنا

قرض خواہ کو قرض کے مطالبے میں تخفیف اور آسانی کرنا مستحب ہے، اگر مقروض بالکل محتاج ہو یا وہ کماحقہ اداءقرض کے اہلیت نہ رکھتا ہو تو کچھ تخفیف کرے۔

نبی کریم ﷺ نے صاحب حق کو دین میں وضع (کمی) کرنے پر ابھارا ہے، اس حوالہ سے حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے:

> ''روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا تم سے پہلے لوگوں میں سے ایک آدمی کی روح سے فرشتوں نے ملاقات کی تو انہوں نے کہا کیا تو نے کوئی نیک عمل کیا ہے اس نے کہا نہیں انہوں نے کہا یاد کر اس نے کہا میں لوگوں کو قرض دیتا تو اپنے جوانوں کو حکم دیتا کہ تنگ دست کو مہلت دو اور مالدار سے درگزر کرو اللہ تبارک وتعالی نے فرشتوں سے فرمایا تم بھی اس سے درگزر کرو'' **قال اللہ عز وجل:**
> **"تجوّزُوْا عَنْہُ"** (۲)

اگر وہ شخص مالدار ہے، لیکن مال کے موجود نہ ہونے یا دیگر وجوہات سے وہ ادائیگی پر قادر نہیں ہے تو قادر ہونے تک کے لئے موخر کرنا درست ہے، مالدار کی تاخیر کا مطلب یہ ہے کہ بغیر عذر کے ادائیگی کو موخر کرے۔

حضرت عمران بن حصین رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے ارشاد

---

(۱) احسن الفتاوی: ۱۷۶/۷، بحوالہ قرض سے احتیاط کیجئے، ۱۳۶، حضرت مولانا اعجاز احمد صاحب گوپا گنجی، مکتبۃ البلاغ، دیوبند سہارنپور۔

(۲) بخاری، کتاب الاستقراض، باب التقاضی، حدیث نمبر: ۲۳۹۱

فرمایا: جس کا کسی شخص پر کوئی حق ہو پس وہ اس کو مہلت دیدے تو مہلت دینے والے کو ہر دن کے بدلے صدق کرنے کا ثواب ملے گا۔(۱)

حضرت بریدہ ﷛ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جس نے کسی تنگ دست کو مہلت دے دی تو اس کے لئے لئے روزانہ صدقہ کرنے کا ثواب ملے گا اور جس نے متعینہ مدت پوری ہوجانے کے بعد پھر مہلت دے دی تو اب اس کو ہر دن اتنی رقم صدقہ کرنے کا ثواب ملے گا۔"**ومن أنظره بعد حله كان له مثله، في كل يوم صدقة**"(۲)

مہلت دینے یا معاف کرنے والے کو عرش کا سایہ

حضرت ابوالیسر ﷛ فرماتے ہیں کہ میں نے نبی کریم ﷺ کو فرماتے ہوئے سنا ہے کہ جو کسی تنگ دست کو مہلت دے دے یا اس سم قرض کی رقم سب یا کچھ معاف کردے تو اللہ تعالیٰ اس کو اپنے عرش کے سایہ میں جگہ دیں گے"**من أنظر معسرا أو وضع عنه أظله الله في ظله**"(۳)

قیامت کی پریشانیوں سے نجات

حضرت عبداللہ بن ابوقتادہ ﷛ سے روایت ہے کہ ابوقتادہ رضی اللہ عنہ نے اپنے ایک قرض دار سے قرض کا مطالبہ کیا تو وہ ان سے چھپ گیا پھر اسے ملے تو اس نے کہا میں تنگ دست ہوں اب قتادہ نے کہا اللہ کی قسم! اس نے کہا اللہ کی قسم! ابوقتادہ نے کہا میں نے رسول اللہ (ﷺ) سے سنا آپ ﷺ فرماتے تھے جس کو یہ پسند ہو کہ اللہ اسے قیامت کے دن کی سختیوں سے نجات دے تو چاہئے کہ وہ مفلس کو مہلت دے یا اسے معاف کردے۔

---

(۱) مسند احمد، حدیث عمران بن حصین، حدیث: ۱۹۹۷۷، اس کی سند ضعیف ہے۔

(۲) ابن ماجه: باب إنظار المعسر، حدیث: ۲۴۱۸، اس کی سند صحیح ہے۔

(۳) مسلم: حدیث جابر الطویل، حدیث: ۳۰۰۶۔

"من سره أن ينجيه الله من كرب يوم القيامة، فلينفس عن معسر أو يضع عنه" (۱)

حضرت کعب بن مالک ؓ نے آدھا قرض چھوڑ دیا: عبداللہ بن کعب بن مالک، حضرت کعب (رض) روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے مسجد میں ابن ابی حدرد سے اس قرض کا تقاضا کیا جوان پر تھا، (اس تقاضا میں) دونوں کی آوازیں بلند ہوگئیں، کہ اسے رسول اللہ (ﷺ) نے بھی اپنے گھر میں سنا، آپ ان کے قریب اپنے حجرہ کا پردہ الٹ کر تشریف لائے اور آواز دی کہ اے کعب! انہوں نے عرض کیا، لبیک یارسول اللہ ﷺ آپ نے فرمایا کہ تم اپنے اس قرض سے کچھ کم کردو اور اس کی طرف اشارہ کیا، یعنی نصف (کم کردو) کعب نے کہا کہ یارسول اللہ ﷺ میں نے کم کردیا، آپ نے (ابن ابی حدرد سے) فرمایا کہ اٹھ اور اس (باقی) کو ادا کردے۔ "قم فاقضه" (۲)

حضرت عثمان غنی ؓ کا پچاس ہزار درہم معاف کرنا

حضرت طلحہ بن عبیداللہ الفیاض صحابی مشہور سخی لوگوں میں سے ہیں، ان کے ذمہ ایک مرتبہ حضرت عثمان ؓ کے پچاس ہزار روپیہ قرض ہوگئے تھے، حضرت عثمان ؓ مسجد میں تشریف لے جارہے تھے، راستہ میں ملے، انہوں نے عرض کیا کہ میرے پاس درہم اس وقت آگئے ہیں، آپ کا قرض ادا کرنا چاہتا ہوں، حضرت عثمان غنی ؓ نے فرمایا کہ بس وہ تمہاری ہی نذر ہیں، تمہارے ذمہ لوگوں کے اخراجات بہت رہتے ہیں۔ (۳)

حضرت عبداللہ بن جعفر ؓ قرض معاف کرنا

حضرت عبد اللہ بن زبیر ؓ کہتے ہیں کہ میں نے ایک مرتبہ عبد اللہ بن

(۲) صحيح مسلم: باب فضل إنظار المسلم، حدیث: ۱۵۶۳۔
(۲) سنن ابن ماجه، باب الحبس في الدين، حدیث: ۲۴۲۹، البانی اس کو صحیح کہا ہے۔
(۳) فضائل صدقات: ۵۲۱، بحوالہ قرض سے احتیاط کیجئے، ۸۳، حضرت مولانا اعجاز احمد صاحب گوپا گنجی، مکتبۃ البلاغ، دیوبند سہارنپور۔

جعفر رضی اللہ عنہ سے کہا کہ میرے والد کے قرضے کی فہرست میں تمہارے ذمے دس لاکھ لکھے ہیں، ایک دوسری روایت میں ہے چار لاکھ ہے۔(۱)

کہنے لگے جب چاہو لے لو، اس کے بعد معلوم ہوا کہ مجھ سے غلطی ہوئی، میں دوبارہ گیا، میں نے کہا کہ وہ تو تمہارے ان کے ذمہ ہیں، کہنے لگے کہ میں نے معاف کردیا، میں نے کہا: میں معاف نہیں کرتا، کہنے لگے: جب تمہیں سہولت ہو دے دینا، میں نے کہا: اس کے بدلے میں زمین لے لو، غنیمت کے مال میں زمین بہت سے آئی ہوئی تھی، عبداللہ بن جعفر رضی اللہ عنہ نے کہا کہ اچھا، (عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ) میں نے ان کو ایک زمین دے دی جو معمولی حیثیت کی تھی، پانی وغیرہ بھی اس میں نہیں تھا، انہوں نے فوراً قبول کرلی، اور غلام سے کہا کہ اس زمین میں مصلی بچھادے، اس نے مصلی بچھادیا، دورکعت نماز وہاں پڑھی، اور بہت دیر تک سجدے میں پڑے رہے، نماز سے فارغ ہوکر غلام سے کہا کہ جگہ کو کھودو، اس نے کھودنا شروع کیا، ایک پانی کا چشمہ وہاں سے ابلنے لگا۔(۲)

امام اعظم رحمہ اللہ کے مقروض مجوسی کا مسلمان ہونا

امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کا ایک مجوسی پر کچھ قرض ہوگیا تھا، ایک روز امام صاحب اس مجوسی کے گھر مطالبہ کے لئے گئے، جب اس کے مکان کے دروازے کے قریب پہنچے تو امام صاحب کی جوتی کو اتفاقاً کچھ نجاست لگ گئی، آپ نے اس نجاست کو دور کرنے کی غرض سے اسے جھاڑ دیا تو انجاست اُڑ کر مجوسی مذکور کی دیوار سے لگ گئی، اس صورت حال سے امام صاحب بڑے رنجیدہ اور حیران ہوئے اور دل میں کہا کہ اگر میں اس نجاست کو اسی طرح رہنے دیتا ہوں تو یہ دیوار قبیح ہوجائے گی اور اگر اس کو کریدتا ہو تو اس

---

(۱) حکایات صحابہ: ۳۷۔

(۲) اسد الغابۃ:، حکایات صحابہ: ۳۷، بحوالہ قرض سے احتیاط کیجئے، ۶۵، حضرت مولانا اعجاز احمد صاحب گوپا گنجی، مکتبۃ البلاغ، دیوبند سہارنپور۔

سے دیوار کی مٹی گر پڑے گی، اوراس سے مالک مکان کو نقصان ہوگا، چنانچہ آپ نے مجوسی کے مکان کو کھٹکھایا، جس پر ایک لونڈی باہر آئی، آپ نے اس سے کہا کہ اپنے مالک وخبر کردے کہ ابوحنیفہ رحمہ اللہ دروازے پر کھڑا ہے، لونڈی کے کہنے پر مجوسی گھر سے باہر نکلا اوراس نے یہ خیال کر کے کہ شاید مجھ سے اپنے مال کا مطالبہ کریں گے، عذر کرنا شروع کردیا، آپ نے اس سے دیوار کی نجاست کا قضیہ بیان کر کے فرمایا کہ اب کوئی ایسی تدبیر بتاؤ کہ کہ تمہاری دیوار صاف ہوجائے، مجوسی نے امام صاحب کا یہ ورع وتقوی اور زہداور کمالِ احتیاط دیکھ اسلام قبول کرلیا۔(۱)

(۱) تفسیر کبیر آیت مالک یوم الدین، ،امام اعظم ابوحنیفہؒ کے حیرت انگیز واقعات: ۶۳، بحوالہ قرض سے احتیاط کیجئے ،۸۹، حضرت مولانا اعجاز احمد صاحب گوپا گنجی، مکتبۃ البلاغ، دیوبند سہارنپور۔

زمینات ومکانات کی زکوۃ

زمینات اورمکانات کی زکاۃ کے سلسلے میں اولا پانچ صورتیں ہوسکتی ہیں۔

(۱) ذاتی مکان بنانے کے لئے زمین خریدے یا ذاتی رہائش کے لئے مکان خریدے تواس صورت میں اس پر بالاجماع زکاۃ واجب نہیں۔

جمہور اہل علم رہائش کے لئے تیارشدہ زمین پرزکاۃ کے وجوب کے قائل نہیں ہیں۔

اس لئے کہ ابوہریرۃ ﷺ کی حدیث ہے "لَيۡسَ عَلَي الۡمسۡلِمِ فِيۡ عَبۡدِهٖ وَلَا فَرۡسِهٖ صَدَقَةٌ" (۱) مسلمان پراس کے غلام اورنہ ہی اس کے گھوڑے میں صدقہ ہے۔

اس حدیث سے پتہ چلا استعمال میں موجودچیزوں پرزکاۃ واجب نہیں، اسی میں سے رہائش کے گھر ہیں۔اور چونکہ زمین کورہائش کے لئے استعمال کیا جاتا ہےتو وہ مال غیرنامی ہوجاتا ہے، زکاۃ مال نامی (بڑھنے والے مال) میں واجب ہوتی ہے۔

۱- تواس میں مالکِ زمین کارہائشی گھر ہے۔

۲- یاایسا گھرہے جس کومالک نے کسی کوبغیرکسی منفعت کے دیا ہوا ہے۔

۳- رہائش کے لئے تیارکردہ زمین جس میں مالک کے رہنے کاارادہ ہے، گرچہ اس پرتعمیرنہیں ہوئی ہے۔

۴- جوگھراستعمال کے لئے بنایا گیا ہو، گرچہ اس میں نہ رہتا ہوجب تک کہ اس گھر

---

(۱) صحیح مسلم، باب لا زکاۃ علي المسلم فی عبدہ وفرسہ، حدیث:۹۸۲

کے تجارت کا ارادہ نہ کرلے اس میں زکاۃ واجب نہ ہوگی۔

اس حوالہ سے کتاب الفتاوی میں ہے: مکان خریدتے وقت چونکہ نیت رہائش کی تھی تجارت کی نہ تھی؛ اس لئے اس مکان میں کوئی زکاۃ واجب نہیں ہوگی؛ کیونہ اس کا شمار مالِ تجارت میں نہیں ہے، مالِ تجارت وہ ہے جسے خریدتے وقت ہی بیچنے کی نیت سے خریدلیا جائے، ہاں مکان بیچنے کے بعد دوسرے اموال زکاۃ کے ساتھ ان پیسوں کی بھی زکاۃ ادا کرنی ہوگی بشرطیکہ جس تاریخ کو وہ صاحب نصاب ہوا تھا، اس تاریخ سے وہ رقم موجود رہے(۱) یہی بات فتاوی قاسمیہ میں ہے کہ زمین پر زکاۃ واجب نہیں ہے، اگرچہ یہ نیت کیوں نہ کی ہو کہ جب نفع ملے گا تو بیچ دیں گے، جب تک بیچے گا زکاۃ نہیں، (۲) یہی بات کتاب النوازل (۳) میں ہے۔

"عن نافع عن ابن عمر قال: لیس فی العروض زکاۃ، إلا عرض فی تجارۃ فإن فیہ زکاۃ" (۴)

وتشترط نیۃ التجارۃ فی العروض ولا بد أن تکون مقارنۃ للتجارۃ فلو کان اشتری شیئا لنفسہ ناویا أنہ إن وجد ربحا باعہ لا زکاۃ علیہ" (۵)

(۲) اگر پلاٹ اس نیت سے خریدا کہ اگر موقع ہوا تو اس پر رہائش کے لئے مکان بنالیں، یا موقع ہوگا تو اس کو کرایہ پر دیں گے یا کبھی موقع ہوگا تو اس کو فروخت کردیں گے، کوئی ایک واضح نیت نہیں ہے، بلکہ ویسے ہی خرید کر ڈال دیا ہے،

---

(۱) الفتاوی الہندیہ: ۱/۱۶۷

(۲) فتاوی قاسمیہ: ۱۰/۴۶۱

(۳) کتاب النوازل: ۶/۵۰۰

(۴) المصنف لابن ابی شیبۃ، کتاب الزکاۃ، ماقالوا: فی المتاع یکون عند الرجل یحول علیہ الحول، مؤسسۃ علوم القرآن، حدیث: ۱۰۵۶

(۵) الاشباہ قدیم: ۳۸

اب اس میں یہ بھی احتمال ہے کہ آئندہ کسی وقت اس کو مکان بنا کر وہاں رہائش اختیار کرلیں گے اور یہ احتمال بھی ہے کہ کرایہ پر دیں گے اور یہ احتمال بھی ہے کہ فروخت کردیں گے تو اس صورت میں اس پلاٹ پر زکاۃ واجب نہیں ہے۔

اسی کو فتاوی قاسمیہ میں یوں کہا گیا ہے: جب خریداری کے وقت زمین کو فروخت کرنے کا ارادہ نہیں تھا؛ بلکہ اپنی کسی بھی ضرورت میں لانے کا ارادہ تھا، دوکان بنانے یا رہائشی مکان بنانے یا کرایہ پر دینے کا ارادہ رہا ہو، ان تمام صورتوں میں زکاۃ واجب نہیں، ہاں البتہ آئندہ جب اس زمین کو فروخت کر کے نقد پیسہ ہاتھ میں آجائے گا تو اس پیسہ پر زکاۃ واجب ہوسکتی ہے۔

عن ابن عمر رضی الله عنه قال: لیس فی العروض زكاة إلا ما كان للتجارة (۱)

قالوا وتشترط نية التجارة فی العروض ،ولا بد أن تكون مقارنة للتجارة فلو اشترى شيئا لنفسه ناويا أنه إن وجد ربحا باعه لا زكاة عليه"(۲)

(۳) مالِ تجارت میں ہر وہ چیز شامل ہے جس کو آدمی بیچنے کی غرض سے خریدا؛ لہٰذا اگر کسی شخص نے بیچنے کی غرض سے کوئی پلاٹ خریدا یا زمین یا کوئی مکان خریدا اور اس مقصد سے خرید کہ اس کو بیچ کر نفع کماؤں گا، تو یہ سب چیزیں مالِ تجارت میں داخل ہیں؛ لہٰذا اگر کوئی پلاٹ کوئی زمین، کوئی مکان خریدتے وقت شروع ہی میں یہ نیت تھی کہ میں اس کو فروخت کروں گا، تو اس کی مالیت پر زکوۃ واجب ہے، بہت سے لوگ انویسٹمنٹ کی غرض سے پلاٹ خرید لیتے ہیں اور شروع ہی

---

(۱) السنن الكبرى للبيهقى، كتاب الزكاة، باب زكاة التجارة، حدیث: ۶/ ۶۴، دار الفكر، بيروت

(۲) الاشباه والنظائر، زکریا: ۷۹، الرد المحتار، کتاب الزکاۃ، قبیل باب الدائم، زکریا دیوبند: ۳/ ۱۹۵۔ بحوالہ فتاوی قاسمیہ: ۱۰/ ۲۹/ ۴۲، اشرفی بک ڈپو، دیوبند

سے یہ نیت ہوتی ہے کہ جب اس پر اچھے پیسے ملیں گے تو اس کو فروخت کردوں گا اور فروخت کر کے اس سے نفع کماؤں گا، تو اس پلاٹ کی مالیت پر بھی زکوۃ واجب ہے۔

چنانچہ فتاوی قاسمیہ میں ہے: اگر بیچنے کے ارادہ سے زمین یا مکان خریدا ہے تو یہ زمین تجارتی سرمایہ کے حکم میں ہے، لہٰذا اس زمین یا مکان کی قیمت پر ہر سال کی یقینی قیمت کے حساب سے ہر سال زکاۃ کا نکالنا لازم اور ضروری ہے۔

عن سمرہ بن جندب قال: أما بعد! فإن رسول اللہ صلی اللہ علیہ سولم کان یأمرنا أن نخرج الصدقة من الذی نعد للبیع"(۱)

الزکاۃ واجبة فی عروض التجارة کائنة ما کانت إذا بلغت قیمتها نصابا من الورق والذهب"(۲)

(۴) کسی نے زمین مکان بنانے کے لئے یا مکان رہنے کے لئے خریدا پھر کچھ حالات ایسے ہوگئے کہ اب اس زمین پر مکان بنانے کا ارادہ نہیں ہے؛ بلکہ اس کو فروخت کرنے کا ارادہ ہے تو اس زمین کی قیمت پر اس وقت تک زکاۃ واجب نہیں ہے جب تک کہ اس کو فروخت کر کے پیسہ کی شکل میں اس کی قیمت ملکیت میں نہ آجائے۔

چنانچہ یہی بات فتاوی قاسمیہ میں ہے: جو زمین مکان بنانے کے لئے خریدی گئی ہو اور بعد میں اس زمین پر مکان بنانے کا ارادہ نہیں ہے بلکہ اس کو فروخت کرنے کا ارادہ ہو تو اس زمین کی قیمت پر اس وقت تک زکاۃ وجب نہیں جب تک اس کو فروخت کر کے

---

(۱) سنن أبی داؤد: الزکاة، العروض إذا کانت للتجارة هل فیها من زکاة، حدیث: ۱۵۶۲

(۲) الفتاوی الهندیة، کتاب الزکاة، الباب الثالث ،الفصل الثانی فی العروض، زکریا: ۲۴۱/۱، بحوالہ فتاوی قاسمیہ: ۴۳۰/۱۰، اشرفی بک ڈپو، دیوبند

پیسہ کی شکل میں اس کی قیمت ملکیت میں نہ آجائے۔

عن نافع عن ابن عمر قال: ليس في العروض زكاة، إلا ما كان للتجارة (۱)

فتاوی شامی ہے:

ولوى نوى التجارة بعد العقد، أو اشترى شيئا للقنية، ناويا أنه إن وجد ربحا باعه لا زكاة عليه ... وفي الشاميه ولو نوى... وشرط مقارنتها العقد التجارة (۲)

اور ہدایہ میں ہے:

أما إذا كانت النية بعد الملك فلا بد من اقتران عمل التجارة بينة لأن مجرد النية لا يعمل (۳)

(۵) تجارت کی نیت سے خریدے، پھر اس زمین یا مکان میں بعد میں استعمال اور رہائش کا ارادہ ہوا تو اس میں زکاۃ واجب نہیں۔

فتاوی قاسمیہ وغیرہ میں ہے:

''اگر پلاٹ کو خریدتے وقت تجارت کی نیت تھی، اس کی قیمت بھی نصاب کے بقدر ہے؛ لیکن بعد میں جب ارادہ بدل گیا، اب اس پلاٹ پر رہائشی مکان بنانا چاہتا ہے تو ایسی صورت میں اس پلاٹ کی زکاۃ مالک پر واجب نہیں ہے، یعنی جس دن سے مکان بنانے کا پکا ارادہ کرلیا ہے اور بیچنے کا ارادہ ختم کردیا ہے، اس دن سے وہ پلاٹ مال تجارت نہیں ہے''

---

(۱) السنن الكبرى للبيهقي، كتاب الزكاة، باب زكاة التجارة، حدیث: ۷۶۹۸

(۲) الدر مع الرد، كتاب الزكاة، قبيل باب السوائم، زكريا ديوبند: ۳/ ۱۹۵

(۳) هداية، كتاب الزكاة، فصل في العروض، اشرفيه ديوبند: ۱/ ۱۷۵، بحوالہ فتاوی قاسمیہ: ۱۰/ ۹۴۴، اشرفی بک ڈپو، دیوبند

اور ایک جگہ فرماتے ہیں: جس شخص نے تجارت کی نیت سے پلاٹ خریدا، پھر ارادہ بدل گیا اس میں مکان بنانا ہے تو اب اس پر زکاۃ واجب نہیں ہوگی۔

من اشترى جارية للتجارة ونواها للخدمة بطلت عنها الزكاة لاتصال النية بالعمل" (۱)

لو كان عبد للتجارة ينوى أن يكون للخدمة بطل عنه الزكاة بمجرد النية" (۲)

مسئلہ نمبر (۱) فلیٹ اور بلڈنگ کے خریداروں کی پیشگی رقم پر زکوۃ

زکوۃ کے وجوب کے لئے ملکیت تامہ لازم اور شرط ہے، اگر ملکیت تامہ حاصل نہیں ہے تو زکوۃ واجب نہیں ہوئی اور ملکیت تامہ کے لئے دو چیزیں لازم ہیں (۱) قبضہ (۲) ملکیت، لہٰذا اگر ان دونوں میں سے ایک بھی موجود نہ ہو تو زکوۃ واجب نہیں ہوگی، مثلاً ملکیت ہے مگر قبضہ نہیں، یا قبضہ ہے ملکیت نہیں تو زکوۃ واجب نہیں؛ لہٰذا خریداروں کی پیشگی رقم جو حاصل ہوئی ہے اس پر اس وقت تک ملکیت تامہ حاصل نہیں ہوتی جب تک فلیٹ تیار کر کے خریداروں کو قبضہ نہ دے دیا جائے؛ لہٰذا خریداروں کو فلیٹ پر قبضہ دینے سے پہلے پہلے اس کی زمین اور مالیت کی زکوۃ بلڈروں پر لازم ہے، جب بلڈروں نے فلیٹ کی زمین اور مالیت کی زکوۃ خریداروں کو قبضہ دینے سے پہلے پہلے ادا کردی تو خریداروں کی طرف سے جو پیشگی رقم ملی ہوئی ہے، اس کی زکاۃ بلڈروں پر لازم ہے؛ اس لئے کہ پیشگلی رقم کے مقابلہ میں فلیٹ کی جو مالیت بیٹھتی ہے اس کی زکوۃ بلڈروں نے ادا کردی ہے اور اگر بلڈر پیشگی قبضہ کی ہوئی رقم کی زکاۃ ادا کردیں گے تو فلیٹ کی زمین

---

(۱) فتاوى الهندية، كتاب الزكاة، الباب الأول فى تفسيرها وصفتها وشرائطها: زكريا: ۱/۱۷۴

(۲) التاتارخانية، كتاب الزكاة، الفصل الثالث، زكاة عروض التجارة، زكريا ديوبند: ۱۶۶/۳، فتاوی قاسمیہ: ۴۶۵/۱۰

اور مالیت میں سے اتنی کی زکوۃ ادا کرنا بلڈروں پر لازم نہ ہوگی۔

ومنها الملک التام هو ما اجتمع فيه الملک واليد (إلى قوله) وجد اليد دون الملک کملک المکاتب والمديون لا تجب فيه الزکاة (۱)

مسئلہ نمبر (۲) زیر تعمیر عمارت یا ناقص عمارت پر زکوۃ ہے

جو مکان مکمل تعمیر ہو چکا ہے، اس کی زکاۃ اس کی مکمل قیمت کے حساب سے نکالی جائے گی اور جو مکان ناقص تعمیر ہوا ہے اس کی زکاۃ اس کی ناقص قیمت کے حساب سے نکالی جائے گی۔

عن ابن جريج قال: سمعت أنا أنها قيمة العروض يوم تخرج زکاته (۲)

مسئلہ نمبر (۳)۔ کونسی قیمت کا اعتبار کیا جائے؟

اموال زکوۃ میں اداء زکوۃ کے لئے چار قسم کے نرخ سامنے آتے ہیں

۱) حضرت امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے نزدیک جس دن سال ختم ہونیکی وجہ سے زکوۃ ادا کرنا واجب ہوا ہے، اگر اسی روز زکوۃ ادا نہیں کی ہے اور پھر بھاؤ میں گھٹاؤ بڑھاؤ ہو جائے تو حولان حول کے دن جو بھاؤ عمومی طور پر پایا جاتا تھا اسی بھاؤ کا اعتبار کرتے ہوئے زکوۃ ادا کرنا لازم ہوگا۔

عند ابی حنيفة فی الزيادة والنقصان جميعا يؤدی قيمتها يوم الحول" (۳)

حضرت امام حنیفہ رحمہ اللہ کے نزدیک حولان حول کے بعد اگر زکوۃ ادا

---

(۱) هنديه، کتاب الزکاة، الباب الأول فی تفسيرها وصفتها وشرائطها زکريا: ۱/ ۲۳۳، بحوالہ فتاوی قاسمیہ: ۱۰/ ۴۳۷

(۲) منصف عبد الزراق، الزکاة، باب الزکاة من العروض، حدیث: ۷۱۰۵، بحوالہ فتاوی قاسمیہ: ۱۰/ ۴۵۸-۴۵۹

(۳) بدائع الصنائع: کتاب الزکاة، فصل التصرف فی مال الزکاة، زکریا دیوبند: ۲/ ۱۱۵

نہیں کی ہے، اور مال کے بھاؤ میں گھٹاؤ بڑھاؤ ہوجائے تو جب بھی ادکریگا حولان حول کے دن کے بھائی کا اعتبار کر کے ادا کرے گا۔

۲) حضرت امام یوسف ﷫ ومحمد ﷫ کے نزدیک اگر یوم الحول میں زکوۃ ادانہیں کی ہےتو وقت گذر جانے کے بعد جس دن بھی اس کی ادا کی جائیگی، اسی دن کی قوت خرید کے نرخ کا اعتبار کر کے زکوۃ ادا کرنا لازم ہوگا؛ لہٰذا اگر بھاؤ گھٹ جائے تو گھٹنے ہوئے کی قیمت لگا کر زکوۃ ادا کی جائے گی اور اگر بڑھ جائے تو بڑھے ہوئے کی قیمت لگا کر ادا کرنا لازم ہوگا۔

وعندهما في الفصلين جميعا يؤدي قيمتها يوم الأداء في النقصان" (إلى قوله) وفي الزيادة الخ (۱)

۳) متوقع قیمت فروخت کا اعتبار کرتے ہوئے زکوۃ ادا کی جائے؛ لیکن یہ ایک امر متردد فیہ ہے، اور زکوۃ مال متعین اور مال یقینی اور ملکیت یقینیہ پر ہی واجب ہوا کرتی ہے، اس لئے متوقع نرخ کا کوئی اعتبار نہ ہوگا۔

۴) رأس المال اور لاگت کی قیمت کے حساب سے زکوۃ ادا کی جائے یہ ایک امر یقینی اور متعین ہے، اگر اس کا اعتبار کیا جائے تو ملکیت تامہ اور ملکیت لازمہ پر زکوۃ ادا کرنا پایا جاتا ہے، اور شریعت اسلامی نے ملکیت لازمہ زکوۃ واجب کی ہے، ملکیت متردد فیہ پر زکوۃ واجب نہیں کی ہے، اس وجہ سے اس شکل کا اعتبار اور بنیاد پر غور کرنے سے اس شکل کی قوت نظر آتی ہے، اس لئے اس صورت کو اگر جائز کہا جائے، تو گنجائش معلوم ہوتی ہے اور کتب فقہ کی عبارات اول الذکر دونوں شکلوں کی مؤید ہیں، لہٰذا حاصل یہ نکلے گا کہ تیسری شکل کے جواز کے دائرے میں آنے کے لئے کسی قسم کی دلیل نہیں ہے، اور چوتھی شکل اصل

---

(۱) بدائع الصنائع: کتاب الزکاۃ، فصل التصرف في مال الزکاۃ، زکریا دیوبند: ۲/۱۱۵

وبنیادوعلت کے لحاظ سے جواز کے دائرے میں آسکتی ہےاوراول ودوم کے لئے کتب فقہ کی صریح عبارات موجودہیں، اس لئے ان تینوں میں سے کسی بھی ایک کو معمول بہ بنایا جاسکتا ہے،مگرحضرت اماابوحنیفہ رحمہ اللہ کےقول کےمطابق یوم الحول کے نرخ کا اعتبار کرنا راجح معلوم ہوتا ہے، اورتجارتی پلاٹ پربھی مذکورہ تفصیل اوراحکام لاگوہوں گے،اورتھوک اورپھٹکرفروخت ہونے والےوالےاموال میں ادازکوۃ میں حسب مناسب قیمت کا اعتبار ہوگا، یعنی اگرتھوک بھاؤ میں فروخت ہونے والے اموال ہیں،توتھوک بھاؤ کی قیمت کا اعتبار ہوگا اور اگر پھٹکر میں فروخت ہونے والےاموال ہیں پھٹکر بھاؤ کی قیمت کا اعتبار ہوگا۔(۱)

استصناع کے لئے دی ہوئی رقم میں زکاۃ

مفتی شبیر صاحب کہتے ہیں پیشگی دی ہوئی رقم بلڈرکوئی ہوئی کہ وہ فلیٹ تیار کر کے خریداروں کو دے تو اس میں زکاۃ واجب نہیں اس لئے کہ زکوۃ کے وجوب کے لئے ملکیت تامہ لازم اورشرط ہے، اورملکیت تامہ یہاں نہیں ہےتو زکاۃ واجب نہیں ہوئی، اورملکیت تامہ کے لئے دو چیزیں لازم ہیں (۱) قبضہ (۲) ملکیت، لہٰذا اگر دونوں میں سےایک بھی موجود نہ ہوتو زکاۃ واجب نہیں ہوگی۔(۲)

فتاوی دارالعلوم زکریا میں ہے:اسی طرح استصناع کی صورت میں بھی مشتری نے گویامالک زمین کودس منزلہ میں پانچوی،مشتری کے لئے بنانے کا آڈر دیااورفلیٹ کامالک اس کوبناکرحوالہ کرے گا،تویہ ایساہےجیسے کسی کومیز یاپیالہ یاالماری کے لئےآڈردیاجائے اور قیمت دے دی جائے توثمن مشتری کی ملکیت سےنکل گیا؛لہٰذااس کی زکاۃ زمین کے مالک پرہوگی ہاں اس استصناع کاعرف متقدمین کےزمانے میں نہیں اوراب ہے۔(۳)

---

(۱) فتاوی قاسمیہ:۱۰/۴۴۰

(۲) فتاوی قاسمیہ:۱۰/۴۳۸

(۳) فتاوی زکریا:۳/۱۴۹،کتاب الزکاۃ،اموال تجارت کی زکاۃ

تجارتی فلیٹ عارضی طور پر کرایہ پر دینے میں زکاۃ کا حکم

اگر تجارت کی نیت سے کوئی فلیٹ خریدا، پھر مالک نے اسے عارضی طور پر محدود وقت کے لئے کرایہ پر دے دیا، جب کہ فروخت کرنے کی نیت برقرار ہے تو ایسی صورت میں وہ فلیٹ مالِ تجارت ہونے سے نہیں نکلے گا؛ بلکہ بدستور مالِ تجارت باقی رہے گا اور ہر سال اس کی موجود قیمت (مارکیٹ ویلو) کے اعتبار سے زکاۃ لازم ہوگی، شامی میں خانیہ کا درج ذیل جزیہ اس باب میں تقریباً صریح ہے:

"عبد التجارة إذا أراد أن يستخدمه سنتين فاستخدمه فهو للتجارة على حاله إلا أن ينوي أن يخرجه من التجارة ويجعله للخدمة" (۱)

کرایہ پر قبضہ سے پہلے زکاۃ نہیں

عوام کی وہ رقمی جو حکومت کے آہنی پنجوں میں پھنسی ہوئی ہوتی ہیں، وہ ان کمپنیوں کے پاس امانت تھی اور حکومت ان کمپنیوں کو اپنی تحویل میں لے ان عوامی امانتوں پر قبضہ جماتی ہے، اور ایسا مال جس کو حکومت نے اپنی تحویل میں لے لیا ہو، وہ حضرات فقہاء کی اصطلاح میں ''مالِ ضمار'' کہلاتا ہے، اور مال ضمار کی زکاۃ کا حکم یہ ہے کہ جب تک وہ مال دوبارہ وصول نہ ہوجائے اس پر گذشتہ سالوں کی زکوۃ واجب نہیں، اور جب وصول ہوجائے تو مالک اگر پہلے سے صاحب نصاب ہے تو جب اس کے نصاب پر سال پورا ہوگا، اس وقت اس رقم پر بھی صرف اسی سال کی زکاۃ واجب ہوگی اور اگر وصول ہونے والی رقم کا مالک پہلے سے صاحب نصاب نہیں تو جب اس رقم پر سال پورا ہوگا تب اس مال کی زکوۃ واجب ہوگی، تاہم اگر کسی کو اس رقوم کی وصولی کا ظن غالب ہو تو ان کو گذشتہ سالوں کی زکاۃ ادا کرنی چاہئے۔

مال ضمار: وہو كل مال ما بقي في ملكه، ولكن زال عن

---

(۱) رد المحتار علی الدر المختار: ۱۹۲/۳، قبل باب السائمة، چند اہم عصری مسائل: ۱۸۵/۲

یده ولا یرجی عوده فی الغالب(۱)

یشترط أن یتمکن من الاستمناء بکون المال فی یده، أو ید نائبه، فإن لم یتمکن من الاستمناء فلا زکاة علیه" (۲)

مولانا خالد سیف اللہ رحمانی صاحب دامت برکاتہم قاموس الفقہ میں فرماتے ہیں:

''ضمار سے مراد ایسا مال ہے جو مالک کی دست و برد میں نہ ہو جیسے گمشدہ سامان، دریا میں گرجانے والی چیزیں، ایسا دین کہ جس سے مقروض انکار کرتا ہو اور کوئی ثبوت نہ ہو، ایسے مال میں زکاۃ واجب نہیں ہوگی، اور ائمہ اربعہ کے اصول پر یہ متفق علیہ رائے ہے'' (۳)

حضرت عمر بن عبد العزیزؒ اور حسن بصریؒ سے منقول ہے کہ ایسے مال میں زکاۃ واجب نہیں۔ ''صاحب ہدایہ نے حضرت علی کی طرف بھی اس کی نسبت کی ہے''۔(۴)

دین کی دو بنیادی قسمیں

حنفیہ کے نزدیک بنیادی طور پر دین کی دو قسمیں ہیں:

۱۔ ایک وہ کہ جن کے وصول ہونے کی توقع ہو، دوسرے وہ جن کے وصول ہونے کی توقع نہ ہو، جس دین کے وصول ہونے کی توقع نہ ہو اگر اتفاق سے وصول ہوجائے تو اس میں گذرے ہوئے دنوں کی زکاۃ واجب نہ ہوگی، بلکہ دین وصول ہونے کے بعد ایک سال گذرنے پر زکوۃ واجب ہوگی، کیوں کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ **"لا زکاة فی الضمار"**(۵) ضمار سے مراد

---

(۱) عالمگیری: ۱/ ۱۷۴، کتاب الزکاة

(۲) عالمگیری: ۱/ ۱۷۴، کتاب الزکاة، الباب الأول فی تفسیرہا وصفتها، ومنها کون النصاب نامیا

(۳) الفقه الاسلامی: ۲/ ۷۴

(۴) آپ کے مسائل اور ان کا حل: ۵/ ۱۲۰، قاموس الفقہ: ۴/ ۱۳۸، کتب خانہ نعیمیہ دیوبند

(۵) هدایه مع الفتح: ۲/ ۱۶۶۔

وہ مال ہے جس کی واپسی کی امید نہ ہو۔(۱)

۲۔ جس دین کے وصول ہونے کی توقع ہو اس کی بھی تین قسمیں ہیں:

دین قوی: سے مراد وہ دین ہے جو بطور قرض دیا گیا ہو، یا سامانِ تجارت کی قیمت ہو (۱) نیز مدیون معاشی اعتبار سے دین ادا کرنے کے لائق ہو اور اپنے ذمہ واجب الاداء دین کا اقرار بھی کرتا ہو۔(۲)

دین وسط: سے مراد غیر تجارتی اموال کی قیمت ہے جیسے رہائشی مکان کی قیمت وصول طلب ہو، ملازمت کی اجرت اور مکان کے کرایہ وغیرہ کو بھی فقہاء نے اسی زمرہ میں رکھا ہے۔(۳)

ان دونوں صورتوں میں دین وصول ہونے کے بعد صاحب مال پر اس پوری مدت کی زکاۃ واجب ہوگی، جس میں وہ رقم مدیون کے پاس تھی، فرق صرف اس قدر ہے کہ دین قوی میں نصاب زکاۃ کا پانچواں حصہ وصول ہونے کے بعد ہی اتنی مقدار کی زکاۃ ادا کرنی ہوگی، دین وسط میں پورا نصاب کے مساوی پیسے ہونے کے بعد ہی زکاۃ واجب ہوگی، امام محمد، قاضی خان اور اکثر اہل علم نے اسی کو ترجیح دی ہے، البتہ امام ابو حنیفہؒ کی ایک روایت کے مطابق دین وسط پر گذرے ہوئے دنوں کی زکاۃ واجب نہیں ہوگیا ور امام کرخیؒ نے اسی کو ترجیح دی ہے، علامہ کاسانیؒ نے بھی اس روایت کو ترجیح دی ہے۔(۴)

دین ضعیف: سے مرواہ وہ دین ہے جو کسی مال کے بدلہ میں نہ ہو، خواہ اس میں اس کے عمل کو دخل جیسے: مہر، اور بدل خلع یا اس کے عمل کو کوئی دخل نہ ہو جیسے میراث، یا وصیت کے ذریعے حاصل ہونے والا دین۔(۵)

---

(۱) فتح القدیر: ۱/ ۱۲۳، قاموس الفقہ: ۴/ ۱۸ ۳، کتب خانہ نعیمیہ دیوبند

(۲) فتح القدیر: ۲/ ۱۲۳

(۳) تاتارخانیہ: ۲/ ۳۹۹

(۴) تاتارخانیہ: ۲/ ۱۰

(۵) فتاوی تاتارخانیہ: ۲/ ۲۹۹، بدائع الصنائع: ۲/ ۱۰

واضح انداز میں اس طرح کیا جاسکتا ہے کہ:

قرض کی زکوۃ سے متعلق اہم قرض تین شکلیں ہوتی ہیں:

۱) وہ دین جو تجارتی مال یا قرض کے طور پر لازم ہے اور مدیون اس قرض کا اقرار بھی کرتا ہے اور مدیون ادائیگی پر قدرت بھی رکھتا ہے اور دائن بآسانی اس کو وصول بھی کرسکتا ہے تو ایسم دین کو دین قوی کیا جاتا ہے اس میں شریعت نے یہ رعایت دی ہے کہ وصول ہونے سے قبل ادا کرنا واجب نہیں ہے، بلکہ حضرت امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے نزدیک جب نصاب کے پانچویں حصہ کے بقدر وصول ہوجائے تو اس وصول شدہ کا چالیسواں حصہ زکوۃ میں ادا کرتا جائے گا، اور حضرت امام ابویوسف رحمہ اللہ وامام محمد رحمہ اللہ کے نزدیک جو کچھ بھی وصول ہوتا دے گا اس کی زکوۃ چالیسواں حصہ کے حساب سے نکالنا واجب ہوگا، امام صاحب کا قول راجح ہے۔

۲) اگر مدیون دَین کا اقرار کردیا ہے مگر مفلس ہونے کی وجہ سے قرض ادا کرنے سے قاصر ہے تو ایسی صورت میں اگر حاکم نے اس کو مفلس تصور کرکے اس پر افلاس کا حکم نہیں لگادیا تو دین متوسط ہونے کی وجہ سے قبضہ ہونے کے بعد گذشتہ سالوں کی بھی دائن پر لازم ہوگا اور اگر حاکم نے افلاس کا حکم لگایا تو مال ضمار اور دین ضعیف ہونے کی وجہ سے قبضہ کرنے گذشتہ سالوں کی زکوۃ امام محمد کے نزدیک دائن پر واجب نہ ہوگا، اس لئے کہ قبضہ سے قبل اس کے وصول پر دائن کو قدرت حاصل نہیں ہے، شیخین کے نزدیک گذشتہ سالوں کی زکوۃ واجب ہے دونوں اقوال کو ترجیح دی گئی ہے۔

۳) دَین کا اقرار کررہا ہے اور اس کے پاس ادا کرنے کے لئے مال بھی ہے، لیکن ٹال مٹول کررہا ہے، اسی میں کئی سال گذر گئے اور دائن کو اُس سے حاصل کرنے پر قدرت بھی نہیں ہے تو ایسی صورت میں گذشتہ سالوں کی زکوۃ واجب نہیں، صرف مستقبل کی زکوۃ واجب ہے۔(۱)

---

(۱) امدادالفتاوی: ۲/ ۵ ۳، فتاوی قاسمیہ: ۱۰/ ۳۶

دفعِ شیاطین کے مسنون طریقے

گھر انسانی کی ضرورت ہے، انسان کے لئے آرام گاہ ہے، یہ اس کی یکسوئی اور تنہائی اور تھکاوٹ کے دور کرنے کا ذریعہ ہے، تھکا ہارا، دن بھر کام کر کے انسان اپنے گھر پہنچتا ہے تو اسے سکون وطمانینت حاصل ہوتی ہے، لیکن ضروری یہ ہے کہ گھر کو شیطان کی آمجگاہ نہ بنایا جائے، گھر کو اللہ کے ذکر وفکر، تلاوت واذکار اور نمازوں کے ذریعے آباد کیا جائے، ورنہ ایسے گھر میں جس میں اللہ کا ذکر نہیں ہوتا، تلاوت قرآن سے جو گھر معمور نہیں ہوتے اور جہاں نمازوں کی ادائیگی کا اہتمام نہیں ہوتا وہ گھر بجائے انسان کی راحت کا سامان بنیں، وہ اس کے لئے عذاب ووبال بن جاتے۔

آیت الکرسی کی فضیلت

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے فرماتے ہیں:

سُوْرَۃُ البَقَرَۃَ فِیْهَا آیَۃٌ سیدۃ آیِ الْقُرْآنِ لَا تُقْرَأُ فِي بَیْتٍ فِیْهِ شَیْطَانٌ إِلَّا خَرَجَ مِنْهُ (۱)

ترجمہ: سورۃ البقرۃ میں ایک ایسی آیت ہے جو قرآن پاک کی سب آیات کی سردار ہے، جس گھر میں شیطان ہو اور وہاں اس کو پڑھا جائے تو شیطان اس گھر سے نکل جائے گا اور وہ آیت الکرسی ہے۔

---

(۱) شعب الایمان، ذکر سورۃ البقرۃ وآل عمران، حدیث: ۲۱۷۱

شیطان گھر میں نہیں آتا

حضرت عبد اللہ بن مسعود ﷛ سے مروی ہے کہ جو شخص سورۃ البقرۃ کی دس آیات رات میں پڑھے گا، اس رات شیطان اس گھر میں داخل نہیں ہوسکتا، چار آیتیں شروع کی ہیں، ایک آیت الکرسی ہے، دو آیتیں اس کے بعد کی ہیں اور تین آیتیں آخر سورت کی ہیں:

لِلّٰهِ مَا فِيْ السَّمَاوَاتِ وَمَا فِيْ الْأَرْضِ وَإِنْ تُبْدُوْا مَا فِيْ أَنْفُسِكُمْ أَوْ تُخْفُوْهُ يُحَاسِبْكُمْ بِهِ اللّٰهُ فَيَغْفِرُ لِمَنْ يَّشَاءُ وَيُعَذِّبُ مَنْ يَّشَاءُ وَاللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ (۱)

حضرت ابودجانہ ﷛ کو جنات کا پریشان کرنا اور حضور ﷺ کا روئے زمین کے جنات کے نام عجیب خط خصائص کبری میں بیہقی سے روایت ہے کہ حضرت ابودجانہ ﷛ فرماتے ہیں: میں نے رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں عرض کیا کہ یارسول اللہ! میں جس وقت بستر پر لیٹتا ہوں تو اپنے گھر میں یکا یک چکی کی سی آواز اور شہد کی مکھی کی بھنبھناہٹ سنتا ہوں اور بجلی کی سی چمک دیکھتا ہوں (ایک دن) جب میں نے گھبرا کر اپنا سر ڈرتے ہوئے اٹھایا تو دفعتاً مجھے ایک سایہ نظر آیا، وہ میرے گھر کے صحن میں لمبا ہوتا جاتا تھا، میں اس کی جانب بڑھا اور اس کی جلد کو ہاتھ لگایا تو اس کی کھال کی کھال کی طرح تھی، اس نے میرے منہ پر آگ کا شعلہ پھینکا جس سے مجھے گمان ہوا کہ وہ مجھے اور میرے گھر کو بھی جلادے گا، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: تیرے گھر میں رہنے والا جن برا ہے، پھر آپ ﷺ نے فرمایا کہ اے ابودجانہ! رب کعبہ کی قسم! کیا تیرے جیسا بھی ایذا دینے کے قابل ہے، پھر آپ ﷺ نے فرمایا کہ دوات اور کاغذ میرے پاس لاؤ، جب یہ سامان آیا تو آپ ﷺ نے قلم اور کاغذ حضرت علی ﷛ کو دیا اور فرمایا کہ لکھو:

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ: هٰذَا كِتَابٌ مِّنْ مُحَمَّدٍ رَّسُوْلِ

---

(۱) البقرۃ: ۲۸۴ سے آخیر تک

اللهِ ربّ العالمين، إلى مَنْ طَرَقَ الدَّارَ مِنَ العُمّارِ، والزُوّارِ والصالحين إلّا طارِقًا يَطْرُقُ بِخَيْرٍ يا رحمنُ، أما بعد: فَإِنَّ لَنَا وَلَكُمْ فِي الحَقّ سَعَةً، فَإِنْ تكُ عَاشِقًا مُوْلِعًا، أَوْ فَاجِرًا مُقْتَحِمًا أَوْ رَاغِبًا حَقًّا مُبْطِلاً، هذا كتابُ اللهِ يَنْطِقُ عَلَيْنَا وَعَلَيْكُمْ بِالْحَقّ، إِنَّا كُنَّا نَسْتَنْسِخُ مَا كُنْتُمْ تعلمُوْنَ وَرُسُلُنَا يَكْتُبُوْنَ مَا تَمْكُرُوْنَ، اُتْرُكُوْا صاحبَ كِتَابِي هٰذَا وَانْطَلِقُوْا إلى عبدةِ الأَصْنَامِ، وَإِلَى مَنْ يَزْعَمُ أَنَّ مع اللهِ إلهًا آخَرَ، لاَ إِلٰهَ إِلاَّ هُوَ كُلُّ شيءٍ هَالِكٌ إِلَّا وَجْهَهُ، لَهُ الحُكْمُ وَإِلَيْهِ تُرْجَعُوْنَ، يغلبون، حم لَا يُنصَرُوْن، حم عسق تَفَرَّقَ أَعداءُ اللهِ، وَبَلَغَتْ حُجَّةُ اللهِ، وَلَا حَوْلَ وَلاَ قُوَّةَ إِلاَّ بِاللهِ فَسَيَكْفِيْكَهُمُ اللهُ وهو السميع العليم (۱)

حضرت ابو دجانہ ﷺ فرماتے ہیں کہ میں اس خط کو اپنے گھر لے آیا اور اس کو اپنے سر کے نیچے رکھ کر سویا، جب میں جاگا تو ایک چلانے والے کی آواز سنی کہ کوئی یوں کہتا ہے: اے ابو دجانہ! قسم ہے لات اور عزی (دو بتوں کے نام) کی! ہم کو ان کلموں نے جلا دیا، تمہیں اپنے نبی کا واسطہ، یہ نامہ مبارک یہاں سے اٹھا لو تو ہم تمہارے گھر کبھی نہیں آئیں گے اور نہ تمہارے ہمسایہ میں، غرض یہ کہ صبح ہوئی اور میں نے نمازِ فجر جناب رسول اللہ ﷺ کے ساتھ پڑھی اور جو کچھ میں نے سنا تھا اس کا ذکر کیا تو آپ ﷺ نے فرمایا: ابو دجانہ! عذاب، (اس خط) کو ان لوگوں سے ہٹا لو، قسم ہے اس ذات کی جس نے مجھے حق دے کر بھیجا! وہ اس کی تکلیف قیامت تک پائیں گے۔

(۱) بیہقی دلائل النبوۃ، ۷/۱۲۰، طب روحانی مولانا ابراہیم دہلوی: ۱۷۸

رات کے وقت گھر کے اعمال

جب کوئی گھر میں داخل ہوتو داخل ہونے کی دعا پڑھے: "**بِسْمِ اللّٰهِ وَلَجْنَا وَعَلَى اللّٰهِ رَبِّنَا تَوَكَّلْنَا**"، پھر سورہ اخلاص، سورۃ الفاتحہ اور درود شریف پڑھے اور گھر والوں کو سلام کرے، حدیث میں آتا ہے کہ جب تو اپنا پہلو بستر پر رکھے (یعنی سونے کے لئے لیٹے) اور سورۃ الفاتحہ اور سورۃ الاخلاص پڑھ لے تو بے شک تو امن میں ہو گیا ہر چیز سے سوائے موت کے۔(۱)

سوتے وقت دونوں ہاتھ ملالے اور "**قل هو الله أحد، قل أعوذ برب الفلق**"، اور "**قل أعوذ برب الناس**" پڑھ کر ان پر دم کرے، پھر جہاں تک ہو سکے ان کو تمام جسم پر پھیرے، سر، چہرہ اور بدن کے سامنے کے حصے سے شروع کرے اس طرح تین مرتبہ کرے۔

جب گھر میں داخل ہوتو یہ دعا پڑھے:

حضرت ابو مالک اشعری رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جب کوئی شخص اپنے گھر میں داخل ہوتو یہ دعا پڑھے:

اَللّٰهُمَّ إِنِّيْ أَسْأَلُكَ خَيْرَ الْمَوْلِجِ وَخَيْرَ الْمَخْرَجِ، بِسْمِ اللّٰهِ وَلَجْنَا وَبِسْمِ اللّٰهِ خَرَجْنَا وَعَلَى اللّٰهِ رَبِّنَا تَوَكَّلْنَا

ترجمہ: اے اللہ! میں آپ سے گھر میں داخل ہونے اور گھر سے نکلنے کی خیر مانگتا ہوں (یعنی میرا گھر میں داخل ہونا اور نکلنا خیر کا ذریعہ ہو جائے) اللہ تعالیٰ ہی کے نام کے ساتھ ہم گھر میں داخل ہوئے اور اللہ تعالیٰ ہی کے نام کے ساتھ ہم گھر سے نکلے اور اللہ تعالیٰ ہی پر جو کہ ہمارے رب ہیں ہم نے بھروسہ کیا۔

اس کے بعد اپنے گھر والوں کو سلام کرے۔(۲)

---

(۱) اخرجه البزار من حديث أنس انس قال الإمام السيوطی، الدر المنثور: ۱/ ۱۵

(۲) ابو داؤد، باب ما يقول الرجل إذا دخل بيته: حدیث نمبر: ۵۰۹۶

حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ ارشاد فرماتے ہوئے سنا: جب آدمی اپنے گھر میں داخل ہوتا ہے اور داخل ہونے اور کھانے کے وقت اللہ تعالیٰ کا ذکر کرتا ہے تو شیطان (اپنے ساتھیوں سے) کہتا ہے کہ: یہاں تمہارے لئے نہ رات ٹھہرنے کی جگہ ہے، اور نہ رات کا کھانا ہے، اگر وہ داخل ہونے اور کھانے کے وقت اللہ تعالی کا ذکر نہیں کرتا تو شیطان (اپنے ساتھیوں سے) کہتا ہے کہ یہاں تمہارے لئے رات ٹھہرنے کی جگہ ہے اور کھانا بھی مل گیا ہے۔(۱)

اس حدیث سے بھی معلوم ہوا کہ شیطان اپنے لشکر کے ساتھ اس گھر میں رات گذارتا ہے جس کی وجہ سے پورا گھر شیطانی اثرات سے بھر جاتا ہے، آج کل عموماً گھروں میں بے برکتی اور شیطانی اثرات کی وجہ یہی ہوتی ہے کہ لوگ نبی کریم ﷺ کی مبارک نصیحتوں سے غافل ہیں، علماء نے لکھا ہے کہ اپنے گھر میں داخل ہونے اور یہ دعا پڑھنے کے بعد اپنے گھر والوں کو سلام کرنا چاہئے (جیسا کہ حدیث میں وضاحت کے ساتھ بتایا گیا ہے) لیکن اگر گھر میں کوئی موجود نہ ہو تب بھی بہ نیتِ ملائکہ سلام کر لینا چاہئے؛ کیوں کہ وہاں ملائکہ تو بہر صورت ہوتے ہی ہیں، اور اس صورت میں اس طرح سلام کرنا چاہئے۔

اَلسَّلَامُ عَلٰی عِبَادِ اللّٰہِ الصَّالِحِیْنَ (۲)

گھر سے نکلتے ہوئے یہ کہے:

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جب کوئی شخص اپنے گھر سے نکلتے وقت یہ دعا پڑھے:

بِسْمِ اللّٰہِ تَوَکَّلْتُ عَلَی اللّٰہِ، لَا حَوْلَ وَلَا قُوَّۃَ إِلَّا بِاللّٰہِ

ترجمہ: میں اللہ کا نام لے کر نکل رہا ہوں، اللہ ہی پر میرا بھروسہ ہے،

---

(۱) مسلم، باب آداب الطعام والشراب وأحکامھا، حدیث نمبر: ۲۰۱۸

(۲) مظاہر حق جدید: ۲/ ۶۱۳

کسی خیر کے حاصل کرنے یا کسی شر سے بچنے میں کامیابی اللہ تعالیٰ
ہی کے حکم سے ہوسکتی ہے۔

اس وقت کہا جاتا ہے (یعنی فرشتے کہتے ہیں) تمہارے کام بنا دیئے گئے اور تمہاری ہر شر سے حفاظت کی گئی، شیطان (ذلیل ہوکر) اس سے دور ہوجاتا ہے۔(۱)

دوسری روایت میں آتا ہے کہ (اس دعا کے پڑھنے کے بعد) اس سے کہا جاتا ہے: تمہیں راہِ راست دکھائی گئی، تمہارے کام بنا دیئے گئے اور تمہاری حفاظت کی گئی، چنانچہ شیطان اس سے دور جاتا ہے، دوسرا شیطان پہلے شیطان سے کہتا ہے تو اس شخص پر کیسے قابو پاسکتا ہے جسے رہنمائی مل گئی، جس کے کام بنا دیئے گئے اور جس کی حفاظت کی گئی؟(۲)

شیطان کے دفاع کے وظائف:

جنات کا مقابلہ ذکر، دعا، **أعوذ باللہ من الشیطان الرجیم** اور نماز کے ساتھ کیا جاسکتا ہے، اگر جنات کی وجہ سے کچھ لوگوں کو بیماری یا موت لاحق ہوجائے تو یہ خود اپنے آپ پر ظلم کرنے والے ہیں۔

سب سے بڑا عمل جس سے جنات کے خلاف مدد حاصل ہوتی ہے "آیۃ الکرسی" کا پڑھنا ہے، تجربہ کار حضرات نے اس کا بہت تجربہ کیا ہے، انسان سے شیاطین کو بھگانے کی آیۃ الکرسی میں بڑی عظیم تاثیر ہے اور مرگی والے کے لئے بھی اور جنات کے حالات کو باطل کرنے کے لئے بھی اور ان کی آفات سے بچنے کے لئے یہ آیۃ الکرسی میں بڑی عظیم تاثیر ہے۔

---

(۱) رواہ الترمذی، باب ما یقول إذا خرج من بیته حدیث نمبر: ۳۴۲۲، عمل اللیوم واللیلة ابن السنی، حدیث نمبر: ۸/۱/۷۰

(۲) رواہ الترمذی، باب ما یقول إذا خرج من بیته، حدیث نمبر: ۳۴۲۲، امام ترمذی نے اس روایت کو حسن غریب کہا ہے، ابوداؤد، حدیث نمبر: ۵۰۹۵

حضرت ابو ہریرہ ﷜ سے مروی ہے کہ کہ جناب رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

من قال: لَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهُ لَا شَرِيْكَ لَهُ، لَهُ الْمُلْكُ، وَلَهُ الْحَمْدُ، وَهُوَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ في يوم مائة مرة، كانت له عدل عشر رقاب، وكُتبت له مائة حسنةٍ ومحيت عنه مائة سيئةٍ، وكانت له حرزا من الشيطان يومه ذاك حتي يمسى" (۱)

ترجمہ: جو شخص روزانہ سو مرتبہ "لَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهُ لَا شَرِيْكَ لَهُ، لَهُ الْمُلْكُ، وَلَهُ الْحَمْدُ، وَهُوَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ" پڑھتا ہے اس کو دس غلاموں کو آزاد کرنے کا ثواب ملے گا، اور سو نیکیاں لکھی جائیں گی اور سو گناہ مٹائے جائیں گے اور یہ کلمہ اس کے لئے اس دن شام تک شیطان سے پناہ دے گا۔

شیطان کے سامنے ذکر اللہ کا قلعہ

حضرت حارث اشعری ﷜ سے روایت ہے جناب رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

اللّٰهُ تعالى أَمَرَ يَحْيَى بْنَ زَكَرِيَّا بِخَمْسِ كَلِمَاتٍ... الحديث: وفيه: وَآمُرُكُمْ أَنْ تَذْكُرُوْا اللّٰهَ، فَإِنَّ مَثَلَ ذٰلِكَ كَمَثَلِ رَجُلٍ خَرَجَ الْعَدُوُّ فِيْ إِثْرِهِ سِرَاعًا حَتّٰى أَتٰى عَلٰى حِصْنٍ حَصِيْنٍ فَأَحْرَزَ نَفْسَهُ مِنْهُمْ، كذلك الْعَبْدُ لَا يُحْرِزُ نَفْسَهُ مِنَ الشَّيْطَانِ إِلَّا بِذِكْرِ اللّٰهِ (۲)

---

(۱) صحیح البخاری، باب صفة ابلیس وجنوده، حدیث: ۳۲۹۳

(۲) سنن الترمذی، کتاب الادب، باب ما جاء فی مثل الصلاة والصیام، حدیث نمبر: ۳۸۲۳، امام ترمذی نے اس روایت کو حسن صحیح کہا ہے۔

ترجمہ: اللہ تعالیٰ نے حضرت یحیٰ بن زکریا علیہما السلام کو پانچ چیزوں کا حکم فرمایا... ان میں سے ایک یہ بھی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے تمہیں حکم دیا ہے کہ تم اس کا ذکر کرو؛ کیوں کہ اس کی اور اس شخص کی مثال جس کے پیچھے دشمن لگ گیا ایسی ہے جیسے وہ شخص ایک محفوظ قلعہ میں آیا اور اپنے آپ کو دشمن سے بچالیا، اسی طرح سے کوئی شخص اپنے آپ کو شیطان سے نہیں بچا سکتا؛ مگر اللہ تعالیٰ کے ذکر کے ساتھ۔

معوذتین کے ذریعے جنات اور انسانوں سے پناہ

حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ جنات اور انسانوں کی نظر بد سے پناہ مانگتے تھے یہاں تک کہ آخری دونوں سورتیں نازل ہوگئیں، تو آپ ﷺ نے ان دونوں کو پڑھنا شروع فرمایا اور باقی کو چھوڑ دیا۔(۱)

نماز کے ذریعے پناہ

مصنف آکام المرجان فرماتے ہیں شیطان سے پناہ لینے کے لئے وضو اور نماز بھی ایک عمل ہے؛ کیوں کہ حدیث شریف میں ہے:

"إِنَّ الْغَضَبَ مِنَ الشَّيْطَانِ، وَإِنَّ الشَّيْطَانَ خُلِقَ مِنَ النَّارِ، وَإِنَّمَا تُطْفَأُ النَّارُ بِالْمَاءِ، فَإِذَا غَضِبَ أَحَدُكُمْ فَلْيَتَوَضَّأْ"(۲)

ترجمہ: غصہ شیطان کی طرف سے ہے، اور شیطان آگ سے پیدا شدہ ہے اور آگ پانی سے بجھائی جاتی ہے، پس جب تم میں سے کسی کو غصہ آئے تو وہ وضو کرلیا کرے۔

---

(۱) مشکاۃ: حدیث نمبر: ۴۵۶۳

(۲) سنن ابی داود، باب مایقال عند الغضب، حدیث: ۴۷۸۴

شیطان کا تخت

ابوالاسمر عبدی بیان کرتے ہیں کہ ایک شخص رات کے دوران میں کوفہ کی جانب چلا تو تخت کی شکل کی کوئی شیء سامنے آگئی اور اس کے گرد کچھ جماعت بھی تھی جو اس کو گھیرے میں لے رہی تھی تو یہ شخص ٹھہر کران کو دیکھنے لگ گیا، ایک شخص آیا اور اس تخت پر بیٹھ گیا، اس نے ایک بات کی جس کو یہ آدمی سن رہا تھا کہ عروہ بن مغیرہ کیسے ہے؟ تو ایک شخص اس مجمع میں سے کھڑا ہوا اور کہا اس کو میں آپ کے سامنے پیش کروں گا، تو اس نے کہا: ابھی اور اسی وقت پیش کرو تو اس نے اپنا رخ مدینہ شریف کی طرف کیا اور تھوڑی دیر میں واپس آ گیا اور کہا میرا عروہ پر کوئی بس نہیں چلا، اس نے کہا کس وجہ سے؟ کہا: کیوں کہ وہ صبح وشام ایک کلام پڑھتا ہے؛ اس لئے اس پر ہاتھ نہیں ڈالا جا سکتا، پھر یہ مجمع بکھر گیا اور یہ آدمی اپنے گھر واپس آ گیا، جب حضرت عروہ بن مغیرہ سے ملاقات کی اور اس کلام کے متعلق سوال کیا کہ وہ صبح وشام کے وقت کیا پڑھتے ہیں، پھر اس نے ان کے سامنے وہ قصہ بھی سنایا:

تو انہوں فرمایا میں صبح اور شام کے وقت (تین مرتبہ) یہ پڑھتا ہوں:

آمَنْتُ بِاللّٰهِ وَحْدَهٗ وَكَفَرْتُ بِالْجِبْتِ وَالطَّاغُوْتِ وَاسْتَمْسَكْتُ بِالْعُرْوَةِ الْوُثْقٰى لَا انْفِصَامَ لَهَا وَاللّٰهُ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ (۱)

ترجمہ: میں اللہ واحد پر ایمان لایا اور بت کاہن جادوگر اور غیر اللہ کا انکار کرتا ہوں اور مضبوط رسی اسلام کو تھامتا ہوں جو ٹوٹنے والی نہیں اور اللہ تعالیٰ خوب سننے جاننے والے ہیں۔

❀❀❀❀❀

---

(۱) ابن ابی الدنیا فی الھواتف: ۱۵۴

مصادر ومراجع

احادیث:

☆ صحیح البخاری، الإمام الحافظ محمد بن اسماعیل البخاری، المطبعة السلفية، القاہرۃ۔

☆ صحیح مسلم، الإمام ابو الحسین مسلم بن الحجاج القشیری، دار احیاء التراث العربی، بیروت۔

☆ الجامع الصحیح للترمذی، ابو عیسی محمد بن عیسی بن سورۃ الترمذی، المکتبة الاسلامیه۔

☆ سنن ابی داؤد، سلیمان بن الاشعب السجستانی الأزدی، دار احیاء السنة النبویة، بیروت، لبنان۔

☆ سنن النسائی، ابو عبدالرحمن احمد بن شعیب النسائی، دار احیاء التراث العربی، بیورت۔

☆ سنن ابن ماجة، ابو عبد اللہ محمد بن یزد القزوینی، دار احیاء التراث العربی۔

☆ السنن الکبری للبیهقی، ابو بکر احمد بن الحسین بن علی البیهقی، الطبعة الأولی عام ۱۳۴۴ھ، مطبعة مجلس دائرۃ المعراف النظامیة بحیدر آباد

☆ المستدرك، محمد بن عبد الله المعروف بالحاكم طبعة: ۱۳۹۸، دار الفكر، بيروت
☆ مسند الإمام احمد بن حنبل، الإمام احمد بن حنبل، الطبعة الثانية: ۱۳۹۸، المكتب الاسلامى، بيروت۔
☆ مصنف ابن ابى شيبه، عبد الله بن محمد بن أبى شيبه ، الطبعة الأولى، ۱۴۰۰، سلسلة مطبوعات الدار السلفية
☆ عبد الرزاق بن همام الصنعانى، المصنف، عبد الرزاق بن همام الصنعانى، الطبعة الأولى: ۱۳۹۱، المكتب الاسلامى، بيروت۔

فقہ

☆ الأشباه والنظائر، ابن نجيم المصرى، دار الفكر، دمشق
☆ الاختيار لتعليل المختار، عبد الله بن محمود الموصلى الطبعة الثالثة عام ۱۳۹۵، دار المعرفة بيروت۔
☆ الأشباه والنظائر، الإمام جلال الدين السيوطى، دار الباز للنشر والتوزيع
☆ الاشباه والنظائر، زين العابدين بن ابراهيم بن نجيم ، طبعة عام ۱۴۰۰، دار ومكتبة الهلال، بيروت، لبنان
☆ بدائع الصنائع فى ترتيب الشرائع، علاء الدين ابى بكر بن مسعود الكاسانى، زكريا على يوسف، مطبعة الإمام، القلعة بمصر
☆ البهجة شرح التحفة، ابو الحسن على بن عبد السلام التسولى، الطبعة الثالثة، عام ۱۳۹۷ھ-۱۹۷۷م، دار المعرفة للطباعة والنشر
☆ تبيين الحقائق شرح كنز الدقائق، عثمان بن على الزيلعى، الطبعة الثانية، دار المعرفة، بيروت
☆ التحقيق الباهر على الأشباه والنظائر، العلامة هبة الله البعلى،

مخطوط المركزية لجامعة الإمام محمدبن سعود، رقم ۶۵۔

☆ حاشية رد المحتار، محمد امين الشهير بابن عابدين، الطبعة الثانية عام۱۳۸۶ھ-۱۹۲۶ء، مطبعة مصطفى البانى الحلبى بمصر۔

☆ الدر المختار شرح تنوير الابصار، محمد علاء الدين الحصكفى، الطبعة الثانية ، عام ۱۳۸۶ھ-۱۹۶۶ء، نشر مصطفى البابى الحلبى، مطبوع مع حاشية ابن عابدين فى أعلى الصفحات۔

☆ فتح القدير، كمال الدين ابن الهمام، دار احياء التراث العربى، بيروت، لبنان

☆ شرح المجلة، سليم رستم باز اللبانى، الطبعة الثالثة ، دار احياء التراث العربى، بيروت، لبنان۔

☆ العناية شرح الهدايه، محمد بن محمود البابرتى، دار احياء التراث العربى، بيروت۔

☆ ابو الليث علاء الدين السمرقندى، عيون المسائل: ابو الليث علاء الدين السمرقندى،، الطبعة الأولى۔

☆ الفتاوى الخانية، قاضى خان، ادار احياء التراث العربى، بيروت

☆ الفتاوى الكبير، ابن تيميه، ادر المعرفة للطباعة و النشر،

☆ الفتاوى الهندية فى مذهب الإمام أبى حنيفة ، الشيخ نظام وجماعة من علماء الهند الأعلام، دار إحياء التراث العربى، بيروت

☆ فتح البارى بشرح صحيح البخارى، احمد بن على بن حجر العسقلانى، المطبعة السلفية و مكتبها۔

☆ الكفاية شرح الهداية، جلال الدين الخوارزمى، ادار احياء التراث العربى۔

☆ المبسوط، شمس الدين السرخسی، طبعة عام ۱۴۰۶، دار المعرفة، بيروت
☆ مجمع الضمانات، ابو محمد بن غانم البغدادی، الطبعة الأولی، ۱۳۰۸ھ
☆ المجموع شرح المهذب، الإمام النووی، ادار الفكر، بيروت
☆ المحلی، ابن حزم، مكتبة الجمهورية العربية، مصر
☆ ابو ابراہیم اسماعيل بن يحی المزنی، ابو ابراہیم اسماعيل بن يحی مختصر المزنی، دار المعرفة للطباعة والنشر، بيروت
☆ مسائل السماسرة للإيبانی، ابو العباس الإيبانی التونسی، مطبعة العانی، بغداد
☆ مطالب أولی النهی، فی شرح غاية المنتهی، العلامة الشيخ مصطفی السيوطی الرحيبانی، الطبعة الأولی ۱۳۸۰، من منشورات المكتب الإسلامی۔
☆ المعيار، احمد بن يحی الونشريسی، دار الغرب الإسلامی بيروت
☆ المغنی، عبدالله بن احمد بن قدامة، مكتبة الرياض الحديثة بالرياض
☆ عناية الاسلام بتخطيط المدن وعمارتها، محمد السيد وكيل، دار الانصار، القاهرة (۱)

(۱) یہ کتاب اسلامی طرز تعمیر، شہر منصوبہ بندی، جس میں مسجد کو مرکزی حیثیت حاصل تھی، اس کے علاوہ سڑکوں کی وسعت کا اہتمام، بازار اور اس کے علاوہ گھروں کی تعمیر میں بے جا اسراف اور نہایت منصوبہ بند انداز میں شہر کی نو آبادیاتی کا انتظام ہوتا تھا، جس کے لئے، شہری منصوبہ بندی سے متعلق مضمون کا مطالعہ کیا جائے۔ اس ٹاون پلاننگ کے متعلق دیگر کتابوں میں "تخطيط المدن وتاريخه، محمد حماد، تاريخ تخطيط المدن، محمد احمد عبد الله، المفهوم الاسلامی لتخطيط المدينة، أثر البعد البيئی علی تخطيط المدن والعمارة الإسلامية، العمارة والزخرفة، حنّان قرقونی، المدينة الإسلامية، محمد عبد الستار، العالم المعارف، العمراة، الأصالة والمعاصرة، تخطيط المدن -اسلوب ومراحل، نماذج من المدن الإسلامية، المدينة العربة الإسلامية، صالح بن علی" وغیرہ کتابیں اس موضوع پر انٹر نیٹ پر دستیاب ہیں، شائقین استفادہ کر سکتے ہیں۔

☆ فقه البیوع علی المذاہب الأربعة، مفتی تقی العثمانی، دار المعارف دیوبند(۱)

☆ الوساطة التجارية فی المعلامات المالية ،عبد الرحمن بن صالح الأخرم، دار اشبیلیا، مرکز الدراسات الدراسات والإعلام(۲)

☆ الفتاوی التاتارخانیه، ابن الاعلاء اندر بتی زکریاد بک دفو، دیوبند

☆ علامه برہان الدین المرغینانی، ہدایة شرح بدایة المبتدی، علامه برہان الدین المرغینانی، مکتبة بلال دیوبند

☆ الموسوعة الفقهیه، وزراة الاوقاف کویت۔

☆ شرح مجلة الأحکام، علی حیدر، دار الکتب العلمیة، بیروت

☆ استیفاء الدیون فی الفقه الاسلامی، مزید بن ابراہیم بن صالح المزید، دار ابن حزم، بیروت

---

(۱) یہ کتاب موجودہ اور عصر حاصر ہم آہنگ خرید وفروخت کے عمومی مسائل کو بیان کرتی ہے، جو بہت سارے جگہوں میں مدرسوں میں داخل نصاب ہے، یہ عربی زبان میں نہایت جامع اور عصر حاضر سے ہم آہنگ ،عصری حاضر کے خرید وفروخت کے متعلق درپیش مسائل کو احاطہ کرنے والی کتاب ہے۔

(۲) یہ کتاب دلالی سے متعلق احکامات کو واضح طور پر بیان کرتی ہے، اس میں ہر قسم کے چھوٹے بڑے پیش آمدہ اور موجودہ دور کے دلالی سے متعلق احکام کو بالتفصیل بیان کیا گیا ہے، اس سے ہم نے خوب استفادہ کیا ہے ، ابھی ہمارے پیش نگاہ اسی طرح کی دیگر کتابیں جن میں ، **الحوافز التجارية** (پرکشش انعامات) ، **القرعة** (ڈرا کوپن) **المسابقات التجارية، احكام الجمع بين الأجرة والعملة، احكام السمسرة فی الاسلام، أحكام المسابقات التجارية، احكام المسابقات فی الفقه الاسلامی، أحكام أوامر (المنح السكنية) فی العقود، االأحكام بأحكام البنيان، أعلانات التجارية** (تشہیر کے احکام) پیش نظر رہے ہیں۔

☆ نوازل العقار، د، احمدبن عبدالعزیز العمیرة، الریاض(۱)

التاریخ والاخلاق:

☆ درردالعقود الفرید،احمد بن علی المقریزی، وزارة الثقافة ، دمشق:۱۹۹۵م

☆ حلیة الأولیاء، دار الکتاب العربی،ابو نعیم بن احمد بن عبد اللہ، بیروت،۱۹۸۷م

☆ تاریخ دمشق،ابن عساکر علی بن الحسن الشافعی، دار الفکر، بیروت،۱۹۹۵م

☆ الھفوات النادرة،محمدبن ہلال الصابی،مجمع اللغة دمشق،۱۹۹۷م

☆ نشوار المحاضرة،علی المحسن بن علی، تحقیق عبود الشالحی،۱۹۷۷م

☆ المستطرف فی کل فن مستطرف،شہاب الدین محمد، دار القلم، ۱۹۸۱م

☆ المتغیثون باللہ تعالی،خلف بن عبد اللملک بن بشکوانی، دار الکتب العلمیة،۱۹۸۵م

☆ البدایة والنھایة، ابن کثیر اسماعیل بن عمر،مکتبة المعارف بیروت،۱۹۸۵م

☆ بلاغات النساء،ابن طیفور احمدبن ابی طاہر، دار المعرفة

(۱) یہ کتاب زمینات سے متعلق جدید مسائل کونہایت علمی انداز میں ائمہ اربعہ کے مسالک اوران کے دلائل کو بیان کرتے ہوئے،قول راجح بیان کرتی ہے،تقریبا اس کتاب کا ترجمہ بھی نہایت تلخیص وتہذیب اور تسہیل کے ساتھ شامل کتاب کیا گیا ہے،اسی طرح اس کتاب میں بعض مسائل زمینوں کی زکاۃ سے متعلق ہیں،اس عنوان پر اس کتاب کے علاوہ ہم نے ،فتوی جامعة فی زکاة العقار، بکر بن عبداللہ ابو زید، ندوة زکاة الأرض والمساہمات العقاریة المتأثرة (توصیات الندوة) الزکاة ووجوبھا فی أجر العقار، المساہمات العقاریة فی الزکاة۔

☆ البیان المغرب، ابن عذاری، المرکشی، دار الثفاۃ، بیوروت، ۱۹۸۰م
☆ جنۃ الراض، محمد بن عاصم الغرناطی، دار البشیر، بیروت۔
☆ الرسالۃ القشیریۃ، عبد الکریم بن ہوازن القشیری، منشورات اجمل، ۱۹۹۷م
☆ محاضرۃ الأبرار، محی الدین غربی، دار صادر
☆ محاضرات الأدباء، حسین بن محمد الراغب الاصفہانی، دار مکتبۃ الحیاۃ
☆ الجلیس الصالح واالأنیس الناصح، سبط ابن الجوزی، دار ریاض، ۱۹۸۹م
☆ موسوعۃ رسائل ابن ابی الدنیا، ابن ابی الدنیا، مؤسسۃ الکتب الثقافیۃ
☆ المنہج المسلوک: ۳۶۲، عبد الرحمن بن محمد، دار صادر بیروت
☆ بلاغات النساء: ۹۰، تاریخ دمشق: ۲۸۱/۷۰، ابی طیفور احمد بن ابی طاہر، دار الحداثۃ، بیروت
☆ المکأفاۃ وحسن العقبی: ۷۷، أحمد یوسف الکاتب، دار الکتب العلمیۃ، بیروت
☆ عیون الأخبار، عبد اللہ بن مسلم بن قتیبۃ، دا رالکتب العلمیۃ، ۱۹۲۵ھ
☆ المنہج الأحمد، طبقات الحنابلۃ، ابو الحسن محمد بن ابی یعلی، دار المعرفۃ، بیروت
☆ المخلاۃ، بہاء الدین محمد العاملی، عالم الکتب، ۱۹۸۸م
☆ المستطرف فی کل فن مستظرف، شہاب الدین محمد، دار الفکر، بیروت، ۱۹۷۳م

☆ المجالسة وجواہر العلم، احمد بن الحسن المسعودی، دار الفکر، بیروت، ۱۹۷۳

☆ البدایة والنہایة، ابن کثیر اسماعیل بن عمر، مکتبة المعارف بیروت، ۱۹۸۵م

☆ نزہة المجالس، عبدالرحمن الصفوری، موسسة دار العلوم

☆ البیان المغرب، ابن عذاري المرکشی، دار الثفافة بیروت

☆ جنة الرضا، محمد بن عاصم الغرناطی، دار البشیر، بیروت، ۱۹۸۹م

☆ مختصر رونق المجالس عثمان بن یحی المیری، دار الایمان، ۱۹۹۹ھ

☆ الجلیس الصالح، سبط ابن الجوزی، دار ریاض، ۱۹۸۹ھ،

☆ تاریخ الطبری، محمد بن جریر طبری، دار الثرات، بیروت، ۱۹۹۷ھ

☆ دیوان علی الشوقی ، تحقیق ابراہیم الوائلی ، وزارة الثقافة والاعلام، ۱۹۸۶

اردو کتابیں:

☆ معارف الحدیث، مولانا منظور نعمانی، دار العلوم کراچی۔

☆ شرکت ومضاربت عصر حاضر میں، مولانا محمد عمران اشرف عثمانی، مکتبۂ معارف القرآن کراچی

☆ فتاوی عثمانی، کتاب البیوع، مفتی تقی عثمانی، مکتبۂ معارف القرآن، کراچی، کتب خانہ نعیمیہ، دیوبند

☆ احسن الفتاوی، مفتی رشید احمد صاحب لدھیانوی، زکریا دیوبند۔

☆ جواہر الفقہ ، جدید، مفتی محمد شفیع صاحب عثانی، سلمان عثمان اینڈ کمپنی ، دیوبند، مکتبہ دار العلوم کراچی۔

☆ امداد الاحکام، حضرت مولانا ظفر احمد صاحب عثانی، مکتبۂ دار العلوم کراچی

☆ امداد الفتاوی، حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانوی، مکتبہ دار العلوم کراچی
☆ فتاوی بینات، مکتبۃ بینات، کراچی
☆ فتاوی دار العلوم، مفتی عزیز الرحمن صاحب عثمانی، دار الاشاعت، کراچی
☆ فتاوی رحیمیہ، مفتی عبد الرحیم لاجپوری، دار الاشاعت کراچی۔
☆ کفایت المفتی، مفتی محمد کفایت اللہ صاحب دہلوی، دار الاشاعت کراچی
☆ منتخب نظام الفتاوی، مفتی نظام الدین صاحب، مکتبہ رحمانیہ، اردو بازار، لاہور۔
☆ فتاوی قاسمیہ، حضرت مولانا مفتی شبیر احمد صاحب قاسمی، اشرفی بک ڈپو، دیوبند۔
☆ کتاب النوازل، حضرت مولانا مفتی سید سلمان صاحب منصور پوری، فیصل انٹر نیشنل، دیوبند
☆ کتاب الفتاوی، مولانا خالد سیف اللہ رحمانی، کتب خانہ نعیمیہ، دیوبند۔
☆ فتاوی دار العلوم زکریا، حضرت مفتی رضاء الحق صاحب، المکتبۃ الاشرفیہ، دیوبند
☆ جنات وشیاطین سے حفاظت کے شرعی طریقے (مستند حوالہ جات کے ساتھ) مولانا محمد عمر فاروق مدظلہ، دین ودنیا پبلیشرز
☆ اسلام اور جدید معاشی مسائل، مفتی تقی عثمانی صاحب دامت برکاتہم دارہ اسلامیات، لاہور
☆ عقد استصناع سے متعلق بعض مسائل، ایفا پبلیکیشنز۔
☆ فقہی مقالات، مفتی تقی عثمانی، صاحب، زم زم بک ڈپو، دیوبند
☆ فتاوی قاسمیہ، مفتی شبیر احمد صاحب قاسمی، فرید بکڈ پو
☆ فتاوی محمودیہ، مفتی محمود الحسن گنگوہی، ادارۃ الصدیق، ڈابھیل۔
☆ فقہ اکیڈمی جدہ کے شرعی فیصلے، ایفاء پبلی کیشنز
☆ فقہی اجتماعات کے اہم فقہی فیصلے، ادارۃ المباحث الفقہیہ، جمیعۃ علماء ہند
☆ فتاوی دار العلوم زکریا، مفتی محمد رضاء الحق صاحب

☆ شرکت ومضاربت عصر حاضر میں :،مولانا محمد عمران اشرف عثمانی،مکتبۃ معارف القرآن کراچی

☆ اسلامی قانونِ خرید وفروخت، مفتی تقی عثمانی، جامعہ علوم القرآن، جمبوسر

☆ ندائے منبر ومحراب،،مولانا محمد اسلم شیخوپوری، دار الکتاب، دیوبند

☆ مظلوم کی آہ، دعوۃ المظلوم، عبد الرحمن یوسف، مکتبۃ بیت العلم (۱)

☆ جدید فقہی مسائل، مولانا خالد سیف اللہ رحمانی، کتب خانہ نعیمیہ دیوبند

☆ قاموس الفقہ، مولانا خالد سیف اللہ رحمانی، کتب خانہ نعیمیہ دیوبند

☆ فقہ اکیڈمی جدہ کے فیصلے، ایفاء پلشرز

☆ فقہ اکیڈمی مکہ کے مسائل، ایفاء پبلیشرز

☆ جدید فقہی مباحث، قاضی مجاہد الاسلام قاسمی، ادارۃ القرآن دار العلوم کراجی

☆ مالی معاملات پرغرر کے اثرات، ڈاکٹر مولانا اعجاز احمد عثمانی، دارۃ المعارف کراچی

☆ جدید معاشی نظام میں اسلامی قانون اجارہ، دارۃ المعارف کراچی۔

☆ زمین کی خرید وفروخت سے متعلق چند مسائل، اسلامک فقہ اکیڈمی انڈیا

☆ مکانات کی خرید وفروخت سے متعلق چند مسائل، اسلامک فقہ اکیڈمی، انڈیا

☆ چند اہم عصری مسائل، مفتی زین الاسلام قاسمی الہ آبادی، مکتبہ دار العلوم دیوبند

☆ درسی وتعلیمی اہم مسائل جن میں ابتلاء عام ہے، مفتی محمد جعفر ملی رحمانی، دار الافتاء جامعۃ اسلامیہ اشاعت العلوم اکل کواں، مہاراشٹر، انڈیا۔(۲)

---

(۱) یہ کتاب ظلم اور ظالم کی مذمت اور دنیا میں ظلم کے انجام کار کو واقعات اور حکایات کی روشنی میں بیان کرتی ہے، اس کتاب سے بھی ہم نے مظلومین کے واقعات کو مختلف واقعات کی شکل میں بطور وعبرت کے پیش کیا ہے۔

(۲) یہ درسی وتعلیمی مسائل جن میں ابتلاء عام ہے، یہ مفتی جعفر صاحب ملی مفتی دار الافتاء اشاعت العلوم اکل کواں کے استاذ فقہ ہیں، یہ ان کے مسائل اور اصول کی روشنی میں بیان کردہ مسائل ہیں، جس میں تقریبا جدید مسائل کا نہایت عرق ریزی کے ساتھ جمع کیا ہے۔

☆ ٹوکن دے کر زمین کی خرید وفروخت، مفتی محمد جعفر ملی رحمانی، ، جامع اسلامیہ اشاعت العلوم اکل کوا

☆ فقہی، فکری واصلاحی مقالات ومضامین، مفتی جعفر ملی، جامع اسلامیہ اشاعت العلوم، اکل کوا، نندر بار، مہاراشٹر۔

☆ قبضہ کی حقیقت اور انٹرنیٹ کے ذریعہ عقود کی بعض مروجہ صورتیں، ناشر: ادار المباحث الفقہیہ، جمعیۃ علماء ہند.

☆ اللہ کی بے آواز لاٹھی، الشیخ محمد بن صالح القطحانی، ترجمہ مولانا خلیق الرحمن قدر صاحب، کراچی۔

☆ جامع الفتاوی، حضرت مولانا مفتی مہربان علی صاحب رحمہ اللہ، ادارہ تالیفات اشرفیہ۔

☆ خرید وفروخت اور معاملہ داری کے احکام، مفتی احمد عبدالحسیب تنویر قاسمی، صالحین ایجوکیشنل اینڈ ویلفر سوسائٹی حیدر آباد

☆ سہ ماہی بحث ونظر، فقہی تحقیقات: مکان کے لئے سودی قرض، مولانا خالد سیف اللہ رحمانی دامت برکاتہم

☆ بلند وبالا عمارتیں، قیامت کی علامتیں: مفتی ناصر الدین مظاہری، المعہد العالی ناکلسیہ روڈ سہارنپور

☆ مظلوم کی آہ، اردو ترجمہ: دعوۃ المظلوم، عبد الرحمن یوسف الفرحان، مکتبۃ بیت العلم، کراچی۔

☆ فقہی وفکری واصطلاحی مقالات ومضامین، مفتی جعفر ملی، ۳۸۵، جامعہ اسلامیہ اشاعت العلوم، اکل کنواں نندر بار، مہاراشٹر

☆ اجارہ اور اس کی جدید صورتوں کے احکام، مرتب مفتی زید احمد آبادی، متعلم تدریب الافتاء، جامعہ جمبوسر، جامعۃ علوم القرآن، جمبوسر

☆ تاریخ وجنات وشیاطین، لقط المرجان فی أحکام الجان، ترجمہ مولانا امداد اللہ انور،

دارالمعارف،ملتان۔

☆ اجارہ اور اس کی جدید صورتوں کے احکام، مفتی زید احمد آباد، متعلم تدریب الافتاء، جامعہ علوم القرآن جمبوسر، گجرات۔

☆ قرض سے احتیاط کیجئے، حضرت مولانا اعجاز احمد صاحب گوپا گنجی، مکتبۃ البلاغ، دیو بند سہارنپور

☆ جدید معاشی نظام میں اسلامی قانونِ اجارہ، ڈاکٹر مولانا محمد زبیر اشرف عثمانی (پی ایچ ڈی)، ادارۃ المعارف کراچی۔(۱)

☆ مشاہیر مسلم سائنس داں اور سائنس وصنعت میں مسلمانوں کا عروج وزوال، پروفیسر محسن عثمانی ندوی۔(۲)

---

(۱) اجارہ، کرایہ داری کے احکام سے متعلق یہ کتاب ہے، جس کے احکام تمام فقہی کتابوں میں مبسوط شکل میں موجود ہیں، مصنف اس کتاب میں اجارۃ الأشیاء، اجارۃ الاشخاص کے مسائل واحکام کونہایت شرح وبسط کے ساتھ بیان کیا ہے، ہر موضوع سے متعلق جدید مسائل کومفصل انداز میں بیان کیا ہے، اس طرح اسلامی بینکنگ میں اس کا استعمال اوراس سے متعلق عصر حاضر کے مسائل پر مفصل جائزہ اس کتاب میں لیا گیا ہے۔

(۲) اس کتاب سے ہندوستان میں مسلمانوں کی فن تعمیر میں خدمات اور کارناموں کے حوالے سے تفصیلات ذکر کی گئی ہیں، مزید اس حوالے سے پروفیسر محسن عثمانی ندوی کی کتاب ’’مشاہیر علوم اسلامیہ اورمفکرین ومصلحین، دوسو شخصیات اوران کے علمی اور دینی کارناموں کا تذکرہ، اور دار المصنفین کی ان کتابوں: ہندوستان کے مسلمان حکمرانوں کے عہد کے تمدنی جلوے، مرتبہ سید صباح الدین عبدالرحمن، دارالمصنفین اعظم گڑھ، جوسلاطین دہلی اورشاہان مغلیہ کے عہد کے دربار، محلات، حرم، لباس، پارچہ بافی، زیورات وغیرہ کی تصیلات کو بیان کرتی ہے، اسی طرح ’’گجرات کی تمدنی تاریخ، مسلمانوں کے عہد میں)، مرتبہ مولانا سید ابوظفر ندوی مرحوم، اس کتاب میں بڑا تلاش وجستجو سے گجرات کی تمدنی تاریخ اورشاہان گجرات کے آثار ومشاہد کے محققانہ حالات بیان کئے گئے ہیں، اس کے علاوہ اور ایک کتاب ’’ہندوستان کے مسلمان حکمرانوں کے عہد کے تمدنی کارنامے، اس کتاب میں سلاطین دہلی اورشاہان مغلیہ کے عہد کے فن تعمیر اور رفاہ عام کے کام، شہروں، گاؤں کی آبادی، باغات وغیرہ کا تذکرہ موجود ہے۔